QURAN—CLASSIFIED

تبویب القرآن

جلد اوّل

ا ـــــــ ت

صفحہ ۱ ـــ تا ـــ صفحہ ۵۴۰

پرویز

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵ بی گلبرگ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	تبویب القرآن
مصنف	پرویزؔ
ایڈیشن اوّل	۱۹۷۷ء
ایڈیشن چہارم	اکتوبر ۲۰۰۲ء
ناشر	طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
	۲۵۔ بی، گلبرگ ۲، لاہور ۵۴۶۶۰
	Email trust@toluislam.com : Web www.toluislam.com
طابع	طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مطبع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز۔لاہور

No part of this book may be reproduced by any mechanical, photographic or electronic process, or in the form of a phonographic recording, nor may it be stored in a retrieval system, transmitted or otherwise copied for public and private use without written permission except in the case of brief quotations embodied in critical articles and reviews.

ISBN 969 - 8164 - 10 - 3

We express our gratitude to **Mr. Tauqir Malik (International Institute of Quranic Thought)** of Leeds who has graciously borne the expenditure of this edition.

(Tolu-e-Islam Trust®)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مراحلِ طلب وتجسّس

عشق شور انگیز را ہر جادہ در کوئے تو برد
بر تلاشِ خود چہ می نازد، کہ رہ سوئے تو برد

وابستگانِ فکرِ قرآنی کی خدمت میں !

میری قرآنی فکر کے راستے کے متعدد سنگ ہائے میل سے آگے بڑھ کر آپ اس مقام پر پہنچ رہے ہیں جس کا برسوں سے انتظار تھا۔ لیکن اسے سامنے لانے سے پہلے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کو ان مراحل کی بھی ایک جھلک دکھا دوں جن میں سے گزر کر میں اس محلِ لیلیٰ تک پہنچا ہوں۔ میں نے، اگرچہ، ان کا جستہ جستہ تذکرہ اس سے پہلے بھی ایک دوبار کیا ہے، لیکن زیرِ نظر تالیف چونکہ میری مدت العمر کی کاوشوں کا ماحصل ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ماہیت اور اہمیت کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لئے، اس داستان کے اجزائے پریشان کو مربوط شکل میں پیشِ نظر رکھنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

میری پیدائش[1] ایسے ماحول میں ہوئی جس کی فضا شریعت اور طریقت، دونوں کی قدامت پرستی سے معمور تھی۔ میرے دادا، (چوہدری، مولوی، حکیم) رحیم بخش (علیہ الرحمتہ) حنفی مسلک کے ایک جید عالم، چشتیہ، نظامیہ خانوادہ طریقت کے ممتاز اہلِ نظر اور اس کے ساتھ ایک حاذق طبیب بھی تھے۔ لیکن انہوں نے ان میں سے کسی کو بھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ وہ اصلاح وخدمتِ خلق کا معاوضہ لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ چونکہ وہ مجھے اپنے علم اور سلوک کا وارث بنانا چاہتے تھے اسلئے

---

[1] میری پیدائش ۹ جولائی ۱۹۰۳ء کو، ضلع گورداسپور کے مشہور قصبہ بٹالہ میں ہوئی (جو اب مشرقی پنجاب کا حصہ بن چکا ہے)۔ یہ قصبہ شدید مذہبی واقع ہوا تھا۔

انہی کے حسنِ آغوش میں میری تربیت، اور انہی کے زیرِ نظر میری تعلیم ہوئی۔ فطرت کی کرم گستری سے میں نے ذہنِ رسا پایا تھا اس لئے چھوٹی سی عمر ہی میں علومِ شریعت کے مبادیات حاصل' اور جادۂ سلوک کی منازل طے کر لیں۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ فطرت، پھول کے ساتھ کانٹے بھی لگا رکھتی ہے، مبدأ فیض نے جہاں مجھے اس قسم کی صلاحیتوں سے نوازا اور ایسے نادر اسباب سے متمتع ہونے کے مواقع فراہم کئے، میرے سینے میں تنقیدی کھٹک کا کانٹا بھی رکھ دیا جس کی وجہ سے میرا دل کسی بات کو، اپنا اطمینان کئے بغیر (آنکھیں بند کر کے) ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ میرے خارجی ماحول اور داخلی تقاضوں میں غیر محسوس طور پر کشمکش شروع ہو گئی۔ جو کچھ علومِ شریعت کے نام سے پڑھایا جاتا تھا اس کے برحق ہونے کی سند یہ تھی کہ فلاں امام نے یوں فرمایا ہے اور فلاں کتاب میں یوں آیا ہے۔ یہ اسلاف کا مسلک ہے جس کا اتباع بلاچون وچرا کئے جانا چاہیئے۔ یہی تقاضائے دین ہے۔ مسلکِ طریقت اس سے بھی زیادہ آگے جاتا تھا اور کہتا تھا کہ۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

اور میرا قلب متجسس ہر دعوے کے لئے دلیل کا متقاضی تھا۔ یہ تھی وہ کشمکش جس کی آتشِ خاموش میرے سینے میں سلگ رہی تھی لیکن جسے میں زبان تک نہیں لا سکتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ دادا جان (مرحوم)، کا میرے دل میں بے حد احترام تھا۔ انہیں ان نظریات و معتقدات سے جس قدر گہری عقیدت تھی اور' دوسری طرف، وہ میرے ساتھ جس قدر بلند توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے، مجھے رہ رہ کر خیال آتا کہ اگر انہیں میری اس کشمکش کا (علم تو ایک طرف) احساس بھی ہو گیا تو معلوم اس سے ان کے مقدس جذبات کو کس قدر شدید ٹھیس لگے۔ اس لئے اُس زمانے میں' میں نے بڑے ضبط سے کام لیا اور انتہائی احتیاط برتی کہ لب کشائی تو ایک طرف، میری پیشانی کے شکن بھی کہیں اس کشمکش کے غماز نہ بن جائیں۔ اس کے بعد میں بسلسلۂ ملازمت لاہور آ گیا تو سابقہ گھٹن کسی حد تک دور ہو گئی اور پھر جب دادا جان (مرحوم) کی وفات ہو گئی (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے) تو مجھے پوری آزادی سے غور و فکر کا موقعہ مل گیا۔ میں نے مروجہ اسلام کے نظریات، تصورات، معتقدات، رسوم و مناسک پر امکان بھر تحقیق کی جس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ ان کا بیشتر حصہ ہم نے دوسروں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ میں نے کئی برس تحقیق و کاوش کی ان سنگلاخ زمینوں اور خار دار وادیوں میں گزارے، اور اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کوئی باک نہیں کہ اس صحرا نوردی اور دشت پیمائی میں میرے شکوک و شبہات بڑھتے چلے گئے اور سابقہ معتقدات و تصورات پر میرا یقین باقی نہ رہا۔ انہیں تو میں نے آسانی

سے جھٹک دیا تھا لیکن' اس دستبرد میں ایک چیز ایسی تھی جس کی طرف، اس قسم کے شبہات ساتھ لے کر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا تھا' اور وہ تھا قرآن کریم۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس قدامت پرستانہ انداز سے میں نے قرآن مجید پڑھا اور سمجھا تھا، اس کی رو سے (بہ صد ہزار بار توبہ) اسے خدا کی کتاب سمجھنا تو درکنار، کسی اچھے مصنف کی تصنیف تسلیم کرنا بھی دشوار تھا۔ لیکن، بایں ہمہ، میں اسے، دیگر معتقدات کی طرح، یونہی جھٹک نہیں دینا چاہتا تھا۔ اور اس کی خاص وجہ تھی۔ سیرتِ نبویؐ کے وسیع و عمیق مطالعہ کے بعد، حضورؐ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مجھے' علیٰ وجہ البصیرت والہانہ عقیدت حاصل ہو گئی تھی۔ میرا ایمان تھا کہ ایسی عظیم ہستی جس نے عالمِ انسانیت میں ایسا تحیّر انگیز اور عدیم النظیر انقلاب برپا کر دیا تھا، نہ تو (معاذ اللہ) فریب خوردہ ہو سکتی ہے، اور نہ ہی (پناہ بخدا) فریب کار۔ اس لئے جب اس ذاتِ گرامیؐ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید نہ میری اور نہ کسی اور انسان کی فکری تخلیق ہے، یہ خدا کا کلام ہے، تو مجھے توقف کرنا چاہیئے تاآنکہ اس کے صحیح طور پر سمجھنے کا طریق معلوم ہو جائے — اور مبدأ فیض کی کرم گستری سے یہ طریق جلد ہی سامنے آ گیا۔ اس طریق کے متعلق، فیضانِ اقبالؒ سے تین بنیادی نکات سمجھ میں آئے۔

(۱) قرآنِ کریم اپنے آپ کو نور (روشنی) کہتا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی خارجی ذریعہ کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو خود دکھاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام اشیاء کی اصل و حقیقت کو بھی واضح کر دیتی ہے۔

(۲) یہ عربی زبان میں نازل شدہ کتاب ہے اس لئے اسے صحیح طور پر سمجھنے کے لئے "محاورۂ عرب" کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور

(۳) اس نے کہا ہے کہ وہ "تصریفِ آیات" سے اپنے مطالب واضح کرتا ہے۔

"محاورۂ عرب" سے مراد یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ قرآنِ کریم میں جو الفاظ آتے ہیں، زمانۂ نزولِ قرآن میں عرب ان کا کیا مفہوم سمجھتے تھے۔ اس باب میں علامہ اقبالؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

> ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اٹھ گیا ہے اور قرآن کی تفسیر میں محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت اور توکّل کے وہ معنی لئے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں۔ میں ایک صوفی مفسرِ قرآن کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ لکھتے ہیں۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ (۷/۵۴) میں ایام سے مراد تنزلات ہیں۔ یعنی فِیْ سِتَّةِ تنزلات ..... کم بخت کو یہ معلوم نہیں کہ عربی زبان

میں "یوم" کا یہ مفہوم قطعاً نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق بالتنزلات کا مفہوم ہی عربوں کے مذاق اور فطرت کے خلاف ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیئے۔ (اقبال نامہ۔ جلد اول ص۱۷۰۔۱۷۱)

مصر کے شہرۂ آفاق عالم اور قرآن کریم کے ممتاز مفسّر، مفتی محمد عبدہٗ نے اس اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی ہے:-

اس سلسلہ میں پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن میں استعمال ہونے والے مفرد الفاظ کے حقیقی معنی سمجھے۔ یعنی یہ معلوم کرے کہ ان الفاظ کو اہلِ عرب کیونکر استعمال کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی دوسرے کے قول و فہم پر بھروسہ نہ کرے، نہ اس پر اکتفا کرے۔ اس لئے کہ بہت سے الفاظ زمانۂ نزولِ قرآن میں کسی خاص مطلب و معنی کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ بعد میں، تھوڑا یا زیادہ عرصہ گزرنے پر، ان کے دوسرے معنی کئے جانے لگے۔ مثلاً لفظ "تاویل" ہے۔ جو "تفسیر" کے معنوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں آیا ہے یعنی "انجام کار" "عاقبت"۔ "قرآن کے وعدہ وعید کا نتیجہ ظاہر ہونا۔ اس ضمن میں قرآنِ کریم میں غور و فکر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مِلّت میں بعد میں پیدا ہونے والی اصطلاحات کی تحقیق کرے، اور پھر ان میں اور قرآن میں آنے والے الفاظ میں فرق کرے۔ اکثر مفسّرین قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ اُن اصطلاحات کی رُو سے کرتے ہیں جو پہلی تین صدیوں میں ملت میں رائج ہو چکی تھیں۔ قرآن پر غور کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیں جو زمانۂ نزولِ قرآن میں لئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں بہتر طریق یہ ہے کہ الفاظ کے معانی کے تعین میں خود قرآن سے مدد لے اور مکرّر آنے والے الفاظ کا قرآن میں مطالعہ کرے۔ بعض اوقات وہ دیکھے گا کہ ایک ہی لفظ متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً "ہدایت" وغیرہ۔ ان مقامات پر غور و فکر سے معلوم ہو جائے گا کہ فلاں مقام پر اس لفظ کے صحیح معنی کیا ہیں۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ قرآن کا ایک مقام دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔ اسی طرح کسی لفظ کے خاص معنی کو ترجیح دینے کے لئے قانون یہ ہوگا کہ وہ معنی سابقہ عبارت سے مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں۔ پورے موضوع و مطلب

سے اتفاق رکھتے ہوں اور قرآن کے مجموعی مقصد سے ہم آہنگ ہوں۔

(مقدمہ تفسیر المنار)

لہٰذا، قرآن فہمی کے لئے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ اس کے الفاظ کا مفہوم از سرِ نو متعین کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجھے کیا کیا دشواریاں پیش آئیں، ان کے تذکرہ کی یہاں ضرورت نہیں، نہ ہی ان کا تعلق تالیفِ زیرِ نظر سے ہے۔ مختصراً یہ کہ میں نے سالہا سال کی خارہ شگافی اور کوہ کنی کے بعد قرآن کریم کا مکمل لغت خود مرتب کیا (جو 'لغات القرآن' کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکا ہے)۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

دوسرا مرحلہ "تصریفِ آیات" کا تھا۔ قرآن کریم کا انداز عام انسانی تصانیف کا سا نہیں۔ انسانی تصانیف میں کتاب کو مختلف موضوعات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور جس موضوع سے متعلق جو کچھ کہنا ہو، اسے متعلقہ باب میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کا یہ اسلوب نہیں۔ اس میں ایک حقیقت اگر ایک مقام پر بیان کی گئی ہے تو اس کی مزید وضاحت یا تفصیل دوسرے مقام (یا مقامات) میں آئی ہے۔ ان میں اضافہ کہیں اور کیا گیا ہے، استثناء کہیں اور۔ پھر، مختلف اہم حقائق کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے، انہیں سیاق و سباق کی روشنی میں مختلف مقامات پر دہرایا گیا ہے۔ یہ انداز کس قدر بلیغ اور حقائق کی وضاحت کے لئے کس قدر مؤثر ہے اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقعہ نہیں۔ میں یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کا اسلوب بیان اس قسم کا ہے۔ اسے 'تصریفِ آیات' کہتے ہیں۔ یعنی آیات کو پھیر پھیر کر سامنے لانا۔ سورۃ انعام میں ہے ــ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ (6/105) "اس طرح ہم اپنے قوانین و حقائق کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے اور دہرا دہرا کر ان کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ یہ تسلیم کریں کہ تم نے انہیں نہایت واضح انداز سے بیان کر دیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس انداز سے بھی حقائق کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علم و بصیرت سے کام لیں۔" اس آیت میں دَرَسْتَ کا لفظ تصریفِ آیات کے مفہوم کو واضح کر دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب گیہوں کی فصل پک جاتی ہے تو اسے کاٹ کر زمین پر پھیلا دیا جاتا ہے۔ پھر اس پر بیلوں کو مسلسل چلاتے رہتے ہیں تاآنکہ خوشوں سے دانے الگ ہو جائیں۔ اسے ہمارے ہاں "گاہنا"، اور عربوں کے ہاں "درس" کہتے ہیں۔ لہٰذا درس کا مطلب یہ ہوگا کہ آیاتِ قرآنی کو اس طرح بار بار سامنے لایا جائے کہ ان کے الفاظ کے اندر چھپے ہوئے معانی نکھر کر الگ ہو جائیں۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں یہ لفظ (تصریف) کس کس انداز سے آیا ہے اس کے لئے آپ (زیرِ نظر تالیف میں) درس یا تصریف کے عنوانات کے تابع حوالے دیکھئے۔

یہ تھا قرآن فہمی کا دوسرا مرحلہ!

لیکن جس طرح مجھے قرآنی الفاظ کے معانی متعین کرنے کے لئے کوئی مفید مطلب لغات میسر نہیں آئی تھی اور ایسا لغت مجھے خود مرتب کرنا پڑا تھا، اسی طرح مجھے کوئی ایسی کتاب نہ مل سکی جس میں قرآن کریم کو موضوعات یا مضامین کے اعتبار سے (SUBJECT - WISE) باب بباب (CLASSIFY) کیا گیا ہو (اسے اصطلاح میں تبویب کہتے ہیں) جو دو ایک کتابیں اس موضوع پر ملیں ان کا انداز مختلف تھا۔ وہ یا تو زیادہ تر احکام سے متعلق تھیں یا ان میں قرآنی الفاظ کو حروفِ تہجی کی رو سے ترتیب دے دیا گیا تھا اور بس۔ قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری تھا کہ ایک موضوع کو لیا جاتا اور یہ دیکھا جاتا کہ اس کے متعلق قرآن مجید کے مختلف مقامات میں کیا آیا ہے۔ بعض آیات میں اس کے متعلق براہِ راست ذکر ہوگا اور بعض مقامات پر، مختلف آیات سے اس موضوع کو مستنبط کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہوگا کہ تبویب کرنے والے کی، سارے قرآن مجید پر اس طرح نگاہ ہو کہ اس کے سامنے بیک وقت وہ تمام مقامات آجائیں جن میں موضوع زیر نظر سے متعلق براہِ راست کچھ کہا گیا ہے یا جن آیات سے وہ مفہوم مستنبط کیا جائے گا۔ یہ تھا تبویب (CLASSIFICATION) کا وہ طریق جس سے قرآنی مضامین سمجھ میں آسکتے تھے۔ لیکن اس انداز کی کوئی کتاب مجھے میسر نہ آسکی اور یہ کام بھی مجھے خود ہی کرنا پڑا۔ جس طرح لغات مرتب کرنے کا منصوبہ مسلسل خارہ شگافی کا متقاضی تھا، اسی طرح اس انداز کی تبویب کے منصوبے کے لئے بھی اسی قسم کی کوہکنی مطلوب تھی۔ عام حالات میں میرے لئے اس کی ہمت کرنا، ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار ضرور تھا لیکن میں نے اس کا بھی بیڑا اٹھا لیا۔ مجھ میں اس کی ہمت کیسے پیدا ہوئی، اس کے لئے اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ:

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

اسی یقین کا دوسرا نام عشق ہے اور عشق سے عزم میں ایسی پختگی اور ہمتوں میں ایسی بلندی پیدا ہو جاتی ہے جس سے نہ کوئی مشکل مشکل رہتی ہے، نہ کوئی دشواری، دشواری۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کیا تھا اور اس مقصد کے ساتھ عشق تھا (اور اب تک ہے) جو مجھے اس قسم کی فرہادیت کے لئے بلا تأمل آمادہ کر دیتا تھا۔ چنانچہ میں نے بسم اللہ مجریٰھا و مرسٰھا کہہ کر اس بحرِ ناپیداکنار میں اپنا سفینۂ برگِ گل ٹھیل دیا۔ تھوڑے سے عرصہ کی محنت کے بعد اس کے ایسے خوشگوار نتائج سامنے آئے جن سے راستے آسان ہوتے اور منزلیں سمٹتی چلی گئیں۔

اُس وقت تک میں یہ ساری کدوکاوش اپنی قرآن فہمی کے لئے کر رہا تھا لیکن آگے چل کر خود قرآن کریم سے یہ حقیقت سمجھ میں آئی کہ جو شخص قرآنی حقائق کو سمجھے اس پر یہ فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ — دیکھا ہے جو کچھ اس نے اوروں کو بھی دکھلا دے۔

چنانچہ قریب دس سال کی محنت کے بعد میں اس قابل ہوگیا کہ سلسلۂ معارف القرآن کی پہلی جلد قوم کے سامنے پیش کرسکوں۔ قرآنی افہام وتفہیم کا یہ ایک بالکل نیا تجربہ تھا لیکن اس کے نتائج ایسے حوصلہ افزا تھے کہ ان سے میری ہمتیں بڑھتی چلی گئیں اور میں معارف القرآن کے سلسلہ کو اور آگے بڑھاتا گیا۔ چنانچہ (میری تصانیف) من و یزداں، جوئے نور برقِ طور، شعلۂ مستور، معراجِ انسانیت، جہانِ فردا، کتاب التقدیر وغیرہ اسی سلسلۃ الذہب کی مختلف کڑیاں ہیں۔ جوں جوں میں اس راستے میں آگے بڑھتا گیا، قوم کے اربابِ فکر و نظر، بالخصوص نئی نسل کے خوش بخت تعلیم یافتہ طبقہ کی، قرآن کی طرف رغبت زیادہ ہوتی گئی — اور یہی میری کاوشوں کا مقصود اور میری محنتوں کا صلہ تھا۔ لیکن جوں جوں ان کے دل میں قرآنی حقائق کی طرف رغبت زیادہ ہوتی گئی، ان کے تقاضے بڑھتے گئے۔ ان کی طرف سے پہلا تقاضا یہ تھا کہ جس لغات کی رُو سے میں قرآنی آیات کا اس قدر بصیرت افروز مفہوم پیش کرتا ہوں وہ لغات بھی قوم کے سامنے آجانی چاہیئے۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں وہ لغات (جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے) چار ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر اربابِ ذوق کے لئے وجہ فروغِ دیدہ اور باعثِ تسکین خاطر ہوگئی۔ جن اربابِ فکر و دانش نے اس کا گہری نظروں سے مطالعہ کیا ہے، ان کا تاثر یہ ہے کہ اس لغات کی موجودگی میں قرآن فہمی میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔

لیکن اس سے قرآن کریم کو خود سمجھنا پڑتا تھا۔ اور یہ بڑی محنت اور کاوش چاہتا ہے جس کی اس زمانے میں، ہر ایک (بلکہ اکثریت) سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ ان قرآنی احباب کی طرف سے اگلا تقاضا یہ پیش ہوا کہ لغات القرآن میں پیش کردہ مفاہیم کی روشنی میں پورے قرآن کریم (الحمد سے والناس تک) کا مفہوم بھی میں خود ہی مرتب کردوں — اور میرے جنونِ عشق نے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا۔ چنانچہ یہ مفہوم — مفہوم القرآن — کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوگیا۔ واضح رہے کہ اس تمام عرصہ میں تبویبُ القرآن کے سلسلہ میں برابر اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میں جب ایک بار، پورے قرآنِ مجید کی تبویب سے (بزعم خویش) فارغ ہوجاتا تو نئے نئے عنوانات پھر ابھر کر سامنے آنے لگتے۔ اور اس طرح اس جوئے نور کی روانی میں از سرِ نو تحرک پیدا ہوجاتا۔ اس سے وہ حقیقت سمجھ میں آتی جسے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ (۱۸/۱۰۹) اے رسول! تم ان سے کہہ دو کہ علمِ خداوندی کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے (اور زمین کے تمام درخت قلمیں۔ ۳۱/۲۷)، تو سمندر کا پانی ختم ہوجائے لیکن میرے نشو و نما دینے والے کے قوانین و حقائق کی تفصیلات

ختم نہ ہوں، خواہ اس کے ساتھ اس جیسے اور سمندر کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔" قوانینِ کائنات کی لامتناہیت کے متعلق علومِ کائنات کے ماہرین ہی کچھ کہہ سکتے ہیں اور وہ آئے دن اس کا اعتراف بھی کرتے رہتے ہیں۔ علومِ قرآنی کی پہنائیوں کا یہ عالم ہے کہ اس باب میں بھی حرفِ آخر، دنیا کے آخری انسان کے لئے چھوڑنا پڑے گا۔ یہ اس لئے ..... کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ...... (۴۱/۵۳)؛ "ہم نوعِ انسان کو انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں گے۔ تا آنکہ یہ حقیقت ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن کا ہر دعوے مبنی بر حقیقت ہے۔" اب ظاہر ہے کہ عالمِ انفس و آفاق کے مستور حقائق تو حدود نا آشنا ہیں۔ علمِ انسانی جوں جوں وسیع، عمیق اور بلند ہوتا جائے گا، زمانے کی لہروں میں لپٹے ہوئے حقائق بے نقاب ہوتے، اور اس طرح نت نئے عنوانات سامنے آتے جائیں گے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست	عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
بندۂ مومن ز آیاتِ خداست	ہر جہاں اندر بر او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش	(جاوید نامہ)

اس طرح میرے زیرِ ترتیب تبویبُ القرآن میں نت نئے عنوانات کے اضافے ہوتے چلے گئے۔ اور چونکہ میں اسے کسی وقت بھی مکمل نہیں کہہ سکتا تھا اس لئے اس کی اشاعت کا وقت نہیں آتا تھا۔

لیکن تشنگانِ حقائقِ قرآنی کی بیتابیٔ تمنا اس کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ جو چیز قرآن فہمی کے سلسلہ میں بنیادی رہنمائی کی حیثیت رکھتی ہے، ہم اس سے کب تک محروم رہیں۔ یہ تو کبھی بھی تکمیل تک نہیں پہنچے گا۔ اس لئے جتنا کچھ اس وقت تک ہو چکا ہے، اسے بلا مزید تاخیر شائع کر دیا جائے۔ آئندہ ایڈیشنوں میں اس میں اضافے ہوتے رہیں گے۔ ان کا تقاضائے شوق میری صبر طلبی پر غالب آ گیا اور میں (طوعاً و کرہاً) اس کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مجھے اس کا بھی اندیشہ تھا کہ مسودہ کے ورق بوسیدہ اور فرسودہ ہو چکے ہیں۔ کہیں یہ ضائع ہی نہ ہو جائے۔ لہٰذا، یہ سعیٔ ناتمام پیشِ خدمتِ احباب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (۲/۱۸۶)۔ "میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں؛ جب وہ مجھے پکارتا ہے۔" حضرات انبیاء کرامؑ کو بارگاہِ خداوندی سے ان کی پکار کا جواب کس طرح ملتا تھا، یہ تو ہم نہیں جانتے (نہ ہی کوئی غیر از نبی اسے جان سکتا ہے)، لیکن میں اتنا اپنے تجربہ کی بنا پر علیٰ وجہ البصیرت

کہنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ آپ انسانی زندگی کے کسی انفرادی یا اجتماعی مسئلہ (PROBLEM) کے متعلق کلام اللہ (قرآن مجید) کے بابِ عالی پر دستک دیجئے، وہاں سے آپ کو جواب ملیگا۔ اور نہایت اطمینان بخش جواب۔ یہی سوالات ہیں جو زیرِ نظر تالیف میں عنوانات کی شکل میں آپ کے سامنے آئیں گے اور ان کے جوابات قرآنی آیات کے حوالوں کی صورت میں۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ان سوالات میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور ان کے جوابات میں بھی۔ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے (ضربِ کلیم)

(۰)

اس مقام پر یہ سوال سامنے آئے گا کہ میں جو کم و بیش گذشتہ چالیس سال سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں اس قدر تن دہی اور جانفشانی سے مصروفِ تگ و تاز ہوں تو اس سے مقصد کیا، یا کم از کم فائدہ کیا ہے؟ میں اس سوال کا جواب نہایت مختصر الفاظ میں پیش خدمت کرتا ہوں۔ قرآن مجید میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ تم اس (کتاب) میں غور و فکر کرو۔ اس سے اس کے حقائق تمہاری سمجھ میں آجائیں گے۔ قرآن کریم میں غور و تدبر کا حکم نہ تو خاص افراد کے لئے ہے اور نہ ہی کسی خاص زمانے سے مختص۔ یہ کتاب عظیم تمام انسانوں کے لئے، قیامت تک کے لئے ضابطۂ حیات ہے۔ اس لئے اس پر غور و فکر کرنا، اس پر ایمان رکھنے والوں کا فریضہ ہے۔ ہمارے ہاں کے عوام محض ثواب کی خاطر، بلا سمجھے اس کی تلاوت کر لیتے ہیں۔ لہٰذا غور و تدبر کے لحاظ سے وہ مرفوع القلم ہیں۔ مذہب پرست طبقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس پر جس قدر غور و تدبر کیا جانا تھا، کیا جا چکا ہے اور اس کا ماحصل ہمارے اسلاف کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ ہمارا کام ان کتابوں کا پڑھ لینا ہے اور بس۔ لہٰذا، غور و تدبر ان کے ہاں شجرِ ممنوعہ کا حکم رکھتا ہے۔ جو اربابِ دانش و بینش غور و تدبر کے اہل ہیں، ان کے سامنے جس شکل میں قرآن کریم پیش کیا جاتا ہے وہ اس میں کچھ کشش محسوس نہیں کرتے۔ میرا اولین مخاطب یہی طبقہ ہے۔ میں نے ان کے سامنے قرآن کریم کو، علوم حاضرہ کی روشنی میں، دلائل و بصیرت کی رُو سے اس طرح پیش کیا کہ وہ اس میں کشش محسوس کرنے لگ گئے۔ اس کے بعد میں نے انہیں اس کے حقائق پر غور و فکر کی دعوت دی تو محسوس کیا کہ وہ 'با وصفِ خواہشِ بسیار' اس کے لئے نہ اتنا وقت دے سکتے ہیں، نہ اتنی محنت کر سکتے جو اس فکر و تدبر کے لئے لاینفک ہے۔ علامہ اقبالؒ نے (اپنے خطبات میں) کہا ہے کہ وحیٔ خداوندی انسان کی محنت میں بچت کر دیتی ہے۔ عقل اپنے تجرباتی طریق کی رُو سے

جس مسئلہ کے حل کی تلاش میں صدیوں مصروفِ دشت پیمائی رہتی ہے، وحیِ خداوندی اس کا حل پہلے ہی دن پیش کر دیتی اور اس طرح انسانی وقت، توانائی اور محنت بچا دیتی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا مقصد قرآنِ مجید پر غور و فکر کرنے والے اربابِ علم و دانش کے وقت، توانائی اور محنت میں بچت کرنا ہے۔ میری لغات القرآن، مفہوم القرآن، اور اب تبویب القرآن اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ میں نے عمر بھر کی خارہ شگافی اور سنگ تراشی سے ان حضرات کے تدبر فی القرآن کی راہوں کو ہموار کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے، تدبّر فی القرآن کا حکم اور تاکید ہر ایک کے لئے ہے اس لئے میرا یا کسی اور کے تدبّر کا ماحصل، کسی دوسرے کے لئے نہ سند قرار پا سکتا ہے نہ حجت۔ میری تمام سعی و کاوش کا منتہیٰ یہ ہے کہ قرآنِ کریم پر ایمان رکھنے والے اس پر غور و فکر کریں اور اس کے حقائق و معارف کو از خود سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔

میں نے اوپر کہا ہے کہ اس دور میں، اس بات کی توقع ہر ایک سے نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس سرچشمۂ آبِ بقا تک پہنچنے کے لئے ساری عمر مصروفِ بادیہ پیمائی رہے۔ اس سے اکثر احباب مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ تم نے تنہا یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟ ان کا یہ سوال جتنا ان کیلئے تعجب انگیز ہے، اس سے کہیں زیادہ خود میرے لئے حیرت خیز۔ میں یہ تو بتا سکتا ہوں کہ میں نے کیا کچھ کیا ہے، لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ میں نے یہ کیسے کر لیا ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے میری عمر کا ابتدائی دور، قدامت پرستانہ علوم کی تحصیل اور اس کے ساتھ تصوّف کی عملی ریاضتوں میں گزرا۔ (وقت کے علاوہ میری صحت بھی انہی کی نذر ہو گئی تھی)۔ اس کے بعد وادیِ تشکیک میں اترا تو حتی المقدور، دنیا بھر کے علوم و فنون کا مطالعہ کیا۔ (اس کی کچھ جھلک میری تصنیف "انسان نے کیا سوچا؟" میں نظر آئے گی)۔ پھر قلم اٹھایا تو گزشتہ چالیس پچاس برس میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب اسے ہاتھ سے چھوڑا ہو۔ اس کے ساتھ، مطالعہ بدستور جاری رہا۔ قریب تیس برس تک سرکاری ملازمت کی اور گھر بار کی ذمہ داریاں بھی سنبھالیں۔ ۱۹۳۸ء میں طلوعِ اسلام جاری ہوا اور اس نے رفتہ رفتہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس تحریک کی ذمہ داریوں کا بارِ گراں سب پر مستزاد۔ قریب پچیس سال سے ہفتہ وار درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مختلف گوشوں سے آمدہ استفسارات کے جوابات۔ جن مفاد پرست گروہوں پر قرآن کی آواز گراں گزرتی ہے کیونکہ اس کے عام ہو جانے سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے، ان کی طرف سے بے پناہ مخالفت کی مدافعت۔ یہ سب کچھ شکستہ صحت اور بے سر و سامانی کے ساتھ، کسی فکری معاونت یا مالی سہاروں کے بغیر، تنہا! ان حالات میں آپ سوچئے کہ پوچھنے والے یہ پوچھنے میں کس قدر حق بجانب ہیں کہ تم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا، اور میں ان کے

استفسار کے جواب میں کیوں تصویرِ حیرت ہوں!! میں اگر کچھ کہہ سکتا ہوں تو صرف اتنا (جسے پہلے بھی کہہ چکا ہوں) کہ مقصد کے ساتھ عشق ہو تو انسان سب کچھ کر سکتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان کو اپنی مضمر توانائیوں کا اندازہ ہی نہیں۔ یہ تو ـــ ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا ـــ واقع ہوا ہے۔ عشق کی اذانِ سحر اس کی مضمر صلاحیتوں کو خواب سے بیدار کر دیتی ہے۔

میں اپنے متعلق کچھ کہتے ہوئے بڑی جھجک محسوس کیا کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں نے آج کی نشست میں اتنا کچھ اس لئے کہہ دیا ہے کہ جو اربابِ شوق تدبر فی القرآن کی آرزو رکھتے ہوں "دوں ہمتی اور کم فرصتی کا احساس" ان کی راہ میں حائل نہ ہو جائے۔ میں کوئی "فوق البشر" انسان نہیں، انہی جیسا ایک فرد ہوں۔ اس لئے اگر میں اس بے سروسامانی اور اس قدر مصروفیات کے باوجود، اتنا کچھ کر سکتا ہوں، اور اس سن رسیدگی میں بھی (جبکہ میرا رہوارِ عمر، زندگی کی چوہتریں منزلیں طے کر چکا ہے) اسی جذب و شوق کے ساتھ مصروفِ کار ہوں، تو وہ ایسا کیوں نہیں کر سکتے اور وہ تو مجھ سے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ میں نے جب اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھا تھا تو مجھے کوئی نقشِ پا تک ایسا نظر نہیں آتا تھا جو میرے لئے دلیلِ راہ بن سکتا۔ لیکن میں نے ان کے لئے راستے بڑے ہموار کر دیئے ہیں۔

دعا دیں گے مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے ہیں میرے ساتھ منزل کے

میں عمر بھر کی محنت و کاوش کے بعد جس مقام پر اپنے سفر کو ختم کروں گا، وہ ان کی جادہ پیمائی کا نقطۂ آغاز ہوگا۔ اگر میرے ساتھ یا میرے بعد کوئی بھی اس راستے پر چل نکلا تو یہ میری محنتوں کا کافی صلہ ہوگا۔ یہی میری تمنا ہے اور اقبالؒ کی ہمنوائی میں یہی آرزو کہ:

میرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں — میرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
میرے نالۂ نیم شب کا نیاز — میری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں میری، آرزوئیں میری — امیدیں میری، جستجوئیں میری
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
میرے قافلے میں لٹا دے اِسے
لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اِسے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

(۰)

اور آخر میں کچھ تبویب القرآن کی ترتیب کے متعلق :

۱۔ یہ کتاب قرآن الفاظ کا انڈکس نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ اس میں (مثلاً) یہ بتایا گیا ہو کہ قرآن کریم میں "اللہ" کا لفظ کس کس آیت میں آیا ہے۔ اس قسم کی کتابیں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ قرآنی مضامین (موضوعات) کا تعارفی انڈکس، (یا دائرۃ المعارف) ہے۔ اس میں (مثلاً) یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم نے معاشی نظام کے متعلق کیا اور کہاں کہاں کچھ کہا ہے۔

۲۔ اس میں آیات کے صرف حوالے دیئے گئے ہیں، آیات درج نہیں کی گئیں۔ اگر آیات بھی درج کی جاتیں تو معلوم اس کی ضخامت کس قدر بڑھ جاتی۔ قرآن مجید کے نسخے ہر گھر میں موجود ہوتے ہیں، تبویب القرآن کے حوالوں کے مطابق آیات ان نسخوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ آیات کے ترجمے تو قرآن مجید کے مترجم نسخوں میں مل جائیں گے۔ لیکن اگر آپ ان کا مفہوم سمجھنا چاہیں تو اس کے لئے میرے "مفہوم القرآن" کو سامنے رکھیئے۔

۳۔ تبویب القرآن کی افادیت' حوالوں کی صحت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ان حوالوں کے چیک کرنے میں امکان بھر کوشش کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے شماروں (نمبروں) میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی آیت، تبویب میں درج شدہ حوالہ کے مطابق نہ مل سکے' تو ایک آدھ آیت پہلے یا بعد میں دیکھ لیں۔ لیکن اگر اس کے باوجود مطلوبہ آیت نہ ملے تو وہ تبویب میں سہوِ کتابت ہوگا۔ میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ اس قسم کے سہو سے مجھے مطلع فرمائیں گے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔ آیات کے حوالے اس طرح دیئے گئے ہیں (۲:۴۰) اس کا مطلب ہے' دوسری سورۃ (البقرہ) کی چالیسویں آیت۔

۴۔ بعض آیات، ایک ہی عنوان میں ایک سے زیادہ مرتبہ آگئی ہیں۔ ایسا ناگزیر تھا۔

۵۔ جو بات قرآن میں نہیں لیکن ہمارے ہاں اسلام کے نام سے مروج ہے، اس کے متعلق صرف اتنا لکھ دیا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم میں نہیں۔

۶۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے کسی آیت کو ایک خاص عنوان کے تحت لکھا ہو اور آپ کے خیال میں اُسے کسی دوسرے عنوان کے تابع ہونا چاہیئے تو یہ کوئی ایسا اہم اختلاف نہیں۔ آپ اپنے نسخہ میں اس آیت کو اُس عنوان کے تابع درج کرلیں۔

۷۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، قرآن کریم کی تبویب کی کسی کوشش کو بھی حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسا اہم موضوع آئے جو تبویب القرآن کے موجودہ ایڈیشن میں نہ آسکا ہو تو اس سے مجھے مطلع فرمایئے۔ معلوم' اس کے بعد' خود میرے ذہن میں بھی کتنے موضوعات مزید آئیں گے۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں　　　　ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

۸۔ سب سے اہم، تبویب القرآن کا انڈکس ہے۔ تبویب القرآن، پورے کا پورا، ایک مسلسل تالیف ہے جسے محض بغرضِ سہولت، تین جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ایک ہی کتاب ہے۔ اس لئے اس کے صفحات مسلسل ہیں اور تینوں جلدوں کا انڈکس ایک ہی ہے جسے بہ تمام وکمال اسی جلد میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

(ا) تبویب میں تمام موضوعات (عنوانات) حروف تہجی (ا۔ب۔ت) کے لحاظ سے ترتیب وار دیئے گئے ہیں۔ انڈکس میں یہ عنوانات جلی قلم سے لکھے گئے ہیں اور ان کے سامنے صفحہ کا نمبر دیا گیا ہے۔ صفحات تینوں جلدوں کے مسلسل ہیں۔

(ب) ایک (جلی) عنوان کے تحت بہت سے ذیلی عنوانات بھی آ گئے ہیں۔ ان ذیلی عنوانات کو بھی انڈکس میں حروف تہجی کے لحاظ سے، نسبتاً خفی قلم سے لکھا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ ہر ذیلی عنوان کے آگے قوسین (بریکیٹ) کے اندر وہ عنوان لکھ دیا گیا ہے جس کے تحت وہ ذیلی عنوان ملیگا۔ اس کے سامنے بھی صفحہ کا نمبر دے دیا گیا ہے۔ ذیل کی مثال سے یہ اشارات بآسانی سمجھ میں آجائینگے۔

آخرت	صفحہ ۲
آخرت۔ (ساعت)	″ ۸۶۴
آخرت کا ثواب (ثواب)	″ ۵۴۶
آخرت کی زندگی (زراعت)	″ ۸۴۲

———— (٠) ————

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، لغات القرآن، مفہوم القرآن، تبویب القرآن (اور میری دیگر تصانیف) تدبر فی القرآن کے راستے میں آسانیاں پیدا کرنے کے ذرائع ہیں۔ میں، یوں تو، لغات اور مفہوم کی اشاعت کے بعد مطمئن ہو گیا تھا کہ یہ اس مقصد کے حصول کے لئے کافی ہیں لیکن تبویب القرآن کے متعلق تو مجھے یقین تھا کہ یہ اس سلسلہ کی آخری کڑی قرار پا جائیگی۔ لیکن میرے قرآنی احباب کی تو کیفیت ہی کچھ اور ہے۔ ان کی طرف سے میری ہر کوشش کے بعد، ایک نیا تقاضا پیش کر دیا جاتا ہے ـــ اور سچ پوچھیے تو مجھے اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے کیونکہ تقاضا تو کسی مقصد کے ساتھ قلبی وابستگی کا مظہر ہوتا ہے۔ ابھی تبویب القرآن کی اشاعت کے پروگرام پر غور ہو رہا تھا کہ یہ تقاضا پیش کر دیا گیا کہ اب مجھے قرآن کریم کی پوری تفسیر بھی مرتب کر دینی چاہیئے۔ ہر چند عمر کے اس مرحلہ میں، اس قدر طویل سفر کا عزم بڑا ہمت طلب تھا لیکن میں نے احباب کی شدتِ شوق (اور خود اپنے اس "لالچ" کی تسکین کی خاطر کہ اس سے شاید کچھ اور

قلوب میں قرآن مجید کی کشش پیدا ہو جاتے ۔ کہتے ہیں نا کہ بڑھاپے میں انسان زیادہ حریص ہو جاتا ہے، اسے بھی قبول کر لیا، اور مطالب الفرقان کے نام سے تفسیر القرآن بالقرآن کے سلسلہ کا آغاز کر دیا۔ اس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور تیسری زیرِ تسوید ہے۔ میری تو ساری زندگی اس اجمال کی تفصیل ہے کہ :

غروبِ شمس، نویدِ طلوعِ صبحِ دگر

اور کس قدر خوش بخت ہے وہ انسان جس کی ہر شام، صبحِ دگر کی نویدِ جانفزا ہو۔ اسی لئے میں احباب کے ہر نئے تقاضا پر مسکرا کر کہہ دیا کرتا ہوں کہ — سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی۔

مے خانہ سلامت ہے تو ہم سرخیٔ مے سے — تزئینِ در و بامِ حرم کرتے رہیں گے

(٠)

اور آخر میں، جھکی ہوئی نگاہوں سے، وہ اعتراف جس پر میں اپنی ہر فکری تخلیق کو ختم کیا کرتا ہوں۔ میں نے فکرِ قرآنی کے سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے وہ بہرحال ایک انسانی کوشش ہے جسے نہ سہو و خطا سے منزہ کہا جا سکتا ہے، نہ حرفِ آخر۔ اس میں جو کچھ صحیح ہے وہ صدقہ ہے خدا کی اس کتابِ عظیم کا جس میں حق و صداقت کے سوا کچھ نہیں اور جو سہو ہے وہ نتیجہ ہے میری کوتاہیٔ فہم کا :

میرے ساقی نے عطا کی ہے مئے بے دُرد و صاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو، میرے پیمانے کا ہے!

اس سہو و خطا کے لئے میں، اس درخواست کے ساتھ، بحضور ربّ العزت خواستگارِ عفو ہوں کہ :

گر دلم آئینۂ بے جوہر است — ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کُن — ایں خیاباں را ز خارم پاک کُن

اس کے برعکس

گر دُرِ اسرارِ قرآں سُفتہ ام — با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
در عمل پائندہ تر گرداں مرا — آبِ نیسانم، گہر گرداں مرا

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

والسلام

پرویز

۲۵/ بی گلبرگ۔ لاہور

ستمبر ۱۹۷۷ء

(٠)

اِنڈکس تبویب القرآن (مکمّل)

(تینوں جلدوں کا یکجا اِنڈکس)

۱۔ اس اِنڈکس کی ترتیب کیا ہے، اس کے متعلق "تعارف" صفحہ ۱۵ پیراگراف ۸ میں تفصیل دی گئی ہے۔ اسے دیکھ لیجئے۔

۲۔ جو عنوان جلی قلم سے لکھے گئے ہیں، وہ انڈکس میں، متعلقہ صفحہ پر، جلی حروف میں لکھے ملیں گے۔

۳۔ جو ذیلی عنوان خفی قلم سے لکھے گئے ہیں، وہ انڈکس میں، متعلقہ صفحہ پر اُس عنوان کے تحت ملیں گے جو اُن کے سامنے قوسین (   ) میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً:

آثارِ قدیمہ (سیروا فی الارض) ـــــ ص ۸۹۱

سے مراد یہ ہے کہ ذیلی عنوان "آثارِ قدیمہ" ص ۸۹۱ پر عنوان "سیروا فی الارض" کے تحت ملیگا۔

ضروری نہیں کہ وہاں یہ الفاظ ہی ملیں ہوسکتا ہے کہ وہاں ان کا مفہوم ملے۔

۴۔ تبویبُ القرآن ا سے ی تک ایک مسلسل تالیف ہے جس پر شروع سے آخر تک صفحات کے نمبر مسلسل دیئے گئے ہیں، اسے محض جلد بندی کی سہولت کی غرض سے، تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۵۔ جلدوں میں عنوانات اور صفحات، بہ تفصیلِ ذیل ہوں گے۔

جلدِ اوّل

حروف۔ (ا ـــ ت)، صفحات۔ (۱ ـــ ۵۴۰)

جلدِ دوم

حروف۔ (ث ـــ ظ)، صفحات۔ (۵۴۱ ـــ ۹۹۸)

جلدِ سوم

حروف۔ (ع ـــ ی)، صفحات۔ (۹۹۹ ـــ ۱۴۲۸)

عنوان	صفحہ
الف	
آ	
آبار واجداد	۱
آثارِ قدیمہ (سیروانی الارض)	۸۹۱
آخرت	۲
آخرت (ساعت)	۸۶۴
آخرت کا ثواب (ثواب)	۵۴۶
آخرت کی زندگی (زراعت)	۸۴۲
آخرت میں عذاب (عذاب)	۱۰۲۷
آدابِ محفل (آدابِ معاشرت)	۱۸
آدابِ معاشرت	۱۱
آدم	۲۴
آدم کے قصہ میں سوآت کا ذکر (سیآت)	۸۹۰
آدم کے دل میں شیطان نے وسوسہ پیدا کر دیا۔ (وسوسہ)	۱۳۸۹
آدم و ملائکہ (ملائکہ)	۱۲۸۴
آرام و سکون (طمانینت)	۹۸۱
آرٹ (حسن وجمال)	۶۳۱
آرزوئیں (خواہشات)	۶۹۹
آرکیالوجی (سیروانی الارض)	۸۹۱
آزادی اور غلامی (قیدی)	۱۱۶۶

عنوان	صفحہ
آزر	۲۸
آزر (ابراہیمؑ)	۵۰
آزمائش (ابتلاء)	۴۲
آزمائش (فتنہ)	۱۰۷۳
آسمانی کُرّوں میں ذی حیات (دآبہ)	۷۲۳
آفاق (افق)	۱۹۲
آل	۲۹
آلآء	۳۰
آواگون (تناسخ)	۵۱۴
آئیڈیالوجی (کلمہ)	۱۱۹۷
آیت	۳۱
آیات (آیت)	۳۱
آیاتِ کبریٰ (تکبّر)	۴۹۹
اب	
اب	۳۹
ابا	۱
آباؤاجداد (والدین)	۱۳۷۰
ابابیل	۴۱
ابتدائے تخلیق (بدعت)	۳۲۹
" " (فطرت)	۱۰۹۵
ابتلاء	۴۲
ابد	۴۶

عنوان	صفحہ
ابرار (بر)	۳۳۳
ابراہیمؑ	۴۷
ابراہیمؑ کی طرف منسوب معجزات	۱۲۵۶
(حضرت) ابراہیمؑ (ہجرت)	۱۳۹۸
(حضرت) ابراہیمؑ کی دعائے رزق (ثمر)	۵۴۴
ابل	۵۲
ابلاغ (تبلیغ)	۳۹۰
ابلیس	۵۲
ابن	۵۴
ابناء بنی اسرائیل کا قتل (قتل)	۱۱۱۹
ابنائے قوم (ابن)	۵۶
ابن السبیل (ابن)	۵۵
″ ″ (سبیل)	۸۶۸
ابن اللہ (عیسےٰؑ)	۱۰۶۰
ابن اللہ (ابن)	۵۵
ابن مریمؑ (مریمؑ)	۵۵
ابن مریمؑ (ابن)	۱۰۵۸
ابن مریمؑ (عیسےٰؑ)	۵۷
ابی لہب	
اپ	
اپنا نقصان (خسران)	۶۹۲
اپنی تباہی (″)	۶۹۲

عنوان	صفحہ
اپنی ذات کا نقصان (خسران)	۶۹۳
اپنے اور بیگانے (اہل)	۲۷۸
ات	
اتباع (اطاعت)	۱۶۳
اتحاد	۵۸
اث	
اثاثہ	۶۲
آثار (اثر)	۶۲
آثار قدیمہ (سیروا فی الارض)	۸۹۱
اثر	۶۲
اثل	۶۳
اثم	۶۳
اثم و عدوان (معصیت)	۱۲۵۸
اج	
اجاج	۶۵
اجتماعی زندگی	۶۵
اجر	۷۰
اجرام فلکی (فطرت)	۱۱۰۰
″ ″ (شمس)	۹۱۹
اجر رسالت (اجر)	۷۱
″ ″ (سائل)	۸۶۲
اجل	۷۳

اجل (حیات وممات) ۶۸۴
" (عذاب) ۱۰۲۴
اجل۔ کائنات کی (موت) ۱۳۰۶

اح

احادیث قرآنی (حدیث) ۶۱۲
احادیث: اقوامِ سابقہ کی احادیث
باقی رہ گئیں (حدیث) ۶۱۱
احبار و رہبان (نصاریٰ) ۱۳۳۵
" " (تقلید) ۴۸۳
احترام (واجب الاحترام چیزیں) (حرام) ۶۴۳
احترامِ آدمیت (انسان) ۲۵۷
احترامِ آدمیت (ذلت) ۷۷۲
" " (وحدتِ انسانیت) ۱۳۷۵
احتیاج (سائل) ۸۶۲
احد (توحید) ۵۲۳
اُحد ۷۵
احرام کی حالت (حج) ۶۰۵
" " " میں شکار (حرام) ۶۴۲
احزاب ۷۷
احزاب (جنگ) ۵۷۴
احساسات (فؤاد) ۱۰۶۹
احسان ۷۸
احسان۔ والدین کے ساتھ (والدین) ۱۳۷۳
احمد (حمد) ۶۷۵

اخ

اخٌ ۸۱
اختلاف ۸۴
اخدود (اصحاب الاخدود) ۱۴۶
اخدود (جنگ) ۵۷۵
اخروی زندگی میں مکافاتِ عمل (مکافاتِ عمل) ۱۲۷۱
اخلاص ۸۸
اخلاقِ حسنہ ۹۰
اخوت (اَخٌ) ۸۱

اد

ادریسؑ ۹۴

اذ

اذان (صلوٰۃ) ۹۶۱
اذن (امر۔ اذن) ۲۱۶
اذیت رسانی (تعزیری احکام) ۳۴۳
اذیت ناک (الم) ۳۱۳

ار

ارباب (رب) ۷۸۱
ارتداد ۹۵
ارتداد (جور واکراہ) ۵۷۸
ارتقاء ۹۷
ارض بمعنی دنیاوی زندگی (دنیا) ۷۳۵

عنوان	صفحہ
ارض بمعنی زمین (زمین)	۸۴۷
ارض بمعنی ملک و مملکت (زمین)	۸۴۸
ارضِ خبیث (طیّب)	۹۸۳
ارض طیب (طیّب)	۹۸۳
ارض وسمٰوٰت	۱۰۱
ارض وسمار کی تخلیق (یوم)	۱۴۲۲
آرکیالوجی (سیر فی الارض)	۸۹۱
اِرم	۱۰۸
از	
ازدواجی زندگی (نکاح)	۱۳۶۲
ازدواجی زندگی (عائلی زندگی)	۹۹۹
ازل (ابد)	۴۶
ازواج (زوج)	۸۵۳
ازواج مطہراتِ رسول اللہ (زوج)	۸۵۴
اس	
استبداد (ظلم)	۹۸۶
(قانونِ) استبدال و استخلافِ اقوام (ہلاکت)	۱۴۱۲
استخلاف فی الارض	۱۰۸
استعانت	۱۱۱
استغفار (مغفرت)	۱۲۶۷
استکبار (تکبّر)	۴۹۵
استقامت (صبر)	۹۳۹
استہزا	۱۱۳
استہزا. قوانینِ خداوندی کا (تعزیری احکام)	۴۴۲
استیصال (ظلم)	۹۸۶
اسحٰقؑ	۱۱۶
اسرائیل	۱۱۷
اسراف	۱۱۷
اسراف (رزق)	۸۰۵
اسلاف (آباء و اجداد)	۱
اسلام	۱۲۰
اسلام کو خدا نے بطور دین پسند کیا ہے۔ (رضائے خداوندی)	۸۳۱
اسمار الحسنٰی (حسنہ)	۶۳۷
آسمانی کُرّوں میں ذی حیات (دآبّہ)	۶۲۳
اسمٰعیلؑ	۱۴۲
اسوہ	۱۴۳
اسوۂ حسنہ	۱۴۳
اسیر (قیدی)	۱۱۶۷
اشخاص پرستی (تقلید)	۴۸۰
اسلاف پرستی (تقلید)	۴۸۰
اص	
اصحاب	۱۴۵

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اصحاب الاعراف	۱۴۵	اصحاب الحجر	۱۴۷
اصحاب الکہف والرقیم	۱۴۵	اصحاب الحجر (ثمود)	۵۴۴
اصحاب الجنۃ	۱۴۵	اصحاب الرّس	۱۴۷
اصحاب النّار	۱۴۵	اصحاب الفیل	۱۴۸
اصحاب الجحیم	۱۴۵	اصلاح	۱۴۸
اصحاب السبت	۱۴۵	اصلاح (صالح)	۹۳۸
اصحاب السعیر	۱۴۵	اصلاحِ خویش (آدابِ معاشرۃ)	۲۳
اصحاب الشمال	۱۴۵	(غیر متبدل) اصول (مستقل اقدار)	۱۲۳۵
اصحاب المشئمۃ	۱۴۵	**اض**	
اصحاب المیمنۃ	۱۴۵	اضداد	۱۵۱
اصحاب الیمین	۱۴۵	اضمحلال افسردگی۔ دون ہمتی (اثم)	۶۳
اصحاب موسےٰ	۱۴۵	**اط**	
اصحاب السفینۃ	۱۴۵	اطاعت	۱۶۳
اصحاب الصراط السوی	۱۴۵	اطاعت (عبادت)	۱۰۰۵
اصحاب القبور	۱۴۵	اطاعتِ خداوندی (سجدہ)	۸۷۳
اصحاب المدین والمؤتفکات	۱۴۵	اطمینان (طمانیت)	۹۷۹
اصحابِ رسول اللہ	۱۴۵	اطمینانِ قلب (قلب)	۱۱۴۶
اصحاب رسول اللہ (صحابہؓ)	۹۴۴	**اظ**	
اصحاب الاُخدود	۱۴۶	اظہارِ حقیقت (کتمانِ حقیقت)	۱۱۷۹
اصحاب الاُخدود (جنگ)	۵۷۵	**اع**	
اصحاب الایکہ	۲۴۶	اعتکاف	۱۶۱
اصحاب الایکہ (شعیبؑ)	۹۱۲	اعتکاف (صوم)	۹۶۵

عنوان	صفحہ
اعتصام	۱۷۳
اعداء (عداوت)	۱۰۱۷
اعراض	۱۷۳
اعراف	۱۷۹
اعمال	۱۸۰
اعمال کا رائیگاں جانا (حبطِ اعمال)	۵۹۹
اعمال کے نتائج (عذاب)	۱۰۲۴
اعمال کا وزن (ثقیل)	۵۴۳
اعمال نامہ (امام)	۲۱۳
اعمال نامہ (مکافاتِ عمل)	۱۲۷۷
اعوذ باللہ	۱۸۹
اف	
آفاق (افق)	۱۹۲
افتراء	۱۹۰
افضلیت (فضل)	۱۰۹۱
اُفق	۱۹۲
اِفک	۱۹۳
افواہیں پھیلانا (بہتان)	۳۷۲
" " (تعزیری احکام)	۴۴۳/۴۴۰
افئدۃ (فؤاد)	۱۰۶۹
اق	
اقتدارِ اعلیٰ (تکبّر)	۴۹۵

عنوان	صفحہ
اقتدار و اختیار (مُلک)	۱۲۹۲
اقدار (مستقل اقدار)	۱۲۳۴
اقلیّت (کثرت و قلّت)	۱۱۸۲
اقوام (قوم)	۱۱۵۰
اقوامِ سابقہ پر عذاب (عذاب)	۱۰۲۵
اقوامِ سابقہ کا انجام (عاقبت)	۱۰۰۳
اقوامِ سابقہ کو داستانیں بنا دیا (قصہ)	۱۱۴۴
اقوامِ سابقہ کی تاریخ (سیروا فی الارض)	۸۹۱
اقوامِ گذشتہ (امم سابقہ)	۲۳۴
اک	
اکبر (تکبّر)	۴۹۷
اکثریت (کثرت و قلّت)	۱۱۸۳
ال	
الزام تراشی (افک)	۱۹۳
" " (بہتان)	۳۷۲
" " (آدابِ معاشرت)	۱۵
السلام علیکم (آدابِ معاشرت)	۱۲
اللہ کا ذکر (ذکر)	۷۶۳
اللہ۔ نور السمٰوٰت والارض (نور)	۱۳۶۹
اِلاّ۔ اللہ	۱۹۴
الٰہ (عبادت)	۱۰۰۵
الہام۔ انسانی ذات میں	

عنوان	صفحہ
تقویٰ وفجور کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے (فجور)	۱۰۷۷
الہام (کشف)	۱۱۸۸
الوہیت (حضرت عیسےٰؑ)	۱۰۶۰
الیاس۔ ال یاسین	۲۱۲
الیسع	۲۱۲
الم	۲۱۳
الیم (الم)	۲۱۳
ام	
امام (ائمہ)	۲۱۳
امانت۔ امین	۲۱۴
امانت (خیانت)	۷۱۹
" (آداب معاشرت)	۲۲
امر۔ إذن	۲۱۵
امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۲۲۳
اُم (ماں)	۲۲۸
امّت	۲۳۰
امّتِ اسلامیہ (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۷
امتِ واحدہ (" ")	۱۳۷۴
امثال (مثالیں)	۱۲۲۱
امداد (نصرت)	۱۳۳۶
امراض (مرض)	۱۲۳۱

عنوان	صفحہ
امراء کا طبقہ (دولت)	۷۴۹
امم سابقہ	۲۳۴
اُمّی	۲۴۵
اموال (مال)	۱۲۱۱
(نا) امیدی (یاس)	۱۴۱۷
امین (امانت)	۲۱۴
ان	
انابت الی اللہ (رجعت الی اللہ)	۷۸۹
انبیاء (نبی)	۱۳۱۹
انبیائے کرام کا ذکر (ذکر)	۷۷۱
انتقام	۲۴۵
انتقام (آداب معاشرت)	۱۶
انجام۔ اعمال کا (عاقبت)	۱۰۰۲
انجیل	۲۴۷
انجیل (عیسےٰؑ)	۱۰۵۸
اندھیرا (ظلم)	۹۸۶
انذار	۲۴۸
انس (انسان)	۲۵۲
انسان (النّاس)	۲۵۲
انسانی اختیار وارادہ (تقدیر)	۴۵۶
انسانی برادری (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۴
انسانی تخلیق (تخلیق)	۴۰۴

عنوان	صفحہ
انسانی تخلیق میں جوڑے (زوج)	۸۵۵
انسانی فطرت (فطرت)	۱۰۹۵
انصار	۲۶۶
انصار (ہجرت)	۱۳۹۹
انصار (نصرت)	۱۳۴۰
انصار اللہ (نصرت)	۱۳۴۰
انصار و مہاجرین سب	
مومن حقا۔ (صحابہؓ)	۹۴۵
اَنعام	۲۶۷
انعام۔ انعاماتِ خداوندی (نعمت)	۱۳۴۳
انفاق	۲۶۸
انفاق (رزق)	۸۰۳
انفاق فی سبیل اللہ (سبیل)	۸۶۹
انفرادیت (قیامت)	۱۱۶۵
انقلابِ عظیم (قیامت)	۱۱۵۷
انقلاب کی گھڑی (ساعت)	۸۶۵
او	
اوّاب (رجعت الی اللہ)	۷۸۹
آواگون (تناسخ)	۵۱۴
اول	۲۷۳
اولاء۔ اولوا	۲۷۳
اولاد	۲۷۴

عنوان	صفحہ
اولاد (والدین)	۱۲۷۰
اولاد (آدابِ معاشرت)	۲۰
اولی الالباب (علم و عقل)	۱۰۴۶
اولیاء۔ ایک دوسرے کے دوست۔ (دوستی)	۷۲۵
اولیاء اللہ (ولی)	۱۲۹۳
اھ	
اہل	۲۷۸
اہلِ کتاب	۲۷۹
اہلِ کتاب مشرک ہیں (شرک)	۹۰۵
اہرمن و یزداں (ظلمات)	۹۹۴
اہلِ کتاب (کتاب)	۱۱۷۷
ای	
ایام (یوم)	۱۴۲۱
ایثار (اثر)	۶۳
ایران کی سلطنت۔ (شمس)	۹۱۹
ایصالِ ثواب (ثواب)	۵۴۷
ایفائے عہد (آدابِ معاشرت)	۲۲
" " (عہد)	۱۰۵۶
ایکہ (شعیبؑ)	۹۱۲
ایلاء (طلاق)	۹۷۷
ایمان	۲۸۲
ایمان اور عمل میں تضاد (منافق)	۱۲۹۸

عنوان	صفحہ
ایوبؑ	۳۰۲
ب	
ب ا	
بابل	۳۰۳
بابل کے فرشتے (سلیمانؑ)	۸۸۲
بابل ۔ ہاروت و ماروت	۱۲۹۸
باپ (ابؑ)	۳۹
بادشاہ (مُلک)	۱۲۹۰
بادشاہت (مُلک)	۱۲۹۰
بارش	۳۰۳
باطل	۳۰۷
باطل (حق)	۴۶۱
باطن	۳۱۳
باطنی تعلیم (باطن)	۳۱۴
باقی (بقا)	۳۶۰
باقیات الصالحات (بقا)	۳۶۰
بالادستی (تکبّر)	۴۹۶
ب ح	
بحث وجدل	۳۱۴
بحر (بحر وبر)	۳۱۹
بخشش (مغفرت)	۱۲۶۲

عنوان	صفحہ
ب خ	
بخل	۳۲۱
بخل (رزق)	۸۰۴
ب د	
بدر	۳۲۲
بدعت ۔ بدیع	۳۲۹
بدی (خیروشر)	۴۱۶
بدیع السمٰوٰت والارض (فطر)	۱۰۹۵
برائی کا خوشنما بن کر دکھائی دینا (زینت)	۸۵۸
برتری ۔ ایک دوسرے پر (فضل)	۱۰۹۱
ب ر	
بُرج	۳۳۰
بُرٌّ ۔ بِرٌّ	۳۳۱
برزخ	۳۳۴
برزخ (موت)	۱۳۰۷
برکت	۳۳۵
بروج (شمس)	۹۲۳
بُرہان	۳۳۷
بُرے کام (سیّئات)	۸۸۵
ب ش	
بشارت	۳۳۹
بشر	۳۴۲

عنوان	صفحہ
بشیر (انذار)	۲۴۹
〃 (بشارت)	۳۴۰
ب ص	
بصارت (بصیرت)	۳۴۸
بصیر (بصیرت)	۳۴۷
بصیرت	۳۴۷
ب ع	
بعث	۳۵۵
بغاوت	۳۵۷
بغاوت (تعزیری احکام)	۴۳۹
بغیرحساب (حساب)	۶۴۵
بغیرحساب (رزق)	۸۰۰
ب ق	
بقا۔ فنا	۳۵۹
بقیہ (بقا)	۳۶۰
ب ل	
بلا (ابتلاء)	۴۲
بلدالحرام (حرام)	۶۴۳
بلدالامین (قبلہ)	۱۱۱۶
بلاغ (تبلیغ)	۳۹۰
ب ن	
بندروں جیسے (سبت)	۸۶۷
بنی آدم (آدم)	۲۷
بنی اسرائیل	۳۶۰
بنی اسرائیل (سبت)	۸۶۷
〃 〃 (فرعون)	۱۰۸۴
بنی اسرائیل کا بیت المقدس میں داخلہ (سجدہ)	۸۶۲
بنی اسرائیل (موسیٰؑ)	۱۳۱۳
بنی نوع انسان (انسان)	۲۵۲
بنیادی حقوقِ انسانیت	۳۷۱
بنیادی حقوقِ انسانیت (انسان)	۲۶۳
ب ھ	
بھائی (اخ)	۸۱
بہائم (انعام)	۲۶۷
بہتان	۳۷۲
بہتان (افک)	۱۹۳
بہنیں (اخ)	۸۳
بھوک (رزق)	۸۰۴
ب ی	
بیان (بیّنات)	۳۷۷
بیت الحرام (حرام)	۶۴۳
بیت المقدس میں ہیکلِ سلیمانؑ (سجدہ)	۸۲۵

عنوان	صفحہ
بیٹے (ابن)	۵۵
بیٹیاں (ابن)	۵۴
بیٹیاں ۔ خدا کی بیٹیوں کا عقیدہ (ابن)	۵۷
بے حیائی (فحش)	۱۰۶۹
بے حیائی کی باتیں (آدابِ معاشرت)	۱۳
بیع	۳۷۴
بیعت (بیع)	۳۷۶
بیوہ کی عدت (عدت)	۱۰۱۹
بیوہ کے نان ونفقہ کا انتظام (عدت)	۱۰۱۹
بیوی (عورت)	۱۰۴۸
بیوی بچوں کی زندگی (عائلی زندگی)	۱۰۰۰
بیوی بچے بھی ہمارے دشمن ہو سکتے ہیں۔ (عداوت)	۱۰۱۷
بیہودہ باتیں (لغو)	۱۲۰۳
" " (لہوولعب)	۱۲۱۰
بیّنات	۳۷۷
پ	
پ ر	
پاکیزگی ۔ جسمانی (طہارت)	۹۸۱
" سیرت (")	۹۸۲
پاگل پن (جنون)	۵۷۵

عنوان	صفحہ
پ ر	
پرائیویسی (پردہ)	۳۸۵
پردہ	۳۸۴
پردہ کے ضمن میں اظہارِ زینت (زینت)	۸۵۸
پرستش (عبادت)	۱۰۰۵
پ س	
پسند کرنا (محبت)	۱۲۲۸
(نا) پسندیدگی (محبت)	۱۲۲۹
پ ی	
پیری مریدی (وسیلہ)	۱۳۸۹
پیش گوئیاں (نبی)	۱۳۱۹
پیش گوئیاں کرنے والے (شمس)	۹۲۳
پیکروں میں توانائی پھونک دینا (صُور)	۹۶۳
ت	
ت ر	
تاریخ (سیر وفی الارض)	۸۹۱
تاریخِ اقوام (سنت)	۸۸۴
تاریکی (ظلم)	۹۹۴
تاریکی (نور)	۱۳۶۷
تاویل "	۳۸۸
تائیدِ خداوندی (نصرت)	۱۳۳۷

عنوان	صفحہ
ت ب	
تباہی (خسران)	۶۹۱
تباہی قوموں کی (امم سابقہ)	۲۴۱
" " (ہلاکت)	۱۴۱۱
تبرّج (پردہ)	۳۸۵
تبرج (برج)	۳۳۱
تبذیر (اسراف)	۱۱۷
تبلیغ	۳۹۰
تبوک	۳۹۳
تبیان (بیّنات)	۳۷۷
ت ث	
تثبیتِ نفس (صبر، ثبات)	۵۴۲/۹۴۰
تثلیث (عیسےٰ)	۱۰۶۰
ت ج	
تجارت	۳۹۴
تجارت (بیع)	۳۷۵
تجرباتی دلیل	۳۹۶
تجرد کی زندگی (نکاح)	۱۳۶۳
تجاوز۔ حدود اللہ سے (حدود اللہ)	۶۰۸
ت ح	
تحریف	۳۹۷
تحسین وآفرین (صلوٰۃ)	۹۵۸

عنوان	صفحہ
تحقیق	۳۹۹
تحقیق کے بغیر بات پر یقین نہ کرو (آدابِ معاشرت)	۱۴
ت خ	
تختِ خداوندی (عرش)	۱۳۲
تخلیق	۴۰۱
تخلیق کی ابتدا (بدع)	۳۲۹
تخلیقِ کائنات (فطرت)	۱۰۹۶
ت د	
تدابیر (مکر)	۱۲۷۹
تدبر (علم وعقل)	۱۰۴۵
ت ذ	
تذکرہ (ذکر)	۷۶۲
ت ر	
ترکہ (کی تقسیم)	۴۱۱
ترکہ (کی تقسیم)۔ (وراثت)	۱۳۸۴
ت ز	
تزکیہ	۴۱۶
تزکیۂ نفس (زکوٰۃ)	۸۴۵
" " (نفس)	۱۳۴۹
ت س	
تسبیح	۴۲۰

عنوان		صفحہ
تسخیرِ فطرت		۴۲۴
تسخیرِ فطرت	(فطرت)	۱۱۰۲
تسکین	(طمانیت)	۹۸۱
تسکینِ جذبات	(خواہشات)	۷۰۲
ت ش		
تشبیہ	(تشبہ)	۸۹۲
ت ص		
تصدیق		۴۲۷
تصدیق	(صدق)	۹۵۱
تصوّف	(تزکیہ)	۴۱۶
تصوّف	(نفس)	۱۳۴۹
تصوّف	(وسیلہ)	۱۳۹۰
تصوف زینت کیخلاف	(زینت)	۸۵۶
ت ع		
تعاون	(استعانت)	۱۱۳
〃	(آدابِ معاشرت)	۲۲
تعبیر	(تاویل)	۳۹۰
تعبیر خوابوں کی	(خواب)	۶۹۸
تعددِ ازواج	(نکاح)	۱۲۶۴
تعزیری احکام		۴۳۶
تعویذ	(اعوذ باللہ)	۱۸۹
ت ف		

عنوان		صفحہ
تفاخر	(فخر)	۱۰۸۱
تفرقہ	(وحدتِ انسانیت)	۱۳۷۴
تفصیل		۴۴۶
تفقہ	(علم و عقل)	۱۰۴۵
تفقہ	(فقہ)	۱۱۰۴
تفکّر	(علم و عقل)	۱۰۴۶
تفکّر	(فکر)	۱۱۰۶
ت ق		
تقدیر		۴۴۸
تقدیر	(قانون)	۱۱۰۸
تقدیس		۴۷۹
تقلید		۴۸۰
تقلیدِ آباء	(اثر)	۶۲
تقویٰ		۴۸۵
تقویت	(نصرت)	۱۳۲۷
تقیہ	(تقویٰ)	۴۹۴
ت ک		
تکبّر		۴۹۵
تکریم	(ذلت)	۷۷۲
تکذیب		۵۰۰
تکذیب	(کذب)	۱۱۸۴

عنوان	صفحہ
تلاعب بالدین (لہو ولعب)	۱۲۰۹
تلاوت	۵۰۹
ت م	
تمثیلی بیان (مثالیں)	۱۲۲۱
تمسخر (تعزیری احکام)	۴۴۲
تمکن فی الارض (دنیا)	۷۳۷
ت ن	
تناسخ	۵۱۴
تناسخ (موت)	۱۳۰۴
تنذیر (انذار)	۲۵۰
تنزیل (نزول)	۱۳۲۸
ت و	
توّاب (توبہ)	۵۲۰
توازن کھودینا (طاغوت)	۹۷۴
توبہ	۵۱۶
توبہ (عفو)	۱۰۳۴
توبۃ النصوح (عبرت)	۱۰۱۵
توبہ و اصلاح (اصلاح)	۱۵۰
توجہات مرکوز الی اللہ (رضائے خداوندی)	۸۳۳
توحید	۵۲۳
توحید (شرک)	۸۹۶
تورات	۵۲۹

عنوان	صفحہ
توکّل	۵۳۳
ت ہ	
تہجد (صلوٰۃ)	۹۶۰
تہذیب و تمدن	۵۳۷
تہمت (آداب معاشرت)	۱۵
" (افک)	۱۹۳
" (بہتان)	۳۷۲
تہمت (تعزیری احکام)	۴۴۰
ت ی	
تیمم (وضو)	۱۳۹۱
ث	
ث ا	
ثابت (ثبات)	۵۴۱
ثاقب	۵۴۱
ث ب	
ثبات	۵۴۱
ث ع	
ثعبان	۵۴۳
ث ق	
ثقافت (تہذیب)	۵۴۰
ثقلان (ثقیل)	۵۴۳

عنوان — صفحہ

ثقیل ۵۴۳

ث م

ثمر ۵۴۴
ثمرات (ثمر) ۵۴۴
ثمن ۵۴۵
ثمود ۵۴۴

ث و

ثواب ۵۴۶

ث ی

ثیاب بمعنی شخصیت (ثواب) ۵۴۷
ثیاب بمعنی دعوت (ثواب) ۵۴۷

ج

ج ا

جابر (جبر) ۵۴۸
جادو (سحر) ۸۷۷
جادوگر (سحر) ۸۷۷
جالوت ۵۴۸
جامع الناس۔ (حشر) ۶۵۰
جاہل (جہالت) ۵۸۵
جاہلیت (جہالت) ۵۸۴
جاہلیت میں حرام وحلال (حرام) ۶۴۲

عنوان — صفحہ

ج ب

جبّار (جبر) ۵۴۸
جبر ۵۴۸
جبروقدر (تقدیر) ۴۵۶
جبریل۔رسول اللہ کا ولی (ولی) ۱۳۹۴
جبریل کیلئے روح القدس (روح) ۸۳۷
جبریل۔یہودی ان کے دشمن تھے (عداوت) ۱۰۱۸

ج ح

جحود (مجادلہ) ۱۲۲۶
جحیم (جہنم) ۵۹۳

ج د

جدال (مجادلہ) ۱۲۲۴
جدال (بحث) ۳۱۴
جدوجہد (جہاد) ۵۸۱

ج ذ

جذبات (انسان) ۲۵۳
" (خواہشات) ۶۹۹
" (علم وعقل) ۱۰۴۲
" (فؤاد) ۱۰۶۹
(اپنے) جذبات کو معبود بنا لینے والا (شرک) ۸۹۶

عنوان	صفحہ
ج ر	
جرائم (معصیت)	۱۲۵۸
جرائم اوران کی سزا (تعزیری احکام)	۴۳۶
جرائم کی سزا (عاقبت)	۱۰۰۲
" " (عذاب)	۱۰۲۳
جرم اوراس کی سزا (سیأت)	۸۹۰
جرم اور سزا (سرقہ)	۸۸۰
جرمِ قتل کی سزا (قتل)	۱۱۱۶
جرم وسزا	۵۴۹
جرم وسزا (عفو)	۱۰۳۴
جزا (مکافاتِ عمل)	۱۲۷۲
" (جرم وسزا)	۵۴۹
جزیہ	۵۵۱
ج ل	
(ذو) الجلال والاکرام (ذلت)	۷۷۶
جلباب (پردہ)	۳۸۶
ج م	
جماعت (اجتماعی زندگی)	۶۶
جمال (حسن وجمال)	۶۳۱
جمع ہونا. قیامت میں (حشر)	۶۴۹
جمعہ کی نماز (صلوٰۃ)	۹۶۰
جمہوریت (کثرت وقلت)	۱۱۸۲

عنوان	صفحہ
ج ن	
جنّ	۵۵۲
جنّ حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں (سلیمانؑ)	۸۸۳
جنّ وانس (انسان)	۲۶۰
" " (جنّ)	۵۵۴
جنّ وانس وسوسہ انگیزی کرتے ہیں (وسوٰ)	۱۳۸۹
جنابت (وضو)	۱۳۹۱
جنّات (جنّ)	۵۵۲
جنّت . ارضی واُخروی	۵۵۵
جنت کی شراب (خمر)	۶۹۷
جنت کا تمثیلی بیان (امثالیں/جنت)	۵۵۷، ۱۲۲۳
جنت والوں کا نور (نور)	
جنت کے پھل (ثمر)	۵۴۴
جنسی تعلقات (عائلی زندگی)	۹۹۹
جنسی جذبہ کے محرکات (فحش)	۱۰۷۸
جنگ	۵۶۵
جنگ (جہاد)	۵۸۲
جنگِ اُحد (اُحد)	۷۵
جنگِ احزاب	۷۷/۵۷۴
جنگِ بدر	۳۲۲
جنگِ تبوک (تبوک)	۳۹۳
جنگِ خندق	۵۷۴

عنوان	صفحہ
جنگِ حنین (حنین)	۶۸۶
جنگی قیدی (غلامی/قیدی)	۱۱۶۷ / ۱۰۶۳
جنون	۵۷۵
ج و	
جوّا (تعزیری احکام)	۴۱۴
جوّا (میسرہ)	۵۷۷
جور واکراہ	۵۷۸
جوڑے۔ ہر شے کے (زوج)	۵۵۵
ج ہ	
جہاد	۵۸۱
جہاد فی سبیل اللہ (سبیل)	۸۶۹
جھاؤ (اثل)	۶۳
جہالت	۵۸۳
جھگڑے نکالنا (بحث)	۳۱۵
جہل (جہالت)	۵۸۳
جہنّم	۵۸۶
جہنم (موت)	۱۳۰۶
جہنم۔ علم الیقین، عین الیقین حق الیقین ہے۔ (یقین)	۱۴۲۶
جہنم کے مشروب (خمر)	۶۹۷
جھوٹ (کذب)	۱۱۸۴
جھوٹ۔ جھوٹا۔ جھٹلانے والا (تکذیب)	۵۰۰

عنوان	صفحہ
چ	
چ ا	
چاند (شمس)	۹۲۱
چ و	
چوری (سرقہ)	۸۸۰
چوری (تعزیری احکام)	۴۴۰
ح	
ح ا	
حاجتمند (آداب معاشرت)	۲۱
حاسد (حسد)	۶۴۸
حاضر ہونا۔ قیامت میں (حشر)	۶۴۸
حاقۃ (حق)	۶۶۲
حاکم (حکومت)	۶۶۷
حامد (حمد)	۶۷۵
حاملینِ عرش (عرش)	۱۰۳۳
ح ب	
حبطِ اعمال	۵۹۹
ح ج	
حج	۶۰۱
حج کے مناسک (نسک)	۱۳۳۳
حج میں سامانِ منفعت (نفع نقصان)	۱۳۵۹

عنوان	صفحہ
(ال) حجر (اصحاب الحجر)	۱۴۷
" (ثمود)	۵۴۴
ح د	
حدود اللہ	۶۰۷
حدود اللہ سے تجاوز (معصیت)	۱۲۵۸
حدود شکنی (معصیت)	۱۲۶۰
حدود فراموشی (اسراف)	۱۱۷
" " (طاغوت)	۹۷۴
حدیبیہ کا معاہدہ۔ فتح مبین (فتح)	۱۰۷۱
حدیث ۔ یعنی وہ باتیں جن کی بابت وحی خداوندی نے رسول اللہ سے کہا کہ "تم ان سے کہہ دو۔ قُل"	۶۱۰
ح ر	
حرام (حرام و حلال)	۶۳۹
حرام ۔ بمعنی واجب (حرام)	۶۴۳
حرام و حلال	۶۳۹
حرص	۶۴۴
حرمات اللہ کی تعظیم (حرام)	۶۴۱
حروفِ مقطعات (مقطعات)	۱۲۶۹
ح ز	
حزب الشیطان (شیطان)	۹۳۰
حزن (خوف وحزن)	۷۰۳

عنوان	صفحہ
ح س	
حساب	۶۴۴
حسب ۔ کافی ہونا (حساب)	۶۴۶
حسد	۶۴۷
حسد (آداب معاشرت)	۱۵
حسنات (حسنۃ)	۶۳۵
حسنات کے مقابلے میں سیئات۔ (سیئات)	۸۸۶
حسنِ اخلاق (اخلاقِ حسنہ)	۹۱
حسنۃ	۶۳۳
حسنِ سلوک (والدین)	۱۳۷۱
حسنِ عمل (حسنۃ)	۶۳۵
حسن مآب (حسنۃ)	۶۳۶
حسن و جمال	۶۳۱
حسیب (حساب)	۶۴۶
حسین (حسن و جمال)	۶۳۶
ح ش	
حشر	۶۴۸
ح ض	
حضانت	۶۵۲
ح ط	
حطمۃ (جہنم)	۵۹۸
ح ف	

عنوان		صفحہ
حق		۶۵۲
حق	(باطل)	۳۰۷
حق و باطل کی کشمکش میں نقصانات	(ثمر)	۵۴۴
حق الیقین	(یقین)	۱۴۲۶
حقائق	(حق)	۶۵۳
حقِ ملکیت	(ملکیت)	۱۲۹۴
حقوق اللہ اور حقوق العباد	(حق)	۶۵۳
" "	(ثمر)	۵۴۴
حقوقِ انسانیت	(انسان)	۲۶۳
" "	(بنیادی حقوق)	۳۷۱
حقیق	(حق)	۶۶۲
حقیقت	(حق)	۶۵۳
حقیقت. کتمان اور اظہار	(کتمانِ حقیقت)	۱۱۷۹
ح ک		
حُکم	(حکمت)	۶۶۴
حکمت		۶۶۳
حکمت اور کتاب	(نبی)	۱۳۲۲
حکومت		۶۶۷
حکومتِ خداوندی	(حق)	۶۶۲
حکومت صرف خدا کی ہے	(شرک)	۸۹۶
حکومت. قسط و عدل کے ساتھ	(عدل)	۱۰۳۰
حکیم	(حکمت)	۶۶۴

عنوان		صفحہ
ح ل		
حلف	(قسم)	۱۱۴۰
حلال	(حلال و حرام)	۶۳۹
حلال و طیّب	(حرام و حلال)	۶۴۱
"	(طیّب)	۹۸۳
ح م		
حمد		۶۷۳
حملِ امانت	(امانت)	۲۱۵
حمید	(حمد)	۶۷۶
ح ن		
حنین	(جنگ)	۶۸۶
ح و		
حواری	(نصاریٰ)	۱۳۳۳
"	(نصرت)	۱۳۴۱
"	(عیسیٰؑ)	۱۰۵۹
حور		۶۷۶
ح ی		
حیاتِ اُخروی	(موت)	۱۳۰۸
حیات و ممات		۶۷۷
حیض		۶۸۶
حیوانی جبلّت	(انسان)	۲۵۳

عنوان	صفحہ
خ	
خ ا	
خالق (تحقیق)	۴۰۲
خام خیالی (ظن)	۹۹۶
خانگی زندگی (عائلی زندگی)	۹۹۹
خ ب	
خبائث (خبیث وطیب)	۶۸۹
خبر	۶۸۷
خبیث وطیب	۶۸۷
خبیر (خبر)	۶۸۷
خ ت	
ختمِ نبوت (نبی)	۱۳۱۹
خ د	
خدا (اللہ)	۱۹۴
خدا بندے کا ولی۔ بندہ خدا کا ولی (ولی)	۱۳۹۲
خدا سے محبت (محبت)	۱۲۳۰
" " (مودت)	۱۲۱۶
خدا سے ملاقات (لقاء رب)	۱۲۰۴
خدا سے ہمکلامی (وحی)	۱۳۷۸
خدا کا ڈر (خوف)	۷۰۶
خدا کا غضب (غضب)	۱۰۶۱

عنوان	صفحہ
خدا کس بات کو پسند کرتا ہے اور کسے ناپسند (محبت)	۱۲۲۸
خدا کی طرف سے عاید کردہ فرائض	۶۹۰
خدا کی ملکیت (ملکیت)	۱۲۹۴
خدا کے دشمن (عداوت)	۱۰۱۷
خدا کے وعدے (عہد)	۱۰۵۳
خدا نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھا ہے (فرائض)	۶۹۱
خدائے کریم (ذلت)	۷۷۶
خ ر	
خرچ اخراجات (آدابِ معاشرت)	۱۹
خرس (ذوالقرنین)	۷۷۷
خرید و فروخت (بیع)	۳۷۴
" (تجارت)	۳۹۴
خ س	
خسران	۶۹۱
خ ش	
خشوع	۶۹۵
خشوع (خوف)	۷۰۸
خشیت (خوف)	۷۰۴
خ ض	
" خضر " (موسیٰ)	۱۳۰۹
خضوع (خوف)	۷۰۸

عنوان	صفحہ
خ ط	
خطرات سے محفوظ رہنا (نجات)	۱۳۲۴
خ ف	
خفیف (ثقیل)	۵۴۳
خفیہ تدبیریں (مکر)	۱۲۷۹
خفیہ مشورے (سرگوشیاں)	۸۸۱
خ ل	
خلق (تخلیق)	۴۰۱
خلوص (اخلاص)	۸۹
خلوص (ریاء)	۸۳۹
خلیفہ. خلافت (استخلاف)	۱۰۸
خ م	
خمر۔ (جسے ہمارے ہاں شراب کہتے ہیں)	۶۹۶
خمر (تعزیری احکام)	۴۴۱
خ ن	
خنّاس وسوسہ انگیزی کرتے ہیں (وسو)	۱۳۸۹
خندق (احزاب)	۷۷
" (جنگ)	۵۷۴
خنزیر (حرام)	۶۴۱
خ و	
خواب	۶۹۸
"خواجہ خضر" (موسیٰ)	۱۳۰۹
خواری (ذلّت)	۷۷۲
خواہشات	۶۹۹
خودعاید کردہ واجبات (منّت)	۱۳۰۲
" " فرائض (فرض)	۱۰۸۲
خودی (نفس)	۱۳۴۸
خوردونوش (آداب معاشرت)	۱۸
خوش خلقی (اخلاقِ حسنہ)	۹۱
خوشنودیِ باری تعالیٰ (رضائے خداوندی)	۸۲۹
خوف وحزن	۷۰۲
خون بہا (دیت)	۷۵۴
خون بہا (قتل)	۱۱۱۷
خون کا اختلاف (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۶
خ ی	
خیانت	۷۱۹
خیانت (تعزیری احکام)	۴۴۱
خیر (خیروشر)	۷۱۱
خیرات یعنی اچھی باتیں۔ (خیروشر)	۷۱۳
خیروشر	۷۱۰
د	
د ا	
دابّہ	۷۲۲

عنوان		صفحہ
دارالآخرت	(خیروشر)	٧١٤
داڑھی	(ریش)	٨٤٠
داستانِ پارینہ	(قصّہ)	١١٤٤
داستانیں۔ اقوامِ سابقہ کی	(حدیث)	٦١١
حضرت داؤد		٧٢٠
حضرت داؤد	(جالوت)	٥٤٨
در		
درجات		٧٢٤
درود	(صلوٰۃ)	٩٥٨
دش		
دشمن	(عداوت)	١٠١٥
دشمنی	(عداوت)	١٠١٥
دع		
دعا		٧٢٦
دعائیں۔ حضرات انبیاء کرام کی	(دعا۔ رب)	٧٨١/٧٣١
دعائیں مومنین کی	(دعا۔ رب)	٧٨١/٧٣٠
دعوت الی اللہ	(دعا)	٧٣٣
دک		
دکھ درد	(الم)	٢١٣
دل		
دل	(فؤاد)	١٠٦٩
دل	(قلب)	١١٤٤

عنوان		صفحہ
دل اور زبان میں مغائرت	(منافق)	١٢٩٧
دل کے روگ	(مرض)	١٢٣١
دلائل	(برہان)	٣٣٨
دلیل۔ تجرباتی	(تجرباتی دلیل)	٣٩٦
دن		
دنیا		٧٣٥
دنیا	(آخرت)	٨
دنیا اور آخرت میں تقابل	(دنیا)	٧٤١
دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب		٧٤٠/٩
دنیا میں مکافاتِ عمل	(مکافاتِ عمل)	١٢٧٦
دنیاوی زندگی	(دنیا)	٧٣٥
دنیاوی زندگی میں ذلت	(دنیا)	٧٤٠
دنیاوی زندگی میں عذاب		٧٣٨
دنیاوی زندگی میں خوشگواریاں	(دنیا)	٧٣٧
دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے	(لہو ولعب)	١٢١٠
دنیا میں ثواب	(ثواب)	٥٤٧
دو		
دوآب	(دآبہ)	٧٢٣
دودھ پلانا بچے کو	(رضاعت)	٨٣٤
دوست	(قرین)	١١٤٠
دوست	(آدابِ معاشرت)	٢١
دوست داری کے تعلقات	(محبت)	١٢٢٩

عنوان	صفحہ
دوست داری کے تعلّقات (مودّت)	۱۲۱۷
دوستی	۷۴۵
دولت	۷۴۹
دولت مند طبقہ (دولت)	۷۴۹
دوقومی نظریہ (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۴
دی	
دیت (خون بہا)	۷۵۴
دیت (قتل)	۱۱۱۷
دین	۷۵۵
دین فروشی (ثمنِ قلیل)	۵۴۵
دینِ فطرت (فطرت)	۱۰۹۶
دیوانگی (جنون)	۷۵۶
ذ	
ذا	
ذاتِ انسانی (نفس)	۱۳۴۸
ذاتِ انسانی پر اعمال کا اثر (مکافاتِ عمل)	۱۲۷۲
ذاتِ انسانی کی نشوونما (تزکیہ)	۴۱۷
ذاتِ انسانی میں فجور و تقویٰ کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے (فجور)	۱۰۷۷
ذات کا نقصان (خسران)	۶۹۳
ذاتی ملکیت (معاشی نظام)	۱۲۴۶

عنوان	صفحہ
ذاتی ملکیت زمین پر (زمین)	۸۴۹
ذب	
ذبحِ ابناء (قتل)	۱۱۱۸
ذر	
ذرّہ (ثقیل)	۵۴۳
ذک	
ذکر	۷۶۲
ذکور واناث (زوج)	۸۵۵
ذل	
ذلّت . پستی	۷۷۲
ذلّت و خواری خدا کا عذاب ہے (دنیا)	۷۳۸
ذلیل (ذلّت)	۷۷۲
ذم	
ذمہ داری (رسائل)	۸۶۱
ذن	
ذنب (اثم)	۶۳
ذو	
ذوالجلال والاکرام (ذلّت)	۷۷۶
ذوالقرنین	۷۷۷
ذوالکفل	۷۷۸
ذوالنون (یونسؑ)	۱۴۲۸
ذی	

عنوان		صفحہ
ذی حیات	(دآبہ)	۷۲۲
ذی القربیٰ	(قرب)	۱۱۳۷
ر		
رات ۔ آرام کے لئے بنائی	(طمانیت)	۹۸۱
رازق	(رزق)	۸۰۱
راستہ	(سبیل)	۸۶۸
رائگاں جانا اعمال کا	(حبطِ اعمال)	۵۹۹
راہ نما	(ہدایت)	۱۴۰۰
راہ نمائی	(ہدایت)	۱۴۰۰
ر ب		
رب		۷۷۹
ربانی	(رب)	۷۸۱
ربائب	(رب)	۷۸۱
ربوٰ		۷۸۳
ربوٰ	(معاشی نظام)	۱۲۴۹
ربوبیت	(" ")	۱۲۵۱
ربیون	(رب)	۷۷۹
ر ج		
رجعت الی اللہ		۷۸۴
رجم		۷۹۰
رجیم	(رجم)	۷۹۰
ر ح		
رحم	(رحمت)	۷۹۱
رحمان	(رحمت)	۷۹۶
رحمت		۷۹۱
رحیم	(رحمت)	۷۹۶
ر ز		
رزاق	(رزق)	۸۰۱
رزق		۷۹۹
رزق	(معاشی نظام)	۱۲۴۷
رزق	(فضل)	۱۰۹۲
رزق ۔ آسمان سے	(بارش)	۳۰۴
رزقِ کریم	(رزق/ ذلّت)	۷۷۶/۸۰۵
رزق کی تنگی وجہِ ذلّت ہے	(ذلّت)	۷۷۴
رزق کا ذریعہ زمین	(زمین)	۸۴۸
ر س		
الرس	(اصحاب الرس)	۱۴۷
رسالت	(رسول)	۸۰۷
رسول		۸۰۶
رسول ۔ ہر ایک کو ساحر یا مسحور کہا گیا	(سحر)	۸۷۷
رسولؐ اللہ کو بھی	(سحر)	۸۷۸
رسول کسی سے اجرِ رسالت نہیں مانگتے تھے	(سائل)	۸۶۲

عنوان		صفحہ
رسول بشر ہوتے تھے	(بشر)	۳۴۵
رسول کریمؐ	(ذلت)	۴۷۶
رسولؐ اللہ سے لوگوں نے کیا کیا سوال کئے	(سائل)	۸۶۰
رسولؐ اللہ کے صحابہؓ	(صحابہؓ)	۹۴۴
رسولؐ اللہ غوایت سے متاثر نہیں تھے	(غوایت)	۱۰۶۸
رسولؐ اللہ کی طرف منسوب معجزات	(معجزات)	۱۲۵۵
رسولؐ اللہ کی وفات	(موت)	۱۳۰۶
رسولؐ اللہ۔ سراج منیر	(نور)	۱۳۷۰
رسولؐ اللہ لوگوں پر داروغہ نہیں تھے	(جبر)	۵۴۸
رسولوں کو مخالفین مجنون کہتے تھے	(جنون)	۵۷۶
رشتہ دار	(قرب)	۱۱۳۶
رشتہ داری	(قرب)	۱۱۳۶
رشتے دار	(آدابِ معاشرت)	۲۰
رُشد		۸۲۷
رُشد بمقابلہ غوایت	(غوایت)	
رشوت		۸۲۸
رشوت	(تعزیری احکام)	۴۴۱
ر ض		
رضائے خداوندی		۸۲۹
رضاعت		۸۳۴
رضوان اللہ	(رضائے خداوندی)	۸۲۹

عنوان		صفحہ
رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ	(رضائے خداوندی)	۸۲۹
ر ع		
رُعب		۸۳۵
ر ف		
رفتار	(آدابِ معاشرت)	۱۴
ر ق		
(فی) الرقاب	(قیدی)	۱۱۶۷
رقبۃ	(قیدی)	۱۱۶۸
ر ک		
رکوع وسجود	(سجدہ)	۷۸۴
ر م		
رمضان کا مہینہ	(صوم)	۹۶۵
ر ن		
رنگ کا اختلاف	(وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۵
ر و		
رُوح		۸۳۶
الروح	(ملائکہ)	۱۲۸۴
روح القدس	(روح)	۸۳۷
" "	(تقدیس)	۴۷۹
روحانیت	(نفس)	۱۳۴۹
روحانیت کا غلط تصور	(تزکیہ)	۴۱۶
روزے	(صوم)	۹۶۴

عنوان	صفحہ
روشنی (ظلم)	۹۹۴
روشنی (نور)	۱۳۹۷
رؤیا (خواب)	۶۹۸
ر ہ	
رہبان (نصاریٰ)	۱۲۲۵
رہبانیت (عیسیٰؑ)	۱۰۶۰
رہبانیت (نصاریٰ)	۱۳۳۵
رہن	۸۳۸
رہن (قرض)	۸۳۸
رہزنی (تعزیری احکام)	۴۴۳
ر ی	
ریاء	۸۳۹
ریب	۸۴۰
ریش	۸۴۰
ز	
ز ب	
زبان کا اختلاف (وحدتِ انسانیہ)	۱۲۷۵
زبر (زبور)	۸۴۱
زبردستی (جبر)	۵۴۸
زبور	۸۴۱
زبور (داؤد)	۷۲۰
ز ر	
زراعت	۸۴۱
زرعی پیداوار (زمین)	۸۴۸
ز ک	
(حضرت) زکریاؑ	۸۴۴
زکوٰۃ	۸۴۴
زکوٰۃ (معاشی نظام)	۱۲۴۷
ز م	
زمین	۸۴۷
زمین (بارش)	۳۰۵
زمین تمام ضرورت مندوں کے لئے کھلی رہنی چاہیئے (سائل)	۸۶۳
زمین (معاشی نظام)	۱۲۵۰
زمینِ مردہ کی زندگی (حیات وممات)	۶۸۱
ز ن	
زن	۸۵۱
زنا (تعزیری احکام)	۴۳۹
زندگی (حیات وممات)	۶۷۷
زندگی پر خدا کا کنٹرول (عرش)	۱۰۳۳
ز و	
زوال ۔ قوموں کا (ہلاکت)	۱۴۱۱
زوج	۸۵۳

عنوان	صفحہ
زوجین - ہر ثمر کے (ثمر)	۵۴۴
ز ہ	
زہد (تزکیہ)	۱۴
ز ی	
زیادتی (ظلم)	۹۸۶
زیب وزینت (پردہ)	۳۸۶
زیب وزینت (حسن وجمال)	۶۳۲
زیب وزینت (زینت)	۸۵۶
زینت	۸۵۶
س	
س ا	
السابقون الاولون (صحابہؓ)	۹۴۵
ساحرین دربار فرعون (موسیٰؑ)	۱۳۱۰
سازش - انفرادی (تعزیری احکام)	۴۴۴
سازشیں (مکر)	۱۲۷۹
سازشیں (سرگوشیاں)	۸۸۱
ساعت	۸۶۴
الساعۃ (آخرت)	۳
سامری (موسیٰؑ)	۱۳۱۳
سائرس (ذوالقرنین)	۷۷۷
سائل	۸۵۹

عنوان	صفحہ
سائل (آداب معاشرت)	۲۱
سائل (معاشی نظام)	۱۲۴۸
ساقی (قرین)	۱۱۴۰
(علوم) سائنس (فطرت)	۱۰۹۶
سائیکالوجی (نفس)	۱۳۵۷
س ب	
سباکی ملکہ (سلیمانؑ)	۸۸۲
سبحان اللہ (تسبیح)	۴۲۲
سبت	۸۶۷
سُبل (سبیل)	۸۶۸
سُبُل (صراطِ مستقیم)	۹۵۳
سبیل	۸۶۸
سبیل اللہ (سبیل)	۸۶۹
سبیل الرشاد (رشد)	۸۲۰
ابن السبیل (ابن)	۵۵
ابن السبیل (سبیل)	۸۶۸
س ت	
ستارے (شمس)	۹۱۸
س پ	
سپاس گزاری (شکر)	۴۱۸
س ج	
سجدہ	۸۷۳

عنوان	صفحہ
س ح	
سحاقت (تعزیری احکام)	۴۴۱
سِحر۔ سَحَر	۸۷۶
سِحر (ہاروت و ماروت)	۱۳۹۸
سَحَر بمعنی صبح (سحر)	۸۷۸
س خ	
سخط (غضب)	۱۰۶۲
س د	
سدرۃ المنتہیٰ	۸۷۹
س ر	
سراج منیر (نور)	۱۳۷۰
سردارانِ قوم (دولت)	۷۵۰
سردارانِ قوم (مترفین)	۱۲۱۸
سرقہ۔ (چوری)	۸۸۰
سرکشی (طاغوت)	۹۷۴
سرکشی (معصیت)	۱۲۵۸
سرکشی۔ حدود اللہ سے (حدود اللہ)	۶۰۸
سرگوشیاں	۸۸۱
سرمایہ دار طبقہ (مترفین)	۱۲۱۸
سرمایہ دارانہ نظام فساد ہے۔ (فساد)	۱۰۸۶
سریع الحساب (حساب)	۶۴۷
س ز	
سزا (عذاب)	۱۰۲۳
سزا (عاقبت)	۱۰۰۳
سزا کا فلسفہ (تعزیری احکام)	۴۳۶
سزا کا مقصد (جرم و سزا)	۵۴۹
سزاؤں کا تعین (سرقہ)	۸۸۰
س س	
سسرالی رشتہ (نکاح)	۱۳۶۵
س ع	
سعد و نحس (نحوست)	۱۳۲۷
سعیِ مشکور (شکر)	۹۱۶
سعیر (عذاب)	۱۰۳۱
س ق	
سقر (جہنم)	۵۹۸
س ک	
سکون (طمانیت)	۹۸۱
سکہ (معاشی نظام)	۱۲۴۶
سکینت (طمانیت)	۹۸۱
س ل	
سلب و نہب (ظلم)	۹۸۶
سلسبیل (سبیل)	۸۶۳
(حضرت) سلیمانؑ	۸۸۲
حضرت سلیمانؑ (داؤد)	۷۲۱

عنوان	صفحہ
س م	
سمٰوٰت (ارض و سمٰوٰت)	۱۰۱
س ن	
سنّت	۸۸۳
سنّت اللہ (سنّت)	۸۸۴
سنت اللہ (قانون)	۱۱۰۷
سنگسار کرنا (رجم)	۷۹۰
س و	
سوال (سائل)	۸۵۹
سود (ربوٰ)	۷۸۳
سورج (شمس)	۹۱۸
سوشلزم (اضداد)	۱۵۱
سوءِ عمل (سیّئات)	۸۸۸
س ی	
سیّئات	۸۸۵
سیّئات (حسنہ)	۶۳۸
سیرت کی پاکیزگی (طہارت)	۹۸۲
سیدھی راہ (صراطِ مستقیم)	۹۵۳
سیروا فی الارض	۸۹۱
سینے کے راز (قلب)	۱۱۴۷

ش

عنوان	صفحہ
ش ا	
شاباش۔ رسولؐ کی شاباش موجبِ تسکین ہوتی تھی۔ (صلوٰۃ)	۹۵۹
〃 〃 〃 〃 (طمانیت)	۹۸۱
شادی کے لئے پسندیدگی (پردہ)	۳۸۶
شاعر (شعر و شاعری)	۹۰۸
شاعری اور رسالت (شعر و شاعری)	۹۰۸
شاکر (شکر)	۹۱۴
شاکر (کفر)	۱۱۹۵
ش ب	
شُبہ	۸۹۲
ش ج	
شجر الطیب (ثبات)	۵۴۴
ش ر	
شر (خیر و شر)	۷۱۶
شراب (خمر)	۶۹۶
شراب بمعنی مشروب یعنی ہر پینے کی شے (خمر)	۶۹۷
شراب طہور (طہارت)	۹۸۲
شرارت (فتنہ)	۱۰۷۵
شرع (شریعت)	۹۰۶
شرف و مجد (ذکر)	۷۶۹
شرک	۸۹۲

عنوان	صفحہ
شرک ظلم عظیم ہے (ظلم)	۹۹۳
شرمگاہ (سیئات - سوات)	۸۹۰
شریعت	۹۰۶
شریف زادیوں کو تنگ کرنا (تعزیری احکام)	۴۴۱
" " (آدابِ معاشرت)	۱۵
ش ع	
شعائر اللہ	۹۰۹
شعائر اللہ کی تعظیم (حرام)	۶۴۳
" " (حج)	۶۰۶
شعراء (شعر و شاعری)	۹۰۹
شعر و شاعری	۹۰۷
شعراء کے متبعین. غاوون (غوایت)	۱۰۶۸
شعوب و قبائل (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۵
شعور	۹۱۰
شعور. اُخروی زندگی میں (موت)	۱۳۰۸
(حضرت) **شعیبؑ**	۹۱۱
شعیبؑ (امم سابقہ)	۲۴۲
ش ف	
شفاء	۹۱۳
شفاء (مرض)	۱۲۳۲
شفاء لما فی الصدور (شفا)	۹۱۳
شفاعتِ حسنہ و شفاعتِ سیئہ (سیئات)	۸۸۶
ش ق	
شق القمر (سحر)	۷۶۹
" " (قمر)	۹۲۱
ش ک	
شک	۹۱۳
شک (ریب)	۸۴۰
شکار (صید البر و البحر) - (حرام)	۶۴۲
شکاری کتوں کا مارا ہوا شکار (حرام)	۶۴۱
شکر	۹۱۴
شکر بمقابلہ کفر (کفر)	۱۱۹۵
شکور (شکر)	۹۱۵
ش م	
شمس	۹۱۸
شمس. طلوع و غروب (مشرق و مغرب)	۱۲۴۲
ش و	
شوریٰ (مشاورت)	۹۲۳
ش ہ	
شہابِ ثاقب (رجم)	۷۹۱
" " (ثاقب)	۵۴۱
شہادت	۹۲۴
شہادت (تعزیری احکام)	۴۴۴
شہادت (عدل و قسط کے ساتھ) (عدل)	۱۰۲۰

عنوان		صفحہ
شہادت کا کتمان	(کتمانِ حقیقت)	۱۱۸۰
"	(ثمنِ قلیل)	۵۴۵
شہادت۔ خدا کی قسموں سے مراد	(قسم)	۱۱۴۰
شہد کی مکھی	(ثمر)	۵۴۴
شہدار	(شہادت)	۹۲۶
شہدار کی زندگی	(موت)	۱۳۰۸
شہرالحرام	(حرام)	۶۴۳
شہید	(شہادت)	۹۲۶
ش ی		
شیاطین	(شیطان)	۹۳۰
شیطان		۹۲۹
شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے	(عداوت)	۱۶۱۶
شیطان وسوسہ انگیزی کرتا ہے	(وسوسہ)	۱۳۸۹
ص		
ص ا		
صابئین		۹۳۵
صابرین	(صبر)	۹۴۰
صاحب الحوت	(یونسؑ)	۱۴۲۸
صادق	(تصدیق)	۴۲۹
صادق	(صدق)	۹۴۸
صالح		۹۳۵

عنوان		صفحہ
(حضرت) صالحؑ	(صالح)	۹۳۹
"	(ثمود)	۹۴۴
صالحین	(صالح)	۹۳۶
ص ب		
صبّار	(صبر)	۹۴۰
صبر		۹۳۹
ص ح		
صحابہ		۹۴۴
صحائف	(کتاب)	۱۱۷۷
صحت	(صفائی) (آدابِ معاشرت)	۱۸
صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ	(تورات)	۵۳۱
صحف	(کتاب)	۱۱۷۷
ص د		
صدق		۹۴۷
صداقت	(تصدیق نیز صدق)	۴۲۸/۹۴۷
صدق	(" ")	۴۲۸/۹۴۹
صَدیق	(" ")	۴۳۲/۹۵۰
صِدّیق	(" ")	"
صدقہ	(" ")	۴۳۵/۹۵۲
صدقات	(" ")	"
صدقات	(معاشی نظام)	۱۲۴۶
صدقات میں مساکین کا حق	(مسکین)	۱۲۴۱

عنوان	صفحہ
ص د	
صدر ۔ صدور (قلب)	۱۱۴۵
صدور کے نفسیاتی امراض (شفاء)	۹۱۳
ص ر	
صراطِ مستقیم	۹۵۳
ص ف	
صفا (اور مروہ) ۔ (شعائر اللہ)	۹۱۰
صفاتِ خداوندی (اللہ)	۱۹۸
ص ل	
صلح (صلح)	۹۳۵
صلوات بمعنی تحسین وتبریک شاباش (صلوٰۃ)	۹۵۸
صلوٰۃ ۔ صلوات	۹۵۶
صلوٰۃ ۔ حالتِ جنگ میں (سجدہ)	۸۲۵
صلوٰۃ اور معاشیات کا تعلق (شعیبؑ)	۹۱۲
ص م	
صمد	۹۶۲
ص و	
صور (نفخِ صور)	۹۶۳
صورت	۹۶۴
صورت گری ۔ خدا کا عملِ تخلیق ۔ (صورت)	۹۶۴
صوم	۹۶۴
ض	
ض ب	
ضبطِ نفس ۔ مرد کے لئے (عائلی زندگی)	۱۰۰۰
ضبطِ نفس (نکاح)	۱۳۶۴
ض د	
ضد کی بنا پر انکار (مجادلہ)	۱۲۲۵
ض ر	
ضرر (نفع نقصان)	۱۳۵۷
ضرورت مند (سائل)	۸۵۹
ض ل	
ضلال (ضلالت)	۹۷۲
ضلالت	۹۶۶
ضلالت (غوایت)	۱۰۶۷
ضلالت (ہدایت)	۱۴۰۱
ضلالت کی راہیں (سبیل)	۸۷۲
ض م	
ضمیر کی آواز (ملامت)	۱۲۸۷
ض ی	
ضیاء (نور)	۱۳۶۷
ط	
طاغوت	۹۷۴

عنوان	صفحہ
طالوت ۔ (جالوت)	۵۴۸
(حضرت) طالوت کیطرف منسوب معجزہ (معجزات)	۱۲۵۶
طائفین (حج)	۶۰۶
طب	
طبقاتی امتیاز (نوحؑ)	۱۳۶۷
طغ	
طغیان (طاغوت)	۹۷۵
طل	
طلاق	۹۷۶
طلوعِ شمس (مشرق و مغرب)	۱۲۴۲
طم	
طمانیت	۹۷۹
طو	
طوافِ کعبہ (حج)	۶۰۶
طوبیٰ (خبیث و طیب)	۶۸۸
" (طیب)	۹۸۵
طوفانِ نوح (نوحؑ)	۱۳۶۷
طہ	
طہارت	۹۸۱
طہور (طہارت)	۹۸۲
طی	
طیب	۹۸۳

عنوان	صفحہ
طیب (خبیث و طیب)	۶۸۸
طیب ۔ حلال طیب (حرام و حلال)	۶۴۱
طیب و حلال (طیب)	۹۸۵
طیر ۔ منطق الطیر (حضرت سلیمانؑ)	۸۸۳
ظ	
ظا	
ظالم (ظلم)	۹۸۸
ظاہر و باطن کے فحشا حرام ہیں (باطن)	۳۱۳
ظل	
ظلم	۹۸۶
ظلمات (ظلم)	۹۹۴
ظلمات (نور)	۱۳۶۷
ظلم و زیادتی ۔ انفرادی (ظلم)	۹۸۷
" (تعزیری احکام)	۴۴۳
ظن	
ظن	۹۹۶
ظن (تحقیق)	۴۰۰
ظہ	
ظہار (طلاق)	۹۷۷
ع	

عنوان	صفحہ
ع ا	
عاد ۔ قوم	۱۰۰۱
(قوم) عاد (امم سابقہ)	۲۴۲
عادات و اطوار (اخلاقِ حسنہ)	۹۱
عاصی پر معاصی (معصیت)	۱۲۵۸
عاقبت	۱۰۰۲
عاکفین (اعتکاف)	۱۶۲
عاکفین (حج)	۶۰۶
عالم (علم)	۱۰۳۹
عالمگیر برادری (انسان)	۲۶۲
" " (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۴
عائلی زندگی	۹۹۹
عائلی زندگی کے آداب (آدابِ معاشرت)	۱۹
ع ب	
عباد (عبادت)	۱۰۱۱
عبادت	۱۰۰۴
عبدیت (عبادت)	۱۰۰۵
عبرت	۱۰۱۲
عبودیت (عبادت)	۱۰۰۷
عبید (عبادت)	۱۰۰۹
ع د	
عدالتی سزا (عذاب)	۱۰۳۰
عداوت	۱۰۱۵
عدت	۱۰۱۸
عدت (طلاق)	۹۷۸
عدل (قسط)	۱۰۱۹
عدم توازن (طاغوت)	۹۷۴
عدو (عداوت)	۱۰۱۶
عدوان (حدود اللہ)	۶۰۹
عدوان (معصیت)	۱۲۶۰
ع ذ	
عذاب	۱۰۲۳
عذاب (ثواب)	۵۴۶
عذابِ الیم (الم)	۲۱۳
عذابِ جہنم (جہنم)	۵۹۱
عذابِ قبر (موت)	۱۳۰۴
ع ر	
عرب جاہلیہ کی حکومتیں (شمس)	۹۱۹
عرش	۱۰۳۲
عرف (امر بالمعروف)	۲۲۵
عرفان (معرفت)	۱۲۵۷
عروج و زوالِ اقوام (ہلاکت)	۱۴۱۱
ع ز	
عزت (عذاب)	۱۰۲۴

عنوان		صفحہ
عزت	(ذلت)	۷۷۵
عص		
عصمت کی حفاظت	(پردہ)	۳۸۵
عصمت کی حفاظت	(زنا)	۸۵۳
عصمت کی حفاظت مرد کے لئے	(عائلی زندگی)	۱۰۰۰
عصیان	(معصیت)	۱۲۵۸
عف		
عفو		۱۰۳۴
عق		
عقاب	(عاقبت)	۱۰۰۳
عقبیٰ	(عاقبت)	۱۰۰۴
عقل	(علم وعقل)	۱۰۳۹
عقل وشعور	(شعور)	۹۱۰
عقل وعلم	(بصیرت)	۳۵۲
عقل وفکر	(فکر)	۱۱۰۶
عقوبت	(عاقبت)	۱۰۰۲
عل		
علم وعقل		۱۰۳۶
علم الافلاک	(فطرت)	۱۰۹۸
علم النفس	(نفس)	۱۳۵۷
علماء	(علم)	۱۰۳۹
علماء	(فطرت)	۱۰۹۹
علماء ومشائخ	(تقلید)	۴۸۱
علم الیقین	(یقین)	۱۴۲۶
علو	(بالادستی) (تکبر)	۴۹۶
عم		
عمل	(اعمال)	۱۸۰
عو		
عورت		۱۰۴۸
عورت کی پوزیشن	(پردہ)	۳۸۴
عورت۔ مرد کی زندگی	(عائلی زندگی)	۹۹۹
عھ		
عہد		۱۰۵۲
عہد۔ انفرادی	(تعزیری احکام)	۴۴۴
عہد اللہ کو بیچنا	(ثمن قلیل)	۵۴۵
عی		
عید	(رجعت الی اللہ)	۷۸۸
عیدالاضحیٰ	(حج)	۶۰۷
عیسائی	(نصاریٰ)	۱۳۳۳
عیسائی مشرک ہیں	(مشرک)	۹۰۵
(حضرت) عیسیٰؑ		۱۰۵۸
عیسیٰؑ ابن مریم	(مریمؑ)	۱۲۳۳
عیسیٰؑ ابن مریم اور روح	(روح)	۸۳۷
عیسیٰؑ کو خدا کسی دور دراز مقام کیطرف لے گیا۔	(طہارت)	۹۸۲

عنوان	صفحہ
(حضرت) عیسیٰؑ کیطرف منسوب معجزات (معجزات)	۱۲۵۳
عیش۔ دوسروں کی کمائی پر عیش کرنیوالے (مترفین)	۱۲۱۸
عین الیقین (یقین)	۱۴۲۶
غ	
غ ا	
غافر (مغفرت)	۱۲۶۱
غاوین (غوایت)	۱۰۶۷
غ ر	
غروب شمس (مشرق ومغرب)	۱۳۴۲
غ س	
غسل (طہارت)	۹۸۲
غسلِ جنابت (طہارت)	۹۸۲
غسل جنابت (وضو)	۱۳۹۱
غ ص	
غصّہ (غضب)	۱۰۶۱
غصہ (آدابِ معاشرت)	۱۶
غ ض	
غضب	۱۰۶۱
غ ف	
غفار (مغفرت)	۱۲۶۱
غفران (مغفرت)	۱۲۶۱

عنوان	صفحہ
غفور (مغفرت)	۱۲۶۵
غ ل	
غلام اور لونڈیاں (غلامی)	۱۰۶۳
غلامی	۱۰۶۳
غلامی (عبادت)	۱۰۰۴
غلامی سے آزاد کرانا (قیدی)	۱۱۶۷
غلط اعمال کا مزین بن کر دکھا دینا (زینت)	۸۵۸
غلبہ (نصرت)	۱۳۳۶
غ ن	
غنی	۱۰۶۶
غنیمت میں مساکین کا حق (مسکین)	۱۲۴۱
غ و	
غوایت	۱۰۶۷
غور وفکر (تفقہ)	۱۱۰۴
〃 (علم وعقل)	۱۰۴۶
〃 (فکر)	۱۱۰۶
غ ی	
غیب (شہادت)	۹۲۴
(عالم) الغیب والشہادۃ (شہادت)	۹۲۸
غیبت (آدابِ معاشرت)	۱۵
غیر اللہ کیطرف منسوب کردہ کھانا حرام ہے (شرک)	۸۹۵
غیر متوازن زندگی (طاغوت)	۹۷۴

عنوان	صفحہ
غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ (آدابِ معاشرت)	۲۳
غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات (دوستی)	۹۴۶
غیر مسلموں کے معابد کی حفاظت (سجدہ)	۸۶۶
ف	
ف ا	
فاتح (فتح)	۱۰۷۱
فاجر (فجور)	۱۰۷۷
فاحشہ (فحش)	۱۰۷۹
فاسق (فسق)	۱۰۸۷
فاطر السمٰوٰت والارض (فطرت)	۱۱۰۰
فانی (بقا)	۳۶۰
فائز المرام (کامیابی)	۱۱۷۰
فؤاد	۱۰۶۹
ف ت	
فتح	۱۰۷۰
فتنہ	۱۰۷۳
فتنہ انگیزی (قتل)	۱۱۱۹
ف ج	
فجور	۱۰۷۷
ف ح	
فحش	۱۰۷۸
فحش (زنا)	۸۵۳
فحشاء (فحش)	۱۰۷۸
فحش باتیں (آدابِ معاشرت)	۱۳
ف خ	
فخر	۱۰۸۰
فخّار (فخر)	۱۰۸۱
فخور (فخر)	۱۰۸۱
ف ر	
فرائضِ خداوندی (فرض)	۱۰۸۲
فرشتے (ملائکہ)	۱۲۸۳
فرض	۱۰۸۱
فرعون	۱۰۸۲
فرعون (موسےٰؑ)	۱۳۰۹
(قوم) فرعون (امم سابقہ)	۲۴۲
ساحرینِ دربارِ فرعون کا سجدہ (سجدہ)	۸۷۴
فرقہ بندی شرک ہے (شرک)	۸۹۵
فریب کار (سحر)	۸۷۷
ف س	
فساد	۱۰۸۵
فساد فی الارض کی سزا (قتل)	۱۱۱۷
فسق	۱۰۸۷
ف ض	

عنوان	صفحہ
فضل	۱۰۹۰
فضیلت (فضل)	۱۰۹۱
ف ط	
فطرت	۱۰۹۵
فطرتِ انسانی (انسان)	۲۵۳
فطرت اللہ (فطرت)	۱۰۹۵
(انسانی) فطرت (فطرت)	۱۰۹۵
(قوانینِ) فطرت (فطرت)	۱۰۹۶
(نظام) فطرت (فطرت)	۱۰۹۶
(تسخیر) فطرت (فطرت)	۱۱۰۲
(مظاہرِ) فطرت پر غور و فکر سے تقارب (تقارب)	۱۲۰۶
فطرت کی قوتوں کی تسخیر (تسخیر)	۴۲۵
ف ق	
فقہ	۱۱۰۴
فقر (سائل)	۸۶۴
فقیر (سائل)	۸۶۳
ف ک	
فکر	۱۱۰۶
فک رقبۃ (غلامی)	۱۰۹۶
فکر و تدبر (علم و عقل)	۱۰۴۵
ف ل	
فلاح (کامیابی)	۱۱۶۸
فلسفۂ اضداد (اضداد)	۱۵۱
فلکیات (فطرت)	۱۰۹۷
ف ن	
فنا (بقا)	۳۵۹
فنونِ لطیفہ (حسن و جمال)	۶۳۱
ف د	
فؤاد	۱۰۶۹
فواحش (تعزیری احکام)	۴۴۲
〃 (فحش)	۱۰۷۸
فوز (کامیابی)	۱۱۶۸
ف ہ	
فہم (علم و عقل)	۱۰۴۶
ف ی	
فیل (اصحاب الفیل)	۱۴۸
ق	
ق ا	
قادر (تقدیر)	۴۷۷
قارون (موسیٰؑ)	۱۳۱۴
قارون مفسدین میں سے تھا (فساد)	۱۰۸۶
قانون	۱۱۰۷
قانون (کلمہ)	۱۱۹۹

عنوان	صفحہ
قانونِ ارتقاء (ارتقاء)	۱۰۰
قانون شکنی (ظلم)	۹۸۶
قانون (کتاب)	۱۱۷۵
قاہر (قہر)	۱۱۵۶
ق ب	
قبر (موت)	۱۳۰۴
قبر کا عذاب (موت)	۱۳۰۴
قبائل (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۵
قبلہ	۱۱۱۳
قبلہ (حج)	۶۰۴
ق ت	
قتال (جنگ)	۵۶۵
قتال (جہاد)	۵۸۲
قتال فی سبیل اللہ (سبیل)	۸۶۹
قتل	۱۱۱۶
قتلِ اولاد (قتل)	۱۱۱۸
قتل بالحق - یعنی جرمِ قتل و فساد کی سزا (قتل)	۱۱۱۷
قتلِ انبیاء (قتل)	۱۱۱۸
قتلِ رسل (قتل)	۱۱۱۸
قتلِ خطا (قتل)	۱۱۱۷
قتلِ خطا یعنی سہوًا (دیت)	۷۵۴
قتلِ عمد (قتل)	۱۱۱۷

عنوان	صفحہ
قتل کا جرم اور سزا (تعزیری احکام)	۴۳۸
قتلِ ناحق (قتل)	۱۱۱۷
ق د	
قدر (تقدیر)	۴۴۸
قدرت (آلاء)	۳۱
قدرت (تقدیر)	۴۷۷
قدیر (تقدیر)	۴۷۷
قدوس (تقدیس)	۴۷۹
قرأت (قرآن)	۱۱۱۹
قرابت داری	۱۱۳۸
قرآن	۱۱۱۹
قرآن (کتاب)	۱۱۷۳
قرآن مجید (مجید)	۱۲۲۷
قرآن حکیم (حکمت)	۶۶۵
قرآن خیر ہے (خیر و شر)	۷۱۴
قرآن ذکر ہے (ذکر)	۷۶۵
قرآن ذکرِ خیر ہے (خیر و شر)	۷۱۴
قرآن سے تمسک مطہرین کرسکتے ہیں (طہارت)	۹۸۲
قرآن شفاء لما فی الصدور ہے (مرض)	۱۲۳۲
قرآن کریم ہے (ذلت)	۷۷۶
قرآن کو سحرِ مبین کہا گیا ہے (سحر)	۸۷۸

عنوان	صفحہ
قرآن کو بھی حدیث کہا گیا ہے (حدیث)	۶۱۱
قرآن میں نفسیاتی امراض کا علاج ہے (شفا)	۱۲۳۲
قرآن نور ہے (نور)	۱۲۶۹
قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں (ناسخ و منسوخ)	۱۳۱۷
قرب	۱۱۳۵
قربت (قرب)	۱۱۳۵
قربانی (قرب)	۱۱۳۶
قربانی (حج)	۶۰۶
قربانی کے جانور (شعائر اللہ)	۹۱۰
قرض	۱۱۳۹
قرض (آدابِ معاشرت)	۲۲
قرض حسنہ (حسنۃ)	۶۳۸
قرضِ حسنہ (قرض)	۱۱۳۹
اللہ کو قرض دینا (انفاق)	۲۷۱
قرض کی ادائیگی کے بعد تقسیمِ وراثت (وراثت)	۱۳۸۴
قرعہ اندازی (تعزیری احکام)	۴۴۲
قرعہ اندازی (جوا)	۵۷۷
قرین	۱۱۴۰
ق س	
قسط (عدل)	۱۰۲۰
قسطاس المستقیم (عدل)	۱۰۲۰
قسم	۱۱۴۰
قسموں کو بیچنا (ثمن قلیل)	۵۴۵
قسمت (تقدیر)	۴۵۶
لغو، قسمیں (تعزیری احکام)	۴۴۲
قسمیں اور ان کا کفارہ (طلاق)	۹۷۷
قصاص (قتل)	۱۱۱۶
قصص (قصہ)	۱۱۴۳
قصہ	۱۱۴۳
ق ل	
قلب	۱۱۴۴
قلب (فؤاد)	۱۰۶۹
قلوب (قلب)	۱۱۴۴
ق م	
قمار بازی (جوا)	۵۷۷
قمار بازی (میسر)	۵۷۷
قمر (شمس)	۹۲۱
ق ن	
قنوط (یاس)	۱۴۱۷
ق و	
قوانینِ خداوندی (سنت)	۸۸۴
" " (قانون)	۱۱۰۷
قوانینِ فطرت (فطرت)	۱۰۹۵

عنوان	صفحہ
قوت	۱۱۴۸
قوم	۱۱۵۰
قوموں پر عذاب (عذاب)	۱۰۲۵
قوموں کا انجام (عاقبت)	۱۰۰۳
قوموں کا استبدال و استخلاف (ہلاکت)	۱۴۱۲
قوموں کا عروج و زوال (ہلاکت)	۱۴۱۱
قوموں کی اجل (اجل)	۴۷
قوموں کی تباہی (ہلاکت)	۱۴۱۱
قوموں کے عروج و زوال کے قوانین (امم سابقہ)	۲۳۴
قومیت (قوم)	۱۱۵۰
قومیت کا معیار (نوحؑ)	۱۳۶۶
" " (وحدت انسانیہ)	۱۳۷۷
قومیں ظلم کی وجہ سے تباہ ہوتی ہیں (ظلم)	۹۸۹
قوی (قوت)	۱۱۴۸
ق ہ	
قہار (قہر)	۱۱۵۶
قہر	۱۱۵۶
ق ی	
قیاس آرائیاں (رجم)	۷۹۱
" " (ظن)	۹۹۶
قیامت (آخرت)	۳
قیامت	۱۱۵۶
قیامت (ساعت)	۸۶۵
" (شمس)	۹۲۰
قیامت میں صور پھونکنا (صور)	۹۶۳
قیدی	۱۱۶۶
ک	
ک ا	
کاتبینِ وحی مکرم تھے (ذات)	۷۷۶
کاذب (تکذیب)	۵۰۱
" (کذب)	۱۱۸۶
کافر (کفر)	۱۱۸۹
کافور (کفر)	۱۱۹۷
کامیابی	۱۱۶۸
کامیابی کی راہ (ہدایت)	۱۴۰۰
کاہن (رجم)	۷۹۱
تخلیقِ کائنات (یوم)	۱۴۲۲
کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے (حق)	۶۶۲
کائنات کا سلسلہ لامتناہی نہیں (موت)	۱۳۰۶
کائنات کا مرکزی کنٹرول (عرش)	۱۰۳۲
کائنات کی ارتقائی تخلیق (ارتقاء)	۹۸
کائنات کی اشیاء کا سجدہ (سجدہ)	۸۷۵
کائنات کی تخلیق (تخلیق)	۴۰۷

عنوان	صفحہ
کائنات کی تخلیق اور نظامِ فطرت (فطرت)	۱۰۹۶
ک ب	
کبریائی (تکبّر)	۴۹۵
کپڑے (ثواب)	۵۴۷
ک ت	
کتاب	۱۱۷۲
الکتاب (قرآن)	۱۱۳۲
کتابِ موسےٰؑ (تورات)	۵۲۹
کتاب (نبی)	۱۳۲۲
کتب (کتاب)	۱۱۷۶
کتبِ انبیاء (زبر)	۸۴۱
کتبِ سابقہ (کتاب)	۱۱۷۶
کتبِ سابقہ میں تحریف (تحریف)	۳۹۸
کتمانِ حقیقت	۱۱۷۹
ک ٹ	
کٹ حجتیاں (بحث)	۳۱۵
کٹھالی۔ آگ کی (فتنہ)	۱۰۷۶
ک ث	
کثرت و قلت	۱۱۸۲
کج بحثیاں (بحث)	۳۱۵
کج بحثی (مجادلہ)	۱۲۲۵

عنوان	صفحہ
ک ذ	
کذب	۱۱۸۳
کذب (تکذیب)	۵۰۰
ک ر	
کراماً کاتبین (ذلّت)	۷۷۷
کریم (ذلّت)	۷۷۹
ک ش	
کشتیٔ حضرتِ نوحؑ (نوحؑ)	۱۳۶۷
کشتیاں (بحر)	۳۲۰
کشف	۱۱۸۸
کشمکشِ حق و باطل (حق)	۶۶۱
ک ع	
کعبہ (حج)	۶۰۴
کعبہ (قبلہ)	۱۱۱۴
کعبہ (ثمر)	۵۴۴
ک ف	
کفار کیساتھ مسلمانوں کے تعلقات (دوستی)	۷۴۹
کفارہ (کفر)	۱۱۹۷
کفارہ قسمیں توڑنے کا (قسم)	۱۱۴۱
کفارہ میں طعامِ مساکین (مساکین)	۱۲۴۱
کفرانِ نعمت (شکر)	۹۱۵
کفر	۱۱۸۹

عنوان	صفحہ
کفار (کفر)	۱۱۹۰
کفر بمقابلہ شکر (کفر)	۱۱۹۵
کفور (کفر)	۱۱۹۵
ک ل	
کلام (کلمہ)	۱۱۹۷
کلام اللہ (وحی)	۱۳۸۳
کلام اللہ میں تحریف (تحریف)	۳۹۸
کلالہ (وراثت)	۱۳۸۴
(ہم) کلامی۔ خدا سے (وحی)	۱۳۸۲
" " (کشف)	۱۱۸۸
کلچر (تہذیب و تمدن)	۵۳۷
کلمہ	۱۱۹۷
کلمات (وحی)	۱۳۸۳
کلمۃ اللہ (وحی)	۱۳۸۳
کلمۂ خبیث (طیّب)	۹۸۴
کلمۂ طیّب (طیّب)	۹۸۴
" (ثبات)	۵۴۲
کلمۂ طیب و خبیث (وحی)	۱۳۸۳
کلیم (کلمہ)	۱۱۹۸
ک م	
کم تو لنے والے (خسران)	۶۹۴
کمی کرنا کسی کے حقوق میں (ظلم)	۹۹۳

عنوان	صفحہ
کمیونزم (اضداد)	۱۵۱
ک و	
کوکب۔ کواکب (شمس)	۹۲۲
ک ھ	
کھاری پانی (اجاج)	۶۵
کھیل تماشا (لہو و لعب)	۱۲۰۵
ک ی	
کیخسرو (ذوالقرنین)	۷۷۷
کید (مکر)	۱۳۸۱
کیلنڈر۔ چاند سورج حساب کے لئے ہیں (حساب)	۶۴۷
کیلنڈر۔ (شمس)	۹۱۹
گ	
گ د	
گداگر (آداب معاشرت)	۲۱
گ ر	
گردشیں (رجعت الی اللہ)	۷۸۵
گریز کی راہیں نکالنا (اعراض)	۱۷۳
گ ف	
گفتگو کا انداز (آداب معاشرت)	۱۳
گ م	
گمراہ (ضلالت)	۹۶۶

عنوان		صفحہ
گ ر		
گمراہی	(ضلالت)	۹۶۶
گمراہی	(غوایت)	۱۰۶۷
گمراہی	(ہدایت)	۱۴۰۹
گ ن		
گناہ	(اثم)	۴۳
گناہ	(معصیت)	۱۲۵۸
گ و		
گواہ	(شہادت)	۹۲۴
گواہی	(شہادت)	۹۲۴
گوسالہ پرستی	(موسےٰؑ)	۱۳۱۳
گ ھ		
گھاٹا	(خسران)	۶۹۱
گھر کی زندگی	(عائلی زندگی)	۶۹۹
ل		
ل ا		
لاٹری	(تعزیری احکام)	۴۴۲
لاٹری	(جوا)	۵۷۷
لاشں	(سیئات)	۸۹۰
ل ب		
لباس	(آدابِ معاشرت)	۱۸
لباس	(سیئات - سوآت)	۸۹۰
ل ڑ		
لڑائی	(جنگ)	۵۶۵
ل ع		
لعنت		۱۲۰۰
ل غ		
لغزش سے بچنا	(ثبات) (صبر)	۹۴/ ۵۴۱
لغو		۱۲۰۳
لغو باتیں	(آدابِ معاشرت)	۱۳
ل ق		
لقاءِ رب		۱۲۰۴
لقمانؑ		۱۲۰۷
لمم - قابلِ ملامت افعال	(ملامت)	۱۲۸۸
ل و		
لواطت	(تعزیری احکام)	۴۴۱
"	(زنا)	۸۵۲
"	(لوطؑ)	۱۲۰۷
لوامہ . نفس	(ملامت)	۱۲۸۹
(حضرت) لوطؑ		۱۲۰۷
(قوم) لوط	(امم سابقہ)	۲۴۲
"	(لوطؑ)	۱۲۰۷
لونڈیاں	(غلامی)	۱۰۶۳
[illegible]		

عنوان	صفحہ
لہوالحدیث (لہو ولعب)	۱۲۱۰
لہو ولعب	۱۲۰۸
ل ی	
لیڈر (امام)	۲۱۳
لیڈروں اور عوام کا مکالمہ جہنم میں (تقلید)	۴۸۴
لین دین کے معاملات (قرض)	۱۱۳۹
م	
م ا	
مآب (رجعت الی اللہ)	۷۹۰
ماپ تول	۱۲۱۱
ماپ تول (تعزیری احکام)	۴۴۲
ماپ تول (وزن)	۱۳۸۷
ماتحت عملہ (آداب معاشرت)	۲۰
ماڈل (اسوہ)	۱۴۴
مارکس (اضداد)	۱۵۱
مال۔ اموال	۱۲۱۱
مآل (انجام)۔ (تاویل)	۳۸۸
مآل کار (عاقبت)	۱۰۰۲
مال ودولت (معاشی نظام)	۱۲۴۸
مالک (حکومت)	۹۷۱
مالک (ملک)	۱۲۹۰
ماملکت ایمانکم (غلامی)	۱۰۶۴
ماں (اُم)	۳۲۸
ماں باپ (آداب معاشرت)	۲۰
ماں باپ (والدین)	۱۳۷۰
ماہواری ایام (حیض)	۶۸۶
مایوس (یاس)	۱۴۱۷
مودّت	۱۲۱۶
م ب	
مباشرت (نکاح)	۱۳۶۴
مباحثہ ومناظرہ (بحث)	۳۱۴
مبارک (برکت)	۳۳۶
مباہلہ (لعنت)	۱۲۰۲
مبداء ومعاد (رجعت الی اللہ)	۷۸۶
مبذرین (اسراف)	۱۱۸
مبشرین (بشارت)	۳۴۰
مبعوث (حیات بعد الممات) (بعث)	۳۵۶
مبلّغ (تبلیغ)	۳۹۲
مبین (بیّنات)	۳۸۱
م ت	
متبنّیٰ (عائلی زندگی)	۱۰۰۱
مترفین	۱۲۱۸
مترفین (دولت)	۷۵۰

عنوان	صفحہ
متشابہات ومحکمات	۱۲۲۰
متصدق (تصدیق)	۴۳۵
متکبّر (تکبر)	۴۹۵
متوکّل (توکّل)	۵۳۲
متقی (تقویٰ)	۴۸۹
م ث	
مثالیں	۱۲۲۱
مثقال (ثقیل)	۵۴۳
م ج	
مجادلہ	۱۲۲۴
مجاہدین (جہاد)	۵۸۳
مجرموں کو سزا (عذاب)	۱۰۳۰
مجوس	۱۲۲۷
مجوسیوں کا عقیدۂ ثنویت (ظلمات)	۹۹۴
مجنوں (جنون)	۵۸۵
مجید	۱۲۲۷
م چ	
مچھلی (صیدالبحر) (حرام)	۶۴۲
م ح	
محاسبہ (حساب)	۶۴۵
محاسبۂ خویش (حساب)	۶۴۷
محبت	۱۲۲۸

عنوان	صفحہ
محتاج (سائل)	۸۶۳
محتاج (معاشی نظام)	۱۲۴۹
محرف (کتب سابقہ)۔ (تحریف)	۳۹۸
محرمات۔ جن سے نکاح حرام ہے۔ (نکاح)	۱۳۶۳
محروم (مسکین)	۱۲۴۱
محسنین (حسنة)	۶۳۶
محسنین ومحسنات (احسان)	۷۸
محکومی وجہِ ذلّت ہے (ذلّت)	۷۷۴
محکومیت (عبادت)	۱۰۰۴
محمدؐ (حمد)	۶۷۵
محمود (حمد)	۶۷۵
محو وثبات کا قانون (ثبات)	۵۴۲
م خ	
مخلوق (تخلیق)	۴۰۹
مخلصین (اخلاص)	۸۹
م د	
مدائن (تہذیب وتمدن)	۵۳۹
مداخلت بیجا (تعزیری احکام)	۴۴۳
مدارج (درجات)	۷۲۴
مداہنت (منافق)	۱۳۰۱
مدنیت (تہذیب وتمدن)	۵۳۹
مدد (نصرت)	۱۳۲۶

عنوان	صفحہ
(قوم) مدین (تہذیب وتمدن)	۵۳۹
(قوم) مدین (امم سابقہ)	۲۴۲
قوم مدین (شعیبؑ)	۹۱۲
" " (موسیٰؑ)	۱۳۱۰
مدینہ (قبلہ)	۱۱۱۶
" (تہذیب وتمدن)	۵۳۹
م ذ	
مذہب (دین)	۷۵۶
مذہب کو ذریعۂ معاش بنانیوالے (ثمن قلیل)	۵۴۵
مذہبی آزادی (جور واکراہ)	۵۷۸
" " (ارتداد)	۹۶
مذہبی پیشوا (تقلید)	۴۸۴
م ر	
مراتب (درجات)	۷۲۴
مرتد (ارتداد)	۹۵
مرد اور عورت (زوج)	۸
مرد۔ عورت کی زندگی (عائلی زندگی)	۴۹۹
مردے (حیات وممات)	۶۸۱
مردے (موت)	۱۳۰۴
مرسل (رسول)	۸۲۵
مرشد (رُشد)	۸۲۸
مرشد (وسیلہ)	۱۳۹۰
مرض	۱۲۳۱
مرضات اللہ (رضائے خداوندی)	۸۳۲
مرنے کے بعد کی زندگی (موت)	۱۳۰۸
(صفا اور) مروہ (شعائر اللہ)	۹۱۰
(حضرت) مریمؑ	۱۲۳۲
(حضرت) مریمؑ اور روح (روح)	۸۳۷
م ز	
مزکّی (زکوٰۃ)	۸۴۶
مزمّل (رسول)	۸۲۵
مزیّن (زینت)	۸۵۸
م س	
مساجد (سجدہ)	۸۷۵
مساکین (مسکین)	۱۳۴۰
مسافر (ابن السبیل)	۵۵
مستجیب الدعوات (دعا)	۷۲۷
مستغنی (دولت)	۷۵۴
مستقل اقدار	۱۳۳۴
مستقیم۔ صراط (صراط مستقیم)	۹۵۳
مسجد اقصیٰ (سجدہ)	۸۷۵
" (قبلہ)	۱۱۱۶
مسجد الحرام (سجدہ)	۸۷۵
" (حرام)	۶۴۳

عنوان		صفحہ
مسجد الحرام	(قبلہ)	۱۱۱۶
مسرفین	(اسراف)	۱۱۸
مسکنت	(مسکین)	۱۲۴۰
مسکین		۱۲۴۰
مسکین	(معاشی نظام)	۱۲۴۹
مسلک و مشرب	(اش)	۶۲
مسلم۔مسلمان	(اسلام)	۱۲۱
مسنون	(سنت)	۸۸۴
مسئول	(سائل)	۸۶۱
(حضرت) مسیحؑ	(عیسیٰؑ)	۱۰۵۸
م ش		
مشاورت	(آداب معاشرت)	۲۲
"	(شوریٰ)	۹۲۳
مشرکین	(شرک)	۸۹۸
مشرکین عرب	(شرک)	۹۰۳
مشرکانہ رسومات	(شرک)	۸۹۵
مشرق و مغرب		۱۲۴۲
مشعر الحرام	(شعائر اللہ)	۹۱۰
"	(شعور)	۹۱۱
مشقت	(فتنہ)	۱۰۷۴
مشکور	(شکر)	۹۱۷
مشورہ	(شوریٰ)	۹۲۳

عنوان		صفحہ
مشہد	(شہادت)	۹۲۶
مشہود	(شہادت)	۹۲۹
مشیتِ خداوندی	(تقدیر)	۴۵۲
م ص		
مصابیح	(شمس)	۹۲۲
مصائب	(مصیبت)	۱۱۴۰
مصاحب	(قرین)	۱۲۴۳
مُصَدِّق	(تصدیق)	۴۳۴
مصر	(موسیٰؑ)	۱۳۱۱
مصلحین	(صالح)	۹۳۷
مصلّیٰ	(صلوٰۃ)	۹۶۲
مصلّین	(صلوٰۃ)	۹۶۲
(ال) مصوّر	(صورت)	۹۶۴
مصیبت		۱۲۴۳
مصیر	(رجعت الی اللہ)	۷۸۷
م ض		
مُضِلّ	(ضلالت)	۹۶۹
م ط		
مطلقہ عورت	(طلاق)	۹۷۷
مطمئن	(طمانیت)	۹۷۹
مطہرین	(طہارت)	۹۸۱
م ظ		

عنوان	صفحہ
مظاہرِ فطرت پر غور و خوض سے	
لقارب (لقارب)	۱۲۰۶
مظلوم (ظلم)	۹۹۳
م ع	
معاذاللہ (اعوذباللہ)	۱۸۹
معاشرتی احکام (تعزیری احکام)	۴۴۳
معاشی عدل (وزن)	۱۳۸۷
معاشی سہولتیں (فضل)	۱۰۹۴
معاشی نظام	۱۲۴۵
معاشی نظام (فضل)	۱۰۹۱
" " (ثمر)	۵۴۴
" " (مسکین)	۱۲۴۰
" " (ملکیت)	۱۲۹۴
" " (ناپ تول)	۱۲۱۱
معاشیات میں عدل (عدل)	۱۰۲۰
معاشیات اور صلوٰۃ کا تعلق (شعیبؑ)	۹۱۲
معاف کر دینا (عفو)	۱۰۳۴
معافی۔گناہوں کی (مغفرت)	۱۲۶۸
معاہدات (جنگ)	۵۷۳
" (عہد)	۱۰۵۶
معاہدہ (عہد)	۱۰۵۶
معبود (عبادت)	۱۰۰۵
معبودانِ باطل (الٰہ)	۱۹۷
معجزات	۱۲۵۱
معرفت (عرفان)	۱۲۵۷
معروف (امر بالمعروف)	۲۲۶
معصیت	۱۲۵۸
معقبات (عاقبت)	۱۰۰۴
معیشت (رزق)	۸۰۲
معیشت کا ذریعہ زمین (زمین)	۸۴۸
م غ	
مغرب (مشرق و مغرب)	۱۲۴۲
مغضوب علیہ (غضب)	۱۰۶۱
مغفرت	۱۲۶۱
مغفرت (عفو)	۱۰۳۴
م ف	
مفاتیح الغیب۔خدا کے پاس ہیں (فتح)	۱۰۷۳
مفاہمت (ثبات)	۵۴۲
مفتون (فتنہ)	۱۰۷۶
مفسدین (فساد)	۱۰۸۷
مفصّل (تفصیل)	۴۴۷
مفلس (معاشی نظام)	۱۲۴۸
مفلسی اور محتاجی خدا کا عذاب ہے (دنیا)	۷۳۸
مفلحون (کامیابی)	۱۱۶۹

عنوان		صفحہ
م ق		
مقامِ ابراہیمی	(صلوٰۃ)	۹۶۲
مقامِ محمود	(حمد)	۶۷۵
مقتدر	(حکومت)	۶۶۸
مقدر	(تقدیر)	۴۴۸
مقدس	(تقدیس)	۴۷۹
مقربین		۱۱۳۵
مقطعات		۱۲۶۹
م ک		
مکافاتِ عمل		۱۲۷۰
مکافاتِ عمل	(ثواب)	۵۴۷
"	(حساب)	۶۴۶
"	(زراعت)	۸۴۲
"	(عذاب)	۱۰۲۳
"	(عاقبت)	۱۰۰۲
"	(غضب)	۱۰۶۱
"	(قیامت)	۱۱۵۷
"	(قانون)	۱۱۰۸
"	(نفس)	۱۳۴۸
"	(لقاء رب)	۱۲۰۵
مکالمہ ۔ خدا سے	(کلمہ)	۱۱۹۸
مکائد	(مکر)	۱۲۸۱

عنوان		صفحہ
مکذب	(کذب)	۱۱۸۶
مکذبین	(تکذیب)	۵۰۲
مکر		۱۲۷۹
مکر السیّئ	(سیئات)	۸۹۰
مکرم	(ذلت)	۷۷۶
مکّہ	(قبلہ)	۱۱۱۶
م ل		
ال + ملاء ۔ قوم کا دولتمند طبقہ	(دولت)	۷۵۰
ال + ملاء ۔	(مترفین)	۱۲۱۸
ملازمین	(آدابِ معاشرت)	۲۰
ملاعنہ	(لعنت)	۱۲۰۲
ملامت		۱۲۸۷
ملاقات ۔ خدا سے	(لقاء رب)	۱۲۰۵
ملائکہ		۱۲۸۲
ملائکہ کا آدم کو سجدہ	(سجدہ)	۸۷۶
ملائکہ حاملینِ عرش	(عرش)	۱۰۳۳
ملائکہ کا خدا کو سجدہ	(سجدہ)	۸۷۶
ملائکہ ۔ عبادِ مکرم	(ذلت)	۷۷۷
ملائکہ کے دشمن	(عداوت)	۱۰۱۸
ملت		۱۲۸۹
ملعون	(لعنت)	۱۲۰۱
ملک		۱۲۹۰

عنوان		صفحہ
ملک	(زمین)	۸۴۸
ملک الموت	(ملائکہ)	۱۲۸۳
ملکہ سبا کا تخت۔	(عرش)	۱۰۳۴
ملکیت		۱۲۹۳
ملکوت	(ملک)	۱۲۹۲
ملکوت	(حکومت)	۶۷۲
ملوکیت	(حکومت/ملک)	۱۲۹۰/۶۷۲
م م		
مملکت	(زمین)	۸۴۸
مملوک	(فلک)	۱۲۹۳
م ن		
مناسک	(شریعت)	۹۰۶
"	(نسک)	۱۳۳۳
منافق		۱۲۹۷
منافقت	(ریاء)	۸۳۹
"	(منافق)	۱۳۰۰
منافقین	(تبوک)	۳۹۳
"	(مرض)	۱۲۳۱
منام	(خواب)	۴۹۸
منت ماننا		۱۳۰۲
منجم	(رجم/شمس)	۹۱۹/۷۹۱
منحوس	(نحوست)	۱۳۲۷

عنوان		صفحہ
منذرین	(انذار)	۲۴۹
منزّل من اللہ	(نزول)	۱۳۲۸
منصور	(نصرت)	۱۳۴۲
منعم علیہ	(نعمت)	۱۳۴۵
منفعت	(نفع نقصان)	۱۳۵۷
منکر	(امر بالمعروف و نہی عن المنکر)	۲۲۷
منہاج	(شریعت)	۹۰۶
منہ بولے بیٹے	(عائلی زندگی)	۱۰۰۱
منیب	(رجعت الی اللہ)	۷۸۹
م و		
موت۔ مُردے		۱۳۰۳
موت	(اجل)	۷۳
موت	(حیات و ممات)	۶۷۷
موت و حیات۔ قوموں کی	(ہلاکت)	۱۴۱۱
مؤدت		۱۲۱۶
مؤدت	(دوستی)	۷۴۸
مؤدت فی القربیٰ	(قرب/اجر)	۱۱۳۸/۴۲
مؤدۃ	(قتل)	۱۱۱۸
(حضرت) موسیٰؑ		۱۳۰۹
(حضرت) موسیٰؑ	(فرعون)	۱۰۸۴
(حضرت) موسیٰؑ کی طرف منسوب معجزات	(معجزات)	۱۲۵۳
موعظت	(ذکر)	۷۶۲

عنوان	صفحہ
موعظت (عبرت)	۱۰۱۳
مولانا (ولی)	۱۳۹۴
مولوی (ولی)	۱۳۹۴
مؤمن (ایمان)	۲۸۳
مؤمن صاحبِ تکریم (ذلت)	۷۷۶
مؤمنین۔ رسول اللہ کے ولی (ولی)	۱۳۹۴
مؤمنین کی صفات۔ ساجدین راکعین (سجدہ)	۸۷۴
مؤمنین کے باہمی تعلقات (دوستی)	۷۴۵
موہبت (وہاب)	۱۳۹۷
مویشی (انعام)	۲۶۷
م ھ	
مہاجرین (ہجرت)	۱۳۹۹
مہاجرین اور انصار۔ سب مومن حقّا (صحابہؓ)	۹۴۶
مہر	۱۳۱۶
مہر (اجر)	۷۳
مہر (صدق)	۹۴۸
مہلت کا وقفہ (مکافاتِ عمل)	۱۲۷۸
م ی	
میاں بیوی (زوج)	۸۵۴
میاں بیوی کی زندگی (عائلی زندگی)	۹۹۹
" " " (نکاح)	۱۳۶۲
میثاق (عہد)	۱۰۵۶

عنوان	صفحہ
میثاق الانبیاء (عہد)	۱۰۵۵
میزان (عدل)	۱۰۲۰
" (وزن)	۱۳۸۷
میزان کا توازن برقرار رکھو (طاغوت)	۹۷۵
میسرہ (تعزیری احکام)	۱۱۴۴
" (جوا)	۵۷۷
میعاد (عہد)	۱۰۵۷
میعادِ مقررہ (اجل)	۷۴
میکال (عداوت)	۱۰۱۸
میکائیل (ملائکہ)	۱۲۸۶
ن ا	
ناامیدی (یاس)	۱۴۱۷
ناانصافی (ظلم)	۹۸۶
ناجائز طریقہ سے مال کھانا (تعزیری احکام)	۱۱۴۴
نار (جہنم)	۵۹۴
نازل ہونا (نزول)	۱۳۲۸
ناسپاس گزاری (شکر)	۹۱۸
ناسخ و منسوخ	۱۳۱۷
ناصح (عبرت)	۱۰۱۴
ناصر (نصرت)	۱۳۳۸

عنوان	صفحہ
ناقۂ صالحؑ (ثمود)	۵۴۵
ناکامی (کامیابی)	۱۱۷۱
ن ب	
نبوّت (رسول)	۸۰۷
" (نبی)	۱۳۱۹
نبی نبوّت	۱۳۱۹
نبی (رسول)	۸۰۷
ن ج	
نجات	۱۳۲۴
نجس (شرک)	۹۰۳
نجم ۔ نجوم (شمس)	۹۲۲
نجومی (رجم)	۷۹۱
" (شمس)	۹۲۳
ن ح	
نحس (نحوست)	۱۳۲۷
نحوست	۱۳۲۷
ن ذ	
نذرونیاز (منت)	۱۳۰۳
نذیر (انذار)	۲۴۹
ن ز	
نزع کا عالم (موت)	۱۳۰۷
نزول	۱۳۲۸
ن س	
نساء (عورت)	۱۰۴۸
نسل کشی (تعزیری احکام)	۴۴۴
نسلی اختلاف (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۶
نسک	۱۳۲۳
ن ش	
نشور (موت)	۱۳۰۸
نشہ آور چیزیں (خمر)	۶۹۶
ن ص	
نصاریٰ	۱۳۳۳
نصاریٰ مشرک ہیں (شرک)	۹۰۵
نصرانی (نصاریٰ)	۱۳۳۳
نصرت	۱۳۳۶
نصیبہ (تقدیر)	۸۴۴
نصیحت (عبرت)	۱۰۱۳
نصیر (نصرت)	۱۳۳۸
ن ظ	
نظامِ اسلامی (اسلام)	۱۳۰
نظامِ ربوبیت (بارش)	۳۰۶
نظامِ فطرت (فطرت)	۱۰۹۶
نظامِ کائنات (فطرت)	۱۰۹۶
نظریۂ ارتقاء (ارتقاء)	۹۷

عنوان	صفحہ
نظریۂ حیات (تہذیب وتمدن)	۵۳۹
" " (کلمہ)	۱۱۹۹
نظریۂ قومیت (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۷
نظریۂ حیات (ثبات)	۵۲۱
نظم ونثر (شعروشاعری)	۹۰۸
ن ع	
نعماءِ خداوندی (نعمت)	۱۳۴۳
نعمت	۱۳۴۳
نعمت (آلاء)	۳۰
ن ف	
نفاق (منافق)	۱۲۹۷
نفس	۱۳۴۷
نفسِ امارہ۔ لوامہ۔ مطمئنہ (نفس)	۱۳۵۵
نفس کا خسران (خسران)	۶۹۳
نفس کشی (خواہشات)	۶۹۹
نفس لوامہ (ملامت)	۱۲۸۹
نفس مطمئنہ (طمانیت)	۹۸۰
نفسیاتی امراض (قلب)	۱۱۴۵
" (مرض)	۱۲۳۱
نفسیاتی معلومات اور علوم (نفس)	۱۳۵۷
نفع نقصان	۱۳۵۷
نفع نقصان (ملک)	۱۲۹۰

عنوان	صفحہ
نفل	۱۳۶۱
ن ق	
نقصان (نفع نقصان)	۱۳۵۷
نقصان اٹھانے والے (خسران)	۶۹۲
نقوشِ قدم (اثر)	۶۳
ن ک	
نکاح	۱۳۶۲
نکاح (طلاق)	۹۷۶
ن گ	
نگران (شہادت)	۹۲۴
ن م	
نماز (صلوٰۃ)	۹۶۰
نمائش زینت (پردہ)	۳۸۶
نمائش حسن (پردہ)	۳۸۶
نمل کی وادی (حضرت سلیمانؑ)	۸۸۳
نمونہ (اسوہ)	۱۴۳
ن و	
(حضرت) نوحؑ	۱۳۶۶
(قوم) نوح (امم سابقہ)	۲۴۱
نور (ضیاء)	۱۳۶۷
نوعِ انسان (انسان)	۲۵۲
ن ی	

عنوان	صفحہ
نیشنلزم (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۷
نیکی (خیر و شر)	۷۱۳
و	
وا	
واجبات (منت)	۱۳۰۲
واحد (اللہ) - (توحید)	۵۲۴
والد (والدین)	۱۳۷۰
والدہ (")	۱۳۷۰
والدین	۱۳۷۰
والدین (آدابِ معاشرت)	۲۰
واہمہ (ظن)	۹۹۶
وج	
لوجہ اللہ (رضائے خداوندی)	۸۳۳
وح	
وحدتِ انسانیہ	۱۳۷۳
وحدت الوجود (نفس)	۱۳۴۹
وحدتِ قومی (اتحاد)	۵۸
وحی	۱۳۷۷
وحی (علم)	۱۰۴۴
وحی کے لئے لفظ روح (روح)	۸۳۷
وحی (فضل)	۱۰۹۴
وحی - ہر رسول کی وحی کو سحر مبین کہا گیا (سحر)	۸۷۸
وحی (نبی)	۱۳۱۹
وحی کے بغیر انسان (انسان)	۲۵۳
ود	
ودود (دوستی)	۷۴۸
" (مؤدت)	۱۲۱۷
ور	
وراثت	۱۳۸۴
وراثت (کی تقسیم) (ترکہ)	۴۱۲
وراثت کی تقسیم اور مساکین (مسکین)	۱۴۲۱
وز	
وزن	۱۳۸۷
وزن (ماپ تول)	۱۲۱۱
وس	
وساوس (وسوسہ)	۱۳۸۸
وسوسہ	۱۳۸۸
وسیلہ	۱۳۸۹
وص	
وصیت	۱۳۹۰
وصیت (ترکہ)	۴۱۲
" (وراثت)	۱۳۸۴

عنوان	صفحہ
وض	
وضو	۱۳۹۱
وضو (طہارت)	۹۸۲
وط	
وطن کا اختلاف (وحدتِ انسانیہ)	۱۳۷۷
وع	
وعدہ۔ خدا سے اس کے وعدوں کے متعلق پوچھا جا سکتا ہے (سوال)	۸۶۱
وعدہ۔ خدا کا (قانون)	۱۱۱۴
وعدہ (عہد)	۱۰۵۳
وعظ (عبرت)	۱۰۱۳
وعید (عہد)	۱۰۵۵
وق	
وقار	۱۳۹۲
وقود (جہنم)	۵۹۴
وک	
وکالت (خیانت)	۷۱۹
وکیل (توکل)	۵۳۶
ول	
ولایت بمعنی دوستی (دوستی)	۷۴۵
ولایت (ولی)	۱۳۹۳
ولی	۱۳۹۲

عنوان	صفحہ
ولی اللہ (ولی)	۱۳۹۲
وھ	
وہاب	۱۳۹۶
ھا	
ہادی (ہدایت)	۱۴۰۰
ہاروت و ماروت	۱۳۹۸
(حضرت) ہارونؑ (رسول)	۸۱۳
ہارونؑ (موسیٰؑ)	۱۳۱۵
ہامان (موسیٰؑ)	۱۳۱۲
ہاویہ (جہنم)	۵۹۷
ھب	
ہبہ (وہاب)	۱۳۹۷
ھج	
ہجرت	۱۳۹۸
ہجرت فی سبیل اللہ (سبیل)	۸۷۰
ھد	
ہدایت	۱۴۰۰
ہدایت (ضلالت)	۹۶۹
ہدایت کی راہیں (سبیل)	۸۷۰
ہدہد (حضرت سلیمانؑ)	۸۸۳

عنوان	صفحہ
ھ ل	
ہلاکت	۱۴۱۰
ہلاکت (خسران)	۶۹۱
ہلاکتِ اقوام (امم سابقہ)	۲۲۴
〃 (ظلم)	۹۸۹
〃 (عذاب)	۱۰۲۵
ہلاکتِ حرث ونسل (تعزیری احکام)	۴۴۴
ھ م	
ہمسایہ (آداب معاشرت)	۲۱
ہم کلامی۔ خدا سے (کلمہ)	۱۱۹۸
ہم کلامی۔ خدا سے (وحی)	۱۳۸۲
ہم نشین (قرین)	۱۱۴۰
ہمہ اوست (نفس)	۱۳۴۹
ھ و	
ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کے	
زیرِ تسخیر (سلیمانؑ)	۸۸۳
ہوازن (قبیلہ) (حنین)	۶۸۶
(حضرت) ہودؑ (عاد)	۱۰۰۱
ہود (بنی اسرائیل۔ یہودی)	۳۷۰
ہویٰ	۱۴۱۳
ھ ی	
ہیگل (اضداد)	۱۵۱

عنوان	صفحہ
ی	
ی ا	
یاجوج وماجوج	۱۴۲۳
یاجوج ماجوج (ذوالقرنین)	۷۷۸
یاد دہانی (ذکر)	۷۶۲
یاس	۱۴۱۷
ی ت	
یتامی النساء (یتیم)	۱۴۲۰
یتیم	۱۴۱۹
یتیم (آداب معاشرت)	۲۱
〃 (معاشی نظام)	۱۲۴۸
یتیم پوتے کا حصہ (وراثت)	۱۳۸۶
ی ث	
یثرب	۱۴۲۰
یثرب (قبیلہ)	۱۱۱۶
ی ح	
(حضرت) یحییٰ	۱۴۲۳
(حضرت) یحییٰ کی پیدائش	
بطور معجزہ (معجزات)	۱۲۵۶
ی ز	
یزداں واہرمن (ظلمات)	۹۹۴

عنوان	صفحہ
ی س	
(حضرت) الیسعؑ	۱۴۲۳
یسع ۔ نبی (الیسع)	۲۱۲
ی ع	
(حضرت) یعقوبؑ	۱۴۲۴
ی ق	
یقین	۱۴۲۵
ی و	
(حضرت) یوسفؑ	۱۴۲۷
(حضرت) یوسفؑ کا خواب (سجدہ)	۸۷۶
(حضرت) یوسفؑ کے والدین کی تعظیم (سجدہ)	۸۷۶
یوم	۱۴۲۱
یوم الحساب (حساب)	۶۴۶
(حضرت) یونسؑ	۱۴۲۸
(حضرت) یونسؑ کی طرف منسوب معجزات (معجزات)	۱۲۵۶
ی ہ	
یہودی (بنی اسرائیل)	۳۷۰
یہودی سخت دشمن ہیں (عداوت)	۱۰۱۷
یہودی مشرک ہیں (شرک)	۹۰۵
یہودیوں کے ہاں حلال وحرام (حرام)	۶۴۲
یہودیوں کے مذہبی پیشوا دین فروشی کرتے تھے (ثمن قلیل)	۵۴۵

نگہ بازگشت

ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کتاب میں غلطیاں نہ رہنے پائیں لیکن ہمارے ہاں کے طریقۂ طباعت میں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ کتاب چھپ جانے کے بعد اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم اس کے ایک ایک لفظ کو کھنگال سکتے۔ یونہی سرِراہے کچھ غلطیاں نظر پڑی ہیں جنہیں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ استدعا ہے کہ آپ کو کتاب میں جو غلطیاں نظر آئیں ہمیں ان سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کر دی جائے۔ آپ کے اس تعاون کے لئے ہم آپ کے شکر گذار ہوں گے۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	موجودہ الفاظ	صحیح الفاظ
۵	۱۸	ہبطِ اعمال	حبطِ اعمال
۱۴	۷، ۸	مغضوب الغضب	مغلوب الغضب
۳۳۴	۷	صَدَ منیٰ صدق	صَدَق بمعنی صَدَّقَ
۳۳۴	۱۸	(۶ــ ۵ : ۹۲)	(۶-۵ : ۹۲)
۶۳۷	۵	(۵۶ : ۲ ۱ - ۱۲:۹۰	(۵۶ : ۱۲) — (۹۰ : ۱۲)
۶۳۹	۲۳	کھول کر آز	کھول کر آزاد کر
۸۹۷	۱۵	بعدسرت ابراہیمؑ	بعدحضرت ابراہیمؑ
۹۷۴	۱۶	خلافِ قا. ن ن	خلافِ قانونِ قرآنی
۹۸۱	۱۷	کی پایزگی بھی	کی پاکیزگی بھی
۱۱۳۵	۲۳	سے ذ قریب	سے خدا سے قریب
۱۱۴۵	۲۳	(۱۰ :)	(۲۹ : ۴۷)
۱۱۵۷	۲۳	لگا یے گا	لگا لیجیے گا
۱۳۹۲	۱۹	یوں خدا ، .نسان	یوں خدا ، اِنسان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

۱۔ آباء و اجداد

(نیز دیکھئے تقلید)

آباءُ (مادہ ا ۔ ب ۔ و)۔ اَبٌ کی جمع ہے۔جس کے معنی باپ یا ہر بڑا آدمی ہیں۔ آباء کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے جن معنوں میں ہم "آباء و اجداد" بولتے ہیں یعنی اسلاف۔ مثلاً جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم کس خدا کو اپنا معبود تسلیم کرو گے تو انہوں نے کہا کہ اِلٰہَ آبَآئِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ۔(۲ : ۱۳۳)۔ تیرے آباء ۔ ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کو۔ حضرت اسحٰق (حضرت یعقوبؑ) کے والد۔ حضرت اسماعیلؑ ان کے چچا اور حضرت ابراہیمؑ ان کے دادا تھے۔ ان سب کے لئے آباء کا لفظ آیا ہے۔

قرآن کریم میں "آباء و اجداد" کا ذکر بیشتر ان مقامات میں آیا ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اِس دین کو اختیار کیوں نہیں کرتے تو یہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اسی مسلک پر چلنا چاہتے ہیں جو مسلک ہمارے آباء و اجداد (اسلاف) سے متوارث چلا آ رہا ہے۔ قرآن کریم نے اس ذہنیت کی سختی سے مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ کسی بات کے صحیح ہونے کا یہ کوئی معیار، سند اور دلیل نہیں کہ وہ

اسلاف سے متوارث چلی آرہی ہے۔ اسلاف بھی غلطی کر سکتے تھے۔ پیشِ نظر معاملہ کو خود پرکھنا چاہیئے، اور علیٰ وجہ البصیرت کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیئے۔ سند اس کے لئے صرف کتاب اللہ ہو سکتی ہے۔

چونکہ یہ موضوع تقلید سے متعلق ہے، اس لئے اس کی تفصیل وہاں بیان کی جائے گی۔ دیگر اہم مقامات جہاں یہ لفظ (آبآء) آیا ہے، حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حج میں خدا کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم (ایامِ جاہلیت میں) اپنے آباء کا ذکر کیا کرتے تھے (۲:۲۰۰)

(۲) اگر تمہارے آباء وغیرہ تمہارے نزدیک خدا و رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہو جائیں تو تم خدا کے فیصلہ کا انتظار کرو — (۹:۲۴) — (۵۸:۲۲)

(۳) معبودانِ باطل کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تمہارے آباء نے رکھ دیئے یا اب تم نے رکھ لئے ہیں۔ — (۷:۷۱) — (۱۲:۴۰) — (۵۳:۲۳)

(۴) کفار کہتے ہیں کہ کیا ہم یا ہمارے آباء جو مٹی میں رل چکے ہیں، دوبارہ زندہ کئے جائینگے؟

(۲۳:۸۲—۸۳) — (۲۷:۶۷—۶۸) — (۳۷:۱۷) — (۴۴:۳۶) — (۴۵:۲۵) — (۵۶:۴۸)

(۵) تمہارا اور تمہارے آباء کا رب — (۲۶:۲۶) — (۳۷:۱۲۶) — (۴۴:۸)

(۶) محض کسی کا باپ ہونا اسے داخلِ جنت نہیں کر سکتا۔ اس کے باپ کا صالح ہونا ضروری ہے۔

(۱۳:۲۳) — (۴۰:۸)

[اَبٌ (جمع آباء) بمعنی باپ کے لئے دیکھئے عنوان (ب)]

—— (۰) ——

۲۔ آخر

(نیز دیکھئے۔ دنیا۔ ساعۃ۔ قیامت۔ جنت۔ جہنم)

اٰلْاٰخِرَۃ — یہ 'اٰخِرٌ' کی مؤنث ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں، وہ چیز جو کسی پہلے آنیوالی چیز کے بعد آئے۔ تفصیل اس اجمال کی آپ کو لغات القرآن میں ملے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ یہ لفظ بالعموم "مستقبل" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک انسان کی زندگی میں، ہر نیا دن، سابقہ دن کا مستقبل

ہے۔ایک قوم کی زندگی میں، ہر آنے والی نسل، سابقہ نسل کی مستقبل ہے۔ لیکن قرآنی نظریۂ زندگی اس سے آگے بڑھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں۔ زندگی مرنے کے بعد بھی آگے چلتی ہے اور اسے حیاتِ آخرت یا اُخروی زندگی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مومن کے نزدیک، دنیا کی زندگی حال کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی مستقبل کی زندگی۔ یعنی اس کے نزدیک جہاں اس کی دنیاوی زندگی کا ہر آنے والا دن مستقبل ہے اور ہر آنے والی نسل مستقبل۔ اس کے ساتھ اس زندگی کے بعد کی زندگی بھی مستقبل ہے۔ اس کے مستقبل کی حدیں اسی دنیا میں محدود ہو کر نہیں رہ جاتیں، اس سے آگے بھی جاتی ہیں۔

حیاتِ آخرت پر ایمان، مسلمان ہونے کے لئے بنیادی شرط ہے۔ یعنی مومن، صرف حال کی خوشگواریوں پر ہی نظر نہیں رکھتا، وہ حال کو سنوارنے کے ساتھ مستقبل کی کامرانیوں کو بھی اپنا نصب العین حیات سمجھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آخرت پر ایمان میں، اس دنیا میں مستقبل کی بہبود کا خیال رکھنا، اور مرنے کے بعد کی زندگی کو سامنے رکھنا، دونوں شامل ہونگے۔ جو افراد یا اقوام صرف اپنے حال کو سامنے رکھتی ہیں مستقبل کی خوش حالیوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس طرح جو لوگ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی کو سمجھتے ہیں، ان کا اُخروی مستقبل یعنی مرنے کے بعد کی زندگی، تباہ ہو جاتی ہے۔ مومن وہ ہے جس کا ہر آنے والا دن، سابقہ دن کے مقابلہ میں زیادہ درخشندہ ہو اور اس فروزاں مستقبل میں مرنے کے بعد کی زندگی بھی شامل ہو۔

۲۔ مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے قرآنِ کریم میں اور بھی الفاظ آئے ہیں مثلاً الساعۃ، القیامۃ وغیرہ۔ اس موضوع کو پورے طور پر سامنے لانے کے لئے متعلقہ عنوانات کو بھی دیکھ لینا چاہیئے۔

۳۔ ضمناً۔ "اٰخَرٌ" (خا کی زبر کے ساتھ) کا لفظ، غیر کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی دیگر اشیاء سے الگ، کوئی اور شے۔ اور "اُخُرٌ" کے معنی ہوتے ہیں، پیچھے ہونا۔ جیسے متقدّم کے مقابلہ میں متأخر۔ یا کسی بات کو مؤخر کرنا۔

۴۔ یہ ظاہر ہے کہ عمل پہلے سرزد ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ اس کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ نتائج اعمال کے اس طرح ظاہر ہونے کو بھی آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھیئے کہ جن اعمال کے نتائج اسی زندگی میں سامنے آجائیں وہ "تَقَدَّمَ" کے زمرہ میں آجائیں گے اور جن کے نتائج اُخروی زندگی میں نمودار ہوں،

وہ آخر میں۔" مَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ " کی اصطلاح قرآن کریم میں اسی مفہوم کے لئے آئی ہے۔ یعنی جو کچھ انسان نے پہلے کیا اور جو کچھ مستقبل کی زندگی کے لئے بھیجا۔

(۵) زیرِ نظر عنوان میں آخرت کے اسی مفہوم کے متعلق بات کی جائے گی۔ ایمان بالآخرت کے معنی ہیں خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان۔ اس امر پر ایمان کہ انسان کا ہر عمل (حتیٰ کہ دل میں گزرنے والے خیالات اور نگاہ کی جنبشوں تک) اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نتیجہ اسی دنیا میں سامنے آجائے۔ اور یہ بھی کہ اس کے بعد، حیاتِ آخرت میں سامنے آئے۔ جو لوگ حیاتِ آخرت کے منکر ہوں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ایسا انتظام کریں کہ ان کی فریب کاریوں اور دیگر جرائم کی گرفت نہ ہو سکے۔ اور اس طرح وہ اس دنیا کی زندگی پوری کر کے مر جائیں، تو پھر ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ حیاتِ آخرت پر ایمان رکھنے والا ایسا نہیں سمجھتا۔ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اس کا ہر عمل نتیجہ خیز ہو کر رہیگا۔ اس دنیا میں نہیں تو اس کے بعد کی دنیا میں۔

سوچئے کہ (علاوہ دیگر امور) حیاتِ آخرت پر ایمان، اقوامِ عالم کے لئے کس قدر امن و سکون کا باعث ہو سکتا ہے۔

آخرت پر ایمان اور انکار

(۱) زبان سے کہنے والے کہ ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ درحقیقت ایمان نہیں رکھتے (یعنی منافق)۔
(۲ : ۸) — (۲ : ۲۶۴) — (۴ : ۳۸) — (۴ : ۳۹)۔

(۲) ایمان بالآخرت — (۲ : ۴) — (۲ : ۶۲) — (۲ : ۱۲۶) — (۲ : ۱۷۷) — (۲ : ۲۲۸) — (۲ : ۲۳۲) — (۳ : ۱۱۴) — (۴ : ۵۹) — (۴ : ۱۶۲) — (۵ : ۶۹) — (۹ : ۱۸) — (۹ : ۱۹) — (۹ : ۴۴) — (۹ : ۹۹) — (۲۴ : ۲) — (۲۹ : ۳۶) — (۳۱ : ۴) — (۳۳ : ۲۱) — (۳۹ : ۹) — (۵۸ : ۲۲) — (۶۰ : ۶) — (۶۵ : ۲)

(۳) دعائے ابراہیمی کہ ایمان بالآخرت والوں کو رزقِ حسنہ عطا کر۔ — (۲ : ۱۲۶)

(۴) اصل نیکی اس کی ہے جو (منجملہ دیگر) آخرت پر ایمان رکھتا ہے — (۲ : ۱۷۷)

(۵) ایمان بالآخرت کے ساتھ احکامِ خداوندی کی اطاعت ـــ (۲ : ۲۲۸) ـــ (۲ : ۲۳۲)
(۴ : ۵۹) ـــ (۲۴ : ۲) ـــ (۶۵ : ۲)

(۶) مومن، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ـــ (۲ : ۴) ـــ (۳ : ۱۱۴) ـــ (۴ : ۱۶۲) ـــ (۹ : ۱۸)
(۲۷ : ۳) ـــ (۳۱ : ۴)

(۷) آخرت سے انکار ـــ (۲ : ۲۶۴) ـــ (۴ : ۳۸) ـــ (۴ : ۳۹) ـــ (۴ : ۱۳۶) ـــ (۶ : ۱۱۳)
(۶ : ۱۵۰) ـــ (۷ : ۴۵) ـــ (۹ : ۲۹) ـــ (۹ : ۴۵) ـــ (۱۱ : ۱۹) ـــ (۱۲ : ۳۷) ـــ (۱۶ : ۲۲)
(۱۶ : ۶۰) ـــ (۱۷ : ۱۰) ـــ (۱۷ : ۴۵) ـــ (۲۳ : ۳۳) ـــ (۲۳ : ۷۴) ـــ (۲۷ : ۴) ـــ (۳۰ : ۱۶)
(۳۴ : ۸) ـــ (۳۴ : ۲۱) ـــ (۳۹ : ۴۵) ـــ (۴۱ : ۷) ـــ (۵۳ : ۲۷) ـــ (۷۴ : ۵۲) ـــ (۷۵ : ۲۱)

(۸) عام خیرات کے کام، اللہ اور آخرت پر ایمان کے برابر نہیں ہو سکتے ـــ (۹ : ۱۹)

(۹) منکرین آخرت کے خلاف جنگ کرو ـــ (۹ : ۲۹)

(۱۰) ایمان بالآخرت کا امتحان اعمال سے ہوتا ہے ـــ (۹ : ۴۴-۴۵) ـــ (۲۴ : ۲) ـــ (۲۲ : ۵۸)

(۱۱) اُخروی زندگی کی امید رکھنے والے ـــ (۲۹ : ۳۶) ـــ (۳۳ : ۲۱) ـــ (۶۰ : ۶)

(۱۲) آخرت پر ایمان رکھنے والے موت سے ڈرتے نہیں، بلکہ اس کی تمنا کرتے ہیں۔ (۲ : ۹۴)

(۱۳) آخرت پر ایمان رکھنے والے ہی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ـــ (۶ : ۹۳)

(۱۴) انبیاءؑ کی تعلیم کے دشمن، آخرت کے منکرین کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں ـــ (۶ : ۱۱۴)

(۱۵) حیاتِ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کا اتباع مت کرو ـــ (۶ : ۱۵۱)

(۱۶) دینِ خداوندی میں پیچیدگیاں پیدا کرنے والے حیاتِ آخرت کے منکر ہیں ـــ (۷ : ۴۵) ـــ (۱۱ : ۱۹-۲۱)

(۱۷) لقائے آخرت سے انکار سے حبطِ اعمال ـــ (۷ : ۱۴۷) ـــ عذاب ـــ (۱۶ : ۲۲-۲۹)

(۱۸) عذابِ آخرت سے ڈرنے والوں کے لئے نشانیاں ـــ (۱۱ : ۱۰۳)

(۱۹) حضرت یوسفؑ نے کہا کہ ہم نے ان کی ملت کو ترک کر دیا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ (۱۲ : ۳۷)

(۲۰) انکارِ آخرت کا نتیجہ فریب کارانہ عقل اور متکبرانہ دماغ ہوتا ہے ـــ (۱۶ : ۲۲)۔ ان کا اخلاقی ڈھانچہ بڑا پست اور ناہموار ہو جاتا ہے ـــ (۱۶ : ۶۰)۔ ان کا سینہ کفر کے لئے کھل جاتا ہے ـــ (۱۶ : ۱۰۶-۱۰۷)

(۲۱) انکارِ آخرت سے عذابِ الیم ـــــ (۱۰ : ۱۷) ـــــ (۸ : ۳۴)

(۲۲) آخرت سے انکار کرنے والوں اور مومنین کے درمیان ایک حجاب پیدا ہو جاتا ہے ـــــ (۴۵ : ۱۷)

(۲۳) جو سمجھتا ہے کہ خدا دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ اسے چاہیئے کہ خدا کے پیدا کردہ اسباب سے اپنے رشتے منقطع کر کے دیکھ لے۔ ـــــ (۱۵ : ۲۲)

(۲۴) جو آخرت کا انکار کر کے دنیاوی دولت فراواں کما لیتے ہیں، وہ انبیاء کے مشن کی مخالفت کرتے ہیں۔ ـــــ (۳۳ : ۲۳)

(۲۵) آخرت کے منکر سیدھے راستے سے منہ موڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ـــــ (۷۴ ، ۲۳)

(۲۶) آخرت سے انکار سے غلط اعمال مزین بن جاتے ہیں۔ اور آخرت میں یہ بہت بڑے نقصان میں رہتے ہیں۔ ـــــ (۵ ـ ۴ : ۲۷)

(۲۷) یہ اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے آخرت کے متعلق شک میں رہتے ہیں۔ اکثر ان میں سے اندھے ہوتے ہیں ـــــ (۶۶ : ۲۷)

(۲۸) انہیں صرف عالمِ محسوسات کا علم ہے۔ آخرت سے بے خبر ہیں ـــــ (۷ ، ۳۰)

(۲۹) ازواجِ رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ اگر تم دارالآخرت کی متمنی ہو تو اللہ اس کا اجرِ عظیم دے گا۔ (۳۳ : ۲۹)

(۳۰) جو آخرت کی بابت شک میں ہو، اس پر ابلیس کا تسلط ہو جاتا ہے ـــــ (۲۱-۲۰ : ۳۴)

(۳۱) مومن، آخرت کے متعلق بڑے محتاط رہتے ہیں۔ ـــــ (۹ ، ۳۹)

(۳۲) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جب ان کے سامنے خدائے واحد کا نام لیا جائے تو انہیں سخت اذیت ہوتی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ اور خدا ملا لئے جائیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ـــــ (۴۵ : ۳۹)

(۳۳) مشرک وہ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں ـــــ (۷ : ۴۱)

(۳۴) آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے ملائکہ کو دیویاں بنا لیتے ہیں ـــــ (۲۷ ، ۵۳)

(۳۵) آخرت سے ناامید ہونے والوں کو اپنا دوست مت بناؤ ـــــ (۱۳ : ۶۰)

(۳۶) یہ لوگ آخرت سے ڈرتے نہیں ـــــ (۵۳ : ۷۴)

آخرت بمقابلہ حیٰوۃ الدّنیا

(۱) حیات دنیا کے عوض آخرت کو بیچ دینے والے ـــ (۲:۸۶) ـــ (۲:۱۰۲)
ان کے ساتھ جنگ کرو ـــ (۴:۷۴)

(۲) جو ناجائز طور پر متاع دنیاوی حاصل کرتا ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ـــ (۲:۱۰۲) ـــ (۳:۱۷۶)

(۳) صرف دنیا مانگنے والے کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ـــ (۲:۲۰۰) ـــ (۱۱:۱۵-۱۶)

(۴) عہداللہ اور اپنے پیمان کو دنیاوی مفاد کی خاطر بیچنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ـــ (۳:۷۷)

(۵) جو دنیا کا حصہ مانگتا ہے اسے وہ مل جاتا ہے۔ جو آخرت کا مانگتا ہے، اسے وہ مل جاتا ہے (۳:۱۴۴)

(۶) جنگ میں تم میں سے بعض کی نگاہ مفادِ عاجلہ (مالِ غنیمت۔ دنیا) پر تھی اور دوسرے لوگ مستقبل (آخرت) پر نگاہ رکھتے تھے۔ ـــ (۳:۱۵۲) ـــ (۸:۶۷) ـــ (۹:۳۸)

(۷) متاعِ دنیا قلیل ہے۔ آخرت اس کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے ـــ (۴:۷۷) ـــ (۹:۳۸) ـــ (۱۲:۵۷)

(۸) آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو زیادہ پسند کرنے والے سخت گمراہی میں ہیں ـــ (۱۴:۳)
ان کا سینہ کفر کے لئے کھل جاتا ہے۔ ـــ (۱۶:۱۰۷) ـــ (۸۷:۱۶-۱۷)

(۹) جو مفادِ عاجلہ چاہتا ہے ہم اسے عاجلہ دے دیتے ہیں۔ جو (اس کے ساتھ) آخرت بھی چاہتا ہے، اس کی مساعی مشکور ہو جاتی ہیں۔ خدا ان دونوں گروہوں کو آگے بڑھنے کے مواقع دئے جاتا ہے۔ اس کی نعمتوں کے آگے پھاٹک نہیں لگا دیئے گئے ـــ (۱۷:۱۸-۱۹) ـــ (۴۲:۲۰)

(۱۰) قارون سے کہا گیا ہے دنیا میں بھی اپنا حصہ لے اور آخرت کے گھر کو بھی طلب کر ـــ (۲۸:۷۷)

(۱۱) دارِ آخرت ان کے لئے ہے جو دنیا میں ناحق سرکشی اختیار نہیں کرتے ـــ (۲۸:۸۳)

(۱۲) عاجلہ کو پسند کرنے والے، آخرت کو چھوڑ دینے والے ـــ (۳۰:۷) ـــ (۷۵:۲۰-۲۱)

(۱۳) اے رسول! تیرے لئے اولیٰ کے مقابلہ میں آخرت زیادہ بہتر ہو گی۔ یعنی جو حالات اس وقت ہیں ان کے مقابلہ میں مستقبل زیادہ کامیاب ہو گا ـــ (۹۳:۴)

(۱۴) جنگِ احد میں کچھ لوگ دنیا (مفادِ عاجلہ) کے پیچھے تھے اور کچھ مستقبل کے مفاد پر نگاہ رکھتے

تھے ـــــ (۱۵۲ : ۳)

(۱۵) دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اس لئے یہاں کا اندھا وہاں بھی اندھا ہوتا ہے (۷۲ : ۱۷)۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے کی روزی تنگ ہوجاتی ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھتا ہے۔ آخرت کا عذاب اور بھی زیادہ شدید ہوتا ہے۔
(۱۲۴ـــ۱۲۷ : ۲۰)

جب دُنیاوی مفاد اور اُخروی متاع میں تصادم ہو تو

(۱) مفادِ آخرت کو ترجیح دینی چاہیئے ـــ (۷۷ : ۴)ـــ (۳۲ : ۶)ـــ (۱۶۹ : ۷)ـــ (۳۸ : ۹)
(۵۷ : ۱۲)ـــ (۱۰۹ : ۱۲)ـــ (۲۶ : ۱۳)ـــ (۳۰ : ۱۶)ـــ (۳۵ : ۴۳)

(۲) آخرت کے درجات بلندتر اور افضل ہیں ـــ (۲۱ : ۱۷)۔ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ـــ (۱۷ : ۸۷)

(۳) حقیقی زندگی تو آخرت ہی کی ہے ـــ (۶۴ : ۲۹)۔ وہی دارالقرار ہے ـــ (۳۹ : ۴۰)

(۴) آخرت کا گھر قابلِ ترجیح ہے ـــ (۲۹ : ۳۳)

(۵) دونوں زندگیوں کا تقابل۔ جامع آیت ـــ (۲۰ : ۵۷)

دنیا اور آخرت دونوں کی سرفرازیاں

(۱) حضرت ابراہیمؑ دنیا اور آخرت دونوں میں برگزیدہ تھے ـــ (۱۳۰ : ۲)
حضرت مسیحؑ بھی ـــ (۴۵ : ۳)ـــ (۱۲۲ : ۱۶)ـــ (۲۷ : ۲۹)

(۲) دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں مانگنے والے ـــ (۲۰۱ : ۲)ـــ (۱۴۷ : ۳)ـــ (۱۳۴ : ۴)
(۱۵۶ : ۷)ـــ (۶۴ : ۱۰)

(۳) دنیا اور آخرت دونوں میں تفکر ـــ (۲۲۰ : ۲)

(۴) دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی سرپرستی ـــ (۱۰۱ : ۱۲)　خدا کا فضل ـــ (۱۴ : ۲۴)

(۵) ایمان والے اپنے صحیح نظریۂ حیات کی بدولت دنیا اور آخرت میں محکم و استوار رہتے ہیں۔
(۲۷ : ۱۴)

(۶) ہجرت کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں ——— (۴۱ : ۱۶)

(۷) خدا (یا ملائکہ) مومنین کا دنیا اور آخرت دونوں میں سرپرست ہے۔ ——— (۳۱ : ۴۱)

دنیا میں بھی عذاب اور آخرت میں بھی

(۱) مساجد میں ذکرِ خداوندی سے منع کرنے والوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ——— (۱۱۴ : ۲)

(۲) دنیا اور آخرت دونوں میں اعمال غارت۔ ——— (۲۱۷ : ۲) ——— (۲۲ : ۳) ——— (۵ : ۵)

(۱۴۷ : ۷) ——— (۶۹ : ۹)

(۳) کفر سے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ——— (۵۶ : ۳) ——— (۵ : ۲۷)

(۴) بغاوت کرنیوالوں کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ——— (۳۳ : ۵) ——— (۴۱ : ۵) ——— (۲۶ : ۳۹)

یہود (فتنہ انگیزوں کے لئے بھی ——— (۴۱ : ۵) ——— (۳ : ۵۹) منافقین کے لئے بھی ——— (۷۴ : ۹)

تکذیب کرنے والوں کے لئے بھی ——— (۲۶ : ۳۹)

(۵) مخالفت اور سازشیں کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ——— (۳۴ : ۱۳)

(۶) یہاں کا اندھا آخرت کا بھی اندھا ہوتا ہے ——— (۷۲ : ۱۷)

(۷) خدا کی عبودیت (محکومی) علیٰ حرف اختیار کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں خسرانِ مبین ——— (۱۱ : ۲۲)

(۸) معاشرہ میں فتنہ انگیزی سے دنیا اور آخرت میں عذاب آجاتا ہے۔ اس سے محفوظ رہنا خدا کی رحمت سے ہے ——— (۱۴ : ۲۴) ——— (۱۹ : ۲۴) ——— (۲۳ : ۲۴)

(۹) اللہ اور رسول کو اذیت پہنچانے والوں کے لئے دنیا اور آخرت میں لعنت ——— (۵۷ : ۳۳)

(۱۰) قومِ عاد کو دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ——— (۱۶ : ۴۱)۔ فرعون کو بھی ——— (۲۵ : ۷۹)

(۱۱) کفرانِ نعمت کرنے والوں کے لئے ——— (۳۳ : ۶۸)

(۱۲) اہلِ فرعون کو اولیٰ اور اُخریٰ کی سزا ——— (۲۵ : ۷۹)

(۱۳) غلط معاشی نظام سے دنیا بھی تباہ اور آخرت بھی برباد

(۳۳ ——— ۱۷ : ۶۸)

آخرت میں عذاب اور خسران

(۱) اسلام کے علاوہ اور دین طلب کرنے والوں کو آخرت میں خسران۔(۳:۸۵)ـ(۳:۱۷۵)ـ(۵:۵)

(۲) آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کرنے والے۔ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔اور یہ آخرت میں سخت نقصان میں رہتے ہیں۔(۱۱:۲۲)ـ(۱۶:۱۰۷-۱۰۹)ـ(۲۷:۴-۵)

(۳) آخرت کا عذاب زیادہ شدید اور باقی رہنے والا ہوتا ہے۔(۲۰:۱۲۷)

(۴) منکرِ آخرت سے انکار کرنے والے عذاب میں ماخوذ ہوں گے ـــ(۱۶:۳۰)

(۵) ایمان کو بیچ دینے والوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ـــ(۳:۷۷)

مَا قَدَّمَ وَمَا أَخَّرَ

(۱) اس دن انسان کو "ماقدم و اخر" سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔(۷۵:۱۳)ـ(۸۲:۵)

(۲) خدا کو مستقدمین (آگے بڑھ جانے والوں) کا بھی علم ہے اور مستاخرین (پیچھے رہ جانے والوں کا بھی) ـــ(۱۵:۲۴)

متفرق

(۱) جو انسان آگے بڑھنا چاہے آگے بڑھ جائے۔جو پیچھے رہنا چاہے پیچھے رہ جائے۔میدانِ عمل ہر ایک کے لئے یکساں طور پر کھلا ہے ـ(۱۵:۲۴)ـ(۱۷:۱۸-۲۰)ـ(۷۴:۳۷)

(۲) عاجلہ بمقابلہ آخرت ـــ(۱۷:۱۸-۱۹)ـــ(۷۵:۲۰-۲۱)

(۳) جنگ میں بعض کی نگاہ قریبی مفاد (دنیا) پر، دوسروں کی مستقبل (آخرت) پر۔یہاں آخرت کا لفظ اسی دنیا میں مستقبل کی بہبود کے لئے آیا ہے۔(۳:۱۵۱)ـ(۸:۶۷)ـ(۹:۳۸)

(۴) نشاۃِ آخرۃ ـــ(۲۹:۲۰)

(۵) خدا کے لئے آخرت میں حمد ـــ(۳۴:۱)، آخرت اور اولیٰ خدا کے لئے ہے ـ(۲۸:۷۰)

(۹۲:۱۳)

(۶) خدا کے علاوہ جسے اللہ بنا دّ اس کی دنیا اور آخرت میں کوئی دعوت ہی نہیں ۔ (۴۳:۴۰)

(۷) آخرت اور اولیٰ اللہ کے لئے ہے ۔ (۵۳:۲۵) ۔ (۹۲:۱۳)

(۸) دنیا اور آخرت دونوں میں تفکر کرو ۔ (۲:۲۲۰)

(۹) عذابِ آخرت سے ڈرنے والے کے لئے ، قانونِ مکافات میں نشانیاں ہیں ۔ (۱۱:۱۰۳)

(۱۰) جو سمجھتا ہے کہ خدا اس کی نہ دنیا میں مدد کر سکتا ہے نہ آخرت میں ، اسے چاہیئے کہ ..... (۲۲:۱۵)

(۱۱) جو دنیا میں ناحق غلبہ و استیلا نہیں چاہتے ان کے لئے آخرت کی سرفرازیاں ہیں ۔ (۲۸:۸۳) ۔ (۷:۱۴۶)

(۱۲) کفر کی دعوت دینے والے کی دنیا اور آخرت میں کوئی محکم حیثیت ہی نہیں (۴۰:۴۳)

(۱۳) رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ کی ابتدائی زندگی کے مقابلہ میں زندگی کا آخری حصہ (مکی کے مقابلہ میں مدنی زندگی) بہت بہتر ہوگی ۔ (۹۳:۴)

——— (۰) ———

۳۔ آداب معاشرت

قرآنِ کریم ، کائنات کے دقیق ترین مسائل کے متعلق تصورات ، اور انسانی زندگی کے اہم ترین معاملات کے متعلق راہ نمائی دیتا ہے ۔ وہ خدا ، عالمِ امر ، آخرت جیسے مابعد الطبیعاتی مسائل کے متعلق بھی گفتگو کرتا ہے اور سیاسی ، معاشی ، تمدنی ، مملکتی ، بین الاقوامی معاملات کے متعلق بھی ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات سے بھی اغماض نہیں برتتا ۔ وہ ان کے متعلق بھی ضروری ہدایات دیتا ہے ۔ ایک فرد کو کچھ اپنے متعلق کیا کچھ کرنا چاہیئے ۔ گھر والوں کے ساتھ کس قسم کے تعلقات رکھنے چاہئیں ۔ دوستوں ، ہمسایوں ، رشتہ داروں ، عام ملنے والوں ، اپنوں ، بیگانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے ۔ چلنے پھرنے ، کھانے پینے ، بات چیت کرنے کا انداز کیا ہونا چاہیئے ۔ آدابِ محفل کیا ہیں ۔ رہنے سہنے کا انداز کیا ہونا چاہیئے ۔ اس قسم کی باتیں بظاہر بڑی معمولی سی ہیں ، لیکن انسان کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کا آغاز اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں سے ہوتا ہے ۔ اور اس کے کیرکٹر کا صحیح اندازہ انہی گوشوں سے لگ جاتا ہے ۔ اس لئے وہ زندگی کے ان عام گوشوں میں بھی حسنِ انداز اور حسنِ معاملہ کی تاکید کرتا ہے ۔ زیرِ نظر عنوان میں

زندگی کے انہی روزمرہ کے معاملات کے سلسلہ میں قرآنی راہنمائی سامنے لائی جائے گی۔ اس سلسلہ میں جو احکام سامنے لائے جائیں گے ان کی تفصیل، ان سے متعلق عنوانات میں آئے گی۔ یہاں صرف ان کا ذکر مختصر طور پر کیا جائے گا۔ مثلاً یہاں کہا جائے گا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو السلام علیکم کی حیات بخش آرزوؤں کا اظہار کریں۔ یہ اس کا معاشرتی پہلو ہے۔ "السلام" کی تشریح و تفصیل "اسلام" کے عنوان میں سامنے آئے گی۔ اسی میں "سلام" کی حقیقت بھی بیان کی جائے گی۔ وَقِس علیٰ ھٰذا

باہمی میل ملاقات

(۱) جب کوئی تمہیں دعا دے تو تم اُسے یا تو اس سے بہتر دعا دو یا کم از کم ویسی ہی دعا دو ـــ (۴ : ۸۶)۔ حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کو بھی اسی طرح دعا دو ـــ (۲۴ : ۶۱)۔ دوسروں کے گھر جاتے وقت بھی ـــ (۲۴ : ۲۷) حتیٰ کہ جہلا اور ناواقفوں کو بھی یہی دعا دو ـــ (۲۵ : ۶۳) ـــ (۲۸ : ۵۵)

اس دعا کے لئے ہمارے ہاں السلام علیکم کے الفاظ کہے جاتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہاری ہر طرح کی سلامتی کا آرزومند ہوں۔ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کے الفاظ سے اس دعا کو لوٹایا جاتا ہے۔

(۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ جب مومنین تمہارے پاس آئیں تو ان سے کہو "سَلَامٌ عَلَیْکُمْ" ـــ (۶ : ۵۴)

(۳) اہل جنت کا باہمی سلام بھی یہی ہوگا ـــ (۷ : ۴۶) ـــ (۱۰ : ۱۰) ـــ (۱۴ : ۲۳) ـــ (۱۶ : ۳۲) ـــ (۳۹ : ۷۳)۔ وہاں ہر طرف سے یہی صدائیں بلند ہوں گی ـــ (۵۶ : ۲۶)

(۴) خدا کی طرف سے انبیاء کو سلام کہا گیا ہے ـــ (۳۷ : ۷۹-۱۰۹-۱۲۰-۱۸۱)

(۵) جو شخص تمہیں سلام کہے اس کے متعلق تمہارا پہلا ردِ عمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ مومن نہیں ـــ (۴ : ۹۴) [اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب کوئی تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے تو تمہارا پہلا ردِ عمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ امن کا خواہشمند نہیں۔ جس مقام پر یہ آیت آئی ہے وہاں اس کا یہی مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔]

(۶) مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں ـــ (۴۹ : ۱۰) ایک دوسرے کے دوست ہیں ـــ (۹ : ۷۱)۔ اگر ان میں کبھی تنازعہ ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ اور جو زیادتی کرے اس سے مواخذہ کرو ـــ (۴۹ : ۹)

باہمی بات چیت۔ اندازِ گفتگو

(۱) ہمیشہ صاف، واضح اور سیدھی بات کرو جس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو۔ ذومعنی نہ ہو ــــ (۷۰ : ۳۳)
(۲) ایسی زبان بولو جو معاشرہ میں شرفا کی زبان تسلیم کی جاتی ہو ــــ (۵ : ۴)
(۳) نہایت خوبصورت انداز سے، توازن کو برقرار رکھتے ہوئے باتیں کرو ــــ (۵۳ : ۱۷) ــــ (۸۳ : ۲)
(۴) چیخ چیخ کر باتیں مت کرو ــــ (۱۹ : ۳۱)
(۵) گفتگو میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو ــــ (۱۵۳ : ۶)
(۶) تصنع، بناوٹ، فریب کاری کی باتیں مت کرو ــــ (۳۰ : ۲۲)
(۷) جھوٹ کو سچ کا لباس مت پہناؤ۔ غلط اور صحیح کو خلط ملط مت کرو۔ حق بات کو چھپاؤ نہیں۔

(۴۲ : ۲)

لغویت۔ بے حیائی کی باتیں

(۱) ہر لغو بات اور بیہودہ کام سے پرہیز کرو ــــ (۱۵۳ : ۶) ــــ (۳ : ۲۳)
(۲) لغو باتیں سنو بھی نہیں ــــ (۵۵ : ۲۸)
(۳) کہیں اتفاق سے لغویت کا آمنا سامنا ہو جائے تو وہاں سے شریفانہ انداز سے پہلو تہی کر کے آگے بڑھ جاؤ ــــ (۷۲ : ۲۵)
(۴) جنتی زندگی میں لغویت کا گذر نہیں ہوگا ــــ (۶۲ : ۱۹) ــــ (۲۳ : ۵۲) ــــ (۲۵ : ۵۶) ــــ (۳۵ : ۷۸)

فواحش

فحش اور فحشا کی تفصیل کے لئے عنوان "فحش" دیکھئے۔ اس مقام پر ان آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں جن میں عام بے حیائی کی باتوں سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) فواحش (بے حیائی کی باتوں) کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوئی ہوں یا پوشیدہ ــ (۱۵۱ : ۶)۔ خدا نے اسے حرام قرار دیا ہے (۳۳ : ۷)۔ مومن ایسی باتوں سے مجتنب رہتے ہیں ــ (۳۷ : ۴۲) (۳۲ : ۵۳)

(۲) اگر کبھی غیر ارادی طور پر اس قسم کی بات ہو جائے تو اس سے فوراً تائب ہو جانا چاہیے — (۳:۱۳۴)

(۳) معاشرہ میں فحش باتوں کو مت پھیلاؤ — (۲۴:۱۹)۔ اس میں فحش قسم کا لٹریچر، ڈرامے، سینما، ٹی وی وغیرہ، جن سے بے حیائی پھیل جانے کا اندیشہ ہو، سب آجاتے ہیں۔

چلنا پھرنا

(۱) اوچھوں کی طرح تکبر سے اکڑ کر مت چلو — (۱۷:۳۷) — (۳۱:۱۸)۔ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو — (۲۵:۶۳) — (۳۱:۱۹)

(۲) عورتوں کو بھی اپنی رفتار میں حیا کا پہلو مدِ نظر رکھنا چاہیے — (۲۸:۲۵)

(۳) راستہ چلتے وقت، دیدے پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر نہ دیکھتے پھرو بلکہ شریفوں کی طرح اپنی نگاہوں کو قابو میں رکھو۔ انہیں بے باک نہ ہونے دو۔ مرد بھی ایسا کریں اور عورتیں بھی — (۲۴:۳۰-۳۱)

(۴) خیانت نگاہوں سے بھی ہوا کرتی ہے۔ اس سے مجتنب رہو — (۴۰:۱۹)

بات کی تحقیق کرنا

(۱) جب تک کسی بات کی خود تحقیق نہ کر لو اس کے پیچھے مت لگو — (۱۷:۳۶)

(۲) دوسروں کے متعلق ہمیشہ حسنِ ظن سے کام لو — (۲۴:۱۲) — (۴۹:۱۲)

(۳) جب کسی کے خلاف کوئی بات سنو تو تمہارا پہلا ردِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ نہیں، یہ اسکے خلاف بہتان ہے۔ پھر اس کی بابت تحقیق کرو۔ اور اس سے پہلے اس بات کو دوسروں تک مت پھیلاؤ۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ملزم کو اس وقت تک بے گناہ سمجھو جب تک اس کے خلاف جرم ثابت نہ ہو جائے — (۲۴:۱۲-۱۵-۱۶)

(۴) جب کوئی شرارتی کسی قسم کی افواہ پھیلائے تو قبل اس کے کہ اسے تم آگے پھیلاؤ، اس کی بابت پوری پوری تحقیق کر لو — (۴۹:۶)، اس کی اطلاع ذمہ دار حکام کو ... کر دو تاکہ وہ اس کی بابت تحقیق کر لیں — (۴:۸۳)

(۵) مظلوم کے سوا کسی کو حق نہیں کہ کسی کے خلاف یونہی بُری باتیں کرتا پھرے — (۴:۱۴۸)

(۵) دوسروں کے معاملات میں یونہی بیکار ٹوہ نہیں لگاتے رہنا چاہیئے ــــ (۴۹:۱۲)

تہمت لگانا

(۱) کسی کے خلاف تہمت نہ لگاؤ ــ (۲۴:۴) ۔ پاکباز عورتوں کے خلاف ناحق تہمت لگانا قانوناً جرم بھی ہے ۔ عدم ثبوت کی صورت میں اس کی سزا اسّی کوڑے ہے ــ (۲۴:۴)ــ(۳۳:۵۸)

(۲) خود جرم کا مرتکب ہونا اور اس کا بہتان دوسروں پر لگا دینا سخت جرم ہے ــ (۴:۱۱۲)

شریف زادیوں کو تنگ کرنا

یہ سنگین جرم ہے ، معاشرہ کو اس کے خلاف سخت کاروائی کرنی چاہیئے ــــ (۶۰ ۔ ۵۹ : ۳۳)

غیبت ، الزام تراشی ، حسد وغیرہ

(۱) ایک دوسرے کی غیبت مت کرو ۔ یہ نہایت ناپسندیدہ بات ہے ــــ (۴۹:۱۲)
غیبت کے معنی ہیں کسی کے متعلق اس کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہنا جسے تم اس کے سامنے بیان کرنا پسند نہ کرو ۔

(۲) ایک دوسرے کا تمسخر مت اڑاؤ ــ (۴۹:۱۱) ، تمسخر میں ہر وہ بات آجائے گی جس سے دوسرے کی ذلّت ہوتی ہو ۔
کفار مومنین کا تمسخر اڑایا کرتے تھے ــــ (۲:۲۱۲)ــ(۹:۷۹)
دین سے تمسخر اور استہزاء کرنے والوں سے الگ ہو جاؤ ــ (۶:۷۰) ۔ انکی مجلسوں میں بھی نہ بیٹھو ــ (۴:۱۴۰)

(۳) ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی مت کرو ــ (۴۹:۱۱)

(۴) ایک دوسرے کے بُرے بُرے نام مت رکھو ــــ (۴۹:۱۱)

(۵) کسی سے حسد نہ کرو ۔ حسد سے مراد ہے کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر یونہی جلتے بھنتے رہنا ۔ تم کوشش کرو کہ تم بھی محنت کر کے اس جیسی پوزیشن حاصل کرو ۔ لیکن حسد تو ایک نفسیاتی بیماری ہے جو احساسِ کمتری سے پیدا ہوتی ہے ــ (۴:۵۴) ۔ ایسے لوگ بڑے نقصان رساں ہوتے ہیں ۔ ان سے اپنے آپ کو محفوظ

رکھنا چاہیئے۔ (۵: ۱۱۳)

غصہ۔ انتقام

قرآن کریم انسان کو نہایت متوازن زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جس سے انسان اپنا عقلی توازن کھو بیٹھے، مومن کی روش کے خلاف ہوگی۔ خارجی طور پر ان میں منشیات (نشہ آور چیزیں) شامل ہیں اور داخلی طور پر تعصب، تنگ نظری، حسد، کینہ وغیرہ۔ ان نفسیاتی امراض میں غصہ سب سے زیادہ مہلک ہے کیونکہ اس میں انسان، فوری طور پر، پاگل ہوجاتا ہے۔ جنون (دیوانہ پن) اور مغلوب الغضب ہونے میں فرق یہ ہے کہ مغلوب الغضب انسان عارضی طور پر پاگل ہوتا ہے اور دیوانہ مستقل طور پر یا لمبے عرصہ کے لئے پاگل۔ لہٰذا، قرآن کی رُو سے مغلوب الغضب ہوجانا مومنین کا شعار نہیں۔ عام طور پر اس کا علاج یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ غصہ کو دبالے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت والکاظمین الغیظ (۳:۱۳۳) کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ "غصہ کو دبانے والے"۔ یہ صحیح نہیں۔ مرض کو دبا دینے (SUPPRESSION) یا (REPPRESSION) سے نفسیاتی امراض کا ازالہ نہیں ہوتا۔ اس سے اور پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ کظامت کے معنی بڑے غور طلب ہیں۔ عربوں کے ہاں پانی کی بڑی قلت ہوتی تھی۔ اگر کہیں ان کے ہاں کنوئیں سے پانی نکل بھی آتا تھا تو گرمیوں کے موسم میں اس کے پانی کی سطح بہت نیچے چلی جاتی تھی۔ اس دقت کو رفع کرنے کے لئے وہ دو چار کنوئیں پاس پاس کھود لیتے تھے اور انہیں زمین دوز نالیوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے تھے۔ اس سے ہوتا یہ تھا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کنوئیں میں پانی کم ہوجاتا تھا تو جس کنوئیں میں پانی زیادہ ہوتا تھا اس کا پانی اس طرف آجاتا تھا۔ اور اس طرح سب کنوؤں کے پانی کی سطح ہموار رہتی تھی۔ ان کا توازن برقرار رہتا تھا۔ اس عمل کو عربوں کے ہاں کظامت کہتے تھے۔ یعنی زائد چیز کو دوسری طرف منتقل کر دینا۔ یہیں سے لفظ کاظمین ہے۔

عصر حاضر میں سائیکالوجی (علم النفس) بتاتی ہے کہ جب اعصابی توازن بگڑ جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ جس زائد قوت سے وہ توازن بگڑتا ہے اسے کسی دوسری طرف منتقل کر دیا جائے۔ اسے ان کی اصطلاح میں (SUBLIMATION) کہتے ہیں۔ یعنی اس زائد قوت کو پست سطح سے ابھار کر بلند سطح پر لے جانا تاکہ اس سے کوئی مفید کام لیا جاسکے۔ قرآن کریم غصہ کا علاج کظامت (SUBLIMATION) بتاتا

ہے۔ یعنی اس بڑھی ہوئی حدت کو کسی دوسری طرف منتقل کر دو تاکہ اس سے مفید کام لئے جا سکیں۔ یہ ہے والکاظمین الغیظ سے مراد۔

یہ بڑھی ہوئی حدت جب دوسری طرف منتقل کی جاتی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ اس سے انسان میں کشادہ نگہی اور وسعتِ قلب پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ فریقِ مخالف سے درگذر کرتا ہے۔ والعافین عن الناس۔ (۳ : ۱۳۴) "درگذر کرنا" تو پھر بھی ایک منفی عمل ہے۔ وہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور فریقِ مقابل کو اس کی غلطی کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ رکھنے کا انتظام کرتا ہے۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ (۴۲ : ۳۷) یہ سامانِ حفاظت کس طرح بہم پہنچایا جاتا ہے! اس شخص کی اصلاح سے۔

لیکن اصلاح اس کی ہو سکتی ہے جسے اپنی غلطی کا احساس ہو۔ جو اپنے کئے پر نادم ہو اور اپنی اصلاح پر آمادہ۔ (۶ : ۵۴) لیکن جو شخص جان بوجھ کر دوسروں کو ستاتے، اور اسے معاف کر دینے سے، بجائے اس کے کہ اس کی اصلاح ہو، وہ اس سے الٹا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی غلط روش میں اور آگے بڑھتا چلا جائے تو اسے اس کے کئے کی سزا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سزا، اس کے جرم کی نسبت سے ہونی چاہیئے۔ (۴۲ : ۳۹) اس سے زیادہ نہیں۔ (۴۲ : ۴۰-۴۳)۔ کیونکہ مقصد اس طریق سے بھی اس کی اصلاح اور معاشرہ کی حفاظت ہے، نہ کہ انتقام جوئی۔ "انتقام" قرآن کی رو سے، قوانینِ خداوندی کے مطابق، جرم کی پاداش کا نام ہے، نہ کہ انسان کے ذاتی جذبات کی تسکین کا نام۔ یہی وجہ ہے کہ "انتقام لینے" کا حق صرف "خدا" کو حاصل ہے کسی انسان کو نہیں۔ قرآن کریم میں صرف خدا کو "انتقام لینے والا" کہا گیا ہے، انسانوں کو نہیں۔

عام آدابِ تمدن

(۱)۔ بغیر اجازت کسی کے گھر نہ جاؤ۔ (۲۴ : ۲۷)

(۲)۔ اگر اس گھر میں کوئی نہ ہو تو گھر کے اندر داخل مت ہو۔ اور اگر اہلِ خانہ اس وقت معذرت کر دیں تو برا مت مناؤ اور واپس چلے آؤ۔ (۲۴ : ۲۸)

(۳)۔ اگر کسی جگہ تمہارا سامان وغیرہ پڑا ہو اور وہاں کوئی رہتا نہ ہو تو اس میں داخل ہونے کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ (۲۴ : ۲۹)

(۴) اگر محفل میں کہا جائے کہ ذرا جگہ کھول دو تو جگہ کھول دیا کرو۔ اور جب کہا جائے کہ محفل برخاست ہوتی ہے تو تم اُٹھ کر چلے آؤ۔ (۵۸ : ۱۱)

(۵) مجلس میں ناشائستہ حرکات مت کرو۔ (۲۹ : ۲۹)

(۶) اگر تمہیں کسی کام کے لئے بلایا جائے تو اجازت لئے بغیر وہاں سے (یونہی) نہ چلے آؤ۔ (۶۲ : ۲۴)

(۷) اگر کوئی کھانے کے لئے مدعو کرے تو قبل از وقت نہ جا پہنچو۔ وقت پر جاؤ۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو باتیں کرنے کے لئے مت بیٹھے رہو۔ واپس چلے جاؤ۔ (۳۳ : ۵۳)

(۸) دوسروں کے ہاں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو باہر کھڑے ہو کر آواز دو۔ بلا محابا اندر نہ گھس جاؤ۔ (۳۳ : ۵۳)

صحت اور صفائی

(۱) علم اور جسمانی توانائی دونوں ضروری ہیں۔ (۲ : ۲۴۷)

(۲) مریض ہو جاؤ تو خدا نے صحت کے لئے جو قوانین بنائے ہیں ان کے مطابق علاج کرو۔

(۸۰ : ۲۶)۔ (۶۹ : ۱۶)

(۳) صحت کے لئے صفائی نہایت ضروری ہے۔ (۹ : ۱۰۸)۔ [اس آیت میں مطہرین میں جسمانی صفائی، اور قلب و دماغ کی تطہیر دونوں شامل ہیں۔]

(۴) غسلِ جنابت، استنجا، وضو۔ (۴ : ۴۳)۔ (۵ : ۶)

لباس۔ زیب و زینت

(۱) زیب و زینت کی چیزیں حلال ہیں۔ انہیں کوئی حرام نہیں قرار دے سکتا۔ (۷ : ۳۲)

(۲) لباس، ستر پوشی کا ذریعہ بھی ہے اور زینت کا موجب بھی۔ (۷ : ۲۶)

کھانا پینا

(۱) کون کون سی چیزیں حرام ہیں۔ (۲ : ۱۷۳)، (تفصیل "حرام و حلال" کے عنوان میں دیکھئے)۔

(۲) حلال چیزوں میں سے وہ کھاؤ جو خوشگوار ہوں یعنی طبیعت کو اچھی لگیں اور صحت کیلئے مفید

ہوں ـــــ (۲: ۱۶۸)

(۳) کھانے پینے میں اسراف مت کرو۔ اعتدال کے ساتھ کھاؤ ـــ (۳۱: ۷) ـــ (۲۶: ۱۷)

(۴) خواہ مل کر کھاؤ، خواہ الگ الگ ـــــ (۶۱: ۲۴)

(۵) کون کونسے گھروں سے بلا تکلف کھا پی لینا چاہیئے ـــ (۶۱: ۲۴)

خرچ اخراجات

(۱) حصولِ رزق کے لیے جدوجہد کرو ـــــ (۱۷: ۲۹)

(۲) جائز طریقے سے رزق حاصل کرو ـــــ (۱۸۸: ۲)

(۳) اخراجات میں میانہ روی اختیار کرو۔ نہ اسراف کرو نہ تبذیر۔ اور نہ ہی بخیل بن جاؤ۔

(۶: ۱۴۱) ـــ (۲۶-۲۷: ۱۷) ـــ (۲۹: ۱۷) ـــ (۶۷: ۲۵)

گھر کی زندگی متعلّقین کے ساتھ برتاؤ

(۱) بزرگِ خاندان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ہر قسم کے غلط اقدامات سے باز رکھے۔ قرآنِ کریم کے الفاظ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ ـــ (۶: ۶۶) یہ بڑی جامع تلقین ہے جس میں اہل وعیال کی ہر قسم کی تعلیم و تربیت آجاتی ہے۔ دوسری جگہ ہے کہ حقیقی نقصان میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا ـــ (۱۵: ۳۹) ـــ (۴۵: ۴۲)، لہٰذا بزرگِ خاندان کی ذمہ داری یہی نہیں کہ وہ اپنے اہل وعیال کی کفالت کرے۔ اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ انہیں غلط راہوں پر چلنے سے بچائے۔

لفظ "اھل" بیوی بچوں تک ہی محدود نہیں۔ اس میں "ساتھی" بھی شامل ہوتے ہیں۔

۲۔ میاں بیوی کے تعلقات ۔ ا۔ میاں بیوی کے تعلقات مودّت، مرحمت اور سکینت کے ہونے چاہئیں ـــ (۲۱: ۳۰)۔ سارے گھر والوں (میاں، بیوی، اولاد) کے باہمی تعلقات اس قسم کے ہونے چاہئیں کہ ان سے ہر ایک کی آنکھوں میں ٹھنڈک آجائے ـــ (۷۴: ۲۵)

۲۔ تقسیم کار کی رُو سے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر عاید ہوتی ہے ۔۔۔ (۳۴ : ۴)

۳۔ اولاد اولاد کی پرورش، تعلیم، تربیت کا صحیح انتظام نہ کرنا، انہیں قتل کر دینے کے مرادف ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے ۔۔۔ (۱۴۱ : ۶)۔۔۔ (۳۱ : ۱۷)۔ [واضح رہے کہ عربی زبان میں "قتل" کے معنی مار ڈالنے ہی کے نہیں۔ اس کے معنی کسی کو ذلیل وخوار کرنے کے بھی ہوتے ہیں]

۲۔ قرآن کی رُو سے لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے پرورش، تعلیم، تربیت کے سلسلہ میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیئے۔ (تفصیل اس کی "عورت" کے عنوان میں ملے گی۔)

۳۔ لیکن اہل وعیال کی کفالت کے سلسلہ میں، نہ ناجائز کمائی کرنی چاہیئے، نہ ہی ان کی خاطر کسی قسم کا غلط قدم اٹھانا چاہیئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس قسم کے اہل وعیال کو جن کی خاطر غلط قدم اٹھانا پڑا، قرآن نے دشمن قرار دیا ہے ۔۔۔ (۱۴ : ۶۴)، اور فتنہ ۔۔۔ (۲۸ : ۸)

۴۔ والدین ۱۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے ۔۔۔ (۱۵۲ : ۶)

۲۔ بڑھاپے میں انسان کے اعصاب وغیرہ کمزور ہو جاتے ہیں ۔۔۔ (۶۸ : ۳۶)۔ حافظہ بھی کمزور ہو جاتا ہے ۔۔۔ (۷۰ : ۱۶)۔۔۔ (۵ : ۲۲)۔ اس لئے وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس پر انہیں ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ان سے نرمی سے گفتگو کرنی چاہیئے ۔۔۔ (۲۴-۲۳ : ۱۷)

واضح رہے کہ جب تک بچہ چھوٹا ہو، اسے ماں باپ کی ہدایات کے مطابق چلنا چاہیئے۔ لیکن جب وہ اپنے معاملات آپ سنبھالنے کے قابل ہو جائے تو اسے اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے چاہئیں۔ یہ جو ہمارے ہاں عام خیال پایا جاتا ہے کہ "ماں باپ کی اطاعت فرض ہے" یہ قرآن کا حکم نہیں۔

۵۔ رشتہ دار رشتہ داروں سے بھی حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے ۔۔۔ (۸۳ : ۲)۔ اور ان میں سے جو ضرورت مند ہوں، حتی المقدور ان کی مالی امداد بھی کرنی چاہیئے ۔۔۔ (۱۷۷ : ۲)

۶۔ ملازمین اور ماتحت اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ (۳۶ : ۴)

۲۔ کارندہ، تنومند و توانا بھی ہونا چاہیے اور امانت دار بھی ـــــ (۲۸: ۲۶)

۷۔ ہمسایہ ہمسایوں سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ خواہ وہ رشتہ دار ہوں اور خواہ بیگانے ـــــ (۴: ۳۶)

۸۔ دوست دوستوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے ـــــ (۴: ۳۶)

واضح رہے کہ جو لوگ قرآنی نظریۂ حیات کو تسلیم نہ کرتے ہوں (غیر مسلم ہوں) انہیں اپنا دوست نہیں بنایا جا سکتا ـــــ (۳: ۲۷)۔ خواہ وہ ماں باپ، یا بہن بھائی بھی کیوں نہ ہوں ـــــ (۹: ۲۳)

۹۔ یتیم ہر وہ شخص جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے، یتیم کی اصطلاح میں آجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نہ صرف مدد کرنی چاہیے، بلکہ ان کی عزت بھی کرنی چاہیے ـــ (۸۹: ۱۷)۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیے (۹۳: ۹)

۲۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرنی چاہیے ـــــ (۶: ۱۵۳)

۱۰۔ حاجتمند۔ مساکین۔ سائل حاجتمندوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے ـــــ (۲: ۸۳)۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیے ـــــ (۹۳: ۱۰)۔ تمہاری دولت میں ان کا حق ہے ـــــ (۵۱: ۱۹)

۲۔ لیکن سائل سے مراد، پیشہ ور گداگر نہیں، غیور ضرورتمند ہیں ـــــ (۲: ۲۷۳)

۳۔ لیکن کسی کی مدد کر کے، اس کے سر احسان نہیں دھرنا چاہیے ـــــ (۲: ۲۶۴)۔ اس سے تو اچھا ہے کہ اسے نرمی سے بطریقِ احسن جواب دے دو ـــــ (۲: ۲۶۳)

۱۱۔ مسافر ضرورت مند مسافر سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ (۴: ۳۶)

عندالضرورت ان کی مدد کرنی چاہیے ـــــ (۱۷: ۲۶)

[واضح رہے کہ انفرادی خیرات (مالی امداد) قرض وغیرہ کے احکام، اس زمانہ سے متعلق ہیں جب

ہنوز اسلامی مملکت قائم نہ ہوئی ہو۔ اسلامی مملکت کے قیام کے بعد یہ مملکت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ ہر ضرورتمند کی ضروریات پوری کرے۔ تفصیل اس کی "اسلامی نظام" یا "معاشی نظام" میں ملیگی]۔

قرض

(۱) ضرورت مندوں کی امداد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انہیں قرض دیا جائے۔ ربوٰ (سود) تو قرآن کی رُو سے حرام ہے اس لئے قرض بلاسود ہی دیا جائے گا۔ قرض (لین دین) کا معاملہ ہمیشہ ضبطِ تحریر میں لے آنا چاہیئے۔ (۲۸۲ : ۲) اگر معاملہ تحریر میں نہ لایا جا سکے تو مقروض کی کوئی چیز بطور امانت اپنے پاس رکھ لینی چاہیئے۔ اسے رہن کہا جاتا ہے۔۔۔ (۲۸۳ : ۲)

(۲) قرض کی ادائیگی کے لئے جو وعدہ کیا جائے اسے پورا کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر مقروض کی پوزیشن ایسی نہ ہو کہ وہ وقت پر قرض ادا کر سکے تو اسے مہلت دیدینی چاہیئے۔۔۔ (۲۸۰ : ۲)۔ اور اگر وہ ادائیگی کے بالکل قابل نہ رہے تو قرض معاف کر دینا چاہیئے۔۔۔ (۲۸۰ : ۲)

ایفائے عہد

(۱) جو وعدہ کرو اسے پورا کرو۔ (۳۴ : ۱۷)۔ انفرادی وعدہ بھی اور اجتماعی معاہدات بھی۔۔۔ (۱ : ۵)

امانت

کسی کو امانت کو احتیاط سے واپس کر دینا چاہیئے۔۔۔ (۵۸ : ۴)

باہمی مشورہ۔ تعاون میل جول

(۱) معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنے چاہئیں۔۔۔ (۳۸ : ۴۲)۔ اس کے لئے خفیہ بات چیت بھی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ اچھے کاموں کے لئے ہو۔۔۔ (۹ : ۵۸)

(۲) اچھی باتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔۔۔ (۲ : ۵)۔ غلط کام میں کسی کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیئے۔۔۔ (۲ : ۵)

(۳) باہمی میل جول رکھنا چاہیئے۔ لوگوں سے ترش روئی سے پیش نہیں آنا چاہیئے ــــ (۱۸ : ۳۱)

غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

(۱) حسنِ معاملات ہر انسان سے (بلا امتیاز اس امر کے کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم) یکساں طور پر رکھنے چاہئیں۔ غیر مسلموں کے (باطل) معبودوں کے حق میں گستاخی نہیں کرنی چاہیئے ــــ (۱۰۹ : ۶)۔ ان کی پرستش گاہوں کی حفاظت کرنی چاہیئے ــــ (۴۰ : ۲۲)

(۲) چونکہ قرآن نے بتایا ہے کہ خدا نے ہر قوم میں رسول بھیجے تھے اس لئے غیر مسلموں کے بانیانِ مذہب کی عزت کرنی چاہیئے ــــ (۸۳ ، ۳) ــــ (۱۶۴ : ۴) ــــ (۳۶ : ۱۶)۔ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان لوگوں کے پاس خدا کی طرف سے بھیجا ہوا دین اپنی اصلی شکل میں کہیں موجود نہیں۔ وہ صرف قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اس لئے اب صحیح اور سچا دین صرف اسلام ہے جس کا ضابطہ قرآن ہے۔

(۳) دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ــــ (۲۵۶ : ۲) ــــ (۶ : ۹) ــــ (۲۹ : ۱۸)

(۴) دوسروں تک حق کی بات ہمیشہ بطریقِ احسن پہنچاؤ ــــ (۱۲۵ : ۱۶)۔ اگر کسی سے بحث کرو تو بھی حسن کارانہ انداز سے کرو ــــ (۱۲۵ : ۱۶)

اصلاحِ خویش

(۱) دوسروں کو نصیحت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی بھی فکر کرو ــــ (۴۴ : ۲)
جو کہو اس پر (اپنی استطاعت کے مطابق) خود بھی عمل کرو ــــ (۲ : ۶۱)

(۲) یونہی اپنے آپ کو مقدس نہ جتاتے پھرو ــــ (۳۲ : ۵۳)
کبھی منافقت نہ برتو ــــ (۱۶۶ : ۳)

(۳) اگر کوئی تم سے اچھی بات کہے تو اسے یہ جواب نہ دو کہ پہلے تم خود اس پر عمل کرو۔ پھر مجھ سے کہو۔ اگر وہ بات اچھی ہے تو تم اس پر عمل کرو۔ اگر دوسرا اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا ــــ (۱۰۵ : ۵)

۴- آدم

(نیز دیکھئے۔ انسان۔ بشر)

اس لفظ کا مادہ (ا۔ د۔ م) ہے۔ اُدْمَۃ کے معنی ہیں مل جل کر رہنے کی صلاحیت۔ باہمدگر مخلوط ہونا۔ اِدَامٌ کسی خاندان کا ایسا مثالی فرد جس سے، اس کے قبیلے کو پہچانا جائے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں آدمؑ سے متعلق جو قصہ بیان ہوا ہے، وہ کسی ایک فرد یا کسی جوڑے۔ میاں بیوی، کی داستان نہیں۔ وہ خود آدمی کی سرگزشت ہے جسے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قدیم انسان کی ابتدائی زندگی بڑے امن اور فراوانی کی زندگی تھی۔ جب اس نے مل جل کر رہنے کی تمدنی زندگی شروع کی تو ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ پیدا ہوا۔ اس ٹکراؤ کا نتیجہ فساد (ناہمواریاں) تھا۔ اسے دور کرنے کے لئے خدا کی طرف سے وحی کی راہ نمائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب اس نے اس راہ نمائی کے مطابق زندگی بسر کی، اس کا معاشرہ جنت بداماں ہوگیا۔ جب اس نے وہ راستہ چھوڑ دیا، پھر جہنمی زندگی شروع ہوگئی۔ یہی داستانِ آدم ہے۔ اس میں انسان کی بعض بنیادی خصوصیات اور نفسیاتی کیفیات کا بھی ذکر ہے۔ یعنی اس کی حیوانی سطحِ زندگی کی جبلتوں (INSTINCTS) کا۔ اور وحی کی راہ نمائی میں زندگی بسر کرنے کی انسانی سطح کا بھی۔

تخلیقِ آدم

(۱) انسان کے وجود میں آنے سے پہلے، زمین پر کوئی اور مخلوق بستی تھی جو اب ناپید (یا نگاہوں سے اوجھل) ہوچکی ہے۔ اسے الجانّ کہا گیا ہے۔ انسان اس مخلوق کا جانشین ہے۔ خلیفہ سے یہی مفہوم ہے ——

(۲:۳۰) —— (۱۵:۲۷-۲۸) —— (۳۸:۷۱)

(۲) ذکر ایک آدم یا اس کے جوڑے کا ہے لیکن صیغے جمع کے استعمال ہوتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ پوری نوعِ انسانی کی بات ہو رہی ہے۔ (جوڑے سے مراد مرد اور عورت ہے) —— (۲:۳۸-۳۹) —— (۷:۱۱) —

(۲۰:۱۲۳)

(۳) (حضرت) عیسیٰؑ کی تخلیق آدم (آدمی) کی پیدائش کی طرح تھی ـــ (۳ : ۵۸)

(۴) آدم اور بشر ایک ہی ہیں ـــ (۲۸ : ۱۵) ـــ (۳۳ : ۱۵) ـــ (۲۰ : ۳۰) ـــ (۷۱ : ۳۸)

انسانی ممکنات

(۱) انسان کو اشیائے کائنات کا علم عطا کر دیا گیا۔ یعنی اس میں اس امر کی امکانی صلاحیت ہے کہ یہ کائنات میں کارفرما عناصر کا علم حاصل کر سکے۔ اسی کو قوانینِ فطرت کہتے ہیں۔ ملائکہ کے آدم کو سجدہ کرنے سے یہی مراد ہے ـــ (۳۲-۳۰ : ۲)

(۲) انسان کو الوہیاتی توانائی (روحِ خداوندی) کا شمہ ڈال کر صاحبِ اختیار و ارادہ بنا دیا۔ اسی کو انسانی ذات کہتے ہیں ـــ (۲۹ : ۱۵) ـــ (۷۲ : ۳۸)

ملائکہ کا سجدہ

(۱) فطرت کی قوتیں انسان کے سامنے جھک سکتی ہیں۔ اسی کو ملائکہ کا سجدہ کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب انسان قوانینِ فطرت کا علم حاصل کر لیگا تو یہ قوتیں اس کے تابع تسخیر ہو جائیں گی ـــ (۳۴ : ۲)

ـــ (۱۱ : ۷) ـــ (۲۹ : ۱۵) ـــ (۶۱ : ۱۷) ـــ (۵۰ : ۱۸) ـــ (۱۱۶ : ۲۰) ـــ (۷۳-۷۲ : ۳۸)

ابلیس کی سرکشی اور چیلنج

(۱) انسان کے اپنے جذبات اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ سرکش اور بیباک ہو جاتے ہیں اسی کو ابلیس کا تکبر کہا گیا ہے ـــ (۳۴ : ۲) ـــ (۱۸-۱۱ : ۷) ـــ (۴۱-۳۰ : ۱۵)

(۶۱ : ۱۷) ـــ (۱۱۶ : ۲۰) ـــ (۷۸-۷۴ : ۳۸)

(۲) قیامت تک مہلت (یعنی جب تک انسان دنیا میں ہے، اس کے جذبات اس کے ساتھ رہیں گے)

(۱۴-۱۲ : ۷) ـــ (۳۸-۳۶ : ۱۵) ـــ (۶۲ : ۱۷) ـــ (۵۰ : ۱۸) ـــ (۸۰-۷۹ : ۳۸)

(۳) خدا کے مخلص بندوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔

(۴۰ : ۱۵) ـــ (۶۵ : ۱۷) ـــ (۸۳ : ۳۸)

ابلیس کی وسوسہ اندازی

(۱) آدم مرنا نہیں چاہتا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ تمہیں حیاتِ جاویدؔ اولاد کے ذریعے مل سکے گی۔ آدم میں جنسی شعور کی بیداری کے ذکر سے یہی مفہوم ہے — (۲۶-۱۹ : ۷) — (۱۲۱-۱۲۰ : ۲۰)

(۲) اسی سے نسل پرستی کا جذبہ بیدار ہوا اور انسانی "برادری" قبائل، شعوب اور پھر اقوام میں بٹ گئی قرآن کا مقصد ان تفریقات کو مٹا کر نوعِ انسانی کو آسمانی اقدار کی بنیادوں پر پھر سے امتِ واحدہ بنا دینا ہے — (۲۱۳ : ۲)

آدم کی جنّت

(۱) اُس جنت (جنتی معاشرہ) کی کیفیت یہ تھی کہ اس میں "میری اور تیری" کا سوال تھا۔ انسان جہاں سے جی چاہے فراوانی سے کھا پی سکتا تھا۔ — (۳۵ : ۲) — (۱۹ : ۷)

(۲) اس جنتی معاشرہ میں بھوک، پیاس، سردی، گرمی سے بچنے کا سامان ہر ایک کو میسر تھا۔ اس کیلئے کسی کو جگر پاش مشقتیں برداشت نہیں کرنی پڑتی تھیں۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی ہر ایک کی پوری ہوتی تھیں — (۱۱۹-۱۱۶ : ۲۰)

(۳) تم میں سے جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتے گا اس کی روزی تنگ ہو جائے گی — (۱۲۴ : ۲۰)

شجرِ ممنوعہ

(۱) انسان سے کہا گیا کہ تم ایک برادری بن کر زندگی بسر کرو۔ باہمی مشاجرت (مخالفت یا پھوٹ) نہ ڈالو۔ لیکن اس کے سرکش جذباتِ مفاد پرستی نے پھوٹ ڈلوا دی اور اس طرح وہ جنتی زندگی اس سے چھن گئی — (۳۶ : ۲) — (۱۹ : ۷) — (۱۲۰ : ۲۰)

آدم کی توبہ

(۱) آدم سے کہا گیا کہ تمہاری طرف خدا کی طرف سے راہ نمائی آئے گی۔ جو اس کا اتباع کرے گا اسے خوف اور

حزن نہیں رہے گا۔ جو اس کے خلاف جائے گا، تباہ و برباد ہو جائے گا ــــــ (۳۹ - ۳۷ : ۲)

۲۳-۲۵ : ۷) ــــ (۳۶ - ۳۵ : ۷) ــــ (۱۲۳ - ۱۲۱ : ۲۰)

(۲) آدم نے اپنی خطا کا اعتراف کیا۔ یعنی اپنے عمل کا اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرایا تو توبہ قبول ہوئی۔ ابلیس نے کہا کہ خدا نے مجھ سے خطا کرائی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو مجبور بتایا تو پھٹکار اگیا ــــــ (۲۳، ۱۶ : ۷)

جو اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتا اس کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

آدم کی خوں ریزی

آدم (آدمی) کے دو بیٹوں کا تمثیلی بیان کہ ان میں باہمی خونریزی کس طرح ہوتی ہے ــــ (۳۱-۲۷ : ۵)

بنی آدم (یعنی نوعِ انسان)

(۱) بنی آدم کو تنبیہہ کہ تم اس داستان سے عبرت حاصل کرو ــــــ (۳۶-۲۶ : ۷)

(۲) انسانوں کے لئے لباس بنایا ــــــ (۲۶ : ۷)

(۳) کھاؤ پیو اور اطاعت گزاری حسین انداز سے کرو۔ دنیا کی زینت قابلِ نفرت نہیں ــــ (۳۱ : ۷)

(۴) تمہاری طرف انبیاء آئیں گے ــــ (۳۵ : ۷)

(۵) بنی آدم کو واجب التکریم بنایا ــــــ (۷۰ : ۱۷)

(۶) انبیاء ذریتِ آدم (بنی نوعِ انسان) سے تھے ــــ (۵۸ : ۱۹)

(۷) بنی آدم سے کہا گیا کہ شیطان کی محکومیت اختیار نہ کریں ــــ (۶۰ : ۳۶)

ایک فرد (آدم) کا ذکر

قرآن میں ایک جگہ آدم کا لفظ ایک فرد کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے جہاں کہا ہے کہ ہم آدم۔ نوح، آل ابراہیم، اور آل عمران کو برگزیدہ بنایا ــ (۳۳-۳۴ : ۳)۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ کوئی فرد تھا جس کا نام آدم تھا۔ (اب بھی ADAM نام رکھا جاتا ہے)۔ آدم کی نبوت کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ اصطفا (برگزیدگی) سے لازماً نبوت مراد نہیں۔ قرآن نے سلسلۂ انبیاء کی سرگزشت کا آغاز ہر جگہ حضرت نوحؑ سے کیا ہے۔

متفرقات

(۱) اس قدر موانعات اور مشکلات کے باوجود، نسلِ انسانی کا تسلسل خدا کی ربوبیت کے پروگرام کی زندہ شہادت ہے ـــــ (۷ : ۱۷۲)

(۲) تمام بنی آدم (انسانی بچے) یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ لہٰذا پیدائش کے اعتبار سے ایک دوسرے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس سے عیسائیت کے اس عقیدے کا بھی ابطال ہوگیا کہ ہر انسانی بچہ پیدائشی طور پر گنہگار ہوتا ہے ـــــ (۱۷ : ۷۰)

(۳) آدم کا جرم یہ تھا کہ اس میں عزم (پختگی) نہیں تھی۔ وہ بات بھول جاتا تھا ـــ (۲۰ : ۱۱۵)۔ (اس میں انسان کی نفسیاتی کمزوری کی طرف اشارہ ہے)

(نوٹ:۔ انسان کی پیدائش اور نسلِ انسانی کی افزائش کے لئے عنوان "انسان" دیکھئے)

(۰)

۵۔ آزر

آزر:۔ سورۂ انعام میں ہے۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ...... (۶ : ۷۵)

جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ 'آزر' سے کہا۔

کہا جاتا ہے کہ آزر ایک بت کا نام تھا جس کے محافظ حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے جن کا نام تارخ تھا۔ اور اس بت کی نسبت سے انہیں آزر کہا جاتا تھا۔ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ آزر دراصل تارخ ہی کا معرّب ہے۔ لیکن یہ بات بہت کمزور سی ہے۔ بہرحال، قرآن کریم میں صرف اسی ایک جگہ آزر کا ذکر آیا ہے۔ اس کی تفصیل نہیں آئی۔

(حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا ذکر عنوان ابراھیم میں ملے گا)۔

(۰)

۶- آل

آل۔ (مادہ ا۔ و۔ ل)۔ آدمی کے اہل وعیال، نیز رفقاء، متبعین۔ یہ لفظ اشراف کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اراذل کے لئے نہیں ہوتا۔

(۱)

آلِ فرعون

قرآنِ کریم میں تذکرۂ بنی اسرائیل (اور کشمکش فرعون وحضرت موسیٰؑ) میں آلِ فرعون کا ذکر بار بار آیا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کے عذاب سے نجات دلائی۔ (۲:۴۹)۔ (۷:۱۴۱)۔ (۱۴:۶)۔ آلِ فرعون مصائب میں مبتلا ہو گئے۔ (۷:۱۳۰)۔ آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ (۲:۵۰)۔ ظاہر کہ ان مقامات میں آل سے مراد فرعون کے رفقاء، متبعین، یا اس کی قوم کے افراد ہیں۔ نیز (۳:۱۱)۔ (۸:۵۲)۔ (۸:۵۴) میں۔ آلِ فرعون کا رجلِ مومن۔ (۴۰:۲۸)۔ آلِ فرعون بدترین عذاب میں ماخوذ۔ (۴۰:۴۵)۔ (۵۴:۴۱)۔

آلِ لُوط

جب خدا کے فرستادگان آلِ لُوط کے پاس آتے (۱۵:۶۱)۔ اس سے مراد اس قوم سے ہے جس کی طرف حضرت لُوط مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن ذرا پہلے یہ مذکور ہے کہ عذابِ خداوندی مجرمین پر آنے والا تھا۔ آلِ لُوط پر نہیں۔ یہاں آل سے مراد حضرت لوطؑ کے رفقاء اور متبعین ہیں۔ (۱۵:۵۹)۔ نیز (۲۷:۵۶)۔ (۵۴:۳۴)۔ یہاں آل میں حضرت لوطؑ کی بیوی بھی شامل نہیں کیونکہ وہ صاحبِ ایمان نہیں تھی۔ (۱۵:۶۰)۔

آلِ ابراہیمؑ وغیرہ

آلِ ابراہیم کو کتاب وحکومت (نبوت اور مملکتِ عظیم) ملی۔ (۴:۵۴)۔ اس میں شبہ نہیں کہ

اس سے مراد حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہے. کیونکہ یہ سلسلہ ان کی اولاد میں قائم رہا تھا. لیکن اولاد میں سے ہر شخص محض ان کی اولاد ہونے کے اعتبار سے اس کا مستحق نہیں قرار پا گیا تھا. اس کے لئے صلاحیت شرط تھی. کیونکہ جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا امامتِ نوعِ انسانی کا منصب جو انہیں عطا کیا گیا ہے' ان کی نسل میں بھی باقی رہیگا تو جواب ملا کہ ان میں سے جو صحیح راستے پر نہیں رہے گا (ظالم ہوگا)، اس کے ساتھ ہمارا یہ عہد نہیں (۲:۱۲۴). حتےٰ کہ انہوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ "میرا وہی ہے جو میرا اتباع کریگا" (۱۴:۳۶) اس سے واضح ہے کہ محض کسی نبی کی اولاد میں سے ہونا ا سے کسی شرف اور عزت کا مستحق نہیں بنا دیتا. حضرت نوحؑ کے بیٹے کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے کہ وہ بیٹا ہونے کے باوجود حضرت نوحؑ کے اہل میں سے قرار نہیں دیا گیا. کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں تھے. (دیکھئے عنوان نوحؑ)

(۲) حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ کے سلسلہ میں آلِ داؤد کہا گیا ہے (۳۴:۱۳). اسی طرح آلِ یعقوبؑ کا (۱۲:۶) (۱۹:۶). نیز آلِ موسےٰؑ اور آلِ ہارونؑ کا بھی (۲:۲۴۸). حتےٰ کہ آلِ عمران بھی۔ عمران حضرت موسےٰؑ کے والد کا نام بتایا جاتا ہے (۳:۳۲) اس سے مراد بنی اسرائیل ہی ہیں. اسی جہت سے حضرت مریم کو بنتِ عمران (۶۶:۱۲) کہا گیا ہے.

آلِ محمدؐ

قرآن کریم میں "آلِ محمد" کے الفاظ کہیں نہیں آتے.

۷- آلاء

آلاء. اس کا مادہ (ا-ل-و' اور ا-ل-ی) دونوں آتے ہیں. (واحد اس کا اَلْوٌ ہے) اس کے معنی نعمت اور قدرت دونوں کے آتے ہیں. نیز عجیب و غریب کارگیری کے کارناموں کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے. سورۃ الرحمٰن میں یہ لفظ (آلاء) قریب قریب ہر آیت کے بعد آیا ہے. (فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۵۵:۱۳) ان آیات میں سیاق و سباق کی رُو سے خود متعین کرنا چاہیئے کہ اس کے معنی

نعمت کے ہیں یا قدرت کے، یا کرشمہ کے۔ سورۃ الرحمٰن (۵۵) کے علاوہ یہ لفظ حسب ذیل مقامات میں آیا ہے۔

(۱) قوم عاد سے کہا گیا۔ تم آلاء اللہ کو یاد کرو ـــ (۶۹ : ۷)۔ قوم ثمود کو بھی ـــ (۷۴ : ۷)

(۲) سورۃ والنجم میں ہے کہ تم کون سی آلاءِ رب کے متعلق جھگڑے کرو گے ـــ (۵۵ : ۵۳)

اس سلسلہ میں عنوان نعمت بھی دیکھئے۔

ـــــ (۰) ـــــ

۸۔ آیت (آیات)

آیت۔ مادہ (ا۔ ی۔ ی)۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی ایسی علامت یا نشانی کے ہیں جس سے اس چیز کا پتہ نشان مل جائے۔ مثلاً فضا میں دھوآں اس بات کی آیت (علامت) ہوتا ہے کہ نیچے آگ جل رہی ہے۔ قرآنِ کریم میں کائنات کی محسوس اشیاء کو خدا کی آیات کہا گیا ہے۔ کیونکہ انسان مخلوق سے خالق کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح قوانینِ خداوندی بھی آیات اللہ (خدا کو جاننے کی نشانیاں) ہیں۔ کیونکہ ان قوانین کی محکمیت سے (خواہ یہ قوانینِ فطرت ہوں یا انسانی زندگی سے متعلق قوانین جو وحی کی رو سے ملتے ہیں) ان قوانین کے عطا کرنے والے (خدا) کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز یہ لفظ (آیت) دلیل و برہان کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ دلیل، دعویٰ کی صداقت کی علامت ہوتی ہے۔ مخالفین انبیاء کرامؑ سے حسی معجزات طلب کیا کرتے تھے تاکہ وہ ان (انبیاء) کے دعوے کی صداقت کی علامت ہیں۔ انہیں بھی آیات کہہ کر پکارا گیا ہے۔

قرآن کا ہر فقرہ آیت ہے کیونکہ وہ مندرجہ بالا معانی میں سے کسی نہ کسی معنی کو لئے ہوتا ہے۔ چونکہ قرآنِ کریم ضابطۂ قوانینِ خداوندی ہے اس لئے اس کی آیات خدا کے قوانین و احکام ہیں۔

۲۔ جو شخص کسی بات کی آیت (علامت) کو جھٹلاتا ہے، وہ درحقیقت اُس شے سے انکار کرتا ہے۔ مثلاً جو شخص دھوئیں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ دھوآں نہیں محض دھند ہے۔ وہ درحقیقت یہ کہتا ہے کہ وہاں آگ نہیں ہے۔ حقائق سے اس طرح انکار کر دینے کا نتیجہ نقصان اور تباہی ہوتا ہے۔ مثلاً جو شخص بھنور کو دیکھ لینے کے باوجود کہتا ہے کہ وہاں پانی گہرا نہیں اور اس میں کود پڑتا ہے، وہ ڈوب جاتا ہے۔ .. .. ..

.. .. یا مثلاً جو شخص کہتا ہے کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اس کا حساب کبھی درست نہیں رہ سکتا۔ آیات اللہ کے کفر یا تکذیب سے یہی مراد ہے۔

—— (۰) ——

کائنات کی محسوس اشیاء آیات اللہ ہیں

(۱) تخلیقِ ارض و سما اور گردشِ لیل و نہار میں آیات —— (۲:۱۶۴) —— (۳:۱۸۹) —— (۱۰:۶) —— (۱۰:۶۷) —— (۱۷:۱۲) —— (۲۱:۳۲) —— (۲۷:۸۶) —— (۲۹:۴۴) —— (۳۰:۲۰) —— (۳۰:۲۲-۲۶) —— (۳۶:۳۷) —— (۴۰:۱۳) —— (۴۱:۳۷-۴۴) —— (۴۲:۲۹) —— (۴۵:۳-۶) —— (۵۱:۲۰)

(۲) اجرام فلکی (چاند، سورج، ستارے) آیات اللہ —— (۶:۹۸) —— (۱۰:۶۷) —— (۴۱:۳۷)

(۳) زمین کی پیداوار میں آیات اللہ —— (۷:۵۸) —— (۱۰:۲۴) —— (۲۰:۵۳-۵۴) —— (۳۶:۳۳) —— (۴۰:۱۳) —— (۴۱:۳۷-۴۰) —— (۵۷:۱۷)

(۴) زمین اور آسمان میں بکھری ہوئی آیات —— (۱۲:۱۰۵) —— (۱۳:۲-۵) —— (۱۶:۱۰-۱۳)، (۱۷:۱۲) —— (۳۰:۱۹-۲۷) —— (۳۶:۳۳-۴۴) —— (۴۲:۲۹)

(۵) تخلیقِ انسانی میں آیت —— (۳۰:۲۱)۔ موت اور نیند میں آیات —— (۳۹:۴۲)

(۶) اختلافِ رنگ اور زبان میں آیت —— (۳۰:۲۲)

(۷) ہوائیں آیات اللہ ہیں —— (۳۰:۴۶) —— (۴۲:۳۲-۳۵)

(۸) کشتیوں کے تیرنے اور چلنے میں آیت —— (۳۱:۳۱) —— (۴۰:۸۰-۸۱) —— (۴۲:۳۲-۳۵)

(۹) نظامِ کائنات کے اس حسن و خوبی سے کارفرما رہنے میں آیت —— (۳۴:۹)

(۱۰) انفس و آفاق کی آیات سے قرآن کی صداقت کا ثبوت ملتا جائے گا —— (۴۱:۵۳) —— (۵۱:۲۰-۲۱)

(۱۱) قرآن کے قوانین اور قوانینِ فطرت، دونوں آیات اللہ ہیں۔ ان کے بعد وہ کونسی چیز باقی رہ جاتی ہے، جس پر یہ ایمان لائیں گے —— (۴۵:۲-۶)

(۱۲) جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے انہیں یہ آیات کچھ فائدہ نہیں دیتیں —— (۱۰:۱۰۰-۱۰۱)

(۱۳) ان آیات سے اعراض برتنے والے ــــ (۳۲ : ۲۱)

آیات بمعنی وحی کے ذریعے دیئے ہوئے قوانین و احکام

(۱) آیات اللہ کو دنیاوی مفاد کی خاطر مت بیچو ــــ (۲ : ۴۱) ــــ (۵ : ۴۴) ــــ (۹ : ۹)

(۲) روزوں کے احکام (آیات) ــــ (۲ : ۱۸۷)

(۳) انفاق کے احکام ــــ (۲ : ۲۱۹)

(۴) عائلی زندگی سے متعلق احکام ــــ (۲ : ۲۲۱) ــــ (۲ : ۲۴۱ - ۴۲)

(۵) احکام خداوندی کو مذاق مت بناؤ ــــ (۲ : ۲۳۱) ــــ (۴ : ۱۴۰)

(۶) آیات محکمات و متشابہات ــــ (۳ : ۶)۔ محکم اور مفصل آیات قرآنی ــــ (۱۱ : ۱)۔
آیات الکتاب المبین ــــ (۱۲ : ۱) ــــ (۱۳ : ۱) ــــ (۴۱ : ۳)

(۷) اہل کتاب سے پوچھو کہ تم آیات اللہ سے انکار کیوں کرتے ہو ــــ (۳ : ۹۷) ــــ (۶ : ۱۲۵)

(۸) خدا، تبیین آیات کرتا ہے۔ یعنی اپنے احکام کی وضاحت کرتا ہے۔ انہیں ابھار کر سامنے لاتا ہے۔
(۳ : ۱۰۲) ــــ (۳ : ۱۱۷) ــــ (۶ : ۱۲۷)۔ تصریف آیات ــــ (۶ : ۱۰۶)۔ مثالوں کے ذریعے تبیین
آیات ــــ (۲ : ۲۶) ــــ (۳۰ : ۲۸)

(۹) آیات خداوندی پر ایمان لانے سے رحمت ــــ (۷ : ۱۵۶)

(۱۰) حضرات انبیاء کرام آیات خداوندی کے سامنے جھک جاتے تھے۔ ــــ (۱۹ : ۵۸)

(۱۱) آیات خداوندی سے مراد قرآن کریم ــــ (۶ : ۳۳) ــــ (۱۰ : ۱) ــــ (۱۹ : ۷۳) ــــ (۲۲ : ۱۶)
(۲۴ : ۱) ــــ (۲۴ : ۳۴) ــــ (۲۶ : ۲) ــــ (۲۷ : ۱) ــــ (۲۸ : ۲) ــــ (۲۸ : ۸۷) ــــ
(۲۹ : ۴۹) ــــ (۳۱ : ۲) ــــ (۳۳ : ۳۴) ــــ (۳۴ : ۴۳) ــــ (۳۸ : ۲۹) ــــ (۴۰ : ۶۹ - ۷۰)
(۴۱ : ۳) ــــ (۴۴ : ۴۱)

(۱۲) جب تک کسی قوم کی طرف آیات خداوندی نہ آجائیں وہ ہلاک نہیں ہوتی ــــ (۲۸ : ۵۹)

(۱۳) آیات خداوندی سے انکار کے معنی کفر ہے ــــ (۲۳ : ۲۹) ــــ (۴۰ : ۴) ــــ (۱۶ : ۴۷)
آیات اللہ کو اساطیر الاولین کہنے والا ــــ (۶۸ : ۱۵) ــــ (۸۳ : ۱۳)

(۱۴) بنی اسرائیل کے اچھے لوگ آیاتِ خداوندی پر ایمان رکھتے تھے ــــ (۲۴ : ۳۲)

(۱۵) وحی کے احکام قانونِ مشیت کے مطابق ملتے تھے ــــ (۸۷ : ۴۰)

(۱۶) قرآن کے احکام اور قوانینِ فطرت دونوں آیات اللہ ہیں ــــ (۶-۲ : ۴۵)

(۱۷) ان کے سامنے آیات اللہ (خدا کے قوانین اور ان کے ثبوت میں دلائل) پیش کی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مُردوں کو زندہ کر کے دکھاؤ، تب ہم ایمان لائینگے ــــ (۲۵ : ۴۵)

(۱۸) یہ لوگ آیاتِ خداوندی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے ــــ (۷ : ۴۶)

(۱۹) نبی، وحی کی رُو سے آیات (حقائقِ کائنات) کا مشاہدہ کرتا ہے ــــ (۱۸ : ۵۳)۔ ملکوت السمٰوٰت والارض کا مشاہدہ ــــ (۸۰-۷۵ : ۶)

(۲۰) رسول، لوگوں کے سامنے آیاتِ خداوندی پیش کرتے تھے۔ یتلوا علیکم آیات اللہ ــــ (۱۲۹ : ۲) (۱۵۱ : ۲) ــــ (۱۰۰ : ۳) ــــ (۷۱ : ۳۹) ــــ (۲ : ۶۲) ــــ (۱۱ : ۶۵)

(۲۱) مومنین آیات کی تلاوت کرتے تھے۔ تلاوت کے معنی پیروی کرنا بھی ہیں ــــ (۱۱۲ : ۳)۔ اس سے ان کا ایمان بڑھتا تھا ــــ (۲ : ۸)

یہ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں ــــ (۵۸ : ۲۳) ــــ (۱۵ : ۳۲) ــــ (۶۹ : ۴۳)

یہ ایمان علیٰ وجہِ البصیرت ہوتا ہے ــــ (۷۳ : ۲۵)

(۲۲) رسولوں کی طرف آیات (احکام) نازل ہوتی تھیں ــــ (۹۹ : ۲) ــــ (۵۷ : ۳) ــــ (۱۰۷ : ۳)

(۲۳) اگر لوگ آیاتِ خداوندی (قوانینِ الٰہیہ) پر ایمان نہیں لائیں گے تو وحشی اقوام تباہی مچادینگی (۸۲ : ۲۷)

آیت بمعنی دلیل و برہان

(۱) بنی اسرائیل کے مقتول کے سلسلہ میں کہا کہ اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیات دکھاتا ہے تاکہ تم عقل و فکر سے کام لو ــــ (۷۳ : ۲)

(۲) اہلِ کتاب کے سامنے کتنی ہی آیات (دلائل و براہین) پیش کرو وہ تمہارے قبلہ کا اتباع نہیں کریں گے ــــ (۱۴۵ : ۲)

(۳) بنی اسرائیل کو کتنی ہی واضح دلیلیں دیں ــــ (۲۱۱ : ۲)

(۴) انفاقِ فی سبیل اللہ کے خوشگوار نتائج کی مثالیں آیات اللہ ہیں — (۲۶۶ : ۲) - دوسری مثالیں بھی —
(۳۰ : ۵۸) — (۱۶-۱۷ : ۵۷)

(۵) جملہ آیات (دلائل) سامنے آجانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائینگے — (۲۵ : ۶)

(۶) حضرت موسےٰؑ کو آیات کے ساتھ فرعون کیطرف بھیجا۔ یہاں آیات کے معنی احکام اور دلائل دونوں ہو سکتے ہیں — (۱۰۳ : ۷) — (۷۵ : ۱۰) — (۵ : ۱۴) — (۱۰۱ : ۱۷) — (۱۷-۲۳ : ۲۰)
(۴۲ : ۲۰) — (۱۳ : ۲۷) — (۳۲-۳۵ : ۲۸) — (۲۳ : ۴۰)

(۷) یہ لوگ دلائل سے ایمان نہیں لائینگے — (۹۶-۹۷ : ۱۰)

(۸) کیا یہ بات آیت (دلیل) نہیں کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں — (۱۹۷ : ۲۶)

(۹) آیاتِ خداوندی پر عقل و فکر سے غور کرنے سے ایمان حاصل ہو سکتا ہے (یہاں آیات سے مراد مظاہرِ فطرت، قوانینِ خداوندی۔ یا دلائل و براہین سب ہو سکتے ہیں — (۸۰-۸۱ : ۲۷) — (۵۲-۵۳ : ۳)

(۱۰) نظامِ خداوندی کا غلبہ اس کی صداقت کی نشانی ہوگا — (۱۲ : ۳) — (۹۳ : ۲۷) — (۸۱ : ۴۰)

(۱۱) رزق کی بسط و کشاد میں آیت — (۳۷ : ۳۰) — (۵۲ : ۳۹)

(۱۲) سو برس تک مردہ رہنے کے بعد زندہ ہونے کی مثال میں (بنی اسرائیل کی بابل کی اسیری اور آزادی کی) آیت ہے — (۲۵۹ : ۲)

(۱۳) حضرت عیسٰےؑ کی انقلاب آفریں تعلیم کے نتائج اس کی آیات (اس تعلیم کی صداقت کی نشانیاں) تھیں — (۴۸-۴۷ : ۳)

(۱۴) کعبہ میں بیّن آیاتِ خداوندی ہیں کیونکہ نظامِ خداوندی کا مرکز ہے۔ اور اس نظام کے حیات بخش نتائج، اس کی محکمیت کی دلیلیں ہیں — (۹۶ : ۳)

(۱۵) ان کے سامنے جب بھی کوئی آیتِ خداوندی آئی تو انہوں نے اس سے اعراض برتا — (۴ : ۶)

(۱۶) اگر لوگ آیات اللہ (قوانینِ خداوندی) پر یقین نہیں رکھینگے تو وحشی اقوام تباہی مچادیں گی — (۸۲ : ۲۷)

آیات اللہ کے انکار یا تکذیب سے تباہی

آیات اللہ سے مراد قوانینِ فطرت ہوں یا قرآنِ کریم کے احکام و قوانین۔ ان سے مراد محسوس اشیائے کائنات

ہوں یا دلائل و براہین. اگر کوئی شخص یا قوم ان کی صداقت سے انکار کرتی ہے اور انہیں جھوٹا کہتی ہے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے. محسوس اشیائے کائنات کے انکار یا تکذیب کی ایک شکل اُس افلاطونی تصورِ کائنات میں ملے گی جس کی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ مادی کائنات سب وہم و قیاس اور فریب و سراب ہے. اس کا درحقیقت وجود ہی کوئی نہیں، وجود عالمِ مثال ہی کا ہے. یا عیسائیت کے اثر سے پیدا شدہ تصوف کا یہ عقیدہ کہ مادہ قابلِ نفرت ہے اور روح اور مادہ میں کشمکش اور تنزاحم ہے. مقصدِ زندگی یہ ہے کہ روح کو مادی آلائشوں سے پاک اور صاف کر کے، اس کی اصل (خدا) سے ملا دیا جائے. یہ سب تصورات غیر قرآنی اور باطل ہیں اور ان کا نتیجہ انفرادی خسران اور اجتماعی تباہی ہے. اگر آپ اس حقیقت سے انکار کرتے رہیں کہ آگ جلاتی ہے تو آپ کے اس انکار سے آگ اپنی خصوصیت یا عمل ترک نہیں کر دیگی۔

(۱) آیات اللہ سے انکار یا تکذیب کا نتیجہ جہنم کا عذاب (دنیا اور آخرت میں تباہی) ہے — (۲ : ۳۹)

(۳:۳) — (۳ : ۱۸) — (۳ : ۲۰) — (۳ : ۱۱۱) — (۵ : ۱۰) — (۵ : ۸۶) — (۷ : ۳۶) —

(۷ : ۷۲) — (۷ : ۷۵-۷۶) — (۷ : ۱۸۳) — (۱۰ : ۷) — (۱۰ : ۹۶) — (۱۸ : ۱۰۵)

(۲۰ : ۱۲۶-۱۲۷) — (۲۲ : ۵۲) — (۲۲ : ۵۷) — (۲۳ : ۶۶-۶۷) — (۲۳ : ۱۰۵)

(۲۷ : ۸۳-۸۴) — (۳۰ : ۱۶) — (۳۱ : ۷) — (۳۴ : ۵) — (۳۴ : ۳۸) — (۳۹ : ۵۸-۵۹)

(۳۹ : ۶۳) — (۴۰ : ۳۵) — (۴۰ : ۵۶) — (۴۰ : ۶۳) — (۴۰ : ۶۹) — (۴۱ : ۲۸)

(۴۲ : ۳۵) ———— (۴۵ : ۲-۱۴)

(۲) الحاد فی آیات اللہ، یعنی کسی ایک روش میں افراط سے دور تک نکل جانا. دین، مختلف احکام و اصول میں توازن قائم رکھنے کا نام ہے — (۴۱ : ۴۰)

(۳) آیات اللہ سے انکار یا ان کی تکذیب کرنے والے ظالم ہیں اس لئے انہیں کامیابی نہیں ہوسکتی۔

(۶ : ۲۱) ———— (۱۰ : ۱۷)

(۴) تکذیب آیات کرنے والے جہالت کی تاریکی میں رہتے ہیں — (۶ : ۳۹)

(۵) تکذیب آیات سے تعمیری کاموں کے پلڑے ہلکے ہو جاتے ہیں — (۷ : ۹). اس سے اعمال بے نتیجہ رہ جاتے ہیں. یعنی وہ نتائج پیدا نہیں کرتے جو ان لوگوں کی توقع کے مطابق ہوں — (۷ : ۱۴۶-۱۴۷).

(۶) آیات اللہ کا مذاق اڑانے والے — (۱۸ : ۵۶) — (۳۱ : ۶) — (۴۵ : ۹) — (۴۵ : ۳۶)۔

ان سے اعراض برتنے والے ــــ (۱۸ : ۵۷)

(۷) آیات اللہ سے انکار رحمت سے مایوسی کا موجب ہوتا ہے ــــ (۲۹ : ۲۳)

(۸) قوانینِ فطرت سے انکار کر کے انسان کہیں نہیں جا سکتا ــــ (۳۵ : ۴۲)۔ اس کا نتیجہ جہنم ہے (۴۵ : ۲-۱۴)

(۹) تکذیب سے مراد ہے ان باتوں کا زبانی دعوے کرنا لیکن اپنے عمل سے انہیں جھٹلانا ــــ (۶۲ : ۵)۔ اس کا نتیجہ جہنم ہے ــــ (۱۰ : ۴۴) ــــ (۲۸ : ۸۷)۔ غلط نظام قائم کرنا ــــ (۹۰ : ۱۲-۹۰ : ۹۰)

(۱۰) آیات اللہ کو اساطیر الاولین قرار دینا ــــ (۱۵ : ۶۸) ــــ (۱۳ : ۸۳)

اُمِ سابقہ نے آیاتِ خداوندی سے انکار کیا تو تباہ ہوگئیں

قوانینِ خداوندی سے انکار و سرکشی کا نتیجہ تباہی ہونا ہی تھا۔ ان قوموں کی داستانیں بعد میں آنیوالوں کے لئے خدا کے قانونِ مکافات کی صداقت کی آیات بن گئیں۔ اس عنوان میں یہ دونوں باتیں سامنے آجائیں گی۔

(۱) قصہ حضرت طالوت و جالوت میں آیات ــــ (۲ : ۲۵۲)

(۲) قومِ نوح کی داستان ــــ (۷ : ۶۴) ــــ (۱۰ : ۷۳) ــــ (۲۱ : ۷۷) ــــ (۲۳ : ۳۰-۳۱) ــــ (۲۵ : ۳۷) ــــ (۲۹ : ۱۴-۱۵)

(۳) قومِ عاد ــــ (۷ : ۷۲) ــــ (۱۱ : ۵۹) ــــ (۱۵ : ۱۴)

(۴) قومِ ثمود۔ ناقۂ حضرت صالح اس معنی میں آیت تھی کہ قوم کے سرداروں نے عہد کیا تھا کہ تمام لوگوں کے مویشی باری باری پانی پیا کریں گے۔ حضرت صالح نے کہا کہ اس بات کی نشانی کہ تم اس عہد کی پابندی کرتے ہو یا نہیں، یہ ہوگی کہ یہ ایک اونٹنی ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ کسی کی بھی نہیں۔ مخلوقِ خدا میں سے ایک جاندار (حیوان) ہے۔ اگر تم نے اسے اس کی باری پر پانی پینے دیا تو سمجھا جائے گا کہ تم عہد کے پابند ہو۔ اگر ایسا نہ کیا تو یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ تم عہد پر پابند نہیں رہنا چاہتے ــــ (۷ : ۷۳) ــــ (۱۱ : ۶۴) ــــ (۱۵ : ۸۱) ــــ (۱۷ : ۵۹) ــــ (۲۷ : ۵۲)

(۵) فرعون اور اس کی قوم ــــ (۳ : ۱۰) (۷ : ۱۳۶) ــــ (۸ : ۵۴) ــــ (۱۰ : ۹۲) ــــ (۲۳ : ۴۵-۴۶) ــــ (۲۵ : ۳۶) ــــ (۲۶ : ۱۵) ــــ (۲۶ : ۶۷-۱) ــــ (۴۳ : ۴۶-۴۸) ــــ (۵۴ : ۴۲) ــــ (۲۰ : ۷۹)۔

(۶) ہر ظالم قوم کی تباہی ــــ (۱۱ : ۱۰۲-۱۰۳) ــــ (۱۳ : ۳۹) ــــ (۲۰ : ۱۲۸) ــــ (۲۴ : ۱۰۳) ــــ (۲۶ : ۱۲۱)

(۲۶:۱۳۹-۱۵۸) — (۳۰ : ۹-۱۰) — (۳۲:۲۶) — (۷۴ : ۱۶-۳۱)

(۷) داستانِ حضرت یوسفؑ — (۷ : ۱۲)

(۸) قومِ لوط — (۱۵:۷۵) — (۲۹:۳۵) — (۵۱ : ۳۷)

(۹) جب تک کسی قوم کی طرف (اس کے مرکزی مقام میں) قوانینِ خداوندی نہ آجائیں وہ قوم ہلاک نہیں ہوتی۔ (۲۸ : ۵۹)

(۱۰) حضرت ابراہیمؑ کی سرگزشت — (۲۴ : ۲۹)

(۱۱) قومِ سبا — (۱۵-۱۹ : ۳۴)

(۱۲) بنی اسرائیل — (۳۳ : ۴۴)

(۱۳) قوانینِ خداوندی سے انکار کیا جائے تو علم و بصیرت بھی کام نہیں دیتے — (۲۶-۲۷ : ۴۶)

آیت بمعنی معجزہ

معجزہ کی کنہ وحقیقت اور قرآن کی رو سے اس کی پوزیشن کے متعلق "معجزہ" کے عنوان میں گفتگو کی جائیگی یہاں صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ قرآن میں آیت کا لفظ معجزہ کے معنوں میں کہاں کہاں استعمال ہوا ہے۔

(۱) خدا محسوس نشانی کیوں نہیں دکھاتا — (۱۱۸ : ۲) — (۳۷ : ۶) — (۵۹ : ۱۷)

(۲) محسوس نشان سامنے آجانے کے بعد ایمان فائدہ نہیں دے سکتا — (۶:۱۵۹)

(۳) کفار اعتراض کرتے کہ رسول اللہ کو معجزہ کیوں نہیں دیا گیا — (۱۳:۷) — (۹۰-۹۳ : ۱۷)

(۴) اگر ہم آسمان سے کوئی محسوس نشانی نازل کردیں تو اس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں لیکن ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ یہ جبر سے منوانا ہوگا — (۴ : ۲۶)

(۵) قومِ ثمود کا مطالبہ کہ جب تباہی سے تم ڈراتے ہو اس کی کوئی نشانی لاؤ — (۱۵۴ : ۲۶)

(۶) کفار معجزہ طلب کرتے تھے۔ کہا کہ قرآن ہی معجزہ ہے — (۵۰-۵۱ : ۲۹)

متفرقات

(۱) طالوت کے اقتدار کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ تابوتِ سکینت لائے گا — (۲۴۸ : ۲)

(۲) حضرت زکریاؑ کے لئے بیٹے کی پیدائش کی نشانی ـــ (۴۰ : ۳) ـــ (۱۰ : ۱۹)

(۳) ناقۂ حضرت صالحؑ ان لوگوں کی پابندئ عہد یا عہد شکنی کی نشانی ـــ (۷۳ : ۷) ـــ (۶۴ : ۱۱)

(۴) خدا رسول اللہ کو مکے سے مدینے کی طرف لے گیا تاکہ وہاں آپ کو اپنی نشانیاں (یعنی نظامِ خداوندی کا غلبہ و استحکام) دکھائے ـــ (۱ : ۱۷)

(۵) حضرت عیسیٰؑ کو اس امر کی نشانی بنایا کہ یہودیوں کے تمام دعاوی باطل تھے۔ اور یہ کہ اگر وہ ان کی تعلیم کو تسلیم کر لیں گے تو تباہی سے بچ جائیں گے ـــ (۲۱ : ۱۹) ـــ (۹۱ : ۲۱) ـــ (۵۰ : ۲۳)

(۶) آیت بمعنی قومی یادگار ـــ (۱۲۸ : ۲۶)

(۷) خدا کی ہر آیت سے اعراض ـــ (۴۶ : ۳۶)

(۸) قرآنی آیات اور آیاتِ فطرت دونوں سے انکار تباہی کا موجب ہے ـــ (۱۳-۸ : ۴۵)

(۹) تکذیبِ آیات سے مراد ہے قوانینِ خداوندی پر عمل نہ کرنا ـــ (۵ : ۶۲)

(۱۰) فرعون کی لاش آنے والوں کے لئے آیت بنائی گئی ـــ (۹۲ : ۱۰)

(۱۱) آیات اللہ کو مذاق نہ سمجھو ـــ (۲۳۱ : ۲) ـــ (۶۸ : ۶) ـــ (۵۶ : ۱۸) ـــ (۹ : ۴۵) ـــ (۳۵ : ۴۵)

ـــ (۰) ـــ

۹۔ اب

(نیز دیکھئے ـــ آباء و اجداد و اولاد)

اب۔ (ا۔ ب۔ د)۔ باپ۔ نیز چچا اور مربی کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اور عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے ہر بڑے آدمی کے لئے۔ اور کسی خاندان کے مورثِ اعلیٰ کے لئے بھی۔ (جہاں یہ لفظ باپ کے معنوں میں آیا ہے، ان تمام مقامات کے حوالے نہیں دیئے گئے۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ البتہ احکام کے سلسلہ میں نیچے "رشتے ناطے" کے عنوان کے تابع حوالے دے دیئے گئے ہیں)

رسول اللہ

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ وہ خاتم النبیین ہیں ـــ (۴۰ : ۳۳)

حضرت یوسفؑ

(۱) حضرت یوسفؑ کے والد، حضرت یعقوبؑ تھے ــــ (۱۲ : ۴) ــــ (۱۲ : ۶۸) ــــ (۱۲ : ۹۳)
(۱۲ : ۹۷) ــــ (۱۲ : ۱۰۰)

(۲) ان کے ماں اور باپ دونوں مصر آگئے تھے ــــ (۱۲ : ۹۹-۱۰۰)
(الگ عنوان یوسفؑ بھی دیکھئے)

حضرت ابراہیمؑ ۔ (عنوان ابراہیمؑ بھی دیکھئے)

(۱) حضرت ابراہیمؑ کی باپ کو تبلیغ کہ وہ بتوں کو اپنا معبود کیوں بنائے ہوئے ہیں ــــ (۱۹ : ۴۱-۴۵)

(۲) حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے باپ (ابراہیمؑ) سے کہا کہ اگر آپ کو یہ اشارہ ملا ہے کہ آپ مجھے ذبح کردیں تو آپ اس کی تعمیل کیجئے۔ میں ثابت قدم رہوں گا ــــ (۳۷ : ۱۰۲)

(۳) حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے استغفار ــــ (۹ : ۱۱۴) ــــ (۶۰ : ۴)

بمعنی آباء واجداد ۔ یا مورثِ اعلیٰ ۔ (اسے الگ عنوان میں بھی دیکھئے)

(۱) حضرت یعقوبؑ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ کو حضرت یوسفؑ کے "ابویک" کہہ کر پکارا ــــ (۱۲ : ۶)۔ یعنی اُن کے دادا اور پردادا کو ان کا "اَب" کہا۔ (ان معانی کے لئے عنوان "آباء واجداد" دیکھئے)۔

(۲) "بنی آدم" کو مخاطب کر کے کہا کہ شیطان نے تمہارے ماں باپ (ابویکم) کو جنت سے نکلوادیا تھا ــــ (۷ : ۲۷)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "آدم"۔

(۳) اسلام کے متعلق کہا۔ مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرٰهِيمَ ــــ (۲۲ : ۷۸)۔ تمہارے "باپ" ابراہیمؑ کا مسلک۔ اگر اس کے مخاطب قریش قرار دیئے جائیں تو اس میں اُن کے مورثِ اعلیٰ (حضرت ابراہیمؑ) کا ذکر ہوگا اور اگر تمام مومن مخاطب ہوں تو اس سے مطلب دین کا رشتہ ہوگا۔ یہ مطلب زیادہ بہتر ہے۔

وراثت

(۱) اگر متوفی صاحبِ اولاد ہو تو اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ⅙ ہوگا۔ اور اگر اس کے ورثا صرف ماں باپ ہوں تو ماں کا حصہ ⅓ ہوگا — (۴ : ۱۱)۔ یہ تقسیم قرضہ چکانے اور متوفی کی وصیت پوری کر دینے کے بعد جو باقی بچے گا، اس میں ہوگی — (۴ : ۱۱)

رشتے ناطے

(۱) باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے بھی نکاح حرام ہے — (۴ : ۲۲)

(۲) باپ کے ہاں سے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں — (۲۴ : ۶۱)

(۳) باپ کے سامنے اظہارِ زینت کی ممانعت نہیں — (۲۴ : ۳۱)—(۳۳ : ۵۵)

(۴) دین کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کا معیار، ایمان کا رشتہ ہے نہ کہ خون کا رشتہ۔ اسی لئے کہا کہ اگر تمہارے باپ وغیرہ، دین کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہو گئے تو تم جماعتِ مومنین میں نہیں رہو گے — (۹ : ۲۴)۔ اگر وہ دین کے مخالف ہیں تو ان سے دوستداری کے تعلقات نہیں رکھے جائیں گے — (۵۸ : ۲۲)

(۵) جنت میں وہی ماں باپ ساتھ ہوں گے جن کے اعمال صالح ہوں گے — (۱۳ : ۲۳)

—— (—) ——

۱۰- ابابیل

ہمارے ہاں ابابیل ان چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو کہا جاتا ہے جو (عام طور پر) شام کے وقت اڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عربوں کے ہاں یہ لفظ "جھنڈ کے جھنڈ" کے معنوں میں آتا ہے، خواہ وہ مویشی ہوں اور خواہ پرندے۔ مثلاً اِبِلٌ اَبَابِیلُ۔ گلہ در گلہ اونٹ۔ طَیْرًا اَبَابِیْلَ (۱۰۵ : ۳)۔ جھنڈ کے جھنڈ پرندے — قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف ایک جگہ (۱۰۵ : ۳) میں، ان گدھوں اور چیلوں کے لئے آیا ہے جو ہاتھیوں والی فوج (اصحاب الفیل) کے اوپر جھنڈ در جھنڈ اڑتی آ رہی تھیں اور جن سے اہلِ مکہ نے جان لیا تھا کہ پہاڑیوں

کے پیچھے کوئی جتھہ چلا آ رہا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے اصحاب الفیل)

(۰)

۱۱۔ اِبتلاء

(نیز دیکھئے تقدیر)

ابتلاء (مادہ ب۔ ل۔ و)۔ یہ لفظ عام طور پر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی کا حال معلوم کرنا یعنی جو باتیں معلوم نہ ہوں، انہیں معلوم کرنا اور (۲) کسی چیز کی اصلی حالت کا ظاہر ہونا۔ ظاہر ہے کہ جب یہ لفظ خدا کے لئے بولا جائے گا تو وہ پہلے معنوں میں نہیں آئے گا، صرف دوسرے معنوں میں آئیگا۔ لہٰذا یہ جو ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ مصائب اور تکالیف میں خدا اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے کہ دیکھیں اِن کا ردِّعمل کیا ہوتا ہے، یہ مفہوم صحیح نہیں۔ خدا کو تو سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔ اُسے کسی کی آزمائش کر کے معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایسے مواقع اس لئے آتے ہیں کہ انسان کے پوشیدہ جوہروں کی نمود ہو جائے۔ اور وہ (یا دنیا) دیکھ لے کہ اس میں کیا کیا صلاحیتیں ہیں اور وہ کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں۔ ابتلاء درحقیقت محاسبۂ خویش کا نام ہے۔ اس محاسبہ کے بغیر انسان (یا قوم) اپنے متعلق مغالطہ میں رہ سکتی ہے۔ وہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا صحیح اندازہ ایسے مواقع پر ہی کر سکتی ہے۔ اس لئے ایسے مواقع افراد اور اقوام کی زندگی میں بڑے مفید ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے لفظ بَلَاءٌ کو نعمت کے معنوں بھی استعمال کیا ہے۔ ویسے بھی جہاں قرآنِ کریم میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں (مثلاً ہم نے تمہیں حکومت عطا کی، تاکہ دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو) تو وہاں یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا جانتا نہیں تھا کہ ہم کیسے کام کریں گے۔ یہ عام انداز ہے یہ کہنے کا کہ تمہیں حکومت دی تاکہ دنیا دیکھ لے اور تم بھی جان لو کہ تم اپنے اختیارات کا استعمال کس طرح کرتے ہو۔

(۰)

اقوام و انبیاءِ سابقہ کا ابتلاء

(۱) حضرت ابراہیمؑ کو نمود ذات کے بہت سے مواقع درپیش ہوئے جن میں انہوں نے ثابت کر دیا کہ انکے

مضمر جوہروں کی نشو و نما ہو چکی ہے تو انہیں نوعِ انسانی کی امامت کے لئے چن لیا گیا ——— (۲:۱۲۴)

(۲) انبیاء کرام اور ان کی جماعتوں کے سامنے زلزلہ انگیز مشکلات کا ہجوم۔ جو ان مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہوں، وہی جنت میں جا سکتے ہیں ——— (۲:۲۱۴)

(۳) حضرت طالوت کے وقت بنی اسرائیل کا ابتلاء۔ ضبطِ نفس کی آزمائش ——— (۲:۲۴۹)

(۴) سبت، درحقیقت بنی اسرائیل کے ضبطِ خویش کے مظاہرہ کا موقعہ ہوتا تھا ——— (۷:۱۶۳)

(۵) حضرت موسےٰ کو بھی مختلف کٹھالیوں سے نکالا گیا اور اس طرح وہ اس مقام پر پہنچے جہاں خدا نے انہیں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے منتخب کیا ——— (۲۰:۴۰-۴۱)

(۶) گوسالۂ سامری بنی اسرائیل کے لئے وجۂ ابتلاء تھا ——— (۲۰:۸۵)

(۷) حضرت سلیمانؑ کے لئے شوکت و حشمت وجۂ ابتلاء تھی ——— (۲۷:۴۰)

(۸) اقوامِ سابقہ بڑے دشوار گزار مراحل سے گزری تھیں ——— (۲۹:۲-۳)

(۹) بیٹے کی قربانی کے وقت حضرت ابراہیمؑ کا ابتلاء ——— (۳۷:۱۰۲-۱۰۶)

(۱۰) حضرت نوحؑ کی کشتی کی سلامتی کو بھی بلاء کہا ——— (۲۷:۳۰)

جماعتِ مومنین کا ابتلاء

(۱) تمہارے سامنے نمودِ ذات کے بہت سے مواقع آئینگے جن میں مصائب و مشکلات کا ہجوم تمہیں گھیر لے گا۔ ان میں خوشخبریاں ان کے لئے ہوں گی جن کی صلاحیتوں کی نشو و نما ہو چکی ہوگی ——— (۲:۱۵۵-۱۵۷)

(۲) جنت میں اسی صورت میں جا سکو گے جب دنیا میں اپنی صلاحیتوں کو آزما چکے ہو۔ اور یہ چیز نامساعد حالات کا سامنا کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے ——— (۲:۲۱۴)—(۳:۱۴۱)—(۹:۱۶)—(۲۹:۲-۳)

(۳) اگر تمہیں میدانِ جنگ سے ضربِ کاری لگی ہے تو اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اپنی صلاحیتوں کی پختگی کا ثبوت دو۔ کامیابی ہو جائے گی ——— (۳:۱۳۹-۱۴۲)

(۴) میدانِ جنگ، نمودِ ذات کے لئے بہترین مقام ہوتا ہے ——— (۳:۱۵۱-۱۵۴)—(۴:۶۶)—(۸:۱۷)

(۵) تمہاری زندگی پھولوں کی سیج نہیں۔ اس میں قدم قدم پر مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوگا۔ (۳:۱۸۵)

(۶) محض یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، تم چھوٹ نہیں جاؤ گے۔ تمہیں بھی ان مشکل مراحل سے گزرنا

ہوگا جن سے اقوامِ سابقہ گذری تھیں ــــ (۱۶ : ۹) ــــ (۳-۲ : ۲۹)

(۷) کنارے پر کھڑے ہو کر اطاعت کرنے والے۔ فائدہ ہوا تو ساتھ ہو گئے، نقصان دکھائی دیا تو بدل گئے۔ یہ "عبادت علیٰ حرف" کہلاتی ہے۔ یہ منافقین کا شیوہ ہے ــــ (۱۱ : ۲۲) ــــ (۱۱-۱۰ : ۲۹)

(۸) جنگِ احزاب میں سخت ابتلاء، منافقین کی حالت ــــ (۱۱-۹ : ۳۳)

(۹) مومنین کا ایمان ایسے مواقع پر اور مستحکم ہو جاتا ہے ــــ (۲۲ : ۳۳)

(۱۰) خدا یونہی فتح بھی دلا سکتا ہے۔ لیکن مقصد تو تمہاری صلاحیتوں کی نشوونما اور نمود ہے ــــ (۴ : ۴۷)

(۱۱) میدانِ جنگ میں مومن اور منافق چھٹ کر الگ الگ ہو جاتے ہیں ــــ (۳۲-۳۱ : ۴۷)

(۱۲) تمہارے مخالفین کو بھی اسی طرح زلزلہ انگیز مشکلات کا سامنا ہوگا۔ جیسا اقوامِ سابقہ کو ہوا تھا (۱۷-۱۶ : ۴۷)

(۱۳) احکامِ شریعت نمودِ ذات کے لئے مواقع بہم پہنچاتے ہیں ــــ (۹۴ : ۵)

رسول اللہ کی قومِ مخاطب کا ابتلاء

(۱) باغ والوں کی طرح کا ابتلاء ــــ (۳۳-۱۷ : ۶۸)

انسانی اختیار و ارادہ ابتلاء ہی کے لئے ہے

(۱) محسوس معجزات سامنے لائے جائیں تو انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے مضمر جوہروں کی نمود کا موقعہ نہیں رہتا۔ اس لئے اس طرح لوگوں کو راہِ راست پر نہیں لایا جاتا ــــ (۲۱۰، ۲۰ : ۲) ــــ (۸ : ۶)

(۲) خدا نے انسان کو، حیوانات کی طرح، ایک روش پر چلنے کے لئے مجبور پیدا نہیں کیا۔ اس طرح اس کی ذات کی نشوونما ہی نہ ہو سکتی۔ یہ اسی سے ہوتی ہے کہ انسان اپنے اختیار اور ارادے سے مشکلات پر قابو پائے ــــ (۴۸ : ۵) ــــ (۹۳ : ۱۶)

(۳) اگر کسی کی غلط روش سے جھٹ سے عذاب آجائے تو بات ہی ختم ہو جائے ــــ (۵۸، ۵۷ : ۶)
(۱۹ : ۱۰) ــــ (۶۱ : ۱۶)

(۴) مختلف انسانوں میں صلاحیتوں کا اختلاف اس لئے ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اپنی صلاحیت کی نشوونما کا موقعہ ملے۔ یکساں صلاحیتیں ایک نوع کے حیوانات میں ہوتی ہیں جن میں ذات کی نشوونما کا سوال

نہیں ہوتا ـــــ (۶ : ۱۶۶)

(۵) لغزش کے مقامات اس لئے آتے ہیں کہ انسان اپنی مرضی سے صحیح اور غلط راستہ اختیار کرے (۷:۱۵۵)

(۶) سلسلۂ کائنات کی تخلیق اس لئے عمل میں لائی گئی ہے کہ انسان کی ارتقائے ذات کے مواقع بہم پہنچائے جائیں ـــــ (۷ : ۱۱)

(۷) زمین میں ایسی چیزیں پیدا کیں جو تمہارے لئے بڑی جاذبیت کا موجب ہیں۔ اس لئے کہ تمہاری صلاحیتوں کی نمود کے مواقع سامنے آجائیں کہ تم ان کے حصول کے لئے کس قدر کوشش کرتے ہو اور

(۸) انہیں حاصل کر کے کس مصرف میں لاتے ہو ـــــ (۷ : ۱۸)

(۸) مصائب و مشکلات ہی نہیں بلکہ فراوانیٔ رزق بھی وجۂ ابتلاء ہوتی ہے ـــ (۱۳۱ : ۲۰)ـــ (۵۸ : ۲۸)

(۸۹ : ۱۶-۱۵)

(۹) خدا چاہتا تو تمہیں بتا دیتا کہ منافق کون کون سے ہیں۔ لیکن اس طرح تمہاری بصیرت ناپختہ رہ جاتی اس لئے اے رسولؐ تمہیں ان لوگوں کو ان کے اوضاع و اطوار سے خود ہی پہچاننا ہوگا ـــــ (۳۰-۲۹ : ۴۷)

(۱۰) تباہیاں انسان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہیں ـــــ (۱۶-۱۵ : ۸۹)

متفرقات

(۱) دنیا میں ایک قوم دوسری قوم سے آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے وہ فساد انگیز اور فریب دہ طریقے اختیار کرتی ہے۔ حالانکہ اس کے لئے صرف صلاحیتوں کی نمود ہونی چاہیئے ـــــ (۹۲ : ۱۶)

(۲) مصائب و مشکلات ہی نہیں بلکہ فراوانیٔ رزق بھی وجۂ ابتلاء ہوتی ہے ـــــ (۱۳۱ : ۲۰)۔ اسی لئے کہا ہے کہ خیر اور شر دونوں وجۂ ابتلاء ہو سکتے ہیں ـــ (۳۵ : ۲۱) ـــ (۵۸ : ۲۸)

(۳) خوشحالی کے وقت مطمئن ہو کر بیٹھے رہنا اور مصیبت کے وقت اصولوں سے منہ پھیر لینا' تباہی کا باعث ہے ـــــ (۱۱ : ۲۲)

(۴) شوکت و حشمت وجۂ ابتلاء ـــــ (۴۰ : ۲۷)

(۵) موت و حیات، نمودِ ذات اور اس کی پختگی کی پرکھ کے لئے ہے ـــــ (۶۷:۲)

(۶) مابعد الطبیعیات کے جن امور کا ذکر تشبیہات میں کیا جاتا ہے' وہ کفار کے لئے فتنہ کا موجب بن

جاتی ہیں —— (۳۱ : ۴۷)

(۷) رحمِ مادر میں جنین مختلف پہلو بدلتا ہے تاکہ اس کے مضمر جوہروں کی نمود ہوتی جائے —— (۲ : ۷۶)

(۸) قیامت میں ہر شخص دیکھ لے گا کہ اس نے دنیا میں کس قسم کے کام کئے تھے۔ یہاں ابتلاء کے معنی بالکل واضح ہیں یعنی کسی مخفی امر کا ظاہر ہو جانا —— (۳۰ : ۱۰) —— (۹ : ۸۶)

(۹) خدا نے زندگی پر کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تاکہ انسانوں کو نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچ سکیں (۷ : ۱۱) —— (۳۰ : ۲۱)

(۱۰) یتیموں کی پرورش میں دیکھتے رہو کہ ان کی صلاحیتیں کس حد تک پرورش پا رہی ہیں —— (۶ : ۴)

(۱۲) بنی اسرائیل کی فرعون کے عذاب سے نجات کو بلآءٌ من ربّکم کہا ہے۔ یہاں بلاء کے معنی انعام یا احسان کے ہیں یعنی یہ لفظ اچھے معنوں میں آیا ہے —— (۲ : ۴۹) —— (۱۴۱ : ۷) —— (۶ : ۱۴) (۴۴ : ۳۳)۔ دوسری جگہ "بلآءً حسنًا" کے الفاظ آئے ہیں —— (۸ : ۱۷)

—— (۰) ——

۱۲۔ اَبد

ابد۔ (ا۔ ب۔ د)۔ ہمارے ہاں اَزَل اور اَبَد دو اصطلاحات ہیں۔ اَزَل سے مفہوم ہوتا ہے ماضی کا زمانہ جس کی ابتدائی حد کوئی نہ ہو۔ اور اَبَد کے معنی ہوتے ہیں مستقبل کا زمانہ جس کی انتہا نہ ہو۔ ذہنِ انسانی محدود ہے اس لئے وہ کسی لا محدود کا تصور ہی نہیں کر سکتا یعنی ہم کسی ایسے زمانے کا تصور نہیں کر سکتے جس کا آغاز کبھی نہ ہوا ہو۔ نہ ایسے زمانے کا جس کا اختتام نہ ہو۔ یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں اصطلاحات صرف خدا کے لئے مختص ہیں۔ یعنی وہ اَزَل سے ہے اور اَبَد تک رہے گا۔ قرآنِ کریم میں یہ الفاظ اِن معانی میں نہیں آئے۔ (اَزَل کا تو لفظ ہی قرآن میں نہیں) اَبَد کا لفظ زمانہ دراز یا طویل مدت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یا ان معانی کے لئے جیسے ہم کہتے ہیں کہ "میں کبھی ایسا نہیں کروں گا" لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا۔ (۲ : ۹۵)۔ وہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے۔ یا جیسے ہم کہتے ہیں کہ تم میں اور ہم میں ہمیشہ دشمنی رہے گی۔ (۴ : ۶۰)۔ زمانہ دراز کے معنوں میں یہ لفظ جنت اور جہنم کے لئے آیا ہے۔ (تفصیل جنت اور جہنم کے عنوانات میں ملے گی)

یہاں صرف ان مقامات کا حوالہ دیا جاتا ہے جہاں اَبَد کا لفظ جنّت اور جہنّم کے لئے آیا ہے۔

جنت کیلئے اَبَد کا لفظ

(۱) وہ جنت میں عرصۂ دراز تک رہیں گے۔ (اَبَدًا) ـــــ (۴ : ۵۷) ـــــ (۴ : ۱۲۲ ; ۱۶۹) ـــــ (۵:۱۱۹)
(۹:۲۱) ـــــ (۹ : ۱۰۰) ـــــ (۱۸ : ۳) ـــــ (۶۴ : ۹) ـــــ (۶۵:۱۱) ـــــ (۹۸ : ۸)

(۲) جنت کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس میں رہیں گے جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں۔ (۱۱:۱۰۸) اس سے واضح ہے کہ اَبَد سے مفہوم غیر مختتم عرصہ نہیں۔ اس قسم کی ابدیت (یعنی جس کا اختتام نہ ہو) صرف خدا کے لئے ہے۔

جہنم کے لئے ابد کا لفظ

(۱) وہ جہنم میں عرصۂ دراز تک رہیں گے۔ ابدًا ـــــ (۴ : ۱۶۹ ; ۳۳) ـــــ (۷۲ : ۲۳)

(۲) جہنم کے متعلق کہا ہے کہ وہ اس میں رہیں گے جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں ـــــ (۱۱ : ۱۰۷) دوسری جگہ ہے "وہ اس میں مدتِ دراز تک رہیں گے ـــــ (۲۳ : ۷۸)۔ ان مقامات سے واضح ہے کہ اَبدًا سے مراد غیر مختتم زمانہ نہیں۔

ـــــ (۰) ـــــ

۱۳۔ حضرت ابراہیمؑ

بنی اسرائیل، حضرت یعقوبؑ کی طرف نسبت سے ایسا کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا لقب اسرائیل تھا۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے (حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے۔ اس نسبت سے، حضرت ابراہیمؑ انبیائے بنی اسرائیل کے سلسلہ کے مورثِ اعلیٰ کہلاتے ہیں۔ ان کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی شاخ سے محمدؐ رسول اللہ مبعوث ہوئے۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ بنی اسماعیلؑ کے بھی ابوالآباء ہیں۔ بہ حیثیت رسول بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ خانۂ کعبہ انہی کے ہاتھوں تعمیر ہوا تھا۔

ـــــ (۰) ـــــ

حضرت ابراہیمؑ

(۱) حضرت ابراہیمؑ کے لئے نمودِ ذات کے متعدد مواقع سامنے آئے اور انہوں نے ہر مقام پر اپنی پختگیِ سیرت کا مظاہرہ کیا۔ اس سے انہیں نوعِ انسانی کی امامت کا سزاوار ٹھہرایا گیا۔ انہوں نے اپنی اولاد کے متعلق کہا تو جواب ملا کہ اگر وہ ظالم ہوں گے تو پھر اس مرتبہ کے مستحق نہیں سمجھے جائینگے۔ یہ شرف وراثت میں نہیں مل سکتا۔ جوہرِ ذاتی کی بنا پر مل سکتا ہے ــــ (۲ : ۱۲۴) ــ (۱۴ : ۳۶)

(۲) امتِ مسلمہ کو تاکید کہ وہ مقامِ ابراہیمی کا اتباع کریں۔ تاکہ انہیں بھی نوعِ انسان کی امامت حاصل ہو جائے ــــ (۲ : ۱۲۵) ــ (۳ : ۹۶)

(۳) تعمیرِ کعبہ ــــ (۲ : ۱۲۶ - ۱۲۹) ــ (۱۴ : ۳۵ - ۴۱) ــ (۲۲ : ۲۶)۔
مناسکِ حج ــــ (۲۲ : ۲۷ - ۳۸)

(۴) حضرت ابراہیمؑ دنیا میں بھی منتخب انسانوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوں گے
(۲ : ۱۳۰) ــ (۳ : ۳۳) ــ (۱۶ : ۱۲۲) ــ (۱۹ : ۵۰) ــ (۲۹ : ۲۷)
خلیل اللہ ــ (۴ : ۱۲۵)۔ صدیق ــ (۱۹ : ۴۱)

(۵) خدا کے سامنے جھک جانے والا ــ (۲ : ۱۳۱)۔ قلبِ سلیم لے کر آنے والا ــ (۲۶ : ۸۹)
(۳۷ : ۸۴)۔ وفا شعار ــ (۵۳ : ۳۷)

(۶) حضرت ابراہیمؑ کی اپنی اولاد کو تاکید کہ وہ خدائے واحد کی محکومیت اختیار کریں ــ (۲ : ۱۳۲)

(۷) حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہِ وقت کے ساتھ مباحثہ ــــ (۲ : ۲۵۸)

(۸) حضرت ابراہیمؑ کا استفسار کہ وہ کون سا طریق ہے جس سے مردہ اقوام زندہ ہو سکتی ہیں۔ خدا کی طرف سے اس کا جواب کہ انہیں اس طرح سدھایا اور رام کیا جاتا ہے جس طرح نامانوس پرندوں کو۔ اس طرح جب یہ تم سے مانوس ہو جائیں گے تو پھر اطاعت کرنے لگ جائینگے۔ اس سے ان میں حیاتِ نو پیدا ہو جائے گی ــ (۲ : ۲۶۰)

(۹) حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک اُمت تھے ــــ (۱۶ : ۱۲۰ - ۱۲۲)

(۱۰) حضرت ابراہیمؑ کو رُشد عطا ہوا تھا ــــ (۲۱ : ۵۱)

(۱۱) آپ کی ارضِ شام کی طرف ہجرت ـــ (۲۱:۷۱)ـــ(۲۶:۲۹)ـــ(۹۹:۳۷)

(۱۲) ایمانِ ابراہیمی و دعائے ابراہیمی ـــ (۹۰-۸۰-۷۸ : ۲۶)

(۱۳) میثاقِ ابراہیمی ـــ (۷ : ۳۳)

(۱۴) ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ، صاحبانِ قوت و بصیرت تھے ـــ (۴۷-۴۵-۴۸ : ۳۸)

(۱۵) صحیفۂ ابراہیمی اور اس کی تعلیم ـــ (۴۳-۳۷ : ۵۳)ـــ(۱۹ : ۸۷)

(۱۶) حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں اسوۂ حسنہ، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ـــ (۹-۱۰ : ۶۰) اس سے آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر تشکیلِ قوم کا معیار سامنے آگیا ـــ (نیز ۳۶ : ۱۴) کہ میرا اپنا وہ ہے جو میرے راستے پر چلتا ہے۔

(۱۷) میثاقِ انبیاء جن میں حضرت ابراہیمؑ بھی شامل تھے ـــ (۷ : ۳۳)

(۱۸) حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ (یا خود خدا کی) پارٹی میں سے تھے ـــ (۸۳ : ۳۷)

(۱۹) یہ اربابِ قوت بھی تھے ـــ (۴۵ : ۳۸)

(۲۰) ابراہیمؑ، جو ہر معیار پر پورا اترا جس نے ہر وعدہ ایفا کیا ـــ (۳۷ : ۵۳)

ملّتِ ابراہیمی

(۱) دین (ملتِ ابراہیمی) سے منہ پھیرنے والا کوئی احمق ہی ہو سکتا ہے ـــ (۱۳۰ : ۲)

(۲) دینِ ابراہیمی میں، یہود و نصاریٰ کی گروہ بندیاں نہیں تھیں۔ اس میں شرک نہیں تھا ـــ (۱۳۵ : ۲)

(۱۴۰ : ۲)ـــ(۶۴-۶۶ : ۳)

(۳) حضرت ابراہیمؑ سے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا۔ یا اب رسول اللہ اور جماعتِ مومنین ہے ـــ (۶۷ : ۳)

(۴) حضرت ابراہیمؑ۔ اسمٰعیل وغیرہما کی طرف جو نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لانا ـــ (۸۳ : ۳)

(۵) اسلام ملتِ ابراہیمی ہے ـــ (۹۴ : ۳)ـــ(۱۲۵ : ۴)ـــ(۱۲۳ : ۱۶)ـــ(۷۸ : ۲۲)
مسلم نام بھی اسی زمانہ کا رکھا ہوا ہے ـــ (۷۸ : ۲۲)

(۶) ما انزل الی ابراھیم پر ایمان ــــ (۲ : ۱۳۶) ــ (۳ : ۸۴) ــ (۴ : ۱۶۳)

(۷) ملتِ ابراہیمی دینِ قیم ہے۔ وہ مشرکین میں سے نہیں تھا ــــ (۶ : ۱۶۱)

(۸) دین اصولی طور پر شروع سے ایک ہی تھا ــــ (۴۲ : ۱۳)

آلِ ابراہیم

(۱) آلِ ابراہیمؑ کو (بلند مقامات کے لئے) منتخب کیا گیا ــــ (۳ : ۳۳)

(۲) آلِ ابراہیمؑ کو کتاب، حکمت اور ملکِ عظیم عطا کیا ــــ (۴ : ۵۴)

(۳) آلِ ابراہیمی کے انبیاء کرام ــــ (۶ : ۸۵-۹۱) ان انبیاء کے راستے پر چلنے کی ہدایت ــــ (۶ : ۹۱)

(۱۹ : ۵۸) ــ (۲۱ : ۷۲-۷۳) ــ (۲۹ : ۲۷) ــ (۳۷ : ۱۱۱-۱۱۲) ــ (۵۷ : ۲۶)

(۴) حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد پر اتمامِ نعمت ــــ (۱۲ : ۶) ــ (۱۲ : ۳۸)

ان میں انبیاء ــــ (۱۹ : ۵۸)

(۵) حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے (غیر خداوندی راہ پر چلنے والے) انہیں شرفِ ابراہیمی سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ یہ چیزیں وراثت میں نہیں ملتیں۔ جوہرِ ذاتی کی بنا پر حاصل کی جاسکتی ہیں (۲ : ۱۲۴)

(۶) حضرتِ ابراہیمؑ کا اعلان کہ جو میرا اتباع کرے گا وہ میرا اپنا ہے ــ اسلامی قومیت کا اولین معیار ای سے امتِ مسلمہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ یعنی آئیڈیالوجی کے اشتراک سے امت (قوم) کی تشکیل (۱۴ : ۳۶)

(۶۰ : ۱-۹)

(۷) انہیں توحید کی تعلیم دی گئی تھی ــــ (۴۳ : ۲۸)

(۸) ان میں ہدایت یافتہ بھی تھے اور فاسقین بھی ــــ (۵۷ : ۲۶)

(۹) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی دینِ خداوندی اختیار کرنے کی وصیت کی تھی ــ (۲ : ۱۳۲-۱۳۳)

باپ کو تبلیغ

(۱) باپ کو نصیحت کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں ــــ (۶ : ۷۵)

(۲) باپ کے لئے آرزو کہ خدا اسے (ایمان کے ذریعے) تباہی سے بچالے لیکن جب دیکھا کہ وہ کفر سے باز

نہیں آتا تو اس سے بری الذمہ ہو گئے — (۹ : ۱۱۴) — (۶۰ : ۴)

(۳) بت پرستی کے خلاف تلقین — (۱۹ : ۴۱ - ۵۰) — (۲۱ : ۵۲) — (۲۶ : ۷۰) — (۳۷ : ۸۴)

میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں — (۴۳ : ۲۶ - ۲۷)

قوم کو تبلیغ

(۱) ستارہ پرستی کے خلاف حضرت ابراہیمؑ کے مشاہداتی دلائل — (۶ : ۷۶ - ۸۴)

(۲) بت پرستی کے خلاف تلقین — (۲۱ : ۵۲ - ۵۶) — (۲۶ : ۶۹ - ۷۷) — (۴۳ : ۲۶ - ۲۷)

(۳) بت شکنی کا واقعہ — (۲۱ : ۵۷ - ۶۷) — (۳۷ : ۸۵ - ۹۶)

(۴) حضرت ابراہیمؑ کے خلاف قوم کی اشتعال انگیزی — (۲۱ : ۶۸ - ۷۰) — (۲۹ : ۲۴) — (۳۷ : ۹۷)

(۵) توحید کی طرف دعوت — (۲۹ : ۱۶ - ۲۵)

(۶) بادشاہ کے ساتھ مناظرہ — (۲ : ۲۵۸)

(۷) ملکوت السموٰت والارض کا مشاہدہ — (۶ : ۷۵)

(۸) قومِ ابراہیمؑ — (۹ : ۷۰) — (۲۲ : ۴۳)

(۹) انتقام کی آگ کا ٹھنڈا پڑ جانا — (۲۱ : ۶۹)

بیٹے کی پیدائش

(۱) فرستگانِ خداوندی کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنا اور بیٹے کی خوشخبری دینا — (۱۱ : ۶۹ - ۷۶) —
(۱۵ : ۵۰ - ۵۵) — (۲۶ : ۶۹) — (۲۹ : ۳۱) — (۵۱ : ۲۴ - ۳۱)

(۲) بیٹے کی قربانی کے لئے آمادگی — (۳۷ : ۱۰۰ - ۱۱۰)

سلامٌ علیٰ ابراھیم — (۳۷ : ۱۰۹)

اسماعیلؑ

(۱) حضرت اسماعیلؑ عہد کے پابند اور سچے رسول اور نبی تھے — (۱۹ : ۵۴ - ۵۵) — (۲۱ : ۸۵)

(۲) حضرت اسماعیلؑ اخیار میں سے تھے ——— (۴۸-۴۷ : ۳۸)
(مزید تفصیلات عنوان "ابراہیمؑ" میں آ چکی ہیں)

——— (۰) ———

۱۴۔ ابل

ابل۔ یہ لفظ کثیر التعداد اونٹوں کے لئے آتا ہے اور اس کا واحد اس سے نہیں آتا (۱۴۵ ط)۔ تشبیہ کے انداز سے بادل کو بھی ابل کہتے ہیں۔ چنانچہ (۱۷ : ۸۸) میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔ اِبِلٌ اَبَابِیْلُ کے معنی ہیں گلہ در گلہ اونٹ۔ (نیز دیکھئے عنوان ابابیل)

——— (۰) ———

۱۵۔ ابلیس

(نیز دیکھئے۔ شیطان)

ابلیس۔ اس کا مادہ (ب۔ل۔س) ہے جس کے معنی ناامیدی کے ہیں۔ اس اعتبار سے ابلیس کے معنی ہیں وہ جو نعماتِ خداوندی سے محروم اور ناامید ہو۔ اور انسانوں میں ناامیدی پیدا کرے۔ اس سے افراد پژمردہ اور قومیں تباہ ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے ابلیس اور شیطان کو ایک ہی سکے کے دو رُخ اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو قرار دیا ہے۔ جب انسانی جذبات بیباک ہوتے ہیں تو اس کا پہلا نتیجہ اشتعال ہوتا ہے۔ (اسے شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے) اور جب یہ جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں تو اس سے ناامیدی اور افسردگی طاری ہو جاتی ہے۔ (یہ ابلیس ہے)۔ "آدمؑ" کے عنوان میں جن آیات کا حوالہ دیا ہے، ان میں دیکھئے کس طرح ایک ہی بات کو ایک جگہ شیطان کی طرف اور دوسری جگہ ابلیس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ شیطان یا ابلیس انسان کے ان جذبات کا نام ہے جو وحی کے تابع نہ رہیں۔

——— (۰) ———

ابلیس اور شیطان

(۱) ابلیس کو سجدۂ آدم کا حکم (شیطان نے انہیں بہکایا) — (۲ : ۳۴-۳۶) — (۷ : ۱۱-۱۸)
(۱۵ : ۳۰) — (۱۵ : ۳۲) — (۱۷ : ۶۲) — (۱۸ : ۵۰) — (۲۰ : ۱۱۶) — (۳۸ : ۷۴)

(۲) ابلیس کی طرف سے دلیل کہ اس نے کیوں سجدہ نہیں کیا: "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ اس لئے میں اس سے بہتر ہوں"۔ انسانی جذبات جب بے قابو ہو جائیں تو وہ آگ کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے ہاں بھی غصے کی آگ اور "انتقام کی آگ" اور "حسد کی آگ" کہتے ہیں — (۳۸ : ۷۶)

ابلیس و آدم

(۱) ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان آدم)۔ ابلیس کے عزائم (۷ : ۱۱-۱۸) آدم کو بہکانے کے لئے — (۷ : ۱۷) — (۱۵ : ۳۹) — (۱۷ : ۶۱-۶۵) — (۳۸ : ۸۲)

(۲) خدا کے بندوں پر ابلیس غالب نہیں آسکے گا — (۱۵ : ۴۲) — (۱۷ : ۶۵) — (۳۸ : ۸۳)

(۳) ابلیس کے حربے جن سے وہ انسانوں کو بہکاتا ہے۔ (ابلیسی اقوام و نظام کی حرکتیں)۔ (۱۷ : ۶۴)

(۴) آدم کو بھی ایک حکم دیا گیا (کہ شجرت کے پاس نہ پھٹکنا۔ اور ابلیس کو بھی کہ وہ آدم کو سجدہ کرے۔ آدم نے بھی معصیت کی اور ابلیس نے بھی۔ جب آدم سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہم سے بھول ہو گئی۔ ہم نادم ہیں۔ اس کی توبہ قبول ہو گئی کیونکہ اس نے اپنی ذمہ داری کو قبول کرلیا اور اس پر اظہارِ ندامت کیا۔ لہٰذا اس میں اصلاح کی گنجائش تھی۔ لیکن جب ابلیس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں کون ہوں معصیت کرنے والا۔ تیرے حکم کے بغیر ایک پتہ نہیں ہل سکتا۔ تو نے ہی مجھے گمراہ کیا۔ اس پر اسے کہا گیا کہ جب تو اپنی ذمہ داری قبول نہیں کرتا تو تیری اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ تو ہمیشہ مردود رہیگا۔ یہ ہے ملخص قصۂ ابلیس و آدم کا۔ — (۷ : ۱۶) — (۱۵ : ۳۹)

ابلیس نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے

(۱) چونکہ انسانی جذبات غیر مرئی ہوتے ہیں، اس لئے کہا گیا کہ ابلیس کا لشکر تمہیں ایسے مقامات سے

دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے ـــــ (۷:۲۷)

(۲) اسی اعتبار سے کہا ہے کہ وہ "جنات" میں سے تھا جِن کے معنی ہیں وہ جو آنکھوں سے نہاں ہو۔ (دیکھو عنوان جِن) ـــــ (۱۸:۵۰)

ابلیس جہنم میں

(۱) ابلیس اور اس کا لشکر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ وہ وہاں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اس سے ظاہر ہے کہ یہ سب انسانوں کی باتیں ہو رہی ہیں ـــــ (۹۵:۲۶)

(۲) ابلیس اور اس کے متبعین سے جہنم بھر دیا جائے گا ـــــ (۸۵۔۷۱:۳۸)

ابلیسی نظام

(دیکھئے عنوان "کفر کا نظام")

متفرقات

ابلیس نے قوم سبا کے متعلق اپنا ظن سچا پایا، اس لئے کہ انہوں نے اس کا اتباع شروع کر دیا اور تباہ ہو گئے ـــــ (۲۱۔۲۰:۳۴)

ـــــ (۰) ـــــ

۱۶۔ ابن

(نیز دیکھئے۔ اولاد)

ابن (ب۔ ن۔ ی یا ب۔ ن۔ و) بیٹے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَبْنَاءٌ۔ بَنُوْنَ۔ بَنِیْنَ آتی ہے۔ بِنْتٌ (جمع بَنَاتٌ) بیٹی کو کہتے ہیں۔ مجازی معنوں کے اعتبار سے اَبْنَاءٌ قوم کے معزز لوگوں کو کہا جائے گا۔ جیسے ابنائے قوم۔

ـــــ (۰) ـــــ

ابن اللہ

(۱) یہود عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے ــــ (۳۰ : ۹) (دیکھئے عنوان عزیر)

(۲) عیسائی حضرت مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں ــــ (۳۰ : ۹)۔ (دیکھئے عنوان عیسیٰ)

(۳) یہود اور نصاریٰ اپنے آپ کو ابناء اللہ (خدا کی چاہیتی اولاد) کہتے تھے ــــ (۱۸ : ۵)

ابن مریمؑ

(۱) حضرت عیسیٰؑ کو ابن مریم کہہ کر پکارا گیا ہے ــــ (۸۷ : ۲)۔ سامی اقوام میں یہ رواج تھا کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہوتا اولاد کی نسبت اس کی طرف کرتے۔ چونکہ حضرت مریمؑ کا ذکر (قرآن کریم میں) خصوصیت سے آیا ہے اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ کے تذکرہ کے ضمن میں ان کی والدہ کا ذکر خصوصیت سے آیا ہے۔ اسی جہت سے حضرت ہارونؑ نے اپنے بھائی حضرت موسیٰؑ کو ابنِ اُم کہا ہے ــ (۱۵۰ : ۷) ــ (۹۴ : ۲۰)۔ (تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملے گی)۔

ابن السبیل

عام طور پر مسافر کو کہتے ہیں۔ بالخصوص ایسے مسافر کو جس کا زادِ راہ ختم ہو جائے۔ قرآن کریم نے اسلامی معاشرہ کا فریضہ قرار دیا ہے کہ وہ ہر ابن السبیل کی مدد کرے حتیٰ کہ حکومت کی آمدنی کا ایک مصرف خصوصیت سے یہ بتایا گیا ہے ــ (۶۰ : ۹)۔ اس میں ہر اس شخص کے لئے جو اسلامی مملکت میں سفر کرے سفر کی سہولتیں بھی آجاتی ہیں۔ اور جن مسافروں کا زادِ راہ ختم ہو جائے انہیں ان کی منزلِ مقصود تک پہنچانا بھی۔ دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں، اس سے وہ "غیر شہری" مراد ہوں گے جو اسلامی مملکت میں عارضی طور پر رہیں یا آئیں جائیں ــ (۱۷۷ : ۲) ــ (۲۱۵ : ۲) ــ (۳۶ : ۴) ــ (۴۱ : ۸) ــ (۲۶ : ۱۷) ــ (۳۸ : ۳۰) ــ (۷ : ۵۹)

ابناء

(۱) مومن عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی زینت کی چیزوں کو نمایاں نہ کریں۔ لیکن قریبی رشتہ دار اس سے

مستثنیٰ ہیں. ان میں حقیقی بیٹے اور سوتیلے بیٹے. بھائیوں کے بیٹے اور بہنوں کے بیٹے شامل ہیں ——

(۲۴:۳۱) —— (۳۳ : ۵۵)

ابنائے قوم

قرآنِ کریم نے جہاں بنی اسرائیل کے متعلق کہا ہے کہ فرعون، ان کے ابناء کو قتل کرا دیا کرتا تھا. اور ان کی نساء کو زندہ رکھتا تھا، سو اس سے مراد قوم بنی اسرائیل کے ان افراد سے ہے جن میں جوہرِ مردانگی پائی جاتی تھی۔ وہ انہیں ذلیل و خوار کیا کرتا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "بنی اسرائیل")۔ اسی طرح جہاں سورۂ آلِ عمران میں "مباہلہ" کا ذکر ہے، وہاں ابناء سے مراد عام مرد ہیں —(۳ : ۶۰). تفصیل "مباہلہ" کے عنوان میں ملے گی۔

منہ بولے بیٹے

(۱) منہ بولے بیٹے، حقیقی بیٹے نہیں بن جاتے — (۳۳ : ۴)

(۲) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں — (۴ : ۲۳)

رشتے ناطے

(۱) حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے —— (۴ : ۲۳)

(۲) حضرت نوحؑ نے کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے. جواب ملا کہ نہیں! تیرے اہل میں سے صرف وہ ہیں جو تمہارے ساتھ رشتۂ ایمان میں منسلک ہیں. دین میں اپنے اور بیگانے کا معیار ایمان کا اشتراک ہے، نہ کہ خون کا رشتہ — (۱۱ : ۴۵-۴۶)

(۳) اسی لئے کہا کہ اگر تمہارے رشتے دار (باپ. بیٹا وغیرہ) دین کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہو گئے تو تم جماعتِ مومنین ہیں نہ رہے — (۹ : ۲۴) - اگر وہ دین کے مخالف ہیں تو ان سے دوستداری کے تعلقات نہیں رکھے جا سکتے — (۵۸ : ۲۲)

بنی آدم وغیرہ ۔ بنی آدم کے لئے دیکھئے عنوان آدم اور بنی اسرائیل کے لئے عنوان "بنی اسرائیل"۔

نیز ابن نوح، ابن لقمان وغیرہ کے لئے متعلقہ عنوانات

متفرقات

(۱) مال و بنون حیاتِ دنیا کی زینت ہیں لیکن انہیں وجہ تفاخر اور استکبار نہیں ہو جانا چاہیئے۔
(۱۳:۳) — (۱۸:۴۶) — (۱۸:۴۶) — (۶:۱۷) — (۲۶:۱۳۳) — (۱۴:۶۸) — (۱۲:۷۱)
(۱۳:۷۴)

(۲) قیامت میں مال و بنون کوئی کام نہیں دے سکیں گے — (۲۶:۸۸) — (۱۱:۷۰) — (۳۶:۸۰)۔

(۳) یہ مشرکین اپنے لئے بنون تجویز کرتے ہیں اور خدا کے لئے بنات — (۶:۱۰۱) — (۱۶:۵۷) — (۳۷:۱۴۹) — (۳۷:۱۵۳) — (۴۳:۱۶) — (۵۲:۳۹)۔ ملائکہ کو اناث (دیویاں) کہتے ہیں (۴:۱۱۷)

(۴) رسول اللہ نے فرمایا کہ تم اپنے ابناء لاؤ میں اپنے ابناء لاتا ہوں — (۳:۶۱)۔ رسول اللہ کی بیٹیاں (۳۳:۵۹)

(۵) اہل کتاب رسول اللہ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو — (۲:۱۴۶) — (۶:۲۰)

(۶) بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی، صلبی بیٹے کی بیوی۔ ان سے نکاح حرام ہے — (۴:۲۳)۔ رسول اللہ کے لئے خصوصی احکام — (۳۳:۵۰)

(۰)

ا۔ ابی لہب

"ابی لہب"۔ لَھَبٌ۔ آگ کا شعلہ۔ سورۂ لہب میں، ابی لہب کا ذکر آیا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ میں داخل ہوگا۔ "ابی لہب" نبی اکرمؐ کے چچا (عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب) کی کنیت تھی۔ غالباً اس کی شعلہ مزاجی کی وجہ سے قرآن نے نبی اکرمؐ کی دعوت کے مخالفین میں سے اس کا ذکر خصوصیت سے ..... کیا ہے کہ وہ ایک خاص طبقے کے لوگوں کا ترجمان تھا۔ کعبہ کا متولی۔ جیسے معلوم تھا کہ اسلام کی کامیابی سے اس کی پیشوائیت اور سیادت چھن جائے گی۔ بددیانت ایسا کہ کعبہ کے خزانے سے سونے کا ایک ہرن (جو وہاں چڑھاوا چڑھا ہوگا) چرا لیا۔ بزدل اور شقی القلب ایسا کہ بدر کی لڑائی میں

جس میں قریش کے قریب قریب تمام سردار شامل تھے، یہ شریک نہ ہوا، اور اپنی طرف سے ایک ایسے شخص کو مرنے کے لئے بھیج دیا جو اس کا مقروض تھا اور اس میں قرضہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں تھی۔ بخیل بے حد تھا۔ نیز اس کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی قرابتداری اس کے کسی کام نہ آسکی کیونکہ اسلام میں یگانگت کا معیار ایمان کا اشتراک ہے نہ کہ خون کا رشتہ۔ اس کی تباہی کے اعلان سے مراد یہ بھی تھی کہ دعوتِ اسلام کے مخالفین تباہ و برباد ہو جائینگے۔ اور ان کے مال و دولت ان کے کسی کام نہیں آئیں گے — (۵-۱ : ۱۱۱)

—— (۰) ——

۱۸- اتحاد

(نیز دیکھئے۔ فرقہ بندی۔ پارٹی بازی۔ اختلاف امت نیز دیکھئے۔ اختلافات)

اسلام کی دعوت کا منتہیٰ یہ ہے کہ تمام نوعِ انسان کو ایک عالمگیر برادری بنا دیا جائے۔ یہ برادری آئیڈیالوجی (نظریۂ حیات) کے اشتراک سے قائم ہو گی جسے ایمان کہتے ہیں۔ اس عظیم پروگرام کی ابتدا ایک امت کی تشکیل سے ہوتی ہے جسے امتِ مسلمہ (مسلمان) کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس امت میں باہمی اختلاف' اسلام کی بنیادی تعلیم اور اساسی مقصد کے خلاف ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے فرقہ بندی کو شرک اور پارٹی بازی کو جرمِ عظیم قرار دیا ہے۔ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی امت میں وحدت قائم رکھنے کے لئے' ایک محسوس مرکز کی ضرورت ہے۔ یہ مرکز کعبہ ہے — یعنی اسلامی نظام کا مرکزی مقام — جب اس امت کا دائرہ وسیع ہوتا جائیگا تو یہی مرکز' نوعِ انسانی کی وحدت کا مرکز بن جائیگا — امتِ مسلمہ کے نظام کی بنیاد — وحدتِ قانون (قرآن) اور وحدتِ مرکز (کعبہ) پر رکھی گئی ہے۔ اختلاف اور تفرقہ سے یہ امت' امتِ مسلمہ رہتی ہی نہیں۔

—— (۰) ——

کعبہ — وحدتِ انسانی کا مرکزِ محسوس

(۱) تم دنیا میں جہاں بھی ہو' اپنی توجہات کا رخ' اپنے ملی مرکز (کعبہ) کی طرف رکھو (۱۴۹ ؛ ۱۴۴ : ۲)

(۲) کعبہ تمام نوعِ انسانی کی منفعت بخشی کے لئے قائم کیا گیا ہے —— (۹۵ : ۳)
کعبہ کی مرکزیت سے مقصد یہ ہے کہ تمام نوعِ انسان اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے —— (۹۷ : ۵)
(مزید تفصیلات حج اور کعبہ کے عنوانات میں دیکھئے)

قرآن وجۂ جامعیت ہے

(۱) قرآن کے ساتھ وابستہ رہنے سے تمہاری جامعیت باقی رہے گی۔ تم سوچو کہ اس سے پہلے تمہاری حالت کیا تھی اور قرآن نے کس طرح تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی —— (۱۰۲-۳:۱۰۲)
(۲) نزولِ قرآن سے مقصد ہی یہ ہے کہ اختلافات رفع ہوں —— (۲۱۳ : ۲) —— (۱۹ : ۱۰) —— (۶۴ : ۱۶)
(۳) خدا نے ابنائے آدم (انسانوں) سے کہہ دیا تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ لیکن اگر وحی کا اتباع کرو گے تو پھر یہ عداوت باقی نہیں رہے گی —— (۳۸-۳۶ : ۲) —— (۳۵ : ۷) —— (۱۲۳ : ۲۰)

فرقہ بندی کفر اور شرک ہے

(۱) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور عذاب خداوندی کے مستحق قرار پا گئے
ایمان لانے کے بعد فرقہ بندی کفر ہے —— (۱۰۶ - ۱۰۴ : ۳)
(۲) تم ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور باہوں میں باہیں ڈال کر حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرو —— (۱۹۹ : ۳)
(۳) جن لوگوں نے دین میں فرقے پیدا کر لئے، رسولؐ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں —— (۱۶۰ : ۶)
(۴) ایسی مسجد کی تعمیر جس سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوتا ہو، کفر ہے۔ اس میں کسی کو قدم تک نہیں رکھنا چاہیئے
(۱۱۰ - ۱۰۷ : ۹)۔ صلوٰۃ وحدت کا موجب ہونی چاہیئے —— (۳۲-۳۱ : ۳۰)
(۵) حضرت موسٰیؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ تم نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکا کیوں نہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ڈرتا تھا کہ اس سے قوم میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ گویا تفرقہ اتنی بڑی خرابی ہے کہ اس سے باز رہنے کے لئے وقتی طور پر قوم کی جہالت کو بھی گوارا کر لینا پڑتا ہے —— (۹۴ : ۲۰)
(۶) دیکھنا! تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر لئے پھر ہر فرقہ یہ کہہ کر مگن ہو جاتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور باقی سب باطل ہیں —— (۵۳ : ۲۳) —— (۳۱-۳۰ : ۳۰)

(۷) تمام انبیاء کو یہی تعلیم دی گئی تھی کہ تفرقہ نہ پیدا کرنا۔ ان کے بعد لوگ اختلافات پیدا کرتے رہے۔ اب یہی تعلیم رسول اللہ کو دی جا رہی ہے (۱۳-۱۵ : ۴۲)۔ حضرت عیسیٰؑ یہی تعلیم دیتے تھے (۶۵-۶۳ : ۴۳)

تفرقہ عذاب ہے

(۱) قوموں پر عذاب کی ایک شکل یہ ہے کہ وہ پارٹیوں میں بٹ جائیں اور پھر یہ پارٹیاں ایک دوسرے سے الجھتی رہیں (۶۵ : ۶)

(۲) بنی اسرائیل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیا میں بکھر گئے۔ یہ خدا کا عذاب تھا (۱۶۸ : ۷)

(۳) قوم سبا کو ریزہ ریزہ کر کے پراگندہ کر دیا۔ یہ خدا کا عذاب تھا۔ پھر ان کی صرف داستانیں باقی رہ گئیں۔

(۱۹ : ۳۴)

(۴) فرعون کا جرم عظیم یہ تھا کہ قوم میں تفرقہ ڈال کر انہیں پارٹیوں میں تقسیم کر دیتا تھا (۴ : ۲۸)

متفرقات

(۱) جنگ احد میں تم نے باہمی تنازعہ شروع کیا تو تمہاری فتح شکست میں بدل گئی (۱۵۱ : ۳)

(۲) کسی مومن کا قتل عمد (بالارادہ قتل) سیدھا جہنم میں پہنچا دیتا ہے (۹۳ : ۴)

(۳) تعلیم خداوندی کے فراموش کر دینے سے باہمی اختلافات پیدا ہوتے ہیں (۱۴ : ۵)

(۴) پہلے تمام انسان ایک ہی برادری کی طرح رہتے تھے۔ پھر انہوں نے باہمی اختلاف پیدا کر لیا (۱۹ : ۱۰)
اسی اختلاف کو مٹانے کے لئے انبیاء کرام آتے رہے (۲۱۳ : ۲)

(۵) لوگ اختلاف کرتے رہیں گے لیکن جن پر خدا کی رحمت ہو گی وہ ایسا نہیں کریں گے۔ اور ان کی تخلیق کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے اختلافات مٹا کر رحمت خداوندی کے مستحق بن جائیں (۱۱۸-۱۹ : ۱۱)

(۶) خدا انسانی اختیار و ارادہ کو سلب کر کے امت واحدہ نہیں بنانا چاہتا۔ انسانوں کو اپنے اختیار و ارادہ سے ایسا کرنا ہوگا (۴۸ : ۵)—(۹۳ : ۱۶)—(۸ : ۴۲)—(۳۳ : ۴۳)

(۷) شیطان ایک دوسرے میں نزاع اور فساد پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تم اچھی باتیں کیا کرو تا کہ ایسی صورت

پیدا نہ ہو جائے ــــ (۵۳ : ۱۷)

(۸) تمام انبیاءؑ امتِ واحدہ کے افراد تھے۔ ان کی وجہ جامعیت، خدا کی حکومیت تھی۔ لیکن لوگوں نے باہمی اختلافات پیدا کر لئے ...... (۹۳-۹۲ : ۲۱) ــــ (۵۳-۵۲ : ۲۳) ــــ (۱۴-۱۳ : ۴۲)

(۹) اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو بیٹھتا۔ لہٰذا ایک خدا کو ماننے کا عملی مفہوم یہ ہے کہ انسان ایک امت ہوں اور امت میں گروہ بندی نہ ہو ــــ (۹۱ : ۲۳)

(۱۰) فرعون کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا تھا ــــ (۴ : ۲۸)

(۱۱) یہودیوں کی حالت یہ تھی کہ بظاہر ایک قوم نظر آتے تھے۔ لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے الگ الگ تھے۔ اس لئے ان پر الم انگیز عذاب طاری ہو گیا۔ وہ تباہ ہو گئے ــــ (۱۴-۱۳ : ۵۹)

(۱۲) رنگ اور زبان کا اختلاف وحدتِ انسانیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ــــ (۲۲ : ۳۰)۔ نہ ہی شعوب و قبائل کی تفریق جس سے مقصد تعارف کے سوا کچھ نہیں ــــ (۱۳ : ۴۹)

مومنین کی صفات

(۱) ایک دوسرے کے سامنے جھکے ہوتے اور مخالفین کے مقابلہ میں نہایت سخت ــــ (۵۴ : ۵) ــــ (۲۹ : ۴۸)

(۲) خدا و رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت کرو۔ باہمی تنازعات مت پیدا کرو۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ ــــ (۴۶ : ۸)

(۳) خدا نے مومنین کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی۔ ورنہ اگر تو (اے رسولؐ) ساری دنیا کی دولت صرف کر ڈالتا تو بھی یہ بات پیدا نہ ہوتی ــــ (۱۰۲ : ۳) ــــ (۶۳ : ۸)

(۴) مومن وہ ہے جو انہیں جوڑتا ہے جنہیں جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ کافر انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے ــــ (۲۷ : ۲) ــــ (۲۱ : ۱۳) ــــ (۲۵ : ۱۳)

(۵) جنتی زندگی یہ ہے کہ دلوں میں کوئی کدورت نہ رہے ــــ (۴۷ : ۱۵)

(۶) ایمان اور اعمالِ صالحہ سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے ــــ (۹۶ : ۱۹)

(۷) مومن ایک دوسرے کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح منضبط رہتے ہیں ــــ (۴ : ۶۱)

(۸) مومن ایک امت کے افراد ہیں۔ لہٰذا ان میں تفرقہ کیوں ہو! ــــ (۱۴۳ : ۲) (۱۰۹ : ۳)

(۹) گروہ یا پارٹیاں دنیا میں دو ہی ہیں۔ مومن اور کافر — (۲ : ۶۴)۔ یا حزب اللہ اور حزب الشیطان۔

(۵۸ : ۱۹ ; ۲۲)

(۰)

۱۹۔ اثاثہ

اثاثہ۔ ہر چیز کا بڑا حصہ۔ مالِ کثیر۔ ساز و سامان۔ اس کی جمع اثاث ہے۔ یہ لفظ (۱۶ : ۸۰) میں آیا ہے۔ نیز — (۱۹ : ۷۴) میں۔

(۰)

۲۰۔ اثر (آثار)

اثر (ا۔ ث۔ ر)۔ نشان۔ علامت۔ خبر۔ نتیجہ

علامت۔ آثارِ رحمت اللہ — (۳۰ : ۵۰)۔ اطاعتِ خداوندی سے جو قلبی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس کے جو آثار چہروں سے نمودار ہوتے ہیں انہیں اثر السجود سے تعبیر کیا گیا ہے (۴۸ : ۲۹)۔ اقوامِ سابقہ جو اپنے نشانات پیچھے چھوڑ جاتی ہیں انہیں ان کے آثار کہا گیا ہے — (۴۰ : ۲۱)

(۴۰ : ۸۲)

(۲) نقشِ قدم۔ وہ اپنے نقوشِ قدم پر پیچھے کی طرف لوٹے — (۱۸ : ۶۴)۔ خدا نے رسولوں کے نقوشِ قدم پر اور رسول بھیجے — (۵ : ۴۶) — (۵۷ : ۲۷)۔ تقلیدِ آبا — (۳۷ : ۷۰) — (۴۳ : ۲۲ ; ۲۳)

(۳) مسلک و مشرب۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ سامری نے کہا کہ میں نے اثر الرسول سے تھوڑا سا حصہ پا لیا تھا — (۲۰ : ۹۶)۔ اس کے معنی حضرت موسیٰؑ کے مسلک و مشرب کے ہیں۔ یہی معنی (۲۰ : ۸۵) میں ہیں۔

(۴) علمی دلیل اور نتیجہ — (۴۶ : ۴)

(۵) اَثَرَ کے معنی ہیں کسی چیز کو نشان زدہ کر کے کسی کے لئے مخصوص کر دینا۔ اسی سے ایثار ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اپنے اوپر ترجیح دینا ۔۔۔ (۱۲ : ۹۱)۔۔۔(۲۰ : ۷۲)۔۔۔(۳۸ : ۷۹)۔۔۔(۱۶ : ۸۷)

(۶) اعمال کے نتائج۔ یعنی جنہیں انسان پیچھے چھوڑ آتا ہے ۔۔۔(۱۸ : ۶)۔۔۔(۱۲ : ۳۶)

(۷) وہ بات جو پیچھے سے مسلسل چلی آئے ۔۔۔(۷۴ : ۲۴)

(۸) مومن، دوسروں کی ضروریات کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں ۔۔۔(۵۹ : ۹)

—— (۰) ——

۲۱۔ اَثل

اَثل۔ جھاؤ کا درخت ۔۔۔(۳۴ : ۱۶)

—— (۰) ——

۲۲۔ اِثم

(نیز دیکھئے۔ جرم۔ عدوان۔ عصیان۔ معصیت)

اِثم۔ (مادہ۔ ا۔ ث۔ م) گناہ یا جرم کے لئے قرآن کریم میں ایک لفظ نہیں آیا۔ (گناہ تو ہے ہی فارسی کا لفظ) مختلف جرائم اور خطاؤں کے لئے ان کے اثرات کے لحاظ سے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ ان میں ایک لفظ اثم بھی ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں ایسے کام جن سے انسان کے قوائے عملیہ مضمحل ہو جائیں، جن سے انسان میں افسردگی، سستی اور اضمحلال پیدا ہو جائے جن کی وجہ سے انسان دوسروں سے پیچھے رہ جائے جن سے انسانی ذات کی نشوونما رک جائے یا اس میں تاخیر واقع ہو جائے۔ اس کے بعد یہ لفظ عام خطا۔ قصور۔ یا جرم کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔

—— (۰) ——

(۱) خمر اور میسرہ میں فوائد تو ہیں لیکن ان کا اثم ان کے فوائد سے کہیں بڑھ کر ہے ۔۔۔(۲ : ۲۱۹)

(۲) حالتِ اضطرار میں حرام شے کھا لینے سے کچھ اثم نہیں ہوتا ــــ (۱۷۴ : ۲)

(۳) اگر وصیت کرنے والا انصاف نہ کرے تو مصالحت کی صورت پیدا کر دینے میں کوئی اثم (مضائقہ) نہیں ــــ (۱۸۲ : ۲)

(۴) حج میں اگر تین دن کے بجائے کمی زیادتی کر لی جائے تو کوئی اثم (چنداں مضائقہ) نہیں ــــ (۲:۲۰۴)

(۵) بنی اسرائیل' اثم و عدوان (جرائم) کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے ــــ (۲ : ۸۵)

(۶) جھوٹی عزت (عزت بالاثم) انسان کو قوانینِ خداوندی کی طرف آنے نہیں دیتی ــــ (۲ : ۲۰۶)

(۷) ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جرم ہے ــــ (۲ : ۱۸۸)

(۸) جرم اور اس کے نتائج کے عملی طور پر سامنے آنے میں جو وقفہ ہوتا ہے، اس کی وجہ سے لوگ جرائم میں اور آگے بڑھ جاتے ہیں ــــ (۳ : ۱۷۷)

(۹) شرک اثمِ عظیم ہے۔ اس سے شرفِ انسانیت خاک میں مل جاتا ہے ــــ (۴ : ۴۸)

(۱۰) افترا علی اللہ (غلط بات خدا کی طرف منسوب کرنا) اثمِ مبین ہے ــــ (۴ : ۵۰)

(۱۱) خود جرم کرے اور اس کی تہمت دوسروں پر لگائے۔ یہ کھلا ہوا جرم ہے۔ (۴ : ۲۰) - (۴:۱۱۲)

(۱۲) اثم اور عدوان کے معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو ــــ (۵ : ۲)

(۱۳) اہلِ کتاب کی اکثریت اثم و عدوان میں مبتلا تھی۔ ان کے علماء و مشائخ انہیں ایسی باتوں سے روکتے نہیں تھے ــــ (۵ : ۶۲ - ۶۳)

(۱۴) اثم کی سب باتیں حرام ہیں ــــ (۷ : ۳۳)

(۱۵) جو کوئی اثم کا کام کرتا ہے اس کا بدلہ اسی کو ملے گا ــــ (۲۴ : ۱۱)

(۱۶) اثم و عدوان کے لئے سازشیں مت کرو۔ راز کی باتیں نیکی اور تقویٰ کے لئے کرو ــــ (۵۸ : ۸-۹)

(۱۷) اثم کا ارتکاب کرنے والے' قانونِ خداوندی کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں ــــ (۲ : ۲۷۶) (۴:۱۰۷)

ایسے لوگوں پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے۔ یہ اپنے سرکش جذبات کے پیچھے چلتے ہیں ــــ (۲۶ : ۲۲۲)

ان کا سامانِ زیست جہنم کے شجرۃ الزقوم سے ترکیب پاتا ہے ــــ (۴۴ : ۴۴)

ان کا انجام تباہی ہے ــــ (۴۵ : ۷)۔ ان کی اطاعت جائز نہیں ــــ (۶۸ : ۱۲) ــــ (۷۶ : ۲۴)

یہ اس لئے ایسے کام کرتے ہیں کہ انہیں خدا کے قانونِ مکافات پر ایمان نہیں ہوتا ــــ (۸۳ : ۱۲)

(۱۸) زنا سے اثم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں — (۶۸ : ۲۵)

(۱۹) جنت (اور جنتی معاشرہ) میں کوئی بات ایسی نہیں ہوگی جس میں اضمحلال وافسردگی واقعہ ہو (۲۳ : ۵۲) — (۲۵ : ۵۶)

(۲۰) ظاہر و باطن اثم سے بچو — (۶ : ۱۲۰) — (۷ : ۳۳)

(۲۱) مومن کبائر الاثم والفواحش سے بچتے ہیں — (۴۲ : ۳۷)۔ بجز لمم کے — (۳۲ : ۵۳)

(۲۲) بدظنی سے بچو۔ یہ اثم ہے — (۴۹ : ۱۲)

(۲۳) کسی پر بہتان لگانا اثم ہے — (۳۳ : ۵۸)

(۲۴) شہادت کا چھپانا اثم ہے — (۲ : ۲۸۳) — (۵ : ۱۰۶)

(۲۵) ربٰو سے اثم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں — (۲ : ۲۷۶)

(۲۶) جنت کے مشروب میں نہ لغویت ہوگی نہ تاثیم — (۵۲ : ۲۳)۔ اس میں کسی قسم کی لغویت اور تاثیم کی بات نہیں سنائی دے گی — (۵۶ : ۲۵)

۲۳- اجاج

اجاج (ا-ج-ج)۔ اس کے بنیادی معنی شدت کے ہیں۔ ملحٌ اُجاج۔ سخت کڑوا یا کھاری پانی۔ (۲۵ : ۵۳) — (۳۵ : ۱۲) — (۵۶ : ۷۰)

(نوٹ) یاجوج ماجوج بھی اسی مادہ سے ہے۔ اس کے لئے عنوان یاجوج دیکھئے)

۲۴- اجتماعی زندگی

(نیز دیکھئے۔ امت۔ فرقہ بندی)

اسلام دین ہے، مذہب نہیں۔ مذہب میں زندگی کا مقصد، ایک فرد کی اپنی نجات ہوتا ہے اس

کے لئے وہ خدا سے اپنا پرائیویٹ تعلق قائم کرتا ہے۔ وہ جس قدر انسانوں سے دُور ہٹتا جائے اتنا ہی "خدا کے قریب" ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ پہلے، عبادت یا بھگتی یا پرستش کے لئے الگ گوشہ تجویز کرتا ہے۔ اس تنہائی میں وہ خدا سے لو لگاتا ہے۔ پھر وہ جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے، دنیا سے دور ہٹتا جاتا ہے۔ چنانچہ خدا کے مقرب بندوں ۔ ایشور کے بھگتوں ۔ کی نشانی یہ ہے کہ وہ الگ خانقاہوں یا حجروں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور جنگلوں یا غاروں میں چلے جاتے ہیں۔ اور دنیا کے دھندے دنیا داروں کے سپرد کر دیتے ہیں کیونکہ دنیا اور اس کی جاذبیتیں، خدا کے راستے میں رکاوٹ، اس لئے قابلِ نفرت ہیں۔

دین کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ وہ انسان کو دنیا میں رہنا سکھاتا ہے۔ چنانچہ دنیا کا ہر کام جو وحیٔ خداوندی کی روشنی میں سرانجام دیا جائے، دین بن جاتا ہے۔ دین نام ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں مستقل اقدار کے مطابق، نوعِ انسان کی بہبود کے لئے صرف کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اجتماعی زندگی کی ضرورت ہے۔ دین، نام ہی اجتماعی نظامِ حیات کا ہے جو وحی کی مقرر کردہ حدود کے اندر متشکل ہو۔ اس اجتماعی نظام کے اندر افرادِ معاشرہ کی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس سے ایک عجیب و غریب حسین اثر وجود میں آتا ہے۔ افراد، اپنی صلاحیتوں کو اجتماعی نظام کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ وہ انہیں انسانیت کی تعمیر کے کاموں میں صرف کرے۔ اور اجتماعی نظام ان افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے اسلام میں نہ فرد بلا جماعت کا تصور ہے نہ جماعت کا وجود مقصود بالذات ہے۔ جماعت کا مقصد فرد کی نشوونما ہے (اس کی طبیعی زندگی کی پرورش بھی اور اس کی ذات کی نشوونما بھی)۔ قرآن تصور ہی اجتماعی زندگی کا دیتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ وہ "یا یھا الذین امنوا" یعنی جماعتِ مومنین سے خطاب کرتا ہے۔ افراد سے الگ الگ نہیں۔ حتیٰ کہ افرادِ امت کی دعائیں بھی (جو قرآن کریم میں آئی ہیں) اجتماعی ہیں، انفرادی نہیں۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، وہ ایک امت تیار کرتا ہے جو دین کے نظام کو قائم کرتی ہے۔ اسے آج کی اصطلاح میں، نظامِ معاشرہ یا نظامِ مملکت کہہ لیجئے۔ لیکن نظامِ مملکت کا تصور محدود ہوتا ہے اس میں نگاہ صرف سیاسی امور تک جاتی ہے۔ قرآن کا نظامِ اجتماعی، انسانی زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہوتا ہے۔ (اس سلسلہ میں اسلام کے معاشی، معاشرتی، تمدنی، مملکتی نظام کے عنوانات دیکھئے) حیاتِ اجتماعیہ کے متعلق، قرآن کریم نے جو اصولی ہدایات دی ہیں، زیرِ نظر عنوان میں صرف ان کا ذکر کیا جائے گا۔ تشکیلِ امت۔ تاسیسِ جماعت۔ مرکزیت۔ اجتماعیت وغیرہ۔

واضح ہے کہ قرآن کریم میں جماعت کا لفظ تو نہیں آیا لیکن اس کی پیش فرمودہ تعلیم پر غائر نگاہ ڈالی جائے تو اس سے صاف نظر آجائے گا کہ اس کا مقصد امتِ مسلمہ کے سامنے اجتماعی زندگی کا تصور پیش کرنا ہے۔ اسی سے وہ دین بنتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (۳ : ۱۰۲) اس کی بنیادی سند ہے۔ وہ اعتصام بحبل اللہ کو اجتماعی قرار دیتا ہے انفرادی نہیں۔ اسی کو اجتماعی زندگی یا جماعتی نظم و نسق کہتے ہیں۔

(۰)

تشکیلِ امّت

(۱) تعمیر کعبہ کے وقت دعائے ابراہیمی کہ ہماری ذریت میں، ایک امتِ مسلمہ پیدا کر۔ (۲ : ۱۲۸)

(۲) ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی امت بنایا ہے تاکہ تم اقوام عالم کے اعمال کے نگران رہو اور تمہارے اعمال کی نگرانی تمہارا رسول (مرکزِ امت) کرے۔ اس امت کا مرکز محسوس کعبہ ہے (۲ : ۱۴۲-۴۳)

(۳) تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو۔ (۳ : ۱۰۳)۔ (۳ : ۱۰۹)۔ اس آیت (۳ : ۱۰۳) کا مطلب یہ نہیں کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جس کا فریضہ یہ ہو۔ بلکہ جیسا کہ (۳ : ۱۰۹) میں کہا گیا ہے۔ یہ فریضہ ساری امت کا ہے۔ اس لئے "منکم" میں "من" "تبعیض کے لئے نہیں آیا تبئین کے لئے آیا ہے۔

(۴) یہ وہ امت ہے جو حق (قرآن) کے ساتھ ہدایت کرتی ہے۔ (۷ : ۱۸۱)

(۵) حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک امت لئے ہوتے تھے۔ (۱۶ : ۱۲۰)

(۶) تمام انبیاءؑ ایک ہی امت کے افراد۔ یعنی ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں تھے۔ اس لئے کہ وحی کا سلسلہ شروع سے اخیر تک، اصولی طور پر، ایک ہی تھا۔ (۲۱ : ۹۲)۔ (۲۳ : ۵۲)

(۷) تمام انسان شروع میں ایک ہی امت تھے۔ پھر انہوں نے اختلافات شروع کر دیئے تو انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا جس سے مقصد یہ تھا کہ انہیں پھر سے ایک عالمگیر برادری بنا دیا جائے۔ (۲ : ۲۱۳)

(۸) جہنم میں اتبیں (قومیں - جماعتیں) جائیں گی — (۳۸ : ۷) — (۷۱ : ۳۹) - یعنی غلط نظام میں رہنے والے افراد ایک امت ہوتے ہیں اور جہنم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسی کی بڑھی ہوئی شکل اخروی جہنم کی زندگی ہوگی۔ (دیکھئے عنوان "جہنم")
(۹) اسی طرح جنت میں بھی زمر گروہ ہی جائینگے — (۷۳ : ۳۹)۔ اسی لئے خدا نے فرد سے کہا ہے کہ میرے بندوں کے ساتھ شامل ہو جا۔ اور اس طرح جنت میں داخل ہو جا — (۳۰-۲۷ : ۸۹)

مرکز سے اجتماعی وابستگی

(۱) مومن اپنا جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے عوض انہیں جنت عطا کرتا ہے۔
(۲۰۸-۲۰۷ : ۲) — (۹:۱۱۱)
(۲) یہ بیع و شریٰ کا معاملہ امت کے مرکز (رسول) کے ساتھ طے پاتا ہے — (۱۰ : ۴۸) — (۱۸ : ۴۸)
(۳) اسلامی مملکت کے کسی قانون سے سرکشی برتنا خدا اور رسول کے خلاف جنگ ہے (۲۷۹ : ۲) اسی کو بغاوت کہا گیا ہے جو سنگین ترین جرم ہے اور شدید ترین سزا کا مستوجب — (۳۳ : ۵)

جماعتی زندگی

(۱) اے جماعتِ مومنین! خود جم کر رہو۔ دوسروں کی استقامت کا موجب بنو۔ رابطہ باہمی مضبوطی سے قائم کرو۔ اور اس طرح قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو — (۱۹۹ : ۳)
(۲) برّ و تقوےٰ کے کاموں میں باہمی تعاون کرو — (۲ : ۵)
(۳) خدا اور رسول کی آواز پر لبیک کہو۔ اس سے تمہیں زندگی ملیگی۔ ایسا نہ کرو گے تو وہ فتنہ آجائیگا جو صرف ظالمین تک محدود نہیں رہا کرتا۔ ساری قوم اس کی لپیٹ میں آجایا کرتی ہے (۲۵-۲۴ : ۸)
(۴) اللہ اور رسول (نظامِ خداوندی) سے خیانت نہ کرو۔ نہ ہی اپنی امانات میں خیانت کرو (۲۷-۲۸ : ۸)
(۵) خدا نے مومنین کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی۔ یہ متاع دنیا بھر کی دولت صرف کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی — (۱۰۳ : ۳) — (۶۳ : ۸)
(۶) اے نبی! تیرے لئے خدا، اور جماعتِ مومنین جو تیرا اتباع کرتی ہے، کافی ہیں — (۶۴ : ۸)

خدا نے تجھے اپنی نصرت اور جماعت مومنین کے ذریعے تقویت دی ۔۔۔ (۶۲ : ۸)

(۷) تم سب اجتماعی طور پر حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو تفرقہ نہ پیدا کرو۔ یہ خدا کی نعمت ہے کہ اس نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ ورنہ تم ایک دوسر ے دشمن تھے اور جہنم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ سو اس نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی ۔۔۔ (۱۰۲ : ۳) ۔ (۱۴۶ : ۴)

(۴ : ۱۷۶) ۔۔۔ (۷۸ : ۲۲)

(۸) باہمی تنازعات مت پیدا کرو۔ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ۔۔۔ (۹۶ : ۸)

(۹) قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو اور صادقین کے ساتھ رہو ۔۔۔ (۱۱۹ : ۹)

(۱۰) رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرو۔ یعنی اجتماعی طور پر اطاعت خداوندی کرو۔ (۴۳ : ۲)

(۱۱) حضورؐ کو حکم کہ تم خود بھی استقامت اختیار کرو اور تمہارے ساتھ وہ بھی جو خدا کی طرف رجوع کریں

(۱۱ : ۱۱۲) ۔۔۔ (۲۸ : ۱۸)

(۱۲) حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ یا اللہ! میری ذریت کی طرف لوگوں کے دلوں کو مائل کر دے ۔۔۔ (۳۷ : ۱۴)

(۱۳) حضورؐ کو حکم کہ جماعت مومنین کو اپنے سایۂ عاطفت کے نیچے رکھو ۔۔۔ (۸۸ : ۱۵) ۔۔۔ (۲۱۵ : ۲۶)

(۱۴) جماعت میں ادنیٰ پیشوں کے لوگ بھی شامل ہونگے۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیئے

(۶ : ۵۲) ۔۔۔ (۱۱۱-۱۱۴ : ۲۶)

(۱۵) کونوا انصار اللہ ۔۔۔ (۱۴ : ۶۱) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا ۔۔۔ (۷ : ۴۷)

(۱۶) اللہ، جبریل اور صالح مومنین، رسول اللہ کے مولا ہیں ۔۔۔ (۴ : ۶۶)

(۱۷) انفرادی زندگی بسر کرنے والے چاہتے ہیں کہ ہر ایک کا پروگرام الگ الگ ہو ۔۔۔ (۵۲-۵۳ : ۷۴)

(۱۸) رسول کی مخالفت کرنا۔ اور سبیل المومنین (مومنوں کے راستے) سے الگ کوئی راہ اختیار کرنا۔ جہنم کی طرف لے جائیگا ۔۔۔ (۱۱۵ : ۴)

(۱۹) ان سے کہو کہ یہ میرا راستہ ہے۔ اس کا اتباع کرو۔ اگر تم نے مختلف راستے اختیار کر لئے تو وہ تمہیں میری راہ سے الگ کر دینگے ۔۔۔ (۱۵۴ : ۶)

(۲۰) میرے بندوں میں داخل ہو جا اور اس طرح جنت میں چلا جا ۔۔۔ (۲۹-۳۰ : ۸۹)

(۲۱) رسول اللہ نرم مزاج تھے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ آپ کے ساتھ نہ رہتے (۱۵۸ : ۳)

(۲۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ۔ حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء۔ کی خصوصیات۔ (۴۸:۲۹)

(۲۳) مہاجرین و انصار مومن حقاً تھے ـــــ (۸: ۷۴-۷۵)۔ ان کے بعد آنے والے بھی۔ خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی ـــــ (۹: ۱۰۰)

(٥)

۲۵۔ اجر

اجر۔ (ا۔ ج۔ ر)۔ کام کا بدلہ۔ اُجرت۔ اس کے بنیادی معنی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جوڑنے کے ہیں۔ مزدور کی مزدوری کو بھی اُجرت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے اس کی مشقت کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ اس کی چٹخ جانے والی ہڈیاں جُڑ جاتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ اجر ہمیشہ کام کا ہوتا ہے۔ جب خدا نے جنت کو اجرِ عظیم کہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انسان کے اپنے کاموں کا اجر ہوتا ہے۔ مفت میں یا بطور بخشش نہیں ملتی۔ (تفصیل جنت کے عنوان میں ملے گی۔ نیز "مکافاتِ عمل" کے عنوان میں)۔ (اجر کا لفظ عورتوں کے مہر کے لئے بھی آتا ہے۔ اس کی تفصیل مہر کے عنوان میں ملے گی)

(٥)

ایمان و تقویٰ کا اجر

(۱) اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو اس کا اجرِ عظیم ملے گا ـــــ (۳: ۱۷۸)

(۲) بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں جدوجہد کرنیوالوں کا اجر بہت زیادہ ہے ـــــ (۴: ۹۵)

(۳) اجر تو کام کرنے والوں ہی کو مل سکتا ہے ـــــ (۳: ۱۳۵)ـــــ (۲۹: ۵۸)ـــــ (۳۹: ۷۴)

ایمان و اعمالِ صالح (یا مومنین) کا اجر

(۱) جنت ـــــ (۳: ۱۳۵)ـــــ (۳: ۱۹۷: ۱۹۸)ـــــ (۹: ۲۲)ـــــ (۲۹: ۵۸)۔ اجر العٰملین ـــــ (۳۹: ۷۴)

(۲) اجرِ عظیم ـــــ (۲: ۱۱۲)ـــــ (۲: ۲۶۲)ـــــ (۲: ۲۷۴)ـــــ (۲: ۲۷۷)ـــــ (۳: ۱۷۸)ـــــ (۳: ۱۷۲)

(۴:۴۰؛ ۶۷؛ ۷۴؛ ۹۵؛ ۱۰۰؛ ۱۱۴؛ ۱۴۶؛ ۱۶۲) — (۴:۱۵۲) — (۴:۱۷۳) — (۵:۹)
(۸:۲۸) — (۱۶:۹۶) — (۱۷:۹) — (۱۸:۲) — (۳۳:۲۹) — (۳۳:۳۵؛ ۴۴)
(۳۵:۷) — (۳۵:۳۰) — (۳۶:۱۱) — (۳۹:۳۵) — (۴۲:۴۰) — (۴۸:۱۰) (۴۸:۱۶)
(۴۸:۲۹) — (۴۹:۳) — (۵۷:۷) — (۵۷:۱۱؛ ۱۸) — (۵۷:۱۹) — (۵۷:۲۷)
(۶۴:۱۵) — (۶۵:۵) — (۶۷:۱۲) — (۷۳:۲۰)

(۳) اجرِ آخرت — (۱۲:۵۷) — (۱۶:۴۱)

(۴) اجرِ غیر ممنون — (۴۱:۸) — (۶۸:۳) — (۸۴:۲۵) — (۹۵:۶) ۔ بغیر حساب — (۳۹:۱۰)

(۵) دنیا اور آخرت دونوں میں اجر — (۲۹:۲۷)

(۶) ازواجِ مطہرات کو دوہرا اجر — (۳۳:۳۱) ۔ سزا بھی دوہری — (۳۳:۳۰)
اہلِ کتاب ایمان لے آئیں تو دوہرا اجر — (۲۸:۵۴)

کسی کا اجر ضائع نہیں ہوتا

(۱) خدا مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا — (۳:۱۷۰)

(۲) مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۷:۱۷۰)

(۳) محسنین کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۹:۱۲۰) — (۱۱:۱۱۵) — (۱۲:۵۶) — (۱۲:۹۰) — (۱۸:۳۰)

(۴) حسنِ عمل کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۱۸:۳۰) ۔ حسنِ عمل سے مراد ہے وہ کام جو وحیِ خداوندی (قرآنِ کریم) کے مطابق ہو۔ نہ ہر وہ کام جسے کوئی شخص اپنی دانست میں اچھا کام سمجھ لے۔

(۵) ہر ایک کے کام کا پورا پورا بدلہ — (۳:۵۶) — (۳:۱۸۴) — (۴۷:۳۶)

انبیائے کرامؑ اجر نہیں مانگتے تھے

حضرات انبیائے کرامؑ کا فریضہ تھا کہ وہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ وہ اس کام کے بدلے میں لوگوں سے معاوضہ نہیں مانگتے تھے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے کسی سے معاوضہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہ نظامِ خداوندی قائم کرتے تھے (یا اس نظام کے قیام کے لئے اپنی جماعت تیار کرتے تھے)، تو

انہیں اپنا سارا وقت اس کے لئے دیدینا پڑتا تھا۔ اس لئے یہ نظام' ان کے کفاف کا ذمہ دار ہوجاتا تھا۔ اسے تقسیم کار کہا جائے گا، اجرِ رسالت نہیں کہا جائیگا۔ اجرِ رسالت' خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ جس طرح ہر حسن عمل کا اجر اُس کے مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق اس کے ہاں سے ملتا ہے؛ یہ الگ بات ہے کہ اس کا نتیجہ' زندگی کی خوشگواریوں کی شکل میں اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔

(۱) حضرت نوحؑ نے کہا کہ میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا — (۱۰ : ۷۲) — (۱۱ : ۲۹) — (۲۶ : ۱۰۹)

(۲) حضرت ہودؑ نے کہا کہ میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا — (۱۱ : ۵۱) — (۲۶ : ۱۲۷)

(۳) حضرت لوطؑ نے بھی یہی کہا — (۲۶ : ۱۶۴)

(۴) حضرت صالحؑ نے بھی یہی کہا — (۲۶ : ۱۴۵)

(۵) حضرت شعیبؑ نے بھی یہی کہا — (۲۶ : ۱۸۰)

(۶) رسولوں کی خصوصیت یہ بھی کہ وہ اجرِ رسالت نہیں مانگتے تھے — (۳۶ : ۲۱)

(۷) نبی اکرمؐ سے خدا نے کہا کہ تم ان سے کہہ دو کہ میں اجرِ رسالت نہیں مانگتا — (۶ : ۹۱) — (۱۲ : ۱۰۴)
(۲۵ : ۵۷) — (۳۴ : ۴۷) — (۳۸ : ۸۶)

(۸) رسول اللہؐ سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم ان سے کوئی اجرِ رسالت مانگتے ہو جسے یہ جرمانہ سمجھ کر تم سے اعراض برتتے ہیں؟ — (۵۲ : ۴۰) — (۶۸ : ۴۶)

(۹) سورۂ شوریٰ میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى — (۴۲ : ۲۳)۔ اس کے معنی عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ "میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تم میرے رشتے داروں سے محبت کرو"۔ یہ معنی نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہیں بلکہ خود لغت کے بھی مطابق نہیں۔ اَلْقُرْبٰى کے معنی "رشتہ داری" ہیں۔ نہ کہ "رشتہ دار"۔ رشتہ دار کو ذا القربیٰ کہا جاتا ہے — (۱۷ : ۲۶)۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ ہے کہ حضورؐ قریش سے کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے اجرِ رسالت تو مانگتا نہیں لیکن رشتہ داری کی وجہ سے جو ہمارے باہمی معاشرتی تعلقات ہیں، ان حقوق کا تو خیال رکھو۔ تم میری بیٹیوں کو (جن کی شادی تمہارے ہاں ہوئی ہے) اس لئے ستاتے ہو کہ میں تمہیں خدا کی طرف دعوت کیوں دیتا ہوں۔ سوچو کہ تمہارا یہ طرزِ عمل کسی طرح بھی انسانیت کے شایانِ شان ہے؟ یا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اگر تم اپنے رشتوں ناطوں'

کے حقوق ادا کرتے رہو تو یہی میرا اجر ہے۔ یہ وہی بات ہے جس کے متعلق دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ میں تم سے اگر کوئی اجر چاہتا ہوں تو اپنے لئے نہیں۔ خود تمہارے فائدے کے لئے ایسا چاہتا ہوں۔ (۴۷ : ۳۴)۔ (مزید تفصیل رسول کے عنوان میں ملے گی)

متفرق

(۱) مہر کے لئے بھی اجورھن آیا ہے ــــ (۲۵-۲۴ : ۴) – (۵ : ۵) ــــ (۵۰ : ۳۳) ــــ (۱۰ : ۶۰) – (۱۰ : ۶۵)۔ لیکن مہر ازدواجی تعلقات کا بدلہ یا معاوضہ نہیں۔ قرآن نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ ایک تحفہ ہے جسے معاوضہ یا بدلہ کے خیال کے بغیر دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لفظ عربوں کے ہاں (مہر کے لئے) مستعمل تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے (جو ان کی زبان میں نازل ہوا تھا)، اسے مہر کے معنوں میں استعمال کر دیا۔ تفصیل مہر کے عنوان میں ملے گی۔

ــــــــــ (۰) ــــــــــ

۲۶- اجل

اجل۔ (مادہ ا۔ ج۔ ل)۔ مدت۔ میعاد۔ وہ آخری حد جس پر کوئی مدت یا میعاد ختم ہوتی ہو۔ ہمارے ہاں اجل کا لفظ موت کے لئے بولا جاتا ہے۔ (مثلاً) اس کی اجل آگئی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ موت کے معنوں میں نہیں آیا۔ قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس طریق پر سامنے آنے میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ اسے بھی اجل کہا گیا ہے۔ چونکہ اس وقفہ کے ختم ہو جانے پر، اس عمل کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے، اس لئے اُسے بھی "خدا کی اجل" ــ یعنی خدا کا فیصلہ ــ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی خدا کا وہ فیصلہ جو اس کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے، معینہ مدت کے بعد مشہود طور پر سامنے آیا ہے۔ سورۃ نوح میں ہے کہ تم اپنی حفاظت کا سامان کر لو، خدا تمہارے اعمال کے نتائج کو ایک وقت تک کے لئے مؤخر کر دیتا ہے لیکن اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ــــ (۷۱ : ۴)۔ جب اُس مدت کی آخری حد آجاتی ہے تو پھر اُس نتیجے کے برآمد ہونے میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اسی کو خدا کا فیصلہ، یا اس کے قانونِ مکافات کی رو سے عمل کے نتیجے کے محسوس

طور پر سامنے آنے کا وقت' کہا گیا ہے۔

قوموں کی اجل

(۱) جو قوم برسراقتدار آتی ہے' یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس قسم کا نظام قائم کرتی اور کس قسم کے کام کرتی ہے۔ اس کے مطابق اس کے عروج و اقتدار کی مدت کا تعین ہوتا ہے۔ یعنی جب تک وہ صلاحیت بخش کام کرتی رہتی ہے وہ برسراقتدار رہتی ہے۔ اس لئے کہ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ـــ (۷ : ۳۴) یہ اَجل' یونہی مقرر نہیں کر دی جاتی' بلکہ اس کے لئے خدا کا قانون مقرر ہے۔ اس کا تعین اسی قانون کی رُو سے ہوتا ہے۔ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ـــ (۱۳ : ۳۸)۔ جب اُس قانون کی رُو سے' یہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو اس قوم پر زوال آجاتا ہے اس میں ایک ساعت کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی ـــ (۷ : ۱۸۵) ـــ (۱۰ : ۴۹) ـــ (۱۵ : ۴-۵) ـــ (۱۶ : ۶۱)
(۴۳ : ۲۳) ـــ (۷۱ : ۴)

(اجل کے عام معانی (یعنی میعاد) اپنے اپنے مقام پر متعلقہ عنوانات میں سامنے آئینگے)

موت کی "اجل"

موت کے متعلق سورۃ آلِ عمران میں ہے کہ یہ خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق وارد ہوتی ہے۔ اور یہی قانون اس کے لئے مدت مقرر کرتا ہے ـــ (۳ : ۱۴۴)۔ اسی قانون کے مطابق (مثلاً صحت خراب کر لینے یا خودکشی کرنے سے) موت جلدی آجاتی ہے۔ اور دوسری طرف (مثلاً صحت کا خیال رکھنے اور ہلاکتوں سے بچنے سے) انسان لمبی عمر پا سکتا ہے۔ اسی کے لئے قرآنِ کریم میں ہے عمر کا لمبا یا چھوٹا ہونا قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ـــ (۳۵ : ۱۱)

مختلف چیزوں کی اجل

(۱) ہر فرد' یا نوعِ انسان' دنیا میں ایک متعین میعاد (اجل مسمّٰی) کے مطابق رہتی ہے۔ یعنی یہاں کا قیام ابدی نہیں ـــ (۶ : ۲) ـــ (۶ : ۶۰) ـــ (۱۷ : ۹۹) ـــ (۳۹ : ۴۲) ـــ (۴۰ : ۶۷) ـــ (۶۳ : ۱۱)

(۲) قوموں کو متاع و ثروت اجل مسمّٰی تک کے لئے ـــ (۱۱ : ۳) ـــ (۱۴ : ۱۰)

(۳) تباہی مہلت کے وقفہ کے بعد آتی ہے۔ یعنی اسے اجل مسمّٰی تک کے لئے مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ (۷:۱۸۵)
(۱۰:۱۱)—(۱۱:۱۰۴)—(۱۶:۶۱)—(۲۰:۱۲۹)—(۲۹:۵۳)—(۳۵:۴۵)—(۴۲:۱۴)
(۷۱:۴)

(۴) سلسلۂ کائنات اجل مسمّٰی تک کے لئے سرگرم عمل ہے—(۱۳:۲)—(۳۰:۸)—(۳۱:۲۹)
(۳۵:۱۳)—(۳۹:۵)—(۴۶:۳)

(۵) خدا کا آخری فیصلہ ضرور آکر رہتا ہے—(۲۹:۵)

۲۷۔ اُحد (جنگ)

(نیز دیکھئے۔ جہاد۔ قتال۔ جنگ)

جنگِ بدر میں شکست کھا جانے کے بعد، قریشِ مکہ کے دل میں آتشِ انتقام اور تیزی سے بھڑک اٹھی اور انہوں نے اپنی پوری قوت اور ساز و سامان کے ساتھ دوسرے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ اور شوال ۳ھ میں مدینہ کی طرف امنڈ آئے۔ مسلمانوں نے پہلے یہ سوچا کہ شہر کے اندر پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن بعد میں فیصلہ یہی ہوا کہ میدان میں باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ چنانچہ مدینہ سے قریب ڈیڑھ میل باہر کوہِ احد کے دامن میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں کے لشکر میں ایک جماعت منافقین مدینہ کی بھی تھی۔ انہوں نے عین میدانِ جنگ میں دھوکا دیا اور مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ اس پر بھی مسلمانوں کے لشکر نے مخالفین کو شکست دے دی۔ لیکن عین اس وقت، ان کے تیر اندازوں کے ایک دستہ سے ایک غلطی ہو گئی جس کی وجہ سے وہ فتح مبدل بہ شکست ہو گئی۔ لیکن پھر نبی اکرمؐ کے عزم اور ہمت سے دوبارہ فتح حاصل ہو گئی۔ قرآنِ کریم کی سورۃ آل عمران میں اس جنگ کا ذکر آیا ہے۔ اُحد کا لفظ تو قرآن کریم میں نہیں آیا۔ لیکن جس جنگ کا ذکر ان آیات میں آیا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اُحد کے مقام پر لڑی گئی تھی۔

(۱)

(۱) جنگوں میں رسول اللہؐ خود کمانڈر ہوتے تھے—(۳:۱۲۰)

(۲) مقابلہ کی سختی کا اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے بھی دل دہل گئے۔ (۳:۱۲۱)

(۳) ملائکہ کے ذریعے مدد۔ (ملائکہ وہ قوتیں ہیں جو قوانینِ خداوندی کو بروئے کار لاتے ہیں)۔ اس مقام پر اور دیگر مقامات پر اس سے مراد وہ نفسیاتی تبدیلی ہے جو اپنے مسلک کی صداقت پر یقینِ محکم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور جس کا نتیجہ طمانیتِ قلب ہوتا ہے جو فتح کے لئے بنیادی شرط ہے — (۳:۱۲۳-۱۲۵)

(۴) استقامت اور قوانین کی پابندی (تقویٰ) کامیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے — (۳:۱۲۴)

(۵) یہ جنگیں، خدا کے قانون کے مطابق ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کے متعلق کہا کہ وہ خدا کے "اِذن" سے ہوتی تھیں — (۳:۱۵۱) — (۲۲:۳۹)

(۶) باہمی جھگڑنے سے، اور رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے، فتح مبدل بہ شکست ہو گئی — (۳:۱۵۱)

(۷) رسول اللہؐ کی استقامت اور بلند حوصلگی — (۳:۱۵۲)

(۸) منافقین کی حالت — (۳:۱۵۳)

(۹) جن مسلمانوں سے لغزش ہو گئی تھی ان کی معافی کیونکہ انہوں نے فوراً ہی اس کی تلافی کر دی تھی (۳:۱۵۴)

(۱۰) مومنین سے تاکید کہ وہ ہمت نہ ہارا کریں اور منافقین کی باتوں پر کان نہ دھرا کریں۔ خدا کی راہ میں جان دینے کے لئے نکلنے والے، میدان جنگ میں قتل کر دیئے جائیں یا ویسے ہی وفات پا جائیں۔ خدا کے ہاں ان کا اجرِ عظیم ہے — (۳:۱۵۵ — ۱۵۷)

(۱۱) جنگِ احد میں تمہارا جس قدر نقصان ہوا اس سے کہیں زیادہ نقصان تم جنگِ بدر میں دشمنوں کو پہنچا چکے تھے۔ پھر اس میں افسوس کی کون سی بات ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ نقصان خود تمہارے اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا تھا۔ تمہاری اپنی غلطی کا نتیجہ تھا — (۳:۱۶۴ - ۱۶۵)

(۱۲) اس نقصان سے ایک فائدہ بھی ہوا۔ اور وہ یہ کہ منافق اور سچے مومن نکھر کر الگ الگ ہو گئے۔

(۳:۱۶۶)

(۱۳) منافقین، لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم جنگ میں نہ جانا، مارے جاؤ گے۔ انہیں کیا معلوم کہ موت کسے کہتے ہیں اور حیات کیا ہے۔ حیاتِ بے شرف کا نام موت ہے۔ اور مرگِ باشرف درحقیقت زندگی ہے۔ جسے اس طرح مرگِ باشرف حاصل ہو جائے اسے مردہ کہنا ہی نہیں چاہیئے۔ یہی تو زندہ ہیں — (۲:۱۵۴) — (۳:۱۶۶ - ۱۶۸)

(۱۳) مومنین کی شان یہ ہے کہ جب ان سے لوگ کہتے ہیں کہ دشمن نے تمہارے خلاف بڑی تیاریاں کر رکھی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ نعمائے خداوندی سے جھولیاں بھر بھر کر لوٹتے ہیں۔ خوف تو شیطان کا پیدا کردہ ہوتا ہے ـــــ (۱۷۵-۱۷۲ : ۳)

---

۲۸ - احزاب (جنگ)

احزاب - (ح - ز - ب)۔ حزب کے معنی گروہ یا پارٹی کے ہیں۔ احزاب اس کی جمع ہے۔ ۵ھ میں مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑا معرکہ بپا ہوا تھا۔ جس میں قریش کے مختلف قبیلے شریک تھے اور ان کے ساتھ یہودی بھی مل گئے تھے۔ اس اعتبار سے اسے جنگِ احزاب کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس کے لئے، مدینہ کے گرد ایک حفاظتی خندق کھودی گئی تھی، اس لئے اسے جنگِ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ سورۃ احزاب میں اس جنگ کی تفاصیل دی گئی ہیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ یہ معرکہ کس قدر صبر آزما اور حوصلہ شکن تھا ـــ (۱۱-۱۰ : ۳۳)۔ لیکن جماعتِ مومنین نے اس میں انتہائی عزم و ثبات کا ثبوت دیا۔ (۲۲ : ۳۳)۔ اور خود نبی اکرمؐ نے دلجمعی اور استقامت کی ایسی عدیم النظیر مثال پیش کی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوسروں کے لئے بطور اسوۂ حسنہ پیش کیا ـــ (۲۱ : ۳۳)۔ کئی دنوں کے محاصرہ کے بعد مخالفین خاسر و نامراد واپس چلے گئے ـــ (۲۵ : ۳۳)۔ اور یوں اس جنگ کا فیصلہ جماعتِ مومنین کے حق میں ہوا۔

--- (٥) ---

فرشتوں کی امداد

۱۔ خدا کا وعدہ کہ وہ تمہاری امداد تین ہزار ملائکہ سے کریگا (کیونکہ اُس وقت دشمن کی تعداد تین ہزار ہی تھی) اور اگر ان کی تعداد پانچ ہزار ہو جائے گی تو پانچ ہزار ملائکہ سے تمہاری مدد کریگا۔ اس "امداد" کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے قدموں میں ثبات و استحکام اور تمہارے دلوں میں سکینت و اطمینان پیدا ہو جائے گا۔ (۱۲۵-۱۲۳ : ۳)۔ (اس نکتہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "بدر")

۲۹۔ احسان
(نیز دیکھئے۔ منّ)

احسان (مادہ ح۔ س۔ ن)۔ حُسن کے بنیادی معنی ہیں صحیح توازن اور تناسب۔ احسان کے معنی ہیں کسی کے بگڑے ہوئے توازن کو درست کر دینا۔ جو کمی کسی میں آگئی ہو اسے پورا کر کے اس کا توازن ٹھیک کر دینا۔ محسن ایسے شخص کو کہیں گے جس کی زندگی بڑی متوازن ہو۔ جو (BALANCED PERSONALITY) کا مالک ہو۔ یہ انسان کی مرکزی صفت ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو بلند ترین صفت کے طور پہ استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ انسانی ذات میں صحیح توازن مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔

قرآنِ کریم نے "نیک اعمال" اور زندگی کی خوشگواریوں کے لئے "حسنات" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسے ہم نے الگ عنوان کے تحت لکھا ہے۔ نیز حسن اور حسن وجمال کو بھی۔

—— (۱) ——

محسنین

یعنی وہ جن کی ذات میں مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے سے صحیح توازن پیدا ہو چکا ہو یا وہ جو کسی کی کمی پوری کر کے اس کے بگڑے ہوئے توازن کو درست کر دے۔

(۱) خدا محسنین کو بہت زیادہ دیتا ہے —— (۲ : ۵۸) —— (۷ : ۱۶۱)

(۲) جو اپنے آپ کو قوانین خداوندی کے سامنے جھکا دے اور متوازن زندگی بسر کرے (محسن ہو) اسے کوئی خوف و حزن نہیں ہو سکتا —— (۲ : ۱۱۲) —— (۴ : ۱۲۵) —— (۳۱ : ۲۲)

(۳) جو لوگ کسی فریضہ کو خوش اسلوبی سے ادا کریں، ان کے لئے بھی محسنین کا لفظ آیا ہے۔ مطلقہ عورت کے واجبات کو خوش اسلوبی سے ادا کرنے والے۔ —— (۲ : ۲۳۶)

(۴) خدا محسنین سے محبت کرتا ہے۔ یہ لوگ قوانینِ خداوندی کی رو سے پسندیدہ زندگی بسر کرتے ہیں —— (۲ : ۱۹۵)

(۳ : ۱۳۴) — (۳ : ۱۷۲) — (۵ : ۱۳) — (۵ : ۹۳)

(۵) مشکلات میں توازن کو ہاتھ سے نہ دینا، باعثِ اجرِ عظیم ہے — (۳ : ۱۷۲)

(۶) خدا محسنین کو بہت اچھا بدلہ دیتا ہے۔ (یہاں انبیائے کرامؑ کو محسنین کہا گیا ہے — (۶ : ۸۵)۔ حضرت یوسفؑ کے ضمن میں بھی یہی کہا — (۱۲ : ۲۲) — (۱۲ : ۵۶)۔ حضرت موسیٰؑ کے ضمن میں بھی — (۲۸ : ۱۴)۔ حضرت نوحؑ کے ضمن میں — (۳۷ : ۸۰)۔ حضرت ابراہیمؑ — (۳۷ : ۱۰۵ و ۱۱۰)۔ حضرت الیاسؑ — (۳۷ : ۱۳۱)

(۷) خدا کی رحمت محسنین سے قریب ہوتی ہے — (۷ : ۵۶)

(۸) محسنین کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۹ : ۱۲۰) — (۱۱ : ۱۱۵) — (۱۲ : ۵۶) — (۱۲ : ۹۰)

جنت محسنین کے لئے ہے — (۵ : ۸۵) — (۳۹ : ۳۴) — (۵۱ : ۱۶) — (۷۷ : ۴۴)

(۹) محسن کے معنی نیک یا شریف آدمی — (۱۲ : ۳۶) — (۱۲ : ۷۸)

(۱۰) خدا محسنین کے ساتھ ہے۔ یعنی اس کے . . . . قوانین کی تائید و نصرت محسنین کے ساتھ ہوتی ہے۔

(۱۶ : ۱۲۸) — (۲۹ : ۶۹)

(۱۱) محسنین کے لئے خوشخبری ہے — (۲۲ : ۳۷) — (۴۶ : ۱۲)

(۱۲) قرآن محسنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے — (۳۱ : ۳) — (۴۶ : ۱۲)

(۱۳) محسنین کون ہیں؟ جنہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس نظریہ پر جم کر بیٹھ گئے۔ انہیں کسی قسم کا خوف و حزن نہیں — (۴۶ : ۱۳)۔ متقی ہی محسنین ہوتے ہیں — (۵۱ : ۱۶)

(۱۴) جو حسن پیدا کرتا ہے اس کے لئے اسی دنیا میں حسن پیدا ہو جاتا ہے — (۱۰ : ۲۶)

(۱۵) انداز زیست حسن کارانہ (محسنین کا سا) ہو تو جائز معذوری سے اجر میں کمی واقع نہیں ہوتی — (۹ : ۹۱)

(۱۶) مجرمین، عذاب جہنم کو دیکھ کر کہیں گے کہ اگر ہم ایک بار دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں، تو ہم محسنین میں سے ہو جائیں گے — (۳۹ : ۵۸)

(۱۷) محسنات کے لئے بھی اجر — (۳۳ : ۲۹)۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں جہاں محسنین آیا ہے، اس میں عورتیں اور مرد دونوں شامل ہیں لیکن جہاں خصوصیت سے عورتوں کا ذکر آیا ہے، وہاں مؤنث کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۸) جو کوئی اپنے آپ کو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا کر حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے۔ اس کے

دین سے بہتر دین کوئی نہیں ہو سکتا ــــ (۲:۱۱۲) ــــ (۴:۱۲۵) ــــ (۲۲:۳۱)

(۱۹) ذریتِ حضرت ابراہیمؑ میں محسنین بھی اور وہ بھی جو اپنے آپ پر زیادتی کرتے تھے ــــ (۳۷:۱۱۳)

احسان کس کے ساتھ کرنا چاہیئے

(۱) والدین، رشتے دار، یتامیٰ (یعنی جو معاشرہ میں تنہا رہ جائیں)۔ اور مساکین کے ساتھ (یعنی جو حرکت سے معذور ہوں جن کا چلتا ہوا کاروبار رک جائے)۔ ــــ (۲:۸۳) ــــ (۶:۱۵۲) ــــ (۱۷:۲۳)

(۲۹:۸) ــــ (۴۶:۱۵)

(۲) نیز پڑوسیوں سے، مسافروں سے، اپنے ماتحتوں سے ــــ (۴:۳۶)

(۳) انفاق فی سبیل اللہ سے معاشرہ کا بگڑا ہوا توازن درست ہوتا ہے ــــ (۲:۱۹۵)

احسان بمعنی خوش اسلوبی

ایک ہوتا ہے کسی فریضہ کا ادا کرنا۔ اور دوسرا ہوتا ہے اسے حسن کارانہ انداز سے، نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنا۔ اسے بھی احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیز خوش معاملگی بھی اس کے اندر آجاتی ہے۔

(۱) قصاص کے متعلق کہا کہ خون بہا نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرنا چاہیئے ــــ (۲:۱۷۸)

(۲) طلاق سے متعلق قوانین کے سلسلہ میں کہا کہ بیوی کو یا تو قاعدے قانون کے مطابق رکھو۔ یا حسن کارانہ انداز سے چھوڑ دو۔ یعنی اسے الگ بھی کرو تو نہایت خوش اسلوبی سے ــــ (۲:۲۲۹)

(۲:۲۳۶) ــــ (۴:۱۲۸)

(۳) مہاجرین، انصار اور جن لوگوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا، ان سب سے خدا راضی ہو گیا (۹:۱۰۰)

(۴) حضرت یوسفؑ کے متعلق، پہلے ان کے ساتھی قیدیوں نے اور پھر ان کے بھائیوں نے کہا کہ آپ ہمیں محسنین میں سے نظر آتے ہیں ــــ (۱۲:۳۶ ; ۷۸)

عدل و احسان

خدا عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ عدل کے معنی ہیں جو کچھ کسی کا واجب ہو وہ ادا کر دینا۔ اور احسان یہ ہے

کہ اگر اس کے باوجود اس کی ضرورت پوری نہیں ہوئی تو اس کی کمی کو پورا کر دینا۔ اسلامی معاشرہ میں عدل ہی فرض نہیں، احسان بھی فرض ہے۔ خدا نے دونوں کے لئے ایک ہی لفظ (امر حکم) استعمال کیا ہے (۱۶:۹۰)

اِحسان کا بدلہ

احسان کا بدلہ بس احسان ہے (۵۵:۶۰)۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جس نے تم پر احسان کیا ہے وہ عمر بھر تم سے متوقع رہے کہ تم بھی اس پر احسان کرتے ہو یا نہیں۔ یا تم اس انتظار میں رہو کہ اس پر کب کوئی وقت پڑے اور تم اس پر احسان کرو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے کسی کی کمی پوری کی۔ اس کے بگڑتے ہوئے توازن کو درست کیا۔ اس کا توازن درست ہو گیا۔ بس یہی اس کا بدلہ ہے۔ اس کے سوا اس کا بدلہ اور کیا ہو گا؟ تم نے حسن پیدا کرنا چاہا۔ حسن پیدا ہو گیا۔ تمہیں تمہاری محنت کا معاوضہ مل گیا (۱۰:۳۹) (۶:۷۲) (۹:۷۶)

—— (٠) ——

۳۰۔ اَخٌ۔ (اخوۃ۔ اخت)

اَخٌ۔ یہ لفظ آخِیَۃٌ سے مشتق ہے۔ رسی یا لوہے کی تار کے دونوں سرے زمین میں دبا کر باقی حصے کا جو حلقہ بن جاتا تھا۔ اسے آخِیَۃٌ کہتے تھے۔ اس کے ساتھ جانوروں کو باندھ دیا جاتا تھا۔ لہٰذا "اَخٌ" کے معنی ہوتے ایک حلقے میں بندھے ہوئے۔ یہ لفظ "بھائی" کے لئے اور ہر اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے شخص سے قبیلہ یا دین یا معاملہ یا محبت میں مشترک ہو

—— (٠) ——

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں!

(۱) قرآنِ کریم میں مومنین کی اولین جماعت کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے، قرآن کے ذریعے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی اور اس طرح اپنی نوازش سے تمہیں اِخْوَانًا ــ بھائی بھائی ــ بنا دیا (۳:۱۰۲)

(۲) تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں ــــ (۵ : ۳۳) ــــ (۱۰ : ۴۹)

(۳) اگر کبھی دو مسلمانوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو تم اپنے ان بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو ــــ (۱۰-۹ : ۴۹)
فریقین مقدمہ کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ــــ (۱۷۸ : ۲)

(۴) اگر مخالفین اپنی غلط روش چھوڑ کر، تمہارے نظام میں شامل ہو جائیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہو جائینگے ــــ (۱۱ : ۹)

(۵) منہ بولے بیٹے، حقیقی بیٹے نہیں ہو جاتے۔ وہ دین میں بھائی ہوتے ہیں ــــ (۵ : ۳۳)

(۶) جو مومن گزر گئے، وہ آنے والوں کے لئے بمنزلہ بھائی کے تھے ــــ (۱۰ : ۵۹)

(۷) مومن جنت میں بھائیوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے دلوں میں کسی قسم کا کینہ یا دشمنی نہیں ہوگی ــــ (۴۷ : ۱۵)

ایک اور قسم کا بھائی

قصہ حضرت داؤدؑ میں ہے کہ جو دو آدمی اپنا مقدمہ ان کے پاس لائے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ "یہ میرا بھائی ہے" اور کرتوت اس کی یہ ہے کہ اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ دنبی بھی مجھے دیدو۔ اور اس کے ساتھ دعویٰ یہ ہے کہ میں تمہارا بھائی ہوں ــــ (۲۳ : ۳۸)

برادرانِ حضرت یوسفؑ

سورۂ یوسف (بارہویں سورۃ) میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا تذکرہ مسلسل سامنے آتا ہے تفصیل وہاں دیکھی جائے ــــ (نیز عنوان یوسف میں)

حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ

(۱) یہ دونوں بھائی تھے اور دونوں نبی تھے ــــ (۲۵ : ۵) ــــ (۱۱۱ : ۷) ــــ (۱۴۲ : ۷) ــــ (۱۵۰ : ۷)
(۱۵۱ : ۷) ــــ (۸۷ : ۱۰) ــــ (۵۳-۵۱ : ۱۹) ــــ (۳۰ : ۲۰) ــــ (۴۲ : ۲۰) ــــ (۴۵ : ۲۳) ــــ (۳۵ : ۲۵)
(۳۶ : ۲۶) ــــ (۳۴ : ۲۸)

(۲) ماں جایا بھائی ـــــ (۱۵۰ : ۷)

اخوان بمعنی ہم مشرب و مسلک

(۱) منافق اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے ہیں کہ ..... ـــــ (۱۱ : ۵۹)
(۲) بے جا صرف کرنے والے (مبذرین) شیطان کے بھائی ہوتے ہیں ـــــ (۲۷ : ۱۷)
(۳) کفار کو ان کے بھائی بند، گمراہی میں آگے بڑھائے ہیں ـــــ (۱۵۵ : ۳) ـــ (۱۶۷ : ۳) ـــ (۲۰۲ : ۷)
(۱۸ : ۳۳) ـــ (۱۱ : ۵۹)
(۴) ہم مشرب قومیں ایک دوسرے کی بہنیں ـــــ (۳۸ : ۷)

ہم قبیلہ

(۱) قوم نوح کو ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ کیا تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت نہیں کرو گے؟ ـــ (۱۰۶ : ۲۶)
(۲) قوم عاد کو ان کے بھائی ھودؑ نے کہا ـــ (۶۵ : ۷) ـــ (۵۰ : ۱۱) ـــ (۱۲۴ : ۲۶) ـــ (۲۱ : ۴۶)
(۳) قوم ثمود کو ان کے بھائی صالحؑ نے کہا .... ـــ (۷۳ : ۷) ـــ (۶۱ : ۱۱) ـــ (۱۴۲ : ۲۶) ـــ (۴۵ : ۲۷)
(۴) قوم لوط کو ان کے بھائی لوطؑ نے کہا .... ـــ (۱۶۱ : ۲۶)۔ واضح رہے کہ حضرت لوطؑ اس قوم کے ہم قبیلہ بھی نہیں تھے۔ لیکن چونکہ وہ انہی میں آبسے تھے اس لئے انہیں ان کا بھائی بند کہا گیا۔ اور انہیں انکے (حضرت لوطؑ کے) اخوان ـــ (۱۶۱ : ۲۶) ـــ (۱۳ : ۵۰)
(۵) حضرت مریمؑ کو اختِ ہارون کہا گیا ہے ـــ (۲۸ : ۱۹)
(۶) حضرت شعیبؑ کو اہل مدین کا بھائی کہا گیا ہے ـــ (۸۵ : ۷) ـــ (۸۴ : ۱۱) ـــ (۳۶ : ۲۹)

رشتے۔ ناطے۔ وراثت

(۱) ان سے نکاح حرام ہے۔ اخوات یعنی بہنیں۔ بھائی کی بیٹیاں۔ بہن کی بیٹیاں۔ دودھ شریک بہنیں ـــ اور بیک وقت دو بہنیں ـــ (۲۳ : ۴)
(۲) پردے کے احکام میں بھائیوں کا ذکر ـــ (۳۱ : ۲۴) ـــ (۵۵ : ۳۳)

(۳) قانونِ وراثت۔ (۱) اگر متوفی کے بھائی ہوں تو اس کی والدہ کا حصہ ۱/۶ ہوگا۔ (۱۱ : ۴)

(۲) اگر مرد کلالہ ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک کا ۱/۶ حصہ ہوگا۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو سب ۱/۳ میں شریک ہونگے — (۱۲ : ۴)

(۳) اگر کلالہ کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ۱/۲ ہوگا۔ اگر دو بہنیں ہوں تو وہ ۲/۳ میں شریک ہوں گی۔ اگر بہت بھائی بہن ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔ — (۱۷۶ : ۴)

(۴) متوفیہ عورت کی اولاد نہ ہو تو بھائی اس کا وارث ہوگا — (۱۷۶ : ۴)

(۴) اپنے بھائیوں کے گھر سے تم کھا سکتے ہو — (۶۱ : ۲۴)

متفرق

(۱) کیا تم میں سے کوئی پسند کریگا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے — (۱۲ : ۴۹)

(۲) جس دن (روزِ قیامت) بھائی بھائی سے دور بھاگے گا — (۱۲ : ۷۰) — (۳۴ : ۸۰)

(۳) یتیم بھی تمہارے بھائی ہیں — (۲۲۰ : ۲)

(۴) اہلِ کتاب ایمان لے آئیں تو تمہارے بھائی بن جائینگے — (۱۱ : ۹)

(۵) اگر تمہارے بھائی وغیرہ کفر کو ترجیح دیتے ہیں تو ان سے کوئی واسطہ نہ رکھو — (۲۳ : ۹) — (۲۲ : ۵۸)

(۶) حضرات انبیاء کرام کے آباء و اخوان — (۸۸ : ۶)

— (۰) —

۳۱۔ اختلاف

(نیز دیکھئے۔ اتحاد۔ تفرقہ۔ فرقہ بندی)

اختلاف (مادہ خ ۔ ل ۔ ف) اس مادہ کے معنی "پیچھے" کے ہیں۔ اس اعتبار سے اختلاف کے معنی بھی ایک دوسرے کے پیچھے (بعد) آنے کے ہیں۔ جیسے اختلاف اللّیل و النّھار (۱۶۴ : ۲)۔ لیکن اسکے

معنی موافقت یا اتفاق کی ضد کے بھی ہیں۔ اور یہی وہ مفہوم ہے جسے زیر نظر عنوان میں بیان کیا جائے گا یعنی اُن معنی میں جس میں یہ لفظ (اختلاف) اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں، انہیں ہر دور میں، اس کی علمی سطح کے مطابق سمجھا جائیگا۔ اس لئے ہر نئے دور میں، ان کے مفہوم میں سابقہ دور یا ادوار سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی دور میں، مختلف افراد کی سمجھ میں (ان کی ذہنی صلاحیتوں اور علمی نسبتوں کے اعتبار سے) اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے اختلافات میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ کوئی شخص اپنے مفہوم کو حرفِ آخر نہ سمجھ بیٹھے۔ اور کوئی شخص یا جماعت انہیں دینی عقاید کا درجہ نہ دے دے۔

جہاں تک قرآن کریم کے احکام کا تعلق ہے، ان میں (قرآن کریم کے دعوے کے مطابق) باہمی اختلاف نہیں۔ اس لئے ان میں اختلافی شکل، قرآن کے خلاف ہے۔ اسی سے فرقے پیدا ہوتے ہیں جسے قرآن نے شرک قرار دیا ہے۔

قرآن کریم کے اصولی احکام کی جزئیات کا تعین، (کسی فرد کا نہیں بلکہ) اسلامی نظامِ مملکت کا فریضہ ہے جس دور میں، جو شکل اس نظام کی طرف سے متعین ہوگی، اس کا اتباع تمام افرادِ امت کے لئے لازمی ہوگا اس طرح امت میں نہ اختلاف پیدا ہوگا نہ تفرقہ۔ وحدتِ امت قرآن کا بنیادی اور اساسی تقاضا ہے اور اس میں تفرقہ، اسلام کی نقیض۔ (تفصیل اس اجمال کی فرقہ بندی کے عنوان میں ملے گی) یہ ہے وہ اختلاف جسے قرآن نے خدا کا عذاب قرار دیا ہے۔

امت میں جو اختلافات اس وقت پیدا ہو چکے ہیں، ان کے مٹانے کی واحد شکل یہ ہے کہ کوئی اسلامی حکومت، قرآن کریم کے احکام و قوانین کو مدار قرار دے کر، اس کے اصولی احکام کی جزئیات پر نظرِ ثانی کرے۔ اور عندالضرورت از سرِ نو متعین کرے۔ ان احکام کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں طور پر ہو۔ اس سے پھر سے امت میں وحدت پیدا ہو جائے گی — وہ وحدت جو عہدِ رسالتمآبؐ میں وجہِ سرفرازیِ امت اور باعثِ تمکنِ دین تھی۔

(۰)

قرآن کریم میں اختلاف نہیں

(۱) قرآن بالحق نازل ہوا ہے۔ جو لوگ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ راہِ راست سے دور ہٹ جاتے

ہیں ۔۔۔ (۲ : ۱۷۶)

(۲) قرآن، بنی اسرائیل کے اختلافات مٹانے کے لئے آیا ہے (چہ جائیکہ مسلمانوں میں اس کے ہوتے ہوئے اختلاف پیدا ہوں) ۔۔۔ (۲۷ : ۷۶)

(۳) قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف کوئی نہیں ۔۔۔ (۴ : ۸۲)

وحی کا مقصد لوگوں کے اختلافات مٹانا ہوتا ہے

(۱) نوعِ انسان امتِ واحدہ تھی۔ لوگوں نے اختلاف پیدا کر لئے ۔۔۔ (۱۰ : ۱۹)۔ خدا نے انبیاء کو بھیجا اور کتابیں نازل کیں کہ ان کے اختلافات رفع ہو جائیں ۔۔۔ (۲ : ۲۱۳)

(۲) حضرت عیسیٰؑ کی بین تعلیم کے بعد لوگوں نے اختلاف کیا ۔۔۔ (۲ : ۲۵۳) ۔۔۔ (۴۳ : ۶۳-۶۵)

(۳) دین شروع سے اسلام ہی تھا۔ اہل کتاب نے باہمی ضد سے اس میں اختلاف پیدا کر دیا۔ (۲ : ۲۱۳)۔ (۳ : ۱۸)

(۴) دین کی اصل و بنیاد ایک ہی تھی۔ اس پر چلنے کے طور طریقے (اصول و احکام کی جزئیات) ہر قوم اور ہر زمانے میں الگ تھے ۔۔۔ (۲۲ : ۶۷)

(۵) یہودیوں نے کتاب موسیٰؑ میں اختلاف پیدا کر دیئے ۔۔۔ (۱۱ : ۱۱۰) ۔۔۔ (۴۱ : ۴۵)

(۶) اگر مقصد یہ نہ ہوتا کہ نوعِ انسانی بالآخر ایک برادری بن جائے تو نظام سرمایہ داری کو عام ہونے دیا جاتا ۔۔۔ (۴۳ : ۳۳)

(۷) بنی اسرائیل نے باہمی اختلاف پیدا کر لئے تھے۔ اس کے بعد نبی اکرمؐ کو مبعوث کیا گیا ۔۔۔ (۴۵ : ۱۷-۱۸)

(۸) اہلِ کتاب واضح تعلیم آجانے کے بعد اختلاف کرتے ہیں ۔۔۔ (۱۰ : ۹۳) ۔۔۔ (۹۸ : ۴)

(۹) قرآن اختلافات مٹانے کے لئے آیا ہے ۔۔۔ (۳ : ۳۹) ۔۔۔ (۴۶ : ۳۹)

اختلاف باہمی ضد سے پیدا ہوتے ہیں

(۱) کتاب مل جانے کے بعد اختلاف باہمی ضد اور سرکشی سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۲ : ۲۱۳) ۔۔۔ (۳ : ۱۸)

(۲) یہودیوں نے اسی طرح اختلاف پیدا کر لئے ۔۔۔ (۴۵ : ۱۷)

اختلافات مٹانے کا طریقہ

(۱) اہل کتاب کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے انہیں دعوت دی جاتی ہے — (۳ : ۲۲)
(۲) اختلافی امور میں (قانونِ خداوندی کی طرف) رجوع کرنا چاہیئے — (۳ : ۵۴)
(۳) اہل کتاب کو دعوت کہ توحید کی مشترکہ تعلیم کی طرف (جواب قرآن میں ہے) آؤ — (۳ : ۶۳)
(۴) افسرانِ ماتحت سے جس معاملہ میں اختلاف ہو۔ اسے "خدا اور رسول" (مرکزِ نظامِ خداوندی) کی طرف لوٹا دو — (۴ : ۵۹)
(۵) اختلافی معاملات میں رسولؐ کو حکم ماننا ہوگا — (۴ : ۶۵) رسول کے بعد یہی منصب جانشینانِ رسول اللہ کا ہوگا۔
(۶) کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے سے اختلاف مٹ جاتے ہیں — (۵ : ۴۸ - ۴۹)
(۷) صرف خدائے واحد کی طرف معاملات لوٹانے سے اختلاف مٹ سکتے ہیں یعنی کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے سے — (۳۹ : ۴۶)
(۸) ہر اختلافی معاملہ میں (کتاب) اللہ سے فیصلہ لینا چاہیئے — (۴۲ : ۱۰)

مومنین میں اختلاف نہیں رہ سکتا

(۱) خدا کی کتاب مومنین کو راہ نمائی دے کر اختلاف مٹا دیتی ہے — (۲ : ۲۱۳)
(۲) مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اختلاف اور باہمی تفرقہ کیا — (۳ : ۱۰۴)
(۳) دعویٰ ایمان کا اور معاملات کے تصفیہ کے لئے طاغوت کی طرف جانا — یہ کفر ہے — (۴ : ۶۰)
(۴) اختلافی معاملات میں رسول کو حکم نہ مانا جائے تو یہ کفر ہوگا۔ (یہی پوزیشن رسول اللہ کی وفات کے بعد حضورؐ کے جانشینوں کی ہوگی) — (۴ : ۶۵)
(۵) اختلافات مٹ جانا خدا کی رحمت ہے — (۱۱ : ۱۱۸)

قیامت میں (ظہورِ نتائج کیوقت) اختلافات کا فیصلہ ہو جائیگا

(۱) اس زندگی میں ظہور نتائج کے وقت اور مرنے کے بعد اختلافی امور کی وضاحت ہو جائے گی (۲ : ۱۱۳)

(۳:۵۵)—(۵:۴۸)—(۶:۱۶۴)—(۱۰:۹۳)—(۱۶:۳۹)—(۱۶:۹۲)—(۱۶:۱۲۴)
(۲۲:۶۹)—(۳۲:۲۵)—(۴۵:۱۷)

(۲) تمام مذاہب کے اختلافی امور کا قیامت میں فیصلہ ہوجائے گا —(۲۲:۱۷)۔ یعنی جب نتائج سامنے آئینگے۔ (ان میں سے اکثر نتائج اس دنیا میں بھی سامنے آسکتے ہیں)۔

(۳) لوگ نبأ عظیم کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ سو انہیں اس کا عنقریب علم ہوجائے گا — (۷۸:۲)

(۴) اگر خدا کا قانونِ مہلت نہ ہوتا تو تمام اختلافات کے فیصلے جلد ہوجاتے — (۱۰:۱۹)

خدا زبردستی اختلافات نہیں مٹانا چاہتا

خدا چاہتا تو انسانوں کو (حیوانات کی طرح) مجبور پیدا کرتا جس سے وہ سب ایک ہی روش پر چلتے لیکن اس نے انسان کو اختیار و ارادہ دیا ہے تاکہ وہ اپنی مرضی سے اختلافات چھوڑ کر ایک راہ پر چلیں —(۵:۴۸) (۴۲:۸)۔ جن کے اختلافات مٹ جائینگے ان پر خدا کی رحمت ہوگی —(۱۱:۱۱۸)

۳۲۔ اخلاص

(نیز دیکھئے ——— نفاق)

اخلاص (مادہ۔ خ۔ ل۔ ص) اس کے بنیادی معنی ہیں کھوٹ اور میل سے الگ ہوکر صاف اور خالص ہوجانا۔ مخلص۔ وہ جو لوگوں کی عام روش سے ہٹ کر صحیح راستے پر گامزن ہو۔ خالص۔ جس چیز سے آمیزش کو الگ کردیا جائے۔ الخلاص، اس مکھن یا سونے کو کہتے ہیں جسے تپا کر خالص کرلیا جائے۔

اعمال کے نتیجہ خیز ہونے کا مدار اخلاص پر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کام صرف اس مقصد کے لئے کیا جائے جو مقصد خدا نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں کسی اور مصلحت، مفاد یا جذبہ کا دخل نہ ہو۔ اگر اس میں ان باتوں کی ذرا بھی آمیزش ہوگئی تو وہ کام اپنا نتیجہ مرتب نہیں کریگا۔ بیکار جائے گا۔ ہر فارمولا اسی صورت میں نتیجہ خیز ہوتا ہے جب اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کی جائے۔ اسی کو توحید بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس

شرک ہے۔

(۰)

مخلص

(۱) رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ تم کہہ دو کہ ہم اپنے تمام اعمال میں خدا کے لئے مخلص ہیں۔ تمام کام خالصتہً اس کے لئے (للہ) کرتے ہیں۔ (للہ۔ یا فی سبیل اللہ کے معنی ہیں اس مقصد کے لئے جسے خدا نے تجویز کیا ہے۔ یہ مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے نوعِ انسان کی بہبود ہو اور اس طرح اُس شخص کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی جائے۔ یہی دین کی غایت ہے) ــــ (۲:۱۳۹)

(۲) مشکلات اور موانعات میں ثابت قدم رہنے سے انسان مخلص ہو جاتا ہے ــــ (۴:۱۴۰)

(۳) حضرت یوسفؑ خدا کے مخلص بندوں میں تھے ــــ (۱۲:۲۴)۔ حضرت موسیٰ بھی ــــ (۱۹:۵۱)۔
حضرت ابراہیمؑ، اسحٰقؑ و یعقوبؑ کو ایک اہم کام کے لئے دوسرے لوگوں سے الگ کر لیا گیا ــــ (۳۸:۴۶)

(۴) خدا کے مخلص بندے جنت میں جائینگے ــــ (۳۷:۴۰)

(۵) مخلص بندے تباہی سے محفوظ رہتے ہیں ــــ (۳۷:۷۴)

(۶) مخلص بندوں کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا ــــ (۱۵:۴۰) ــــ (۳۸:۸۲)

(۷) مخلص بندے بت پرستی نہیں کرتے ــــ (۳۷:۱۲۷-۱۲۸)۔ توہم پرستی بھی نہیں ــــ (۳۷:۱۶۰)

(۸) یہ (کفار) کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری طرف خدا کی کتاب آجائے تو ہم بھی اس کے مخلص بندے بن جائیں۔
(۳۷:۱۶۹)

مصیبت میں اخلاص

(۱) انسان جب مصائب میں گھر جاتا ہے تو نہایت خلوص سے خدا کو پکارتا ہے لیکن جب وہ مصیبت رفع ہو جاتی ہے تو سرکشی اختیار کر لیتا ہے ــــ (۱۰:۲۲-۲۳) ــــ (۲۹:۶۵) ــــ (۳۱:۳۲)

خالصتہً للہ

(۱) حج اور عمرہ خالصتہً للہ پورا کرو ــــ (۲:۱۹۶) ــــ (۳:۹۶)

(۲) مومن وہ ہے جو اپنے آپ کو خالصتہً اس پروگرام کے بروئے کار لانے کے لئے وقف کر دے جسے خدا نے مقرر کیا ہے۔ اسی کو رضا جوئی باریتعالےٰ کہتے ہیں ــــــ (۲۰۷ : ۲)

(۳) ایمان اور اخلاص ایک ہی بات ہے جو اپنے عمل میں مخلص نہیں۔ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ ایمان بالآخرت کے معنی خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان ہے ــــــ (۳۸ : ۴)

(۴) اطاعت کو خدا کے لئے مختص کر دو یعنی اطاعتِ قوانینِ خداوندی کی کرو۔ اور صرف اس مقصد کے حصول کے لئے کرو جو خدا نے تجویز کر رکھا ہے ــــ (۲۹ : ۷) ــ (۲-۳ : ۳۹) ــ (۱۴ : ۴۰) ــ (۶۵ : ۴۰)

(۵) نیت میں اخلاص ہو اور معذوری ایسی حائل ہو جائے جو اپنے بس کی نہ ہو، تو اس سے کوئی الزام وارد نہیں ہوتا ــــ (۹۱ : ۹)

(۶) حضورؐ سے کہا گیا کہ اس بات کا اعلان کر دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اطاعت کو خدا کے لئے خالص کر دوں ــــ (۲ : ۳۹) ــ (۱۴ - ۱۱ : ۳۹)

(۷) اہلِ کتاب سے بھی یہی کہا گیا تھا کہ وہ اطاعت صرف خدا کی کریں۔ ظاہر ہے کہ خدا کی اطاعت قرآن پر عمل پیرا ہونے ہی سے ہو سکتی ہے ــــ (۵ : ۹۸)

(۸) منافقین کے مقابلہ میں مخلصین آیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو غلط روش کو چھوڑ کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں اور پھر اطاعت کو خدا کے لئے مختص کر دیتے ہیں، ان کا شمار مومنین میں ہوتا ہے ــ (۱۴۵-۴۶ : ۴)

(۹) دنیا کی خوشگواریاں تو قوانینِ طبیعی کے مطابق، مومن اور کافر سب کو مل سکتی ہیں۔ لیکن آخرت کی خوشگواریاں صرف (خالصتہً) مومنین کے لئے ہیں ــــ (۳۲ : ۷)

(٥)

۳۳۔ اخلاقِ حسنہ

اخلاق۔ (مادہ خ۔ ل۔ ق) ۔ خَلَقَ کے معنی ہیں کسی چیز کا اندازہ کرنا۔ اس کے حشو و زواید کو دور کرنا اور پھر اسے اندازے اور پیمانے کے مطابق بنانا، اس طرح کہ اس کا توازن و تناسب بالکل درست رہے اور وہ صاف اور ہموار ہو جائے۔ اس سے خُلُق کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایسے اطوار و کردار

جو صحیح صحیح توازن لئے ہوں۔ اس میں انسان کا پورا کیریکٹر آجاتا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے ہاں یہ لفظ عام معاشرتی اطوار و عادات کیلئے بولا جاتا ہے، اس لئے اس عنوان کے تحت انہی امور کو درج کیا جاتا ہے۔ اس طرح "اخلاق حسنہ" کی جامع فہرست مرتب کرنا مشکل ہے۔ قرآن کریم نے مومنین کی جس قدر صفات بیان کی ہیں، وہ بھی اخلاق حسنہ کے زمرہ میں آجاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات کا دیکھ لینا بھی مفید رہے گا۔ واضح رہے کہ اخلاق کے معنوں میں خُلق کا لفظ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ آیا ہے یعنی (۴ : ۶۸)۔ اور وہ رسول اللہ کے متعلق ہے۔

——— (۰) ———

عام حسن اخلاق

(۱) لوگوں سے نہایت عمدگی سے بات کرو ——— (۸۳ : ۲)

(۲) ضرورتمند کی ضرورت پوری کرنے کے بعد، اسے احسان جتا کر اذیت مت پہنچاؤ۔ اس سے تو یہ اچھا ہے کہ اس سے شریفانہ طور پر نہ کردو ——— (۶۴ - ۲۶۲ : ۲)

(۳) ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر ایسے لوگ بھی آجائیں جنہیں قاعدے کیمطابق حصہ نہ مل سکتا ہو تو انہیں کچھ یونہی دے دلا کر، عمدگی سے سمجھا دینا چاہیئے کہ اس میں ان کا حصہ نہیں ہے ——— (۸ : ۴)

(۴) بُری باتوں کی تشہیر اچھی نہیں۔ البتہ جس پر کوئی ظلم ہو گیا ہو وہ اپنی فریاد کے لئے آواز بلند کر سکتا ہے (۱۴۸ : ۴)

(۵) اچھی اچھی باتیں کیا کرو۔ یاد رکھو! شیطان تم میں فساد ڈلوانا چاہتا ہے ——— (۵۳ : ۱۷)

(۶) برائی کو بھلائی سے دور کر دو۔ یعنی ناہمواریاں دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہمواریاں پیدا کرو ——— (۹۶ : ۲۳) ——— (۵۴ : ۲۸) ——— (۳۴ : ۴۱)

(۷) لوگوں سے بے رُخی نہ برتو۔ اکڑ کر نہ چلو۔ رفتار میں میانہ روی اختیار کرو۔ چلّا چلّا کر نہ بولو ——— (۱۹-۱۸ : ۳۱)

(۸) دو پارٹیوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔ ایک دوسرے کا تمسخر نہ اڑاؤ۔ دوسروں کے بُرے بُرے نام نہ رکھو۔ بدظنی سے بچو۔ لوگوں کے معاملات میں خواہ مخواہ کرید مت کرو۔ غیبت مت کرو۔ ذاتوں اور برادریوں کو عزت کا معیار مت بناؤ ——— (۱۳ - ۹ : ۴۹)

(۹) باہمی خونریزی مت کرو۔ لوگوں کو ان کے گھروں سے بیدخل مت کرو ــــ (۲ : ۸۴)

(۱۰) شیطان، بدی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ خدا کے متعلق ایسی ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں علم نہ ہو ــــ (۲:۱۶۹)

(۱۱) نیکی کیا ہے؟ ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرنا۔ عہد کی پابندی کرنا۔ مشکلات میں ثابت قدم رہنا ــــ (۲ : ۱۷۶)

(۱۲) یونہی قسمیں کھا کھا کر خدا کو اپنی سپر مت بناؤ ــــ (۲ : ۲۲۴)

(۱۳) مقروض اگر تنگدست ہو تو اسے مہلت دیدو۔ اور اگر نادار ہو تو قرضہ معاف کر دو ــــ (۲ : ۲۸۰)

(۱۴) پڑھے لکھے لوگوں کو چاہئیے کہ ان پڑھوں کا لکھنے پڑھنے کا کام کر دیا کریں ــــ (۲ : ۲۸۲)

(۱۵) غیر مسلموں کی خوبیوں کا اعتراف کرو۔ عام اخلاقی خوبیاں ان میں بھی ہو سکتی ہیں ــــ (۳ : ۷۴)

(۱۶) ایفائے عہد کرو ــــ (۳ : ۷۵) ــــ (۵ : ۱) ــــ (۸ : ۲۳)

(۱۷) تنگی ہو یا آسودگی، ضرورت مند کی حاجت رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ غصے میں اپنی توانائی ضائع کرنے کے بجائے اس کا رخ کسی تعمیری مصرف کی طرف موڑ دینا چاہئیے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہئیے کہ لوگ تم سے کس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ تمہیں اپنے اصولوں کا پابند رہنا چاہئیے۔ زندگی حسن کارانہ انداز سے گزارنی چاہئیے۔ اگر کبھی غلطی سے کوئی برا کام ہو جائے تو اس کی فوراً تلافی کر دینی چاہئیے ــــ (۳ : ۱۳۳-۳۴)

(۱۸) اگر کبائر (بڑے بڑے جرائم) سے مجتنب رہا جائے تو چھوٹی چھوٹی لغزشوں کی تلافی ہو جاتی ہے

(۴ : ۳۱) ــــ (۴۲ : ۳۷) ــــ (۵۳ : ۳۲)

(۱۹) اپنے آپ کو مقدس اور متقی ظاہر کرتے پھرو ــــ (۴ : ۴۹)

(۲۰) اچھی بات میں دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ بری بات میں ایسا نہ کرو ــــ (۴ : ۸۵) ــــ (۵ : ۲)

(۲۱) کوئی زندگی بخش دعا دے (یا تمہارے لئے سامانِ زیست مہیا کرے) تو تم اس کے ساتھ اس سے بہتر سلوک کرو یا کم از کم اتنا ہی کرو ــــ (۴ : ۸۶)

(۲۲) کسی کے متعلق پہلا ردِ عمل ہمیشہ نیک ہونا چاہئیے۔ پھر تحقیق کے بعد دیکھنا چاہئیے کہ وہ فی الواقعہ کیسا ہے ــــ (۴ : ۹۴) ــــ (۴۹ : ۱۲)

(۲۳) برائی سے بچ کر آگے نکل جانا چاہئیے ــــ (۴ : ۱۴۹) ــــ (۷ : ۱۹۹)

(۲۴) دوسروں کے معبودوں کو گالی مت دو ــــ (۶ : ۱۰۹)

(۲۵) یتیموں کا مال مت کھاؤ۔ ماپ تول پورا رکھو۔ اللہ کے عہد کو پورا کرو ــــ (۶: ۱۵۳)
(۲۶) جہلاء سے اعراض برتو۔ لوگوں کو قاعدے قانون کے مطابق چلنے کا کہو ــــ (۷: ۱۹۹)
(۲۷) وہ کام کرو جو نوع انسان کے لئے نفع بخش ہو ــــ (۱۳: ۱۷)
(۲۸) عدل و احسان کی راہ اختیار کرو۔ اقربین سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ بے حیائی اور فریب کاری کی باتوں سے بچو ــــ (۱۶: ۹۰)
(۲۹) جب تک کسی بات کے متعلق خود تحقیق نہ کر لو اس کے پیچھے مت چلو ــــ (۱۷: ۳۶)
(۳۰) سرکش کو بھی پہلے نرمی سے سمجھاؤ ــــ (۲۰: ۴۴)
(۳۱) لغویات سے اجتناب کرو ــــ (۲۳: ۳) ــــ (۲۸: ۵۵)
(۳۲) مومنین کا باہمی ظن نیک ہونا چاہیئے ــــ (۲۴: ۱۲)
(۳۳) اوچھے پن کا تکبر نہیں کرنا چاہیئے اور ناواقفوں کے ساتھ معاملہ میں بھی ان کی سلامتی کا خیال رکھنا چاہیئے ــــ (۲۵: ۶۳)
(۳۴) بہترین کارندہ، قوی اور امین ہوتا ہے ــــ (۲۸: ۲۶)
(۳۵) کسی کو یونہی اذیت مت پہنچاؤ ــــ (۳۳: ۵۸)
(۳۶) بات صاف، سیدھی، غیر مبہم، دو ٹوک کرو ــــ (۳۳: ۷۰)
(۳۷) زیادتی کا بدلہ اتنا ہی لیا جا سکتا ہے لیکن جو درگذر کر کے دوسرے کی اصلاح کر دے، یہ زیادہ اچھا ہے ــــ (۴۲: ۴۰)
(۳۸) قطع رحمی بری چیز ہے ــــ (۴۷: ۲۲)
(۳۹) زنا سے بچنا۔ اور اپنی امانات، عہد اور شہادت کی حفاظت کرنا چاہیئے ــــ (۳۴ــ ۲۹: ۷۰)
(۴۰) برائی کو محض رسمی طور پر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اس کے خلاف دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے چاہئیں۔
(۶: ۱۲۱)
(۴۱) نادانستہ کوئی غلط کام ہو جائے تو اس سے فوراً باز آ جانا چاہیئے اور اپنی اصلاح کر لینی چاہیئے (۱۶: ۱۱۹)
[اس فہرست میں حسن اخلاق کی بڑی بڑی شقوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ مصنف کی ایک مختصر لیکن جامع کتاب ہے "اسلامی معاشرت"۔ اس میں روزمرہ کی زندگی کے متعلق قرآنی تعلیم و ارشادات ترتیب سے دیئے گئے ہیں۔ اسے

سامنے رکھ لینا مفید ہوگا۔)

رسولؐ اللہ کی خصوصیت

(۱) یہ خدا کی رحمت تھی کہ حضورؐ نرم دل تھے۔ اگر سخت دل ہوتے تو لوگ آپؐ کے پاس نہ آتے۔ اس لئے حضورؐ سے کہا گیا کہ لوگوں کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں سے درگذر کیا کرو۔ اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو (۳ : ۱۵۸)۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عیسائی راہبوں کی طرح ہر مقام پر نرمی برتنی چاہیئے۔ یہ نرمی ان کے لئے ہے جو سرکش اور منافق نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ہونا چاہیئے — (۹ : ۷۳) — (۴۸ : ۲۹) — (۹ : ۶۶)

(۲) جن لوگوں سے اعراض برتا جائے، موقعہ ملنے پر انہیں بھی نصیحت کرتے رہنا چاہیئے اور اس انداز سے بات کرنی چاہیئے جو ان کے دل میں اتر جائے — (۴ : ۶۳)

(۳) مومنین کے سر پر دستِ شفقت رکھو۔ انہیں اپنے بازوؤں کے نیچے سمیٹتے جاؤ — (۱۵ : ۸۸) — (۲۶ : ۲۱۵)

(۴) جس سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہو اس سے بھی نہایت عمدہ طریق سے کنارہ کشی اختیار کرو — (۱۵ : ۸۵) (۷۳ : ۱۰)

(۵) خدا کی طرف دعوت نہایت حکیمانہ انداز اور خوش اسلوبی سے نصیحت کرتے ہوئے دو۔ اور اگر کسی نکتہ کے متعلق بحث و تمحیص کی نوبت آئے تو وہ بھی بطریق احسن کرو — (۱۶ : ۱۲۵)

(۶) حضورؐ اخلاقِ انسانی کے بلند ترین مقام پر تھے — (۶۸ : ۴)۔ ہمارے ہاں عام طور پر "اخلاق اور روحانی ترقی" کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اخلاق میں انسان کا پورا کیرکٹر آجاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا کیرکٹر بلند اور سیرت پختہ ہو۔ حضورؐ کو اخلاق (سیرت و کردار) کے بلند ترین مقام پر فائز بتایا گیا ہے۔ یہی شرفِ انسانیت کی معراج ہے۔ اخلاق کی بلندی کے معنی ہیں مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ قرآن میں "روحانی ترقی" کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

۳۴- ادریس (علیہ السلام)

(۱) حضرت ادریسؑ نبی تھے (۱۹ : ۵۶)

(۲) دیگر انبیاء کے ساتھ آپ کا نام ——— (۸۵ : ۲۱)

قرآن کریم میں آپ کا تفصیلی تذکرہ نہیں آیا۔ بس انہی دو مقامات میں آپ کا نام آیا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوحؑ سے بھی پہلے کا ہے۔ اور آپ کا نام تورات میں حنوک یا اخنوخ آیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ حضرت نوحؑ کے اجداد میں سے تھے کیونکہ تورات میں حضرت نوحؑ کا نسب نامہ یوں آیا ہے۔ نوحؑ بن لمک۔ بن متوسلح۔ بن حنوک ——— (تورات۔ کتاب پیدائش۔ باب ۵۔ آیات ۲۹-۲۱)

لیکن قرآن کریم نے سلسلۂ انبیاء کرام کا آغاز (بالعموم) حضرت نوحؑ سے کیا ہے حضرت ادریسؑ سے نہیں۔

۳۵۔ ارتداد (مرتد)

(مذہبی آزادی کے لئے دیکھئے عنوانات ' دین۔ ایمان۔ اسلام)

ارتداد (مادہ ر۔ د۔ د) پلٹ جانا۔ واپس ہو جانا۔ لوٹ جانا۔ جس راستے سے کوئی آیا ہو، اگر وہ اسی راستے پر پلٹ جائے تو اسے ارتداد کہتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان، اسلام کو چھوڑ کر، کوئی اور مذہب اختیار کر لے تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مرتد ہو گیا ' اور اس کی سزا موت بتائی جاتی ہے لیکن یہ چیز قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جا سکتا تو اگر (بدقسمتی سے) کوئی مسلمان، کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا چاہے تو اسے زبردستی مسلمان کس طرح رکھا جا سکتا ہے۔ ایمان تو دل و دماغ کی کامل رضامندی سے ابدی صداقتوں کو تسلیم کر لینے کا نام ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی دیکھئے تو اس لفظ کا اطلاق ہر تبدیلیٔ مذہب پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں اس حالت کی طرف پلٹ جانا جس پر کوئی شخص پہلے تھا۔ نبی اکرمؐ کے زمانے میں جتنے لوگ مسلمان ہوتے تھے وہ اسلام لانے سے پہلے غیر مسلم (کافر) تھے۔ ان میں سے اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر پھر سے کفر اختیار کر لیتا تو اسے صحیح معنوں میں مرتد کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اگر آج ایک پیدائشی مسلمان، (مثلاً) عیسائیت اختیار کر لیتا ہے تو اسے ارتداد (پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا) نہیں کہا جائے گا۔ اسے تبدیلیٔ مذہب سے تعبیر کیا جائیگا۔ لیکن پہلے معنی لئے جائیں یا دوسرے، مذہب تبدیل کر لینا، قرآن کی رو سے کوئی جرم نہیں جس کی سزا دی جائے۔

قرآن مذہبی آزادی کا پیامبر ہے۔

(۰)

غیر مسلموں (بالخصوص اہل کتاب) سے متعلق

(۱) اہل کتاب اپنے لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم صبح کو مسلمان ہو جاؤ اور شام کو پھر سے کفر اختیار کر لو۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ خود مسلمانوں کے کچھ لوگ بھی تمہارے ساتھ دین سے منحرف ہو کر پلٹ آئیں۔ (۳:۷۱)

مسلمانوں سے خطاب

(۱) کفار تم سے اس لئے جنگ کرتے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھرا دیں۔ جو تم میں سے دین سے پھر کر پھر سے کفار میں جا ملیگا تو اس کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو جائینگے۔ (۲:۲۱۷)

(۲) جو لوگ دین کی حقانیت اور نظام خداوندی کے خوشگوار نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر، پھر غیر خداوندی نظام اختیار کر لیں، ان پر رشد کی راہ کس طرح وا ہو سکتی ہے۔ وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جائیں گے۔ ہاں! اگر وہ اپنی غلطی کو محسوس کر کے پھر اسلام کی طرف پلٹ آئیں تو انہیں پھر سے وہ خوشگواریاں حاصل ہو جائینگی۔ لیکن اگر وہ اپنے کفر میں آگے ہی بڑھتے چلے جائیں اور بحالتِ کفر ہی مر جائیں تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (۳:۸۵ – ۹۰)

(۳) اگر تم نے اہل کتاب کی اطاعت اختیار کر لی تو وہ تمہیں پھر سے کافر بنا دیں گے۔ (۲:۱۰۹)۔ (۳:۹۹)

(۴) دین، رسول اللہ کی زندگی تک ہی نہیں۔ لہٰذا، آپؐ کی وفات کے بعد تم کہیں پھر سے پچھلے پاؤں نہ لوٹ جانا۔ (۳:۱۴۲، ۱۴۳)

(۵) اگر تم نے کفار کی بات مان لی (ان کی اطاعت اختیار کر لی) تو وہ تمہیں پھر سے کافر بنا دینگے۔ (۳:۱۴۸)

(۶) جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے۔ اور اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے، تو انہیں مغفرت نہیں مل سکتی۔ (۴:۱۳۷)

(۷) اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا جو صحیح معنوں میں مومن ہوں گے۔ (۵:۵۴)

(۸) صحیح مومن پھر کفر کی حالت اختیار نہیں کرتا۔ حضرت شعیبؑ کا بیان ——— (۷ : ۸۹)
(۹) جس سے کفر کا کوئی کام زبردستی کرالیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، اس پر کوئی الزام نہیں ——— (۱۶ : ۱۰۶)
(۱۰) جو مسلمان بعض باتوں میں بھی غیر مسلموں کی اطاعت کرلے، تو وہ بھی مرتد ہو جاتا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جسے یا تو پورے کا پورا اختیار کیا جاتا ہے یا پورے کا پورا چھوڑا جاتا ہے ——— (۴۷ : ۲۵-۲۶)
(۱۱) مومنین کا کفار کو جواب کہ کیا تم ہمیں اپنے دین سے پھرانا چاہتے ہو! ——— (۶ : ۷۱)

منافق بھی مرتد ہے

(۱) منافقین جو دین سے مذاق اور دل لگی کرتے ہیں، درحقیقت کافر ہو چکے ہیں ——— (۹ : ۶۴-۶۶)
(۲) منافق درحقیقت کافر ہیں ——— (۶۳ : ۳)

متفرق

جو لوگ مرتد کی سزا قتل بتاتے ہیں، وہ درحقیقت حکومت کے خلاف بغاوت اور ارتداد (مذہبی تبدیلی) میں فرق نہیں کرتے۔ حکومت کے خلاف بغاوت کی سزا تو بے شک موت ہے۔ لیکن تبدیلیٔ مذہب کوئی جرم نہیں اس لئے اس کی سزا بھی کچھ نہیں۔

——— (۰) ———

۳۶- ارتقاء

(نیز دیکھئے ——— آدم - انسان - امم سابقہ - آخرت)

ارتقاء - (مادہ ر - ق - ی)۔ اوپر چڑھنا۔ بلند ہونا۔ قرآن کریم نے کائنات اور خود انسانی تخلیق کے متعلق بتایا ہے کہ ان کی طرح ارتقائی انداز سے عمل میں آئی ہے۔ اس سے مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں ہمیں جتنی چیزیں نظر آتی ہیں وہ جھٹ سے اسی شکل میں نمودار نہیں ہو گئیں۔ ان کی پیدائش کا

آغاز ایک معمولی سے نقطہ سے ہوا پھر وہ اپنے نقطۂ آغاز سے نشوونما پاتی ہوئیں، اگلی منزل میں پہنچیں۔ اس طرح منزل بہ منزل، رفتہ رفتہ، بتدریج ارتقاء کرتے ہوئے ہر شے اپنی موجودہ شکل میں پہنچی ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے، یہ بھی پیکرِ آدمی تک اسی پروگرام کے مطابق پہنچا ہے۔ لیکن اس کی موجودہ منزل سلسلۂ ارتقاء کی آخری کڑی نہیں۔ موت سے اس کے جسم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی اس کے بعد آگے چلتی ہے۔ جنت اس سلسلۂ ارتقاء کی اگلی کڑی ہے۔ آخری کڑی وہ بھی نہیں۔

(o)

تخلیقِ کائنات

(۱) کائنات کے تخلیقی پروگرام کا نقطۂ آغاز امرِ خداوندی تھا ــــ (۸۲ : ۳۶)

(۲) وہ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے ــــ (۲ : ۱۱۷) ــــ (۶ : ۱۴) ــــ (۶ : ۸۰) ــــ (۶ : ۱۰۱) ــــ (۱۲ : ۱۰۱) ــــ (۱۴ : ۱۰) ــــ (۳۵ : ۱) ــــ (۴۲ : ۱۱)

(۳) تخلیق کی ابتداء کے بعد اسے مختلف گردشیں دے رہا ہے اور اس میں ہر شے کا قدم اس کیلئے متعین کردہ منزل کی طرف اٹھ رہا ہے ــــ (۴ : ۱۰) ــــ (۳۴ : ۱۰) ــــ (۴۴ : ۲۷) ــــ (۲۹ : ۱۹-۲۰) ــــ (۲۷ : ۱۱ ؛ ۳۰)

(۴) یہ پروگرام اشیائے کائنات میں سے ہر ایک کے اندر ودیعت کر کے رکھ دیا گیا ہے ــــ (۵۰ : ۲۰)

(۵) خدا تخلیقی اضافے کرتا رہتا ہے ــــ (۸ : ۱۶) ــــ (۱ : ۳۵)

(۶) وہ ایسی مخلوق پیدا کرتا رہتا ہے جن کا تمہیں (ہنوز) علم نہیں ــــ (۸ : ۱۶)

(۷) لیکن یہ سب کارگہِ کائنات ایک متعین مدت کے لئے وجود میں لایا گیا ہے ــــ (۸ : ۳۰)

زندگی کی نمود

(۱) زندگی کی نمود پانی سے ہوئی ــــ (۳۰ : ۲۱)۔ اور اس اساسِ حیات پر کنٹرول خدا کا ہے ــــ (۷ : ۱۱)

(۲) اس سے انواع و اقسام کی زندہ مخلوق کا سلسلہ چلا ــــ (۴۵ : ۲۴)

(۳) تخلیقی اعتبار سے یہ سب اور انسان ایک ہی زمرہ میں شامل ہیں ــــ (۳۸ : ۶)

(۴) اس تخلیقی پروگرام میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی نشانیاں ہیں ــــ (۴-۳ : ۴۵)

انسانی تخلیق کے مراحل

(۱) انسانی تخلیق کی ابتدا غیر ذی حیات مادہ (تراب) سے ہوئی ـــ (۲۰ : ۳۰) ـــ (۶۷ : ۴۰)
طین سے ہوئی ـــ (۲ : ۶) ـــ (۱۲ : ۲۳) ـ طین لازب (یعنی مٹی اور پانی کے امتزاج سے)۔ (۳۷ : ۱۱)
حما مسنون ـــ (۲۶ : ۱۵) صلصال کالفخار ـــ (۱۴ : ۵۵)

(۲) کہیں اسے صرف ارض سے تعبیر کیا گیا ہے ـــ (۶۱ : ۱۱) ـــ (۵۵ : ۲۰) ـــ (۵۳ : ۳۲) ـــ (۱۷ : ۷۱)

(۳) انسان اپنی تخلیق سے پہلے کوئی شے نہیں تھا ـــ (۶۷ : ۱۹)۔ شے مذکور نہیں تھا ـــ (۱ : ۷۶)

(۴) اس کی تخلیق کی ابتدا نفس واحدہ (UNITARY CELL) سے ہوئی ـــ (۱ : ۴)
کنفس واحدۃ ـــ (۹۹ : ۶) ـــ (۲۸ : ۳۱)

(۵) پھر یہ منزل بہ منزل آگے چلا۔ ہر منزل نے کچھ وقت کے لئے اس کاروان کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ اور اس کے بعد اگلی منزل کے سپرد کر دیا ـــ (۹۹ : ۶) ـــ (۶ : ۱۱)

(۶) نفس واحدہ کی اگلی منزل یہ تھی کہ وہ ٹوٹ کر جوڑا بن گیا۔ اس طرح سلسلۂ تخلیق زوجین سے آگے چلا
(۴ : ۱) ـــ (۴۹ : ۵۱) ـــ (۴۵ : ۵۳)

(۷) یہ مختلف اطوار میں سے گزرتا چلا گیا ـــ (۱۴ : ۷۱)

(۸) انسانی بچہ کی پیدائش کے مختلف مراحل و مدارج ـــ (۷ : ۱۱) ـــ (۳۰ : ۲۱) ـــ (۱۴-۱۳ : ۲۳)
(۲۵ : ۵۴) ـــ (۹-۷ : ۳۲) ـــ (۱۱ : ۳۵) ـــ (۷۷ : ۳۶) ـــ (۶ : ۳۹) ـــ (۶۷ : ۴۰)
(۷۶ : ۲) ـــ (۷-۵ : ۸۶) ـــ (۲-۱ : ۹۶)

(۹) اسے قوت گویائی عطا کی ـــ (۴-۳ : ۵۵)۔ اور تحریر کی صلاحیت ـــ (۵-۴ : ۹۶)

(۱۰) اسے صاحب اختیار و ارادہ بنایا ـــ (۳ : ۷۶) ـــ (۱۰-۸ : ۹۰)

(۱۱) یہ سمجھنا کہ انسانی زندگی حیوانات کی طرح محض طبیعی زندگی ہے، کفر ہے ـــ (۱۲ : ۴۷)

(۱۲) انسان کو احسن صورت میں پیدا کیا گیا ـــ (۶۴ : ۴۰) ـــ (۳ : ۶۴)
اسے احسن تقویم میں پیدا کیا۔ لیکن یہ وحی کا اتباع چھوڑ کر پست ترین سطح پر پہنچ جاتا ہے۔
(۵-۴ : ۹۵)

تسلسل حیات

(۱) انسان کی طبیعی زندگی ایک مدت کے لئے ہے ــــ (۲ : ۶)

(۲) لیکن انسانی زندگی آگے بھی چلتی ہے ــــ (۴۹ : ۱۷) ــ (۱۰ : ۳۲) ــ ایک بار اور بھی ــ (۵۵ : ۲۰)

(۳) جس طرح ابتداء ہوئی تھی اسی طرح موت کے بعد حیاتِ نو عطا ہوگی ــــ (۱۱ : ۳) ــــ (۱۰۴ : ۲۱)

(۱۹ : ۲۹) ــ (۱۱ : ۳۰) ــــ (۳-۴ : ۵۰)

خدا مبداء و معاد کا مالک ہے ــــ (۱۳ : ۸۵)

(۴) جنت بھی آخری مقام نہیں۔ اہل جنت کا نور ان کے اگلے راستے روشن کرے گا۔ (۱۲ : ۵۷) ــ (۸ : ۶۶)

(۵) آخری منزل کونسی ہے اس کا علم ہمارے شعور کی موجودہ سطح پر نہیں دیا گیا۔ اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ ارتقاء کا رخ رب کی طرف ہے ــــ (۴۲ : ۵۳) ــــ (۴۴ : ۷۹)

اجتماعی ارتقاء

(۱) ایک قوم کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے جو اس سے بہتر ہوتی ہے ــــ (۱۳۴ : ۶)

(۳۸ - ۳۶ : ۴۷) ــ (۴۱ : ۷۰)

(۲) خدا کی مشیت ہو تو پوری نوعِ انسان کی جگہ کوئی اور نوع لے آئے ــــ (۱۹ : ۱۴) ــ (۱۶ : ۳۵)

قانونِ ارتقاء

(۱) خدا اپنی اسکیم کا آغاز عالمِ امر سے کرتا ہے۔ اور اس کی محسوس شکل ارض سے شروع ہوتی ہے۔ پھر وہ شے اس پست سطح سے بلند ہوتی ہوئی اوپر کی طرف چڑھتی ہے۔ یہ ادوار و مراحل بڑے طویل المیعاد ہوتے ہیں یعنی خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے ــــ (۵ : ۳۲)۔ بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ــ (۴ : ۷۰)

(۲) محو و ثبات خدا کے محکم قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ جو اپنے آپ کو زندہ رہنے کا اہل ثابت کردے وہ زندہ رہتا ہے۔ جو آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا کرلیتا ہے، آگے بڑھ جاتا ہے ــ (۳۹ : ۱۳)۔ اسی

کو قانونِ انتخابِ طبیعی کہا جاتا ہے ——— (۲۸ : ۶۸)

(۳) اس طرح، مخلوق کو طبقاً طبقاً، منزل بہ منزل اوپر کی طرف لئے جا رہا ہے ——— (۷۱ : ۱۴) — (۸۴ : ۱۹)

اسی اعتبار سے خدا کو "سیڑھیوں والا" کہا جاتا ہے ——— (۷۰ : ۳)

(۴) یہ سب کچھ اس کے قانونِ ارتقاء کی رو سے ہوتا ہے۔ ر ں "اوپر چڑھنے" کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ انسانی اعمالِ صالح بھی لگ جائیں تو پھر اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ (۳۵ : ۱۰)

——— (۰) ———

۳۷۔ ارض وسمٰوٰت

(نیز دیکھئے ——— زمین)

ارض۔ مادہ (ا - ر - ض) ہر وہ چیز جو نیچے ہو، ارض کہلاتی ہے۔ عام طور پر زمین کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ذرائع پیداوار کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ نیز انسان کی معاشی زندگی اور ملک ومملکت کیلئے بھی۔

سماء۔ مادہ (س - م - و) ہر وہ چیز جو اوپر ہو۔ بادل اور بارش کو بھی کہتے ہیں۔ اگر یہ لفظ ارض کے اس مفہوم کے مقابل آئیگا جو انسان کی معاشی زندگی سے متعلق ہو، تو اس سے مراد وحی آسمانی یا کائناتی اقدار ہونگی۔

ارض وسمٰوٰت سے مراد کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہیں یعنی جملہ کائنات۔

——— (۰) ———

ارض وسمٰوٰت کو خدا نے پیدا کیا

(۱) خدا نے ارض کو فرش اور سماء کو چھت بنایا ——— (۲ : ۲۲) — (۴۰ : ۶۴) — (۵۲ : ۵)

(۲) خدا نے جو کچھ ارض میں ہے پیدا کیا۔ اور سبع سمٰوٰت (متعدد آسمانی کرے) پیدا کئے ——— (۲ : ۲۹)

(۲۳ : ۸۶) — (۴۱ : ۱۲) — (۶۷ : ۳) — (۷۱ : ۱۵)

(۳) وہ ارض وسماء کو عدم سے وجود میں لایا ——— (۲ : ۱۱۷) — (۶ : ۱۴) — (۶ : ۱۰۲) — (۱۲ : ۱۰۱)

(۱۴ : ۱۰) — (۲۱ : ۵۶) — (۳۵ : ۱) — (۳۹ : ۴۶) — (۴۲ : ۱۱)

(۴) خدا نے ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا — (۶ : ۱)

(۵) اس نے ارض وسمٰوٰت کو بالحق پیدا کیا ہے — (۶ : ۷۳) — (۱۴ : ۱۹) — (۱۵ : ۸۵) — (۱۶ : ۳)
(۲۹ : ۴۴) — (۳۰ : ۸) — (۳۹ : ۴۶) — (۴۴ : ۳۸) — (۴۵ : ۲۲) — (۴۶ : ۲) — (۶۴ : ۳)
باطل پیدا نہیں کیا — (۳۸ : ۲۷)۔ بطور کھیل تماشا پیدا نہیں کیا — (۲۱ : ۱۶) — (۴۴ : ۳۸)

(۶) ارض وسمٰوٰت کو چھ مدارج میں پیدا کیا — (۷ : ۵۴) — (۱۰ : ۳) — (۱۱ : ۷) — (۲۵ : ۵۹) — (۳۲ : ۴) — (۵۰ : ۳۸) — (۵۷ : ۴)۔ ارض کو دو مدارج میں — (۴۱ : ۹)

(۷) تخلیقِ ارض وسمٰوٰت کے وقت سے، قانونِ خداوندی کے مطابق مہینے بارہ ہیں — (۹ : ۳۶)

(۸) اس نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور دیا۔ اور ان کی گردشیں مقرر کر دیں — (۱۰ : ۵) — (۷۱ : ۱۶)

(۹) اس نے سمٰوٰت کو بغیر مرئی ستونوں کے معلق رکھا ہے — (۱۳ : ۲) — (۳۱ : ۱۰) — (۳۵ : ۴۱)

(۱۰) جس خدا نے ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا وہ ان کی مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے — (۱۷ : ۹۹) — (۳۶ : ۸۱)

(۱۱) قرآن اس خدا نے نازل کیا ہے جس نے ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا ہے — (۲۰ : ۴)

(۱۲) زمین وآسمان کو یونہی بطور کھیل تماشہ پیدا نہیں کر دیا — (۲۱ : ۱۶) — (۴۴ : ۳۸)

(۱۳) ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ زمین سے نباتات اُگائی — (۲۵ : ۴۸-۴۹)
(۲۷ : ۶۰) — (۵۰ : ۶-۱۱) — (۷۱ : ۱۷-۱۹)

(۱۴) ارض وسمٰوٰت کو پیدا کرنے والا خدا ہی ہے — (۲۹ : ۶۱) — (۲۹ : ۶۳)

(۱۵) ارض وسمٰوٰت کی تخلیق تخلیقِ انسانی سے اکبر تھی — (۴۰ : ۵۷)

(۱۶) زمین کو دو مراحل میں پیدا کیا۔ اسے ذریعۂ پیدائش رزق بنایا۔ اسے ہر ایک ضرورت مند کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے۔ آسمان کا ابتدائی ہیولیٰ دھوئیں کی طرح تھا۔ ان سے کہا کہ طوعاً و کرہاً آجاؤ۔ وہ طوعاً آگئے۔ سبع سمٰوٰت کو دو مدارج میں مکمل کیا۔ ہر آسمان میں اپنی وحی بھیجی۔ قریبی آسمان کو کواکب سے مزین کیا — (۴۱ : ۹-۱۴)

(۱۷) کفار بھی اقرار کریں گے کہ ارض وسمٰوٰت خدا نے پیدا کئے ہیں۔ اس نے زمین کو آرام گاہ بنایا۔ آسمان سے بارش برسائی۔ زمین سے رزق پیدا کیا — (۲۷ : ۳۲) — (۳۵ : ۹) — (۳۹ : ۲۱-۲۲)

(۵۰ : ۶-۱۱) —— (۴۳ : ۹-۱۲)

(۱۸) تخلیق ارض وسمٰوٰت بالحق ہوئی ہے اور اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ مل سکے

(۵۳ : ۳۱) —— (۴۵-۲۲)

(۱۹) ارض وسمٰوٰت کو ایک متعینہ میعاد کے لئے پیدا کیا ہے —— (۳ : ۴۶)

(۲۰) معبودانِ باطل نے کون سی زمین یا اس کی کوئی شے پیدا کی ہے؟ —— (۴ : ۴۶)

(۲۱) خدا زمین وآسمان کو پیدا کر کے تھک نہیں گیا۔ وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے —— (۳۳ : ۴۶)

(۵۰ : ۳۸) —— (۵۰ : ۱۵)

(۲۲) آسمان کو قوت کے ساتھ بنایا۔ زمین کو پھیلایا —— (۴۹-۴۸ : ۵۱) —— (۳۰-۲۸ : ۷۹)

(۲۳) آسمان کو بلند کیا۔ اور میزان قائم کی —— (۷ : ۵۵)۔ یعنی ہر شے کا توازن برقرار رکھا۔

(۲۴) اس نے ارض کو مخلوق کے فائدے کیلئے بنایا ہے —— (۱۳-۱۱ : ۵۵)

(۲۵) تخلیقِ خداوندی میں کہیں نقص، عیب یا جھول نہیں —— (۴ : ۶۷)

برجوں والا آسمان —— (۱ : ۸۵)۔ یعنی وہ خلا جس میں کرے تیر رہے ہیں۔

(۲۶) گردشوں والا آسمان۔ پھٹ کر نبات پیدا کرنیوالی زمین —— (۱۲+۱۱ : ۸۶)

(۲۷) آسمان کا بلند کرنا اور ارض کا پھیلانا —— (۲۰-۱۸ : ۸۸)

(۲۸) ارض وسما کا ہیولیٰ ایک تھا۔ پھر انہیں الگ الگ کیا اور پانی سے ہر جاندار شے پیدا کی —— (۳۰ : ۲۱)

(۲۹) اس نے ارض کو پیدا کیا اور پھر مستوی الی السماء ہو گیا —— (۲۹ : ۲)۔ زمین کو بعد میں پیدا کیا، اس طرح جیسے گوپیے سے پتھر پھینکا جاتا ہے —— (۳۰-۲۸ : ۷۹)

(۳۰) جتنے سماء، اتنی ہی ارض۔ یعنی ہر بلندی کے مقابلہ میں ایک پستی —— (۱۲ : ۶۵)

ارض وسمٰوٰت میں مملکت خدا کی ہے

(۱) ارض وسماء کی مملکت خدا کی ہے —— (۱۰۷ : ۲) —— (۱۸۸ : ۳) —— (۴۰ : ۵) —— (۱۵۸ : ۷)

(۲) ارض وسماء میں ہر شے اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے —— (۱۱۶ : ۲)

(۳) ارض وسما میں سب اسی کے لئے ہے۔ اس کا علم ہر شے محیط ہے —— (۲۵۵ : ۲)

(۴) ارض وسموٰت میں سب کچھ خدا کا ہے اور اسی کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے — (۲ : ۲۸۴)
(۳ : ۱۰۸) — (۳ : ۱۲۸) — (۴ : ۱۲۶) — (۴ : ۱۳۱-۱۳۲) — (۴ : ۱۷۱) — (۱۰ : ۵۵)
(۱۰ : ۶۶) — (۱۰ : ۶۸) — (۱۴ : ۲) — (۱۶ : ۵۲) — (۲۱ : ۱۹) — (۲۲ : ۶۴)
(۲۴ : ۴۲) — (۲۴ : ۶۴) — (۲۵ : ۲) — (۳۱ : ۲۶) — (۳۴ : ۱) — (۴۲ : ۴)
(۴۲ : ۴۹) — (۴۲ : ۵۳) — (۴۳ : ۸۵) — (۴۵ : ۲۷) — (۴۸ : ۱۴) — (۵۷ : ۲)
(۵۷ : ۵) — (۸۵ : ۹)

(۵) کائنات کی ہر شے اس کے قوانین کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ طوعًا وکرہًا — (۳ : ۸۲) — (۱۳ : ۱۵)
(۱۶ : ۴۹) — (۴۱ : ۱۱)۔

(۶) میراثِ (ملکیت) ارض وسموٰت خدا کی ہے — (۳ : ۱۷۹) — (۵۷ : ۱۰)

(۷) اگر تم قوانینِ خداوندی کو نہ مانوگے تو اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑیگا۔ ساری کائنات اس کی مملکت ہے — (۴ : ۱۳۱) — (۴ : ۱۷۰)

(۸) ارض وسموٰت اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے — (۵ : ۱۷-۱۸) — (۵ : ۱۲۰)

(۹) ان سے پوچھو کہ ارض وسموٰت میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟ پھر کہو کہ یہ سب خدا کا ہے — (۶ : ۱۲)

(۱۰) ارض وسمار کی ہر شے اس کی تسبیح کرتی ہے (یعنی اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے —
(۱۷ : ۴۴) — (۲۴ : ۴۱) — (۵۷ : ۱) — (۵۹ : ۲۴) — (۶۲ : ۱) — (۶۴ : ۱)

(۱۱) ارض اور جو کچھ اس میں ہے، سب خدا کا ہے۔ وہی رب السموٰت ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہر شے کا اقتدار ہے — (۲۳ : ۸۴-۸۸)

(۱۲) خدا کو تم ارض وسمار میں عاجز نہیں کر سکتے — (۲۹ : ۲۲)

(۱۳) ربّ السموٰت والارض — (۳۷ : ۵) — (۳۸ : ۶۶) — (۴۳ : ۸۲) — (۴۴ : ۷) — (۵۱ : ۲۳)

(۱۴) کفّار، جو قوانینِ خداوندی سے انکار کرتے ہیں، کیا ملکوت السموٰت والارض ان کا ہے؟ — (۳۸ : ۱۰)

(۱۵) ارض وسماوات کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں — (۳۹ : ۶۳)۔ خزائن بھی — (۶۳ : ۷)

(۱۶) قیامت میں زمین اس کے قبضے میں ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے اسکے ہاتھ میں — (۳۹ : ۶۷)

(۱۷) الٰہ السمار بھی وہی ہے اور الٰہ الارض بھی وہی — (۶ : ۳) — (۱۶ : ۵۱-۵۲) — (۲۱ : ۲) — (۴۳ : ۸۴)

(۱۸) حمد فی السموٰت والارض بھی اسی کے لئے اور کبریائی بھی اُسی کے لئے ــــ (۴۵ : ۳۶-۳۷)

(۱۹) جنود السموٰت والارض خدا کے ہیں ــــ (۴۸ : ۴ ; ۷)

(۲۰) ارض وسماء کا اقتدار خدا کے ہاتھ میں ہے تاکہ ہر عمل کا نتیجہ مرتب ہو سکے ــــ (۲۲ : ۵۶)ــــ(۵۳ : ۳۱)

(۲۱) ارض وسموٰت کی ہر شے اپنی نشوونما کے لئے اس کی محتاج ہے ــــ (۵۵ : ۲۹)

ارض وسماء میں کوئی شے خدا سے پوشیدہ نہیں

(۱) کوئی شے خدا سے مخفی نہیں ــــ (۳ : ۴)

(۲) ارض وسماء میں جو کچھ ہے اس کا خدا کو علم ہے ــــ (۳ : ۲۸)ــــ(۵ : ۹۷)ــــ(۲۲ : ۷۰)ــــ(۴۹ : ۱۶)ــــ(۶۴ : ۴)

(۳) وہ ارض وسموٰت کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے ــــ (۲۷ : ۲۵)

(۴) غیب السموٰت والارض کو خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا ــــ (۲۷ : ۶۵)ــــ(۲۷ : ۷۵)ــــ(۳۵ : ۳۸)

(۵) وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے ــــ (۳۴ : ۲)ــــ(۵۷ : ۴)

(۶) قرآن اس خدا نے نازل کیا ہے جو ارض وسموٰت کے اسرار سے واقف ہے ــــ (۲۵ : ۶)

ارض وسموٰت کی تخلیق میں نشانیاں ہیں

(نشانی کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان "آیات")

(۱) ارض وسماء کی تخلیق اور دیگر مظاہر فطرت میں ارباب بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں ــــ (۲ : ۱۶۴)
(۳ : ۱۸۹)ــــ(۱۰ : ۶)ــــ(۳۰ : ۲۴)ــــ(۵۱ : ۲۰)

(۲) کیا ان لوگوں نے ملکوت السموٰت والارض پر غور نہیں کیا ــــ (۷ : ۱۸۵)ــــ(۳۴ : ۹)

(۳) ارض وسموٰت میں غور کرو ــــ (۱۰ : ۱۰۱)

(۴) لوگ ارض وسموٰت کی نشانیوں سے آنکھیں بند کئے گذر جاتے ہیں ــــ (۱۲ : ۱۰۵)

(۵) اس نے ارض وسموٰت کو بالحق پیدا کیا ہے۔ اس میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں ــــ (۲۹ : ۴۴)ــــ(۴۵ : ۳-۵)

(۶) تخلیقِ ارض وسموٰت خدا کی آیات میں سے ہے ــــ (۳۰ : ۲۲)ــــ(۴۲ : ۲۹)

(۷) زمینِ مردہ کی حیاتِ نو میں نشانیاں ہیں ــــ (۲۲ : ۶)ــــ(۲۲ : ۶۳)ــــ(۳۰ : ۲۴)ــــ(۳۰ : ۵۰)ــــ(۳۶ : ۳۳)

(۸) غور کرو کہ آسمان کو کیسا بلند کیا اور زمین کو کس طرح پھیلا دیا ـــ (۲۰ : ۱۸ : ۸۸)

تسخیر کائنات

(۱) ارض وسما میں سب کچھ انسان کے لئے مسخر (تابع قوانین) کر دیا ـــ (۲۰ : ۳۱) ـــ (۱۳ : ۴۵)

(۲) ارض میں جو کچھ ہے انسان کے لئے مسخر کر دیا ـــ (۶۵ : ۲۲)

(۳) ارض وسما میں سب کچھ خدا کے قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوتے ہے۔ یہ دین (نظام) خداوندی ہے۔

(۳ : ۸۲)

(۴) ارض وسما طوعاً و کرہاً اس کے قوانین کے سامنے جھکے ہوتے ہیں ـــ (۱۱ : ۴۱)

متفرقات

(۱) جنت کی وسعت ارض وسماوات جتنی ہے ـــ (۱۳۲ : ۳) ـــ (۲۱ : ۵۷)

(۲) ارض وسمٰوٰت میں ہر جگہ خدا چھایا ہوا ہے ـــ (۳ : ۶)

(۳) ابراہیمؑ کو ملکوت السمٰوٰت والارض دکھائی گئیں ـــ (۷۶ : ۶)

(۴) آیات اللہ کی تکذیب کرنیوالوں پر آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائینگے ـــ (۴۰ : ۷)۔ یہاں آسمان سے مراد کوئی طبیعی شے نہیں۔ برکاتِ سماوی (یعنی وحی کی رُو سے حاصل ہونے والی خوشگواریاں) مراد ہیں ـــ (۹۶ : ۷)

(۵) وہ ارض وسما سے رزق دیتا ہے ـــ (۳۱ : ۱۰) ـــ (۳۲ : ۱۴) ـــ (۶۴ : ۲۷) ـــ (۵-۴ : ۴۵)

(۵۱ : ۲۲)

(۶) اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کیا ـــ (۶۱ : ۱۱)۔ یعنی تخلیقِ انسانی کی ابتداء بے جان مادہ سے ہوئی۔

(۷) عذاب کے دن یہ زمین و آسمان بدل جائینگے ـــ (۴۸ : ۱۴)

(۸) آسمان میں بروج بنائے ـ (۱۶ : ۱۵)۔ یعنی خلاء میں اجرامِ فلکی پیدا کئے۔

(۹) اُس نے زمین کو پھیلا دیا۔ اس میں پہاڑ بنائے اور رزق کی پیداوار کا ذریعہ ـــ (۲۰-۱۹ : ۱۵) ـــ (۱۰ : ۴۱)

زمین تمہیں لے کر گھوم رہی ہے ——— (۱۰ : ۳۱)

(۱۰) خدا کی اولاد کا عقیدہ اس قدر باطل ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جاتے۔ زمین شق ہو جائے ———
(۹۰ : ۱۹) ——— (۵ : ۴۲)

(۱۱) اس نے تمہارے اوپر "سبع طرائق" بنائے ——— (۱۷ : ۲۳) ——— (۷ : ۵۱)

(۱۲) اگر حق لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو ارض و سمٰوت میں سب کچھ تباہ ہو جاتے ——— (۷۰ : ۲۳)

(۱۳) اللہ نور السمٰوت والارض ——— (۳۵ : ۲۴) یعنی کائنات میں ہر شے کو راہ نمائی خدا ہی کی طرف سے ملتی ہے۔

(۱۴) ارض و سمٰوت میں جو کچھ ہے، سب نفخِ صور سے گھبرا اٹھینگے ——— (۸۷ : ۲۷)

(۱۵) ارض و سمٰوت میں حمد اسی کی ہے ——— (۱۸ : ۳۰) ——— (۳۷-۳۶ : ۴۵)۔ ہر شے زبانِ حال سے اپنے
خالق کی حمد و ستائش کر رہی ہے۔

(۱۶) ارض و سمٰوت اس کے امر سے قائم ہیں ——— (۲۵ : ۳۰)۔ وہی انہیں تھامے ہوئے ہے ——— (۴۱ : ۳۵)

(۱۷) سمٰوت اور ارض میں مثل الاعلیٰ اسی کے ہیں ——— (۲۷ : ۳۰)

(۱۸) ارض و سمٰوت کا "بار امانت اٹھانے سے انکار" (یعنی وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے ——— (۷۲ : ۳۳)
وہ قوانینِ خداوندی کا اتباع پورا پورا کئے جا رہے ہیں۔

(۱۹) قریبی آسمان کو کواکب سے مزین کیا ——— (۶ : ۳۷) ——— (۵ : ۶۷)

(۲۰) مجرمین کی تباہی پر نہ زمین روئی نہ آسمان ——— (۲۹ : ۴۴)

(۲۱) آسمان کا ٹکڑہ گرتے ہوئے دیکھیں تو کہہ دیں کہ بادل ہے ——— (۴۴ : ۵۲)

(۲۲) آسمانوں میں ملائکہ ——— (۲۶ : ۵۳)

(۲۳) جن وانس سلطان کے بغیر اقطار السمٰوت والارض سے باہر نہیں جا سکتے ——— (۳۳ : ۵۵)

(۲۴) تم خدا کے کائناتی قانون سے کس طرح بیخوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں نہ دھنسا دے ——— (۱۶ : ۶۷)

(۲۵) قیامت میں زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ آسمان پھٹ جائے گا ——— (۱۷-۱۴ : ۶۹) ——— (۸-۷ : ۷۰)
(۱۸-۱۴ : ۷۳) ——— (۲۵ ؛ ۹ : ۷۷) ——— (۱۱ : ۸۱) ——— (۱ : ۸۲) ——— (۱ : ۸۴) ——— (۵-۱ : ۹۹)

(۲۶) آسمانوں میں پہرے ——— (۹ : ۷۲)۔ آسمان اور طارق شاہد ہے ——— (۱ : ۸۶)

(۲۷) اہل جنت اس میں رہیں گے جب تک ارض و سما باقی رہیں گے ——— (۱۰۸ : ۱۱)

(۲۸) نظریۂ ارتقاء "آسمان" سے زمین کی طرف تدبیرِ امر کرتا ہے۔ پھر وہ اسکیم بتدریج اپنے نصب العین کیطرف اٹھتی چلی جاتی ہے۔ (۵ : ۳۲)

(۲۹) ارض و . . ں زندہ مخلوق ہے (یعنی زمین اور بعض اجرام فلکی میں بھی)۔ اور خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ایسا بھی کرسکتا ہے کہ یہ مخلوق کسی دن آپس میں مل جائے۔ (۲۹ : ۴۲)

(۳۰) جنود السموات والارض خدا کے ہیں۔ (۴ ، ۷ : ۴۸)

(۰)

۳۸۔ اِرَم

ارم نشانِ راہ۔ یا کوئی نشان جس سے وہ شے پہچانی جاسکے۔

قرآنِ کریم میں قومِ عاد کے متعلق ہے۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۷ : ۸۹)۔ اِرَمْ اس مقام کا نام ہے جہاں وہ رہتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ارم ذات العماد سے ان کے وہ بلند ستون مراد ہیں جن پر وہ نقش ونگار بناتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ ارم، قومِ عاد کے مورثِ اعلیٰ کا نام تھا۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ ارم کے معنی ہیں چیزوں کا اوپر تلے رکھتے چلے جانا۔ اس میں ترتیب اور بلندی دونوں کا مفہوم آجاتا ہے۔

(۰)

۳۹۔ اِستخلاف

(نیز دیکھئے ـــــ "امم سابقہ")

استخلاف۔ (مادہ خ۔ ل۔ ف) اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کے پیچھے (یا بعد)۔ اس اعتبار سے کسی کے جانشین کو خلیفہ کہتے ہیں۔ یعنی جو پہلے جانے والے کی جگہ آئے۔ چونکہ جانشینی میں غلبہ وتسلط اور اختیار واقتدار کا مفہوم آجاتا ہے اس لئے استخلاف فی الارض کے معنی ہوتے ہیں ملک میں صاحبِ اختیار ہونا۔ حکومت۔ خلافت بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۰)

خلیفہ اور خلیفہ فی الارض

(۱) قرآن کریم میں آدم (یعنی نوع انسان) کے متعلق ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ (۲:۳۰)
اس سے عام طور پر یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ یہ مفہوم بوجوہ غلط ہے۔ ایک تو اس لئے کہ قرآن کریم میں کہیں بھی آدم کو خلیفۃ اللہ (اللہ کا خلیفہ) نہیں کہا گیا۔ دوسرا اس لئے کہ خلیفہ یا جانشین ہمیشہ کسی کی غیر موجودگی میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اس لئے خدا کے بعد یا اس کی عدم موجودگی میں اس کی جانشینی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آدم (آدمی) کو جو خلیفہ فی الارض کہا گیا ہے تو اولاً اس اعتبار سے کہ انسان اس مخلوق کا جانشین ہے جو اس سے پہلے زمین میں آباد تھی۔ جیسا کہ (۶:۱۳۳) اور (۱۵:۲۷) میں کہا گیا ہے کہ انسان سے پہلے یہاں ایک مخلوق آباد تھی۔ ثانیاً اس لئے کہ انسان کو زمین میں بڑے اختیارات کا مالک بنایا گیا ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کیلئے تابع تسخیر کر دی گئی ہے۔ یہ ہے صحیح مفہوم خلیفہ فی الارض کا۔

(۲) خدا نے تمہیں دنیا میں صاحب اختیار (خلیفہ) بنایا ہے تاکہ دیکھا جائے کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو۔ —(۶:۱۶۶)—(۱۰:۱۴)۔ حضرت داؤد کو خلیفہ فی الارض بنایا یعنی انہیں حکومت دی۔ (۳۸:۲۶)

(۳) خلیفہ کے معنی کسی کی عدم موجودگی میں اس کا جانشین ہونا — (۷:۱۴۲)—(۷:۱۵۰)

(۴) حضرت نوحؑ کے ساتھیوں کو ان کا جانشین بنایا جو غرق ہو گئے تھے — (۱۰:۷۳)

(۵) انبیاءؑ کے بعد ان کے متبعین ناخلف پیدا ہو گئے — (۱۹:۵۹)

(۶) خِلْفَۃً کے معنی، ایک کے بعد دوسرا آنے والا — (۲۵:۶۲)

(۷) خدا نے تمہیں خلفاء فی الارض بنایا — (۲۷:۶۲)—(۳۵:۳۹)

(۸) اگر خدا چاہتا تو زمین میں ملائکہ کو خلیفہ بنا دیتا — (۴۳:۶۰)

(۹) تم اس مال کو خرچ کرو جس کا اس نے تمہیں وارث (جانشین) بنایا — (۵۷:۷)

(۱۰) قوم موسیٰؑ کے جانشینوں کو وارث کتاب بنایا — (۷:۱۶۹)

(۱۱) فرعون کی لاش کو بعد میں آنے والوں کے لئے نشانی بنایا — (۱۰:۹۲)

(۱۲) خالفین — پیچھے رہ جانے والے — (۹:۸۳)—(۹:۸۷؛ ۹۳)

(۱۳) قومِ عادؔ کو قومِ نوحؑ کے بعد خلیفہ (ان کا جانشین) بنایا۔ (۶۹ : ۷) ؛ قومِ ثمود کو ۔۔۔ (۷۴ : ۷)

(۱۴) جس مال و دولت کا تمہیں جانشین (وارث) بنایا ہے اس میں سے انفاق کرو ۔۔۔ (۷ : ۵۷)

استخلاف فی الارض

(۱) خدا چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ کسی اور قوم (یا نوع) کو تمہارا جانشین بنا دے جس طرح تمہیں پہلی اقوام کا جانشین بنایا یا تم سے پہلی نوع کا جانشین بنایا۔ (۱۳۴ : ۶) ؛ یہ سب کچھ قوموں کے اعمال کے نتیجے میں ہوتا ہے ۔۔۔ (۱۳۲ - ۳۳ : ۶)

(۲) قومِ نوح کے بعد قومِ عاد کو زمین کی حکومت (خلافت) ملی ۔۔۔ (۶۹ : ۷)

(۳) قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود کو ان کا جانشین بنایا اور انہیں بڑا غلبہ و تسلط عطا کیا۔ (۷۴ : ۷)

(۴) جو قوم کسی پہلی قوم کی وارث ہوتی ہے اسے سابقہ قوم کے احوال و ظروف سے عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ اس میں کونسی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں جن کی وجہ سے ان سے تمکن چھن گیا ۔۔۔ (۱۰۰ : ۷)

(۵) قومِ فرعون کی جانشینی بنی اسرائیل کے حصے میں آئی تاکہ دیکھا جائے کہ وہ کس قسم کے کام کرتے ہیں۔

(۱۲۹ : ۷) ۔۔۔ (۱۳۷ : ۷)

(۶) پہلی قوموں کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھا جائے کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو ۔۔۔

(۱۶۶ : ۶) ۔۔۔ (۱۴ : ۱۰)

(۷) حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم قوانینِ خداوندی سے اعراض برتو گے تو خدا تمہاری جگہ اور قوموں کو حکومت عطا کر دیگا ۔۔۔ (۵۷ : ۱۱)

(۸) ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض ہے۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ دین کا تمکن ہو۔ نظامِ صلوٰۃ قائم ہو سکے۔ زکوٰۃ کا انتظام کیا جا سکے۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہو۔ اس ایک آیت میں دین کا پورا نظام آ گیا ہے۔ اپنی آزاد مملکت کے بغیر دین کا تمکن ہو نہیں سکتا ۔۔۔ (۵۵ : ۲۴)

(۹) حضرت داؤدؑ کو خلیفہ فی الارض بنایا اور کہا کہ وہ لوگوں کے فیصلے حق کے ساتھ کریں۔ یہاں سے خلیفہ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔۔۔ (۲۶ : ۳۸)

(۱۰) وراثتِ ارض مشروط ہوتی ہے۔ سننِ خداوندی کی نہایت استقامت کے ساتھ اطاعت کرنے سے۔

(۱۲۸ : ۷)

(۱۱) اگر جہاد نہ کروگے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئیگا —— (۹ : ۳۹)

(۱۲) کونسی قوم کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے؟ —— (۶ : ۱۳۱ - ۳۶) —— (۹ : ۳۹) ——
(۲۱ : ۱۱ - ۱۴) —— (۴۷ : ۳۶ - ۳۸)

(۱۳) وراثت ارضی کا ابدی قانون — صلاحیت شرط ہے —— (۲۱ : ۱۰۵)

(۱۴) حکومت و مملکت خدا کا احسان ہے —— (۵ : ۲۸)

(۱۵) جو قوم دوسری قوم کی جگہ لیتی ہے وہ اس سے بہتر ہوتی ہے —— (۴۷ : ۳۶ - ۳۸) —— (۷۰ : ۴۱)

نوٹ :- استخلاف فی الارض سے مراد "روحانی خلافت" لینا، قرآن میں تحریف ہے۔ قرآن کریم نے "استخلاف فی الارض" کی اصطلاح دنیاوی حکومت و اقتدار کے لئے استعمال کی ہے اور "روحانی خلافت" کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں آیا۔

—— (۰) ——

۴۰۔ استعانت

(اعانت۔ تعاون)

استعانت (مادہ ع - و - ن)۔ عَوْنٌ کے معنی مدد اور مددگار دونوں کے ہیں۔ مُتَعَاوِنَۃٌ اس عورت کو کہتے ہیں جو اگرچہ عمر میں زیادہ ہو لیکن اس کی جسمانی ساخت میں اعتدال ہو اور جسم عمدہ تناسب کے ساتھ بھرا بھرا ہو۔ لہٰذا، اِسْتَعَانٌ کے معنی ہیں اپنی ذات کے لئے اعتدال کی خواہش کرنا اور اس مقصد کے لئے کسی کی مدد طلب کرنا۔

مدد صرف خدا سے طلب کی جائے

قرآن کریم کی تعلیم کی بنیاد توحید پر ہے۔ اور توحید کے معنی یہ ہے کہ زندگی کے ہر گوشے میں اپنی توجہات کا رُخ خدا کی طرف رکھا جائے۔ "توجہات کا رخ خدا کی طرف رکھنے" سے مطلب یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی کی جائے۔ لہٰذا، جب یہ کہا جائے گا کہ ہر معاملہ میں مدد بھی خدا سے مانگی جائے تو

اس کے معنی یہ ہونگے کہ جو معاملہ سامنے آئے اس میں دیکھا یہ جائے کہ اس باب میں قانونِ خداوندی کا تقاضا کیا ہے۔ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ جب قانونِ خداوندی کے مطابق عمل کیا جائے گا تو اس کا نتیجہ ہمیشہ خوشگوار اور ثمربار مرتب ہوگا۔ اسی کا نام "خدا کی مدد" ہے

(۲) سورۂ فاتحہ میں مومن کو دعا یہ سکھائی گئی ہے کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ــــ (۱ : ۴)۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ قانونِ خداوندی کے اتباع سے ہماری ذات کی صحیح صحیح نشو و نما ہو جائے۔

(۳) اَلْمُسْتَعَانُ ــ (۱۲ : ۱۸)۔ یعنی جس سے مدد مانگی جائے۔ وہ صرف خدا کی ذات ہے۔

(۴) حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جو کچھ تم زیادتی کر رہے ہو میں اس کے خلاف خدا سے اعانت طلب کرتا ہوں ــــ (۱۸ : ۱۲)

استعانت کا طریق

(۱) صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے اعانت طلب کرو ــــ (۴۵ : ۲) ــ (۱۵۳ : ۲)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔ (صلوٰۃ سے یہی مراد ہے ــ دیکھئے عنوان صلوٰۃ)۔ اور اس میں استقامت سے کام لو۔

(۲) یہی تلقین حضرت موسےٰؑ نے اپنی قوم سے کی تھی ــــ (۱۲۸ : ۷)

غیر خدا سے استعانت

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ نفع یا نقصان صرف قوانین خداوندی کے مطابق پہنچتا ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کے اتباع سے نفع ہوتا ہے اور ان کی خلاف ورزی سے نقصان۔ اس لئے، اس کی قوت کسی اور میں نہیں۔ لہٰذا، کسی انسان یا فطرت کی کسی شے کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس میں نفع یا نقصان پہنچانے کی قوت بالذات موجود ہے، اسے صفات خداوندی میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے قرآن نے بار بار اس کی تردید کی ہے۔

(۱) اپنی اعانت کے لئے قانونِ خداوندی کے علاوہ اور کسی کی طرف رجوع مت کرو۔ ایسا کرنے کی قوت کسی اور میں نہیں ــــ (۱۰۶ - ۱۰۷ : ۱۰)۔

(۲) خدا کے علاوہ کسی میں اس کی قوت نہیں ــ (۷۱ : ۶) ــ (۶۶ : ۲۱) ــ (۱۲ : ۲۲) ــ (۵۵ : ۲۵)۔

(۳) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہم ان کی طرف اس لئے رجوع کرتے ہیں کہ یہ خدا سے ہماری سفارش کریں گے ——— (۱۰ : ۱۸)۔ جو نتیجہ قانون کی رُو سے مرتب ہونا ہو، اُس میں کسی کی سفارش کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا ——— (دیکھئے بعنوان شفاعت)

(نوٹ) اس موضوع پر یہاں صرف دو چار حوالے تمثیلاً درج کر دیئے گئے ہیں۔ تفصیل اسکی "نفع و نقصان" کے عنوان میں ملے گی۔

تعاون

تعاون کے معنی ہیں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ اس نے مل جل کر رہنا ہے۔ اس لئے ان کے باہمی کاروبار ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر چل نہیں سکتے۔ لیکن قرآن کا حکم یہ ہے کہ ہمیشہ ان کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو جو قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوں۔ خلافِ قانون امور میں ایک دوسرے کی مذمت کرو ——— (۵ : ۲)

(۲) جو صداقت کے علمبردار ہوں، ان کا ساتھ دو ——— (۹ : ۱۱۹)

(۳) جو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکیں، تم بھی ان کے ساتھ جھکو ——— (۲ : ۴۳)

(۴) حق اور استقامت میں ایک دوسرے کے ساتھ ربطِ باہمی رکھو۔ اور ایک دوسرے کو اس کی تلقین کرتے رہو ——— (۳ : ۱۹۹) ——— (۱۷ : ۹۰) ——— (۳ : ۱۰۳)

(۵) جو اچھے کام میں کسی کے ساتھ کھڑا ہو گا اس میں اس کا بھی حصہ ہو گا۔ اور جو بُرے کام میں کسی کے ساتھ کھڑا ہو گا، اس جرم میں وہ بھی شریک ہو گا ——— (۴ : ۸۵)

(اس سلسلہ میں عنوان "شفاعت" دیکھئے)

——— (○) ———

۴۱۔ استہزا

(نیز دیکھئے۔ لہو و لعب۔ حیات الدنیا۔ تمسخر)

استہزا۔ مادہ (ھ۔ ز۔ ء)۔ مذاق اڑانا۔ مضحکہ انگیزی۔ کسی بات کو سنجیدگی سے نہ لینا۔ دوسرے

کی تحقیر و تذلیل کرنا۔

جب کسی کے پاس دوسرے کے دعویٰ کی تردید کے لئے کوئی دلیل نہ رہے تو وہ مضحکہ انگیزی پر اتر آتا ہے۔ یہ انتہائی ذلیل حربہ ہوتا ہے اور نہایت پست ذہنیت کا مظہر۔ نفسیاتی طور پر اس کا محرک جذبہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں دوسرے کی تذلیل و تحقیر ہوتا ہے۔ اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی صحیح بات تک نہیں پہنچ پاتا اور خود فریبی میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کیفیت کے اظہار کے لئے خدا نے کہا ہے کہ یہ لوگ زندگی سے مذاق کرتے ہیں تو زندگی خود ان کا مذاق اڑاتی ہے۔

مسلمانوں کے مخالفین کی طرف سے استہزاء

(۱) مخالفین کہتے ہیں کہ ہم جماعتِ مومنین کا مضحکہ اڑاتے ہیں حالانکہ قانونِ خداوندی کی رُو سے خود انکی اپنی حالت مضحکہ انگیز ہوتی ہے ——— (۲ : ۱۴-۱۵)

(۲) کفار اپنی دولت اور وجاہت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے تھے ——— (۲ : ۲۱۲)

(۳) جس تباہی کی بابت انہیں آگاہ کیا جاتا ہے، یہ اس وقت اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ لیکن وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جو واقع ہو کر رہے گی ——— (۶ : ۵)—(۶ : ۱۰)—(۱۱ : ۸)—(۱۶ : ۳۴)—(۲۱ : ۴۱)

(۲۶ : ۶)—(۳۹ : ۴۸)—(۴۰ : ۸۳)—(۴۳ : ۷)—(۴۵ : ۳۳-۳۵)—(۴۶ : ۲۶)

(۴) منافقین احکامِ خداوندی کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ کفر ہے ——— (۹ : ۶۴-۶۶)

(۵) مخالفین، آیاتِ خداوندی کو محض کھیل تماشے کے طور پر سنتے تھے۔ اور ان پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے تھے ——— (۲۱ : ۲)——— (۲۳ : ۶۶-۶۷)

(۶) کفار، خود رسول اللہؐ کی (معاذ اللہ) ہنسی اڑاتے تھے ——— (۲۱ : ۳۶)—(۲۵ : ۴۱)—(۳۴ : ۷)

(۷) یہ لوگ قیامت کی ہنسی اڑاتے ہیں ——— (۳۷ : ۱۲-۱۴)

(۸) آیاتِ خداوندی کا استہزاء کرنے والے ——— (۴۵ : ۹)

اقوامِ سابقہ کی بھی یہی روش تھی

(۱) اقوامِ سابقہ بھی رسولوں کی ہنسی اڑایا کرتی تھیں۔ سو جس بات کی وہ ہنسی اڑاتی تھیں وہ انہیں گھیر لیا

کرتی تھی۔ یعنی ان کے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج —— (۱۰ : ۶) — (۳۲ : ۱۳) — (۱۰ : ۳۰)

(۲) حضرت نوحؑ کشتی بنانے میں مصروف تھے اور مخالفین ان کی ہنسی اڑاتے تھے —— (۳۹-۳۸ : ۱۱)

(۳) ہر رسول کا استہزاء ہوتا رہا ہے —— (۱۱ : ۱۵) — (۵۶ : ۱۸) — (۴۱ : ۲۱) — (۳۰ : ۳۶) — (۷ : ۴۳)

(۴) قومِ لوط نے جماعتِ مومنین کے متعلق کہا کہ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ انہیں بستی سے نکال باہر کرو۔

(۵۶ : ۲۷)

(۵) فرعون نے ہامان سے کہا کہ ایک اونچا سا مینار بناؤ تاکہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰؑ کے خدا کو جھانک سکوں۔

(۳۸ : ۲۸) — (۳۶ : ۴۰) — (۴۷ : ۴۳)

(۶) اقوامِ سابقہ نے رسولوں سے استہزاء کیا تو تباہ ہو گئیں —— (۸-۷ : ۴۳) — (۲۷-۲۶ : ۴۶)

(۷) قومِ حضرت موسیٰؑ نے آپ سے کہا کہ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں —— (۶۷ : ۲)

قوانینِ خداوندی سے استہزاء کا نتیجہ تباہی ہے

(خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل اپنی نتیجہ خیزی میں اٹل ہے۔ اگر کوئی فرد یا قوم اس کی ہنسی اڑاتی ہے تو اس سے وہ قانون نتیجہ مرتب کرنے سے رک نہیں جاتا۔ وہ نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ اسی کا نام ان کی تباہی ہے)

(۱) استہزاء کرنیوالوں کے خلاف، خدا کا قانون کافی ہے —— (۹۵ : ۱۵)

(۲) خدا کے احکام اور اس کے رسولوں کا استہزاء کرنیوالوں کا انجام جہنم کی تباہی ہے —— (۱۰۶ : ۱۸)

(۳) کفار، مومنین کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آخر الامر جماعتِ مومنین کی زندگی جنت کی ہوگی۔ اور کفار کا انجام تباہی —— (۱۱۱-۱۱۰ : ۲۳)

(۴) قوانینِ خداوندی سے استہزاء کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے —— (۱۰ : ۳۰)

(۵) لوگوں کو بلا علم گمراہ کرنیوالا انہیں فضول باتوں میں الجھا دیتا ہے۔ یوں وہ قوانینِ خداوندی سے استہزاء کرتا ہے جس کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے —— (۶ : ۳۱)

ان کے لئے عذابِ مہین —— (۹ : ۴۵) —— (۳۵ : ۴۵)

(۶) کفار ان مومنین کو جہنم میں نہیں دیکھیں گے جن کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے —— (۶۲ : ۳۸)

(۳۴-۲۹ : ۸۳)

جماعت مومنین کیلئے ہدایات

(۱) عائلی قوانین کا بیان کرنے کے بعد کہا کہ انہیں مذاق مت سمجھو ——— (۲۳۱ : ۲)
(۲) جس جگہ احکامِ خداوندی کا مذاق اڑایا جا رہا ہو' وہاں مت بیٹھو ——— (۱۴۰ : ۴)
(۳) جو لوگ دین سے استہزاء کریں انہیں اپنا دوست مت بناؤ ——— (۵۸-۵۷ : ۵)
(۴) آپس میں ایک دوسرے سے تمسخر مت کرو ——— (۱۱ : ۴۹)

متفرقات

(۱) سلسلۂ کائنات بطور کھیل تماشا پیدا نہیں کیا گیا۔ اس کا ایک مقصد ہے ——— (۱۷-۱۶ : ۲۱)
(۲) دنیا اور اس کی زندگی ایک حقیقت ہے۔ لیکن جب اس میں اور زندگی کی بلند اقدار میں ٹکراؤ ہو جائے تو پھر اس کی حیثیت کھیل تماشے سے زیادہ کچھ نہیں رہ جاتی ——— (۶۴ : ۲۹)
(۳) لوگ شکوک و شبہات میں پڑے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ انہیں دور کرنے کی کوشش کریں، ان معاملات کو محض کھیل تماشہ سمجھ لیتے ہیں ——— (۹ : ۴۴)

——— (۰) ———

۴۲۔ اسحٰق

نیز دیکھئے ——— ابراہیمؑ

اسحاق قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر نام لے کر آیا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ۔ یہ دونوں آپ کے بڑھاپے کی اولاد تھے ——— (۳۹ : ۱۴)

(۲) بعض مقامات میں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا ذکر اکٹھا آیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے تھے ——— (۸۵ : ۶) ——— (۴۹ : ۱۹) ——— (۲۷ : ۲۹)

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تمہارے آباء ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحٰقؑ تھے ——— (۱۳۳ : ۲)

ایک جگہ حضرت یعقوبؑ کو حضرت ابرٰاہیم کا پوتا کہا گیا ہے ـــــ (۲۱ : ۷۲) نیز ـــ (۱۱ : ۷۱)۔

(۳) ابرٰاہیم و اسحاق اور یعقوبؑ سب خدا کے بندے اور قوت و بصیرت کے مالک تھے ـــــ (۳۸ : ۴۵)

(۴) حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ پر خدا کی برکات ـــــ (۳۷ : ۱۱۳)

(۵) حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کی خوش خبری ـــــ (۱۱ : ۷۱) ـــــ (۳۷ : ۱۱۲)

(۶) حضرت اسحٰقؑ نبی تھے ـــــ (۲ : ۱۳۶) ـــــ (۳۷ : ۱۱۲)

(۷) حضرت ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ، حضرت یوسفؑ کے آباء و اجداد میں سے تھے ـــــ (۱۲ : ۶)

ـــــ (۰) ـــــ

۴۳۔ اسرائیل

اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ انہوں نے کسی شے کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔ یہودیوں نے اسے ابداً حرام قرار دے دیا ـــــ (۳ : ۹۲)

(۲) ایک جگہ اسرائیل اور ابراہیم کا ذکر اکٹھا آیا ہے ـــــ (۱۹ : ۵۸)

حضرت یعقوبؑ کا تفصیلی تذکرہ "یعقوب" کے عنوان میں ملے گا۔ یہودی، انہی کی نسبت سے بنی اسرائیل (اولادِ اسرائیل) کہلاتے ہیں۔ ان کا تفصیلی تذکرہ عنوان "بنی اسرائیل" میں ملے گا۔

ـــــ (۰) ـــــ

۴۴۔ اسراف (تبذیر)

اسراف (مادہ) س۔ ر۔ ف)۔ جو حد مقرر کی گئی ہو اس سے آگے بڑھ جانا۔ کسی چیز کا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا۔ کسی شے کا اس طرح ضائع ہو جانا کہ جو فائدہ اس سے حاصل ہونا تھا وہ نہ ہو۔ وہ رائیگاں چلی جائے یا اس سے تخریبی نتائج پیدا ہوں۔

اس مفہوم کے لئے دوسرا لفظ تبذیر آتا ہے جس کا مادہ (ب۔ ذ۔ ر) ہے۔ اس کے معنی ہوتے

ہیں کسی شے کو بکھیر دینا۔ مطلب ہوتا ہے اسے بالکل ضائع کر دینا۔ لہٰذا، تبذیر کے معنی ہوں گے کسی شے کا بلا ضرورت استعمال۔ اور اسراف کا مطلب ہوگا ضرورت سے زیادہ استعمال یا بے موقع استعمال۔ اور مسرفین کے معنی ہوں گے حدود فراموش۔ یعنی حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے خواہ وہ کسی گوشے میں ہوں۔

اسراف سے احتیاط

مجاہدین کی دعائیں کہ اگر ہم میدانِ جنگ میں کہیں حد سے آگے بڑھ گئے ہوں۔ قاعدے اور قانون سے تجاوز کر گئے ہوں تو ہماری اس لغزش سے درگزر کر دیا جائے۔ غور کیجیے کہ قرآن میدان کارزار میں بھی قواعد و ضوابط کی حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا ——— (۳:۱۴۶)

اسراف مت کرو

(۱) اپنی فصلوں میں سے اپنی ضروریات کے مطابق رکھ کر باقی نظامِ خداوندی کے حوالے کر دو تاکہ اس سے دوسرے حاجتمندوں کی ضروریات پوری ہو سکیں ——— (۲:۲۱۹)۔ اور اپنی ضروریات کے تعین میں حد سے نہ بڑھو۔ خدا کو یہ بات پسند نہیں ——— (۶:۱۴۲)۔ تبذیر مت کرو ——— (۱۷:۲۶)
مبذرین شیطان کے بھائی ہیں ——— (۱۷:۲۷)

(۲) کھاؤ پیئو۔ زیب و زینت کی چیزوں کو بھی استعمال کرو۔ لیکن حد سے نہ بڑھو۔ نہ ہی انہیں رائیگاں جانے دو۔ ان سے مفید مقاصد حاصل کرو ——— (۷:۳۱)

مسرفین۔ اسراف کے نتائج

(۱) قومِ لوط، جو اغلام کی عادی تھی، مسرف تھی۔ اس سے اسراف کے معنی واضح ہو جاتے ہیں یعنی مادۂ تولید، افزائشِ نسل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے اس طرح استعمال کرنا جس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو، اسراف ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ جنسی اختلاط (خواہ عورت کے ساتھ ہی ہو) جس سے افزائشِ نسل مقصود نہ ہو، اسراف میں داخل ہے۔ اور اس کی ممانعت ہے ——— (۷:۸۱) ——— (۵۱:۳۴)

(۲) انسان مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جب وہ مصیبت رفع ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے یہ مسرفین کی روش ہے جس سے انہیں ان کے اس قسم کے اعمال بھی بڑے اچھے بن کر دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح خدا کو پکارنا بے معنی ہے ——— (۱۲ : ۱۰)۔ اس کے قوانین کی اطاعت ہر حالت میں کرنی چاہیئے۔

(۳) فرعون بڑا سرکش، (اور حدود فراموش (مسرف) تھا یعنی اس کے ظلم و زیادتی کی کوئی حد ہی نہ تھی۔

(۸۳ : ۱۰) ——— (۳۱ : ۴۴)

(۴) ذاتی اخراجات کے معاملہ میں، نہ تو بخیلی برتو اور نہ ہی فضول خرچی پر اتر آؤ۔ اس سے آخر الامر تمہیں ندامت و حسرت کا سامنا کرنا پڑیگا ——— (۲۹ : ۱۷) ——— (۶۷ : ۲۵)

(۵) جو شخص قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھے گا۔ یہ اسراف ہے۔ یہاں اسراف کے معنی قانونِ خداوندی سے اعراض برتنا ہیں

(۲۰ : ۱۲۴ - ۱۲۷)

(۶) مسرفین تباہ و برباد ہو جاتے ہیں ——— (۹ : ۲۱)

(۷) مسرفین وہ ہیں جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں اور اصلاح کی کوشش نہیں کرتے۔ ان کی اطاعت مت کرو ——— (۱۵۱ - ۱۵۰ : ۲۶)

(۸) جو لوگ، قوانینِ خداوندی کی طرف دعوت دینے والوں کی مخالفت کرتے ہیں، وہ مسرفین ہیں۔ یہاں یہ لفظ مجرمین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قانون شکنی، حدود فراموشی، زیادتی۔ سب جرم ہی ہیں ——— (۱۹ : ۳۶)

(۹) جو لوگ (نادانستہ) خود اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھیں، انہیں رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ اپنی روش ٹھیک کرلیں۔ تو ان کی ذات کی نشو و نما پھر سے شروع ہو جائے گی۔ خدا کے کسی قانون کی خلاف ورزی، درحقیقت اپنے آپ پر زیادتی ہوتی ہے۔ اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا

(۳۹ : ۵۳)

(۱۰) لیکن جو دیدہ دانستہ قانون شکنی اور حدود فراموشی کریں اور یوں قوانینِ خداوندی کی تکذیب کریں، ان پر کامیابی کی راہ کشادہ نہیں ہوتی ——— (۲۸ : ۴۰) یہ جہنم میں جائینگے ——— (۴۳ ؛ ۳۴ : ۴۰)

(۱۱) کفارِ عرب کو مسرفین کہا گیا ہے۔ قانون شکن، حدود فراموش، بے نتیجہ کام کرنے والے، تخریبی نتائج پیدا کرنے والے۔ اس میں اس قسم کے تمام جرائم آجاتے ہیں ــــ (۴۳ : ۵)

(۱۲) بنی اسرائیل کو بتایا گیا تھا کہ ناحق قتل کس قدر جرمِ عظیم ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ لوگ حدود شکنی کرتے رہے ــــ (۵ : ۳۲)

(۱۳) یتیموں کے مال کی حفاظت کا ذمہ لو تو اس میں سے قاعدے اور قانون کے مطابق حسبِ ضرورت، اپنے لئے کچھ لے سکتے ہو لیکن اسے اسراف کے طریق سے مت کھاؤ ــــ (۴ : ۶-۷)

(۱۴) قتل کا بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کرو ــــ (۱۷ : ۳۳)

ــــ (۰) ــــ

۴۵ - اِسْلام

(نیز دیکھئے ــــ دین)

اِسلام (مادہ س۔ ل۔ م)۔ یہ مادہ بڑا جامع ہے۔ اور اس سے جو الفاظ بنتے ہیں وہ وسیع المعانی ہیں۔ بنیادی طور پر اس مادہ کی مختلف شکلوں سے حسب ذیل معانی مرتب ہوتے ہیں:-

(۱) ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک اور صاف ہو جانا۔ اس طرح مکمل ہو جانا کہ اس میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔

(۲) ہر قسم کے خطرات، آفات و حوادث سے محفوظ رہنا۔ سلامتی حاصل کرنا اور دوسروں کو سلامتی عطا کرنا۔

(۳) وہ ذرائع جن سے کوئی شخص نہایت حفاظت اور اطمینان سے بلندیوں تک پہنچ جائے۔

(۴) اطاعت، انقیاد، سپردگی، جھک جانا، سرِ تسلیم خم کر دینا۔

(۵) اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کرنا اور لغویت اور بیہودگیوں سے بچنا۔

(۶) حسن و خوشنمائی۔

کائنات میں ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ وہ ان قوانین کی پوری پوری اطاعت کرتی ہے، اس سے ہر شے نشو و نما پاتی ہوئی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ یعنی جو کچھ اس نے بننا ہوتا

ہے' وہ کچھ بن جاتی ہے۔ اور نظامِ کائنات نہایت امن اور سلامتی اور اعتدال و توازن کے ساتھ قائم ہے۔ اس روش اور طریق کو جس پر یہ کائنات چل رہی ہے' اسلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جس طرح کائنات کی ہر شے کے لئے قوانینِ خداوندی متعین ہیں' اسی طرح انسانی زندگی کے لئے بھی قوانین عطا کئے گئے ہیں۔ اس ضابطہ قوانین کو الدّین کہا گیا ہے۔ اور وہ طریق جس کے مطابق' انسان اس ضابطہ زندگی کو عملاً اختیار کرتا ہے' الاسلام کہلاتا ہے۔ اور اس طریق کو اختیار کرنے والوں کو مسلم کہا جاتا ہے یعنی وہ جو قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے اپنی نشو ونما کئے جاتے ہیں اور اس طرح خود بھی امن و سلامتی میں رہتے ہیں اور ساری دنیا کو بھی امن و سلامتی کی ضمانت دیتے ہیں۔

چونکہ وہ قوانینِ خداوندی' جن کے مطابق انسانوں کا چلنا مقصود ہے' اب اپنی آخری اور مکمل شکل میں' قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ اس لئے اب الاسلام کے معنی ہیں قرآنی قوانین و احکام و اصول کے مطابق عملاً زندگی بسر کرنا۔ (انبیاء سابقہ کو بھی اپنے اپنے وقتوں میں یہی قوانین دیئے گئے تھے۔ اس لئے ان کا طریقِ زندگی بھی اسلام ہی کہلاتا تھا۔ اور اس پر چلنے والے بھی مسلم۔ لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے' اب الاسلام قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی کو کہا جائے گا اور اس طریق سے زندگی بسر کرنیوالوں کو مسلم)۔ خدا نے قرآنِ کریم میں ایسے لوگوں کا نام مسلم ہی رکھا ہے۔ اس لئے مسلم کے علاوہ کچھ اور کہلانا' یا اس کے ساتھ دیگر نسبتوں کا اضافہ کرنا' قرآن کے منشاء کے خلاف ہے۔

بنیادی معانی کے اعتبار سے' مومن وہ ہیں جو قرآنِ کریم کی صداقتوں پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور مسلم وہ جو ان کے مطابق عمل کرتے ہیں لیکن چونکہ' قرآنِ کریم کی رو سے' ایمان بلاعمل' یا عمل بلا ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا' اس لئے مومن اور مسلم کے الفاظ مرادف معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور ایک آدھ مقام میں اَسْلَمَ محض اطاعت اختیار کر لینے کے معنوں میں بھی آیا ہے۔

اسلام کی خصوصیات

(۱) گروہوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی نوعِ انسانی کو ایک عالمگیر برادری بنا دینا۔ (۲:۲۷)—(۲:۲۱۳)

(۱۹ : ۱-)

(۲) اسلام کسی خاص قوم' نسل یا گروہ کا دین نہیں۔ اس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں۔ جس کا

جو چاہے اسے اختیار کرلے ــــ (۲:۶۲) ــــ (۲:۸۱-۸۲) ــــ (۲:۱۱۱-۱۱۲) ــــ (۲:۱۴۰) - (۴:۱۲۳-۱۲۵)

(۳) اس میں مشرق و مغرب کا بھی کوئی امتیاز نہیں ــــ (۲:۱۱۵) - یعنی یہ زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔

(۴) اسلام، خدائی راہنمائی کے مطابق چلنے کا نام ہے ــــ (۲:۱۲۰)

(۵) قرآن پر اور تمام انبیائے سابقہ کی وحی پر ایمان لانے کا نام اسلام ہے۔ اس طرح ایمان لانا جس طرح مسلمان ایمان لاتے ہیں ــــ (۲:۱۳۶-۱۳۷) ــــ (۲:۲۸۵) ــــ (۳:۸۴) ــــ (۴:۱۳۶) - سابقہ انبیاء کی وحی پر ایمان لانے سے مفہوم یہ ماننا ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے وقت میں خدا کی راہنمائی لاتے تھے۔ لیکن اب وہ راہ نمائی صرف قرآن کے اندر ہے۔

(۶) یہ خدا کے رنگ میں رنگے جانا ہے۔ یعنی اپنے اندر بہ حدِ بشریت صفاتِ خداوندی کی نمود کرتے چلے جانا (۲:۱۳۸)

(۷) اسلام یہ نہیں کہ مشرق کی طرف منہ کرلیا جائے یا مغرب کی طرف۔ اسلام یہ ہے کہ..... ــــ (۲:۱۷۷) یعنی محض چند رسوم کا میکانکی طور پر ادا کرلینا اسلام نہیں۔ اسلام بطیبِ خاطر قرآنی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام ہے

(۸) دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں حاصل کرنے کا نام اسلام ہے ــــ (۲:۲۰۱) ــــ (۳:۱۴۷)

(۹) اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے۔ اس میں پورے کا پورا داخل ہونا چاہیئے۔ (۲:۸۵)۔(۲:۲۰۸)

(۱۰) اسلام، دنیا اور آخرت دونوں میں غور و فکر کی تاکید کرتا ہے ــــ (۲:۲۲۰)

(۱۱) دنیا کے تمام مظلوموں اور کمزوروں کی مدافعت کرنیوالا ــــ (۲:۲۵۱)

(۱۲) اسلام، دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ صداقت کو ماننا ہے۔ اس میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ــــ (۲:۲۵۶)

(۱۳) احکامِ خداوندی کی پابندی سے خود انسانی ذات میں وسعت پیدا ہوتی ہے ــــ (۲:۲۸۶)

(۱۴) اسلام، دنیاوی زینت و آرائش اور ساز و سامان سے متمتع ہونے کے خلاف نہیں ــــ (۳:۱۴) خدا کا مقرر کردہ نظامِ زندگی (دین) صرف اسلام ہے۔ یہی دین انبیائے سابقہ کو دیا جاتا تھا لیکن اس کے متبعین اس میں اختلافات پیدا کر دیتے تھے ــــ (۳:۱۸) ــــ (۳:۸۴)

(۱۵) سابقہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب، سب کیلئے اسلام کو بطور نظامِ زندگی اختیار کرنا ضروری ہے (۳:۱۹) ــــ (۳:۶۳)

(۱۶) اسلام میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہ حق کسی کو حاصل ہی نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے حتیٰ کہ رسول کو بھی نہیں ـــــ (۳ : ۷۸)
(۱۷) نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق نہ تمہارے مخالفین کی آرزوؤں کے مطابق۔ بلکہ اعمال کے مطابق نتائج مرتب ہوں گے ـــــ (۴ : ۱۲۳)
(۱۸) جو اپنے آپ کو قوانین خداوندی کے سامنے جھکا دے اس سے اچھا نظامِ زندگی اور کس کا ہو سکتا ہے

(۴ : ۱۲۵)

(۱۹) مختلف انبیاء میں تفریق کرنا بعض پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا، ایمان نہیں کفر ہے

(۴ : ۱۵۰) ـــــ (۴ : ۱۵۲)

(۲۰) قرآن میں پہنچ کر اسلام بحیثیت دین مکمل ہو گیا ـــــ (۵ : ۳)
(۲۱) جو تعصب اور تنگ نظری کو چھوڑ کر عقل و فکر سے کام لیتے ہیں ان کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے ـــــ (۶ : ۱۲۶) ـــــ (۱۰ : ۱۰۰)
(۲۲) اسلام میں فرقہ بندی کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ شرک ہے ـــــ (۶ : ۱۶۰) ـــــ (۳۰ : ۳۲)
(۲۳) اسلام کا پیغام تو قرآن میں مکمل ہو گیا لیکن اس کا مکمل طور پر ایک نظام کی شکل میں متشکل اور متمکن ہونا، ضروری نہیں تھا کہ حضورؐ کی زندگی ہی میں ایسا ہو جاتا ـــــ (۱۳ : ۴۰)
(۲۴) اسلام کے متعلق اعلان کہ یہ اس طرح متمکن ہو گا کہ مخالفین حسرت سے پکار اٹھیں گے کہ اے کاش! ہم بھی مسلم ہوتے ـــــ (۱۵ : ۲)
(۲۵) اسلام میں ذات، گوت، پیشے کے امتیاز کو کوئی دخل نہیں۔ اصل شے ایمان ہے ـــــ (۲۶ : ۱۱۱-۱۱۲)
(۲۶) اسلام میں دنیاوی نعماء کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ خانقاہیت کا مذہب نہیں ـــــ (۲۸ : ۷۷)
(۲۷) غور و فکر اسلام کی اولین خصوصیت ہے ـــــ (۴۶ : ۳۴)۔ مومن احکام خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بنکر نہیں جھکتے ـــــ (۲۵ : ۷۳)۔ اسلام کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت دی جاتی ہے ـــــ (۱۲ : ۱۰۸)۔
(۲۸) استسلام کے معنی فرماں پذیری ـــــ (۳۷ : ۲۶)۔ اَسْلَمَا کے معنی اس نے سر جھکا دیا ـــــ (۳۷ : ۱۰۳)
(۲۹) رحمتِ خداوندی سے مایوسی کفر ہے۔ انسان جب بھی قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جائے، اسے خدا کی طرف سے سامانِ نشو و نما مل جاتا ہے۔ (نشو و نما میں انسان کی طبیعی زندگی کی پرورش اور اسکی

ذات کی نشو و نما دونوں شامل ہیں ——— (۵۴—۵۳ : ۳۹)

(۳۰) دین کا نظام باہمی مشاورت سے قائم ہوتا ہے ——— (۳۸ : ۴۲)

(۳۱) اسلام دینِ حقہ ہے۔ یہ تمام ادیان (دنیا کے مختلف نظامہائے حیات) پر غالب آکر رہے گا ———

(۹ : ۳۳)—(۴۸ : ۲۸)—(۹ : ۶۱)

(۳۲) اسلامی حکومت کا مطیع ہو جانا، ایمان نہیں کہلاتا۔ ایمان دل کی گہرائیوں میں اترنا چاہیئے —(۱۴ : ۴۹)

(۳۳) کتاب (ضابطۂ قوانین) میزانِ عدل۔ اور عدل قائم رکھنے کے لئے فولادی قوت۔ یہ سب اسلام کے لاینفک اجزا ہیں ——— (۲۵ : ۵۷)

(۳۴) اسلام کا چراغ کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکے گا — (۳۲ : ۹) —(۸ : ۶۱)

(۳۵) یہ ایک ایسی تجارت ہے جو تمام نقصانات سے محفوظ رکھتی ہے —(۱۰ : ۶۱)

(۳۶) اسلام میں نسل پرستی نہیں۔ نبی کی اولاد ہونا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ——— (۱۲۴ : ۲)

(۳۷) دنیا میں برگزیدگی اور آخرت میں صالحین کے زمرے میں شمولیت۔ یہ ہیں اسلام کی خصوصیات —(۱۳۰ : ۲)

(۳۸) خدا آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا — (۱۸۵ : ۲)

(۳۹) خدا اور بندے کے درمیان کوئی ذریعہ اور واسطہ نہیں۔ کوئی حاجب و دربان نہیں۔ قرآن کے ذریعے انسان کا تعلق براہِ راست خدا سے قائم ہو جاتا ہے — (۱۸۶ : ۲) [یہ تعلق خدا کی کتاب کے ذریعے قائم ہوتا ہے جو انسان کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے]

(۴۰) دنیا دی اسباب اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت۔ یہ ہے اسلام ——— (۱۹۷ : ۲)

(۴۱) دنیا اور آخرت دونوں میں تفکر کرو ——— (۲۲۰ : ۲)

(۴۲) اسلام میں خدا، ملائکہ اور انسان، تینوں کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی۔ فطرت کی قوتوں۔ اور انسانوں کی صالح جماعتوں کی تائید و رفاقت۔ کفر میں ان سے محرومی ہوتی ہے۔

(۸۶—۸۵ : ۳)

(۴۳) مسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قلبِ سلیم کا حامل ہوتا ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کے سامنے خود سپردگی کی ذہنیت رکھنے والا ———

(۸۹ : ۲۶) ——— (۸۴ : ۳۷)

کائنات کی ہر شے مُسلم (قوانین خداوندی کے سامنے جھکی ہوئی) ہے

(۱) کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے ــــ (۲ : ۱۱۶)۔ اس لئے انسانوں کو بھی چاہیئے کہ اسی دین کو اختیار کریں ــــ (۳ : ۸۲)

(۲) کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ فطرت کی قوتیں (ملائکہ) انہی قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہیں اور ان سے کبھی سرتابی نہیں برتتے ــــ (۱۶ : ۴۸ ــ ۵۰) لیکن انسانوں میں سے اکثریت اس کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ کیونکہ انسان صاحبِ اختیار و ارادہ ہے۔ (۲۲ : ۱۸)

انبیاءؑ سابقہ اور اُمم گذشتہ کو بھی یہی تعلیم دی گئی تھی

(۱) حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ ہمیں بھی مسلم بنا اور ہماری نسل کو بھی ــــ (۲ : ۱۲۸)

(۲) حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کی وصیت ــــ (۲ : ۱۳۲)۔ اولاد کا اقرار کہ ہم مسلم رہیں گے۔ (۲ : ۱۳۳)

(۳) حضرت عیسٰیؑ کے حواری اپنے آپ کو مسلم کہتے تھے ــــ (۳ : ۵۱) ــــ (۵ : ۱۱۱)

(۴) حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ مسلم تھے ــــ (۳ : ۶۶)

(۵) تمام انبیاءؑ کی طرف اصولی طور پر ایک ہی تعلیم بھیجی گئی تھی۔ اسی کا نام اسلام تھا ــــ (۴ : ۱۶۳)

(۶) تفریق بین الرسل کرنے والا کافر ہے ــــ (۴ : ۱۵۰)

(۷) انبیائے بنی اسرائیل احکامِ خداوندی کے سامنے جھکے ہوئے تھے ــــ (۵ : ۴۴)

(۸) رسول اللہؐ کا اعلان کہ میں سب سے پہلا مسلم ہوں ــــ (۶ : ۱۴) ــ (۶ : ۱۶۴) ــ (۲۷ : ۹۱) ــ (۳۹ : ۱۲) ــ (۴۰ : ۶۶)

(۹) جو ہدایت انبیائے سابقہ کو ملی تھی اسی کی اقتدا رسول اللہؐ کرتے تھے ــــ (۶ : ۹۱)

(۱۰) اسلام ملت ابراہیمیؑ کا نام ہے ــــ (۶ : ۱۶۲)

(۱۱) تمام انبیاءؑ کی ایک ہی تعلیم تھی۔ یعنی اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار و اختیار نہیں ــــ (۷ : ۱۵۹) ــ (۷ : ۶۵) ــ (۷ : ۷۳) ــ (۷ : ۸۵)

(۱۲) دربارِ فرعون کے ساحرین کی دعا کہ ہمیں مسلم کی حیثیت سے موت دینا ــــ (۷ : ۱۲۶)
(۱۳) حضرت نوحؑ نے کہا کہ میں مسلم ہوں ــــ (۱۰ : ۷۲)
(۱۴) بنی اسرائیل احکامِ خداوندی کی اطاعت سے مسلم کہلاتے ــــ (۱۰ : ۸۴)
(۱۵) حضرت یوسفؑ کی دعا کہ مجھے مسلم کی موت مارئیو ــــ (۱۲ : ۱۰۱)
(۱۶) ہر رسول کی تعلیم کہ احکامِ خداوندی کی اطاعت اختیار کرو اور غیر خداوندی قوتوں کی محکومیت سے اجتناب کرو ــــ (۱۶ : ۳۶) ــــ (۲۱ : ۲۵)
(۱۷) مختلف انبیاءؑ سابقہ کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ سب ایک ہی برادری کے افراد تھے۔ یعنی احکامِ خداوندی کی محکومیت اختیار کرنے والے۔ اسی سے امتِ واحدہ کی تشکیل ہوتی ہے
(۲۱ : ۹۳) ــــ (۲۳ : ۵۱)
(۱۸) یہی تعلیم رسول اللہؐ کی تھی۔ اسی کی طرف دعوت دے کر آپؐ لوگوں کو امتِ مسلمہ کا رکن بناتے تھے ــــ (۲۱ : ۱۰۸)
(۱۹) اسلام ملتِ ابراہیمیؑ ہے۔ اسے ماننے والوں کا نام خدا نے مسلم رکھا تھا۔ اُمم سابقہ میں بھی اور اب بھی ــــ (۲۲ : ۷۸)
(۲۰) وحی میں شروع سے آخر تک (تمام انبیاء کے سلسلہ میں) ربط رہا ہے۔ اس لئے کہ اصولاً یہ پیغام ایک ہی تھا ــــ (۲۸ : ۵۱)
(۲۱) انبیائے سابقہ کی وحی اور قرآن پر ایمان لانے سے مسلم بنا جاتا ہے۔ انبیائے سابقہ کی وحی پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرات اپنے اپنے وقت میں اصولی طور پر یہی پیغامِ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ لیکن وہ پیغام محفوظ نہ رہا۔ اب وہی قرآن میں محفوظ ہے ــــ (۲۹ : ۴۶)
(۲۲) تمام انبیاءؑ کی طرف وحی کہ شرک سے اعمال غارت ہوجاتے ہیں ــــ (۳۹ : ۶۵)۔ وہ توحید کی تعلیم دیتے تھے ــــ (۴۱ : ۱۴) ــــ (۴۳ : ۴۵)
(۲۳) تمام انبیاءؑ کی طرف یہی وحی کی گئی تھی کہ وہ دین کے نظام کو قائم کریں۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ یہ شرک ہے۔ لوگ ان کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کردیتے تھے ــــ (۴۲ : ۱۳)
(۲۴) بنی اسرائیل کو کتاب و حکم و نبوت دی۔ انہوں نے اختلافات شروع کردیئے۔ اس کے بعد

(۲۴) رسولؐ اللہ کو وہی پیغام دے کر بھیجا گیا۔ اب اتباع اس کا ضروری ہے ——(۱۸-۱۶ : ۴۵)
(۲۵) رسولؐ اللہ کوئی انوکھے رسول نہیں تھے ——— (۹ : ۴۶)
(۲۶) حضرت لوطؑ کے پیروؤں کو بھی مومن اور مسلم کہا گیا ہے ——(۳۶-۳۵ : ۵۱)
(۲۷) صحفِ اولیٰ۔ صحف ابراہیمؑ وموسیٰؑ میں بھی یہی تعلیم تھی —— (۱۹-۱۸ : ۸۷)
(۲۸) سابقہ اہلِ کتاب کو بھی یہی تعلیم دی گئی تھی —— (۵ : ۹۸)

امتِ مسلمہ (مسلم)

(۱) یہ امتِ وسطیٰ ہے جس کا فریضہ اقوامِ عالم کے اعمال کی نگرانی اور محاسبہ ہے ——(۱۴۳ : ۲)
(۲) اپنی خواہشات اور ارادوں کو منشائے خداوندی (قوانینِ خداوندی) کے تابع رکھنے والا مسلم ہے (۲،۲۰۸)
(۳) مرتے دم تک مسلم رہنے والی امت —— (۱۰۱ : ۳)
(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والی قوم —— (۱۰۳ : ۳)۔ بہترین قوم جسے نوع انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے —— (۱۰۹ : ۳)
(۵) مومن ہمیشہ غالب رہیں گے —— (۱۳۸ : ۳)۔ کفار کبھی مومنین پر غلبہ حاصل نہیں کر سکینگے —— (۱۴۱ : ۴)
(۶) اسلام رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد بھی بدستور آگے چلیگا۔ امت اسے آگے چلائے گی —— (۱۴۳ : ۳)
(۷) ربط وضبطِ باہمی سے امت کی قوت وجمعیت برقرار رہ سکتی ہے —— (۱۹۹ : ۳)
(۸) دین (نظامِ زندگی) کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ امت کا ایک مرکز ہو اور اس کے تابع باقی صاحبانِ اختیار۔ ان کی اطاعت سے یہ نظام قائم رہ سکتا ہے —— (۶۵-۶۴ ; ۶۱-۶۰ ; ۵۹ : ۴)
(۹) قتلِ مومن، سہواً اور عمداً —— (۹۳-۹۲ : ۴)
(۱۰) رسول کی مخالفت اور جماعتِ مومنین سے الگ راستہ اختیار کرنا امتِ مسلمہ کا شیوہ نہیں —— (۱۱۵ : ۴)
(۱۱) امتِ مسلمہ کو میزانِ عدل قائم کرنے کی تاکید —— (۱۳۵ : ۴)
(۱۲) جماعتِ مومنین کی خصوصیات۔ آپس میں انکسار۔ مخالفین کے سامنے صاحبِ غلبہ۔ مجاہدین فی سبیل اللہ۔ کسی کی ملامت سے نہ ڈرنے والے —— (۵۴ : ۵)
(۱۳) امتِ مسلمہ کا اعلان کہ ہم خدا کے احکام کے سامنے جھکنے والے ہیں —— (۷۱ : ۶)

اگر دنیا کی کوئی شے اور کوئی رشتہ دار، خدا۔ رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہو گئے تو وہ قوم گمراہ ہو گئی۔ اسلام سے اسے واسطہ نہ رہا ــــــ (۹ : ۲۴)

(۱۴) منافق، مسلمان نہیں رہتا۔ منافقت کفر ہے ــــــ (۹ : ۷۴)

(۱۵) مسلم کے معنیٰ احکام خداوندی کی فرمانبرداری اختیار کرنے والا ــــــ (۱۱ : ۱۴)

(۱۶) دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں اس لیے دی جاتی ہیں کہ انہیں احکام خداوندی کے مطابق صرف کیا جائے۔

(۱۶ : ۸۰ــــ۸۱)

(۱۷) قرآن میں ہدایت تو سب کیلئے ہے لیکن خوشگواریاں انہی کے لئے ہیں جو اس کے قوانین واحکام کی اطاعت کر کے مسلم بنتے ہیں ــــــ (۸۹ : ۱۶)

(۱۸) دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ قوانین خداوندی کی اطاعت کرنا، مشکلات میں مستقل مزاج رہنا، نظامِ صلوٰۃ قائم کرنا، رزق کے سرچشموں کو نوعِ انسانی کی پرورش کے لئے کھلا رکھنا۔ یہ ہیں مسلم کی خصوصیات۔

(۳۵ : ۲۲)

(۱۹) امتِ مسلمہ کو جب حکومت ملے گی تو ان کا فریضہ ان امور کو نافذ کرنا ہوگا جنہیں قرآن پسندیدہ قرار دیتا ہے اور ان سے روکنا جنہیں وہ ناپسندیدہ ٹھہراتا ہے نیز اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ــــــ (۴۱ : ۲۲)

(۲۰) خدا نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے ــــــ (۷۸ : ۲۲)

(۲۱) ایمان اور اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ دنیا میں حکومت اور تمکن کی زندگی ہے۔ اور یہ حکومت اس لئے ملتی ہے تاکہ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی کیجائے ــــــ (۵۵ : ۲۴)

(۲۲) مسلم کے لفظی معنی، محکوم، اطاعت گزار ــــــ (۴۲ ; ۳۸ ; ۳۱ : ۲۷)۔ جب کوئی شخص قوانینِ خداوندی کی اطاعت اختیار کرے تو وہ قرآنی مفہوم میں مسلم ہو جائیگا ــــــ (۴۴ ; ۲۷)

(۲۳) عقل و فکر سے کام لینے والا ہی مسلم ہو سکتا ہے (۸۲ــــ۸۰ ; ۲۷) ــــ (۵۳ــــ۵۲ : ۳۰)

(۲۴) ابتدائے اسلام میں امتِ مسلمہ بہت کمزور تھی اسی لئے لوگ اس کی طرف آنے سے ڈرتے تھے کہ مخالفین اچک کر لے جائیں گے ــــــ (۵۷ : ۲۸)

(۲۵) حسن کارانہ انداز سے اپنے امیال و عواطف (جذبات و خواہشات) کو قوانینِ خداوندی کے تابع رکھنے سے انسان مسلم ہوتا ہے ــــــ (۲۲ : ۳۱)

(۲۶) امت مسلمہ (کے مردوں اور عورتوں) کی جامع خصوصیات ــــ (۳۶-۳۵ : ۳۳)
(۲۷) امت مسلمہ وارثِ کتاب خداوندی ہے۔ یہ لوگ تین مدارج یا طبقات میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک بھلائی کے کاموں میں سب پر سبقت لے جانے والے۔ دوسرے بین بین چلنے والے۔ اور تیسرے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ــــ (۳۲ : ۳۵) ــــ (۱۱-۷ : ۵۶)
(۲۸) جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو جائے وہ اپنے رب کی طرف سے عطا کردہ روشنی میں آجاتا ہے۔ یعنی اُسے قرآن کی ہدایت مل جاتی ہے جو انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتی ہے۔

(۲۲ : ۳۹)
(۲۹) جو خدا کی طرف دعوت دے، اعمالِ صالح کرے اور کہے کہ میں مسلم ہوں، اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ ــــ (۳۳ : ۴۱)
(۳۰) ایمان لانے کے بعد احکامِ خداوندی کی اطاعت کرنے سے انسان مومن اور مسلم ہوتا ہے (۶۹ : ۴۳)
(۳۱) خدا کی طرف پلٹ کر آئے اور مسلم ہو جائے۔ یہ روش صحیح ہے ــــ (۱۵ : ۴۶)
(۳۲) مسلمانوں کے غلبہ کو دیکھ کر ان کی حکومت کا مطیع ہو جانا، اسلام نہیں۔ اسلام نام ہے اس ایمان کا جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ اس اعتبار سے مسلم اور مومن میں فرق ہوگا ــــ (۱۴ : ۴۹)
(۳۳) یہ لوگ اسلام لا کر تم پر احسان جتاتے ہیں۔ یہ تو ان پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت کی ــــ (۱۷ : ۴۹)
(۳۴) امت مسلمہ کو وہ روشنی دی جسے لے کر وہ دنیا میں چلیں گے اور انسانوں کے راستوں کو روشن کریں گے ــــ (۲۸ : ۵۷)
(۳۵) جسے اسلام کی طرف دعوت دی جائے اور وہ خدا پر افترا باندھے، اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے ــــ (۷ : ۶۱)
(۳۶) مسلمان عورتوں کی خصوصیات ــــ (۵ : ۶۶)
(۳۷) مسلم اور مجرم کبھی برابر نہیں ہو سکتے ــــ (۳۵ : ۶۸)
(۳۸) عرب کے بادیہ نشین وحشی قبائل (جنّات) کا قبولِ اسلام۔ ان میں مسلم بھی تھے اور حق سے پھر جانے والے بھی ــــ (۱۴-۱۳ : ۷۲)

(۳۹) "میری صلوٰۃ، میری زندگی کے طور طریق، میرا جینا، میرا مرنا، سب خدا کے لئے ہے": یہ ہے ایک مسلم کی خصوصیت ــــــ (۶ : ۱۶۳)

اسلامی نظام

اسلامی نظام کے سلسلہ میں اس اصولی حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں ضمن میں جن ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لیا ہے (مثلاً رزق بہم پہنچانا)، ان کا پورا کرنا اسلامی نظام کی ذمہ داری ہوتا ہے اور جب وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے تو پھر افراد معاشرہ سے اسلامی احکام کی اطاعت کراتا ہے۔ اس میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوتی ہے۔ اس نظام کو سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا۔ حضورؐ ہی اس نظام کی مرکزی اتھارٹی تھے۔ لہٰذا، اس نظام کی اطاعت کو "خدا اور رسولؐ کی اطاعت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضورؐ کے بعد حضورؐ کے جانشین اس نظام کی مرکزی اتھارٹی قرار پائے۔ اس لئے ان کی اطاعت بہ منزلہ اطاعتِ خدا و رسول تھی۔ یہ وجہ ہے جو قرآن کریم نے "خدا اور رسولؐ کی اطاعت" کے ساتھ اس کی صراحت کر دی ہے ــــ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ــــ (۸ : ۲۰)۔ در آنحالیکہ تم سن رہے ہو۔ لہٰذا اطاعت ایک زندہ محسوس اتھارٹی کے ذریعہ ہوگی جس کے احکام سُنے جاسکیں لیکن احکام وہ خدا ہی کے ہوں گے۔ اسلامی نظامِ مملکت، درحقیقت قرآنی احکام و قوانین و اقدار و اصولوں کے نفاذ کی ایجنسی ہوتا ہے۔ بہ حیثیتِ مجموعی، اسلامی نظام خدا کی ان صفات کا مظہر ہوتا ہے جن کا تعلق انسانوں سے ہے۔

ــــــ (۰) ــــــ

(۱) جس نظام میں حمدیت، ربوبیت اور رحمت پائی جائے اسی کو اقتدار کا حق حاصل ہوتا ہے ــــ (۱ : ۱-۳) اور اسی کی اطاعت اختیار کی جاسکتی ہے ــــ (۱ : ۴)۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کا نتیجہ انعاماتِ خداوندی ہے ــــ (۱ : ۶)۔ جو روش اس کے خلاف ہوگی اس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہوگا ــــ (۱ : ۷)

(۲) الکتاب پر ایمان۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا قیام۔ یہ اس نظام کی بنیاد ہے اور اس کا نتیجہ فلاح ــــ (۲ : ۱-۵)

(۳) یہ نظام، وحی کی رُو سے قائم ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ خوف اور حزن کا ختم ہو جانا ہے۔ یعنی انسانی معاشرہ خوف و حُزن سے محفوظ و مامون اسی نظام کے تابع رہ کر ہوسکتا ہے ــــ (۲ : ۳۸)

(۴) سوسائٹی میں ایسی حالت پیدا کر دینا کہ ایک طبقہ محتاج اور مصائب کا شکار ہو جائے اور اس کی

امداد کو کارِ ثواب سمجھنا، باطل کا نظام ہے ــــ (۸۵ : ۲)

(۵) ضابطۂ خداوندی کے ایک حصہ پر عمل کرنا اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دینا، ذلت و خواری کا موجب ہے ــــ (۸۵ : ۲)

(۶) اسلامی نظام کا مرکز، تمام عالمِ انسانیت کے لئے امن کا موجب ہوگا ــــ (۱۲۶-۱۲۵ : ۲)، اس میں سامانِ زیست کی فراوانیاں ہوں گی ــــ (۱۲۶ : ۲)

(۷) اس نظام میں وراثتی اقتدار نہیں ہوگا۔ معیار جوہرِ ذاتی ہوگا ــــ (۱۲۴ : ۲)

(۸) اس نظام کی علمبردار امت، تمام نوعِ انسانی کے اعمال کی نگران ہوگی۔ اور ان کی نگرانی ان کا مرکز کرے گا ــــ (۱۴۳ : ۲) ــــ (۷۸ : ۲۲)

(۹) اس نظام کا مرکز کعبہ، تمام امت کا واحد مرکز ہوگا ــــ (۱۴۸ و ۱۴۴ : ۲)۔ اس سے خدا کی نعمتوں کا اتمام ہوگا ــــ (۱۵۰ : ۲)

(۱۰) افرادِ معاشرہ کو ضابطۂ خداوندی کی تعلیم دینا، علم و بصیرت کی رُو سے اس کی غرض و غایت سمجھانا، ان کی طبیعی زندگی اور ذات کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچانا۔ یہ اس نظام کا فریضہ ہوگا ــــ (۱۵۱ : ۲)

(۱۱) باطل کا نظام یہ ہے کہ باتیں حیرت انگیز ہوں (یعنی وعدے بڑے تعجب انگیز کرے) لیکن جب اقتدار حاصل ہو جائے تو رزق کے سرچشموں اور نسلِ انسانی کو تباہ کرنے کی کوشش کرے۔ اور ملک میں ناہمواریاں پیدا کرے ــــ (۲۰۵-۲۰۴ : ۲)

(۱۲) یہ نظام، پورے کا پورا اختیار کیا جائے گا۔ نہ اسے ادھورا چھوڑا جائے گا نہ کسی اور نظام کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا ــــ (۲۰۸ : ۲)

(۱۳) اس نظام کا مقصد نوعِ انسان کو ایک عالمگیر برادری بنانا ہے۔ لیکن اسی طرح ممکن ہے کہ الکتاب، یعنی ضابطہ خداوندی کو اپنا آئین تسلیم کیا جائے۔ اس سے اختلافات مٹ سکتے ہیں ــــ (۲۱۳ : ۲)

(۱۴) قانون نافذ کرنے سے پہلے کا جرم، جرم نہیں ہوتا۔ بعد کا ہوتا ہے ــــ (۲۷۵ : ۲)

(۱۵) قانون کی دانستہ خلاف ورزی "خدا و رسول" (نظام) کے خلاف اعلانِ جنگ ہے ــــ (۲۷۹ : ۲)

(۱۶) "اطاعتِ خدا و رسول" (یعنی نظامِ خداوندی کی مرکزی اتھارٹی کی اطاعت) کی تاکید ــــ (۳۱ : ۳) نیز افسرانِ ماتحت کی اطاعت ــــ (۵۹ : ۴)۔ ان کے خلاف مرکز میں اپیل کی جا سکتی ہے

(۴ : ۵۹) — (۲۰ : ۸۰/۸) — (۴۶ : ۸) — (۴۵ - ۵۱ : ۲۴) — (۷۱ : ۳۳) — (۳۳ : ۴۷)

(۱۷) نہ رسول کو اس کا حق حاصل ہے نہ کسی اور کو جسے حکومت ملے کہ وہ لوگوں کو اپنا محکوم بنائے۔ اسے قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنا چاہیئے — (۳ : ۷۸)

(۱۸) اس نظام میں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی — (۲ : ۲۵۶)

(۱۹) اس نظام کی اجتماعیت، قرآن کریم سے وابستہ رہنے سے قائم ہوگی اور باقی رہے گی۔ اسی سے اس امت کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت پیدا ہوگی جو اجتماعیت کی بنیادی شرط ہے — (۳ : ۱۰۲)

(۲۰) اس میں تفرقہ قطعاً نہیں ہوگا — (۳ : ۱۰۴)

(۲۱) اس نظام کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوگا یعنی جن باتوں کو قرآن پسندیدہ قرار دیتا ہے ان کا حکم کرنا۔ اور جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے ان سے روکنا — (۳ : ۱۰۹)

(۲۲) اس نظام کا قیام، تمام نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے ہوگا — (۳ : ۱۰۹)

(۲۳) اس نظام میں غیر مسلم (یعنی جو اس آئین و قوانین کی صداقت پر ایمان نہیں رکھتے) مملکت کے رازداری کے امور میں شریک نہیں کئے جا سکیں گے۔ انہیں عام حقوقِ انسانیت حاصل ہوں گے۔ لیکن وہ شریکِ حکومت نہیں ہو سکیں گے۔ جس نظام کی بنیاد آئیڈیالوجی پر ہو اس میں وہ لوگ کیسے شریک کئے جا سکتے ہیں جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم نہ کریں — (۳ : ۱۱۷ - ۱۲۰) — (۵ : ۵۱) — (۸ : ۷۲ - ۷۳) — (۲۲ : ۵۸) — (۴ : ۶۰)

(۲۴) اسلامی نظام شخصیتوں کے سہارے قائم نہیں ہوتا۔ خدا کے غیر متبدل ضابطہ کی رو سے قائم رہتا ہے۔ اس لئے۔ اور تو اور، خود رسول اللہ کی وفات سے بھی اس پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا — (۳ : ۱۴۳)

(۲۵) یہ نظام امت کے باہمی مشورہ سے چلایا جاتا ہے حتیٰ کہ رسول اللہ کو بھی مشاورت کا حکم تھا — (۳ : ۱۵۸) — (۴۲ : ۳۸)

(۲۶) یہ نظام افرادِ امت کے ربطِ باہمی سے قائم رہ سکتا ہے — (۳ : ۱۹۹)

(۲۷) اس نظام میں ذمہ داری کے امور ان کے سپرد ہوں گے جو ان کے اہل ہوں — (۴ : ۵۸)

(۲۸) غیر خداوندی نظام سے معاملات کے فیصلے کرانا، کفر ہے — (۴ : ۶۰)

(۲۹) ہر اختلافی معاملہ میں اپنی مرکزی اتھارٹی کو حکم بنانا چاہیئے۔ اس کے فیصلوں کے خلاف دل کی گہرائیوں

میں بھی گرانی نہیں گذرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق ہوں گے (۶۵-۶۴:۴)

(۳۰) جب کوئی بات سنو تو اسے پھیلانے کے بجائے حکومت کے ذمہ دار افراد کی طرف پہنچاؤ۔ تاکہ وہ تحقیق کر کے کسی نتیجہ تک پہنچیں ــــ (۸۳:۴)

(۳۱) جہاں اسلامی نظام قائم ہو، یا اس کے قیام کے لئے حالات زیادہ سازگار ہوں، اس مقام کی طرف منتقل ہو کر آجانا ضروری ہے۔ اسے خدا اور رسولؐ کی طرف ہجرت کرنا کہتے ہیں۔ ایسے حالات کی موجودگی میں، غیر اسلامی نظام کے تابع زندگی بسر کرنا اور یہ سمجھ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لینا کہ ہم اپنے طور پر خدا کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، اور یہی کافی ہے، سنگین جرم ہے۔ (لیکن یہ سب امور اسلامی نظام سے مشورہ کے ساتھ طے ہوں گے) ــــ (۱۰۰-۹۷:۴)

(۳۲) رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو ــــ (۱۰۵:۴)

(۳۳) ہدایت آجانے کے بعد، رسولؐ کی مخالفت اور جماعت مومنین سے الگ کسی اور راہ کا اختیار کرنا، جہنم کا موجب ہے ــــ (۱۱۵:۴)

(۳۴) یہ نظام، برّ و تقویٰ کے کاموں میں دوسروں سے تعاون کریگا۔ اثم و عدوان کے کاموں میں تعاون نہیں کرے گا ــــ (۲:۵)

(۳۵) اس نظام میں دشمنی سے بھی عدل کیا جائے گا ــــ (۲:۵)

(۳۶) اس نظام کی اطاعت، اس عہد پر مبنی ہے جو ہر عبد مومن اپنے خدا سے کرتا ہے کہ وہ اس کے قوانین و احکام کی اطاعت کرے گا ــــ (۷:۵)

(۳۷) اسلامی نظام کے خلاف جنگ (بغاوت) کی سزا ــــ (۳۳:۵)

(۳۸) جو ما انزل اللہ (کتاب اللہ) کے مطابق معاملات کے فیصلے نہیں کرتا وہ ظالم ہے، فاسق ہے بلکہ کافر ہے ــــ (۴۸؛ ۴۵؛ ۴۴:۵)

(۳۹) رسولؐ اللہ کو حکم کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کریں ــــ (۴۹:۵)

(۴۰) اسلامی نظام کا مرکز (کعبہ) نوع انسان کے قیام کا موجب ہے ــــ (۹۷:۵)

(۴۱) جو کچھ دین سے متعلق تھا وہ اصولی طور پر قرآن میں آگیا ہے۔ جو بات اس میں نہیں دی گئی اس کے متعلق خواہ مخواہ کرید نہیں کرنی چاہیئے۔ اصولی احکام کی جزئیات اسلامی مملکت کو خود متعین کرنی

چاہئیں —— (۵ : ۱۰۱)

(۴۲) اسلامی نظام میں حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ یعنی حکومت کتاب اللہ پر عمل کرانے کے لئے قائم کی جائے گی .... (۶ : ۵۷) - (۶ : ۶۲)

(۴۳) اس نے مفصل کتاب (ضابطۂ قوانین) دے دی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور حکم نہیں تسلیم کرنا چاہیئے (۶ : ۱۱۵)۔ اتباع اسی کتاب کا ہوگا۔ اکثریت کے فیصلوں کا نہیں —— (۶ : ۱۱۷)

(۴۴) قانون کے الفاظ اور روح دونوں کی پابندی لازمی ہے —— (۶ : ۱۲۱)

(۴۵) حکومت اس لئے ملتی ہے تاکہ دیکھا جائے کہ تم اختیارات کا استعمال کس طرح سے کرتے ہو —— (۶ : ۱۶۶)

(۴۶) بغیرِ حق کے بغاوت جائز نہیں۔ (حق سے مراد "قرآن کے مطابق" ہے) —— (۷ : ۳۳) — (۴۲ : ۴۲)

(۴۷) اسلامی نظام، انسانوں کی خود ساختہ پابندیوں کو توڑتا ہے اور اس طرح انسانوں کو صحیح آزادی عطا کرتا ہے —— (۷ : ۱۵۷)

(۴۸) آزاد خطۂ زمین، اقتدار، فراوانی رزق، حکومت کا مل جانا خدا کا فضل ہے —— (۸ : ۲۶)

(۴۹) اسلامی نظام سے خیانت نہ کرو۔ اور جو امور تمہیں تفویض کئے جائیں انہیں امانت سمجھو اور ان میں کبھی خیانت نہ کرو —— (۸ : ۲۷-۲۸)

(۵۰) مال و دولت اور اولاد کی کشش تمہیں اپنے نظام سے خیانت پر آمادہ نہ کر دے —— (۸ : ۲۸)

(۵۱) قوانینِ خداوندی اور جماعتِ مومنین کی تائید و نصرت کافی ہے۔ لیکن اسی جماعت کی جس کے افراد کے دلوں میں ائتلاف ہو —— (۸ : ۶۲-۶۴)

(۵۲) اسلامی نظام کے مراکز، مسجدیں کہلاتی ہیں — یعنی وہ مقامات جہاں قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہوتی ہے۔ ان کی آبادی صرف مومنین سے ہوتی ہے، مشرکین سے نہیں —— (۹ : ۱۷-۱۸)

(۵۳) دنیا کی کوئی شے کبھی نظامِ خداوندی سے زیادہ عزیز نہیں ہونی چاہیئے —— (۹ : ۲۴)

(۵۴) جو کچھ اسلامی نظام کی طرف سے ملے اس سے راضی ہو جانا چاہیئے —— (۹ : ۵۸-۵۹)

(۵۵) مرکز (رسول) تک ہر ایک کی رسائی ہونی چاہیئے —— (۹ : ۶۱)

(۵۶) مخالفین چاہتے ہیں کہ افرادِ مملکت کو راضی کر لیں۔ اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ نظامِ مملکت کو راضی کرنا چاہیئے۔ افراد کے لئے جائز نہیں کہ وہ نظام کے بغیر براہ راست مخالفین سے بات چیت کرنے لگ

جائیں ـــــ (۹ : ۶۲)

(۵۷) نظامِ مملکت کی مخالفت کرنے والوں کے لئے جہنم ـــــ (۹ : ۶۳)

(۵۸) اسلامی نظام ایک معاہدہ پر مبنی ہوتا ہے۔ افرادِ مملکت اپنی جان اور مال نظام کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے عوض جنت عطا کر دیتا ہے ـــــ (۹ : ۱۱۱) ـــــ (۱۰ : ۴۸) ـــــ (۱۰ : ۶۱)

(۵۹) جو حدود خدا نے مقرر کر دی ہیں ان کی حفاظت کرنی ضروری ہے ـــــ (۹ : ۱۱۲)

(۶۰) تقسیمِ عمل یوں ہونی چاہیئے کہ کچھ لوگ مرکز میں آکر ٹریننگ حاصل کریں اور واپس جاکر دوسروں کو اس سے آگاہ کریں ـــــ (۹ : ۱۲۲)

(۶۱) اقتدارِ اعلیٰ (حقِ حکومت) صرف خدا کے لئے ہے ـــــ (۱۲ : ۴۰)

(۶۲) آئیڈیالوجی کے ساتھ وابستہ رہنے سے قوم زندہ و پائندہ رہتی ہے۔ اس سے انکار کر دینے سے تباہ ہو جاتی ہے ـــــ (۱۴ : ۲۴ - ۲۸)

(۶۳) ایک وہ جسے کوئی اقتدار حاصل نہیں۔ دوسرا وہ جو عدل کے ساتھ حکومت کرتا ہے۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ـــــ (۱۶ : ۷۶)

(۶۴) صراطِ مستقیم صرف ایک خدا کی محکومیت اختیار کرنے کا نام ہے ـــــ (۱۹ : ۳۶)

(۶۵) اسلامی نظام کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوں گے۔ لیکن ظلم کرنے والا عذاب کا مستحق ہوگا ـــــ (۲۲ : ۲۵)

(۶۶) اسلامی نظام کا فریضہ تمام مذاہب کی آزادی، ان کے معبدوں کی حفاظت، امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ نظامِ صلوٰۃ کا قیام۔ نوعِ انسان کے لئے سامانِ نشوونما کی فراہمی ـــــ (۲۲ : ۳۹ - ۴۱)

(۶۷) الحق، لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہیں کرتا۔ لہٰذا اسلامی نظام کے سب فیصلے قرآن کے تابع ہونگے (۲۳ : ۷۰)

(۶۸) صرف خدا کو مان لینا کافی نہیں۔ الحق (قرآن) کا ماننا بھی ضروری ہے ـــــ (۲۳ : ۸۴ - ۹۰)

(۶۹) اپنے تمام فیصلے نظامِ خداوندی سے کرانے اور ان سے سرتابی نہ برتنا۔ یہ اسلام ہے (۲۴ : ۴۷ - ۴۹)

(۷۰) نظامِ مملکت کے لئے کتاب اللہ کافی ہے ـــــ (۲۹ : ۵۱)

(۷۱) استخلاف فی الارض، ایمان و اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ محکومیت صرف خدا کی اختیار کی جائے۔ اسی کا نام دین کا تمکن ہے ——— (۵۵ : ۲۴)

(۷۲) جب اسلامی نظام کسی اجتماعی معاملہ کے لئے بلائے تو بلا اجازت چلے نہیں جانا چاہیئے ——— (۶۲ : ۲۴)

(۷۳) حکومت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا، اسلامی نظام خالص قرآن کے مطابق قائم ہوگا (۲ : ۲۵) ——— (۷۰ : ۲۸)

(۷۴) "خدا اور رسول" کے فیصلے کے بعد کسی کو اختیار باقی نہیں رہتا۔ آخری فیصلہ نظام کی مرکزی اتھارٹی کا ہے ——— (۳۶ : ۳۳)

(۷۵) معاملات کے فیصلے الحق (قانونِ خداوندی) کے مطابق کرو۔ اپنے جذبات کا اتباع مت کرو ——— (۲۶:۳۸)

(۷۶) نظام مشاورتی ہوگا ——— (۳۸ : ۴۲)

(۷۷) بعض امور میں بھی غیر اللہ کے فیصلے قبول کرنا، باطل کا نظام ہے ——— (۲۶ : ۴۷)

(۷۸) ہر معاملہ میں نظام کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اپنے فیصلے کو نظام کے فیصلہ پر مقدم نہیں رکھنا چاہیئے ——— (۲-۱ : ۴۹)

(۷۹) جب فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ——— (۶ : ۴۹)

(۸۰) اگر رسول اکثر معاملات میں تمہاری بات ماننے لگ جائے تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔ (۷ : ۴۹)

(۸۱) جب مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو مرکز ان میں صلح کرا دیگا۔ اور اس کے بعد جو زیادتی کریگا تو اس سے عند الضرورت جنگ کرے گا ——— (۹ : ۴۹)

(۸۲) مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں ——— (۱۰ : ۴۹)

(۸۳) ضابطۂ قوانین، میزانِ عدل، اور شمشیرِ خارہ شگاف۔ یہ چیزیں اسلامی نظام کے لئے ضروری ہیں (۲۵ : ۵۷)۔ کسی قانون کی دانستہ خلاف ورزی کرنا، درحقیقت نظام کیخلاف اعلانِ جنگ ہے ——— (۵-۲ : ۵۸)

(۸۴) اگر نظام، واقعی نظامِ خداوندی ہو تو اس کا غالب رہنا یقینی ہے ——— (۲۱ : ۵۸)

(۸۵) اطاعت "معروف" میں ہوگی۔ یعنی ان معاملات میں جنہیں نظام قانون کی حیثیت سے نافذ کرے۔ پرائیویٹ معاملات میں افراد کو آزادی ہوگی۔ (جیسے قصہ حضرت زیدؓ میں مذکور ہے ———

(۳۷ : ۳۳) ——— (۱۲ : ۶۰)

(۸۶) اطاعت قرآن کی کرو۔ کسی "آثم وکفور" کی اطاعت مت کرو ۔ (۲۴ : ۷۶) — (۱۹ : ۹۶)

(۸۷) مومنین کا شعار' تواصوا بالحق اور تواصوا بالصبر ہے۔ استقامت کے ساتھ حق کی اطاعت کرنے کی تاکید کرتے رہنا۔ اسی سے کامیابی ہوسکتی ہے —— (۳ — ۲ : ۱۰۳)

(۸۸) الہبی نظام میں ہر قوم کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسری قوم سے آگے بڑھ جائے۔ اسلامی نظام نوع انسان کی بھلائی چاہتا ہے — (۹۲ : ۱۶)

(۸۹) ناہمواریاں پیدا کرنے والا نظام کبھی اسلامی نظام کو شکست نہیں دے سکتا — (۴ : ۲۹)

(۹۰) اس کا راستہ اختیار کرو جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے (یعنی ہر معاملہ میں کتاب اللہ سے فیصلہ لیتا ہے) —— (۱۵ : ۳۱)

(۹۱) اسلامی نظام میں مدارج کا تعین' اعمال اور جوہر ذاتی کے مطابق ہوتا ہے۔ (۱۹ : ۴۶) - (۱۳ : ۴۹)

(۹۲) تعمیری نتائج پیدا کئے بغیر' بڑائی اور کبریائی چاہنا غلط ہے —— (۱۴۶ : ۷)

(۹۳) اسلامی نظام کے قیام و استحکام کے لئے' صاحب دولت اپنی دولت دیں اور دوسرے لوگ اپنی محنت پیش کر دیں۔ یہ سب یکساں مفید ہے —— (۷۹ : ۹)

(۹۴) اسلامی نظام' لوگوں کے خیالات اور خواہشات کے تابع نہیں ہوتا۔ وہ صرف وحی خداوندی (قرآن) کے تابع ہوتا ہے۔ اگر حق' لوگوں کے خیالات کے تابع ہو جائے تو کائنات میں فساد برپا ہو جائے (۷۱ : ۲۳)

(۹۵) خدا کے سوا کوئی حکم نہیں ہوسکتا — (۱۱۵ : ۶)

(۹۶) اسلامی نظام میں امت میں مختلف پارٹیاں نہیں ہوتیں۔ پارٹیاں صرف دو ہوتی ہیں۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان — (۲۲ ز ۱۹ : ۵۸)۔ نہ ہی مذہبی فرقے ہوتے ہیں۔ (۴ : ۱۰۳) — (۶ : ۱۶۰) — (۳۰ : ۳۲)

(۹۷) اس نظام میں عدل ہوتا ہے۔ عدل سے مراد ہے ان قوانین کے مطابق فیصلہ جو وحی خداوندی (الحق) پر مبنی ہوں — (۱۵۹ : ۷)

مسلمانوں کی تاریخ

(۱) آگ نے ماحول کو روشن کیا (قرنِ اوّل)۔ پھر نور (قرآن) الگ ہو گیا۔ اور تقلید کی ظلمت چھا گئی۔

(صم، بکم، عمی)۔ یا ایک زلزلہ انگیز آسمانی انقلاب جس سے ڈر کر انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں۔ پھر کیفیت یہ ہو گئی کہ جہاں ذرا سی روشنی مل گئی، چل نکلے۔ ورنہ کھڑے ہو گئے ——— (۲۰—۱۷ : ۲)

(۲) خدا سے عہد باندھ کر پھر توڑ دیا۔ نوعِ انسان کو امتِ واحدہ بنانے کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کر دیں۔ اس کا نتیجہ نقصان اور تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ (۲۱۲۷)

(۳) انہیں امتِ وسطےٰ (ایسی قوم جسے دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل ہو) بنایا گیا تھا۔ ان کے لئے نظام یہ تھا کہ یہ اقوامِ عالم کے اعمال کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال کی نگرانی ان کا رسول (مرکزِ نظامِ خداوندی) کرے۔ جب تک یہ نظام قائم رہا انہیں وہ پوزیشن حاصل رہی۔ جب وہ بگڑ گیا ان کا وہ مقام بھی ان سے چھن گیا ——— (۱۴۳ : ۲)

(۴) اسلام کا صحیح نظام اختیار کرنے کے بعد پھر کفر کا باطل نظام اختیار کر لیا حالانکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تھا کہ ان کا رسول کتنی بڑی حقیقت کا حامل تھا۔ اور خدا کے قوانین ان کے سامنے واضح طور پر آ چکے ہیں۔ اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوانین خداوندی کی برکات، فطرت کی قوتوں کے مفاد اور انسانی جماعتوں کے تعاون سے محروم رہ گئے۔ لیکن اگر یہ اب بھی اس روش کو چھوڑ کر صحیح نظام اختیار کریں تو انہیں وہی مقام مل سکتا ہے ——— (۸۸—۸۵ : ۳)

(۵) نظامِ خداوندی کی تائید سے انہیں غلبہ حاصل ہوا تھا۔ اسے چھوڑ دیا تو ذلیل ہو گئے ——— (۱۵۹ : ۳)

(۶) مصیبتیں اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی تھیں (باہمی تنازعات اور قانون شکنی سے) ——— (۱۶۴ : ۳)

(۷) ضابطۂ ہدایت اس لئے دیا جاتا ہے کہ اسے لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے۔ لیکن جب اسے پسِ پشت ڈال دیا جائے اور مذہبی پیشوائیت دین کو ذریعہ معاش بنا لے، تو پھر تباہی آتی ہے ——— (۱۸۶ : ۳)

(۸) خدا کا اعلان تھا کہ وہ مومنین پر کفار کو کبھی غلبہ نہیں دے گا۔ لہٰذا یہ اصول ایک اٹل معیار ہے اس بات کے پرکھنے کے لئے کہ ہم مومن ہیں یا نہیں۔ ——— (۱۴۱ : ۴)

(۹) دین میں فرقے پیدا کر لینے اور باہمی جنگ و جدال میں الجھ جانے سے تباہی آئی ——— (۱۶۰ ؛ ۶۵ : ۶)

(۱۰) جب دین کو کھیل بنا لیا جائے تو اس کے تباہ کن نتائج سے کوئی نہیں بچا سکتا ——— (۷۰ : ۶)

(۱۱) یہ مردہ تھے۔ انہیں زندگی عطا کی اور ایک نورانی شمع (کتاب اللہ) دی کہ اس کی روشنی میں دنیا میں

چلے پھریں۔ پھر یہ اندھیرے میں جا پڑے جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ انہیں دکھائی نہیں دیتا — (۶:۱۲۳)

(۱۲) خدا کا نظام کسی خاص قوم کا محتاج نہیں کہ وہ جو کچھ بھی کرے اس کا غلبہ و تمکن بہر حال باقی رہے۔ اگر ایک قوم میں زندہ رہنے کی خصوصیات باقی نہ رہیں۔ تو اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے — (۶:۱۳۴) — (۴۷:۳۸)

(۱۳) انہیں حکومت دی گئی تھی تاکہ دیکھا جائے کہ یہ کس قسم کے کام کرتے ہیں۔ جب تک یہ صحیح روش پر رہے انہیں قوت و ثروت حاصل رہی۔ جب غلط راستے پر چل نکلے وہ کچھ چھن گیا — (۶:۱۶۶) — (۷:۱۲۹) — (۱۰:۱۴)

(۱۴) خدا کو چھوڑ کر اپنے سرکش جذبات کے پیچھے لگ جاتے لیکن سمجھتے یہی ہیں کہ ہم صحیح راستے پر چل رہے ہیں — (۷:۳۰)

(۱۵) انہیں ملوکیت، مذہبی پیشوائیت، سرمایہ داری، انسانوں کی غلامی و محکومی کی زنجیروں سے آزاد کیا گیا تھا — (۷:۱۵۷)۔ (انہوں نے ان زنجیروں کو پھر سے پہن لیا)

(۱۶) اللہ نے انہیں واضح قوانین دیئے۔ یہ ان سے اس طرح نکل گئے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے۔ خدا چاہتا تھا کہ انہیں قرآن کے اتباع سے شرفِ انسانیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا جائے۔ یہ اپنے پست جذبات کے اتباع سے زمین کے ساتھ چمٹ گئے — (۷:۱۷۵—۱۷۶)

(۱۷) انہوں نے عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دیا تو جہنم کی تباہیوں میں گھر گئے — (۷:۱۷۹)

(۱۸) ایک مرکز کی اطاعت چھوڑ کر، باہمی تنازعات سے ہوا اکھڑ گئی اور پھر اکھڑتی ہی چلی گئی — (۸:۴۶)

(۱۹) جب ان کے قلب و نگاہ میں تبدیلی آگئی تو ان سے نعمتیں چھن گئیں — (۸:۵۳) — (۱۳:۱۱)

(۲۰) کفار مومنین پر غالب نہیں آسکتے۔ مومن اپنے سے دس گنا کفار پر غالب رہتے ہیں۔ اور کمزوری کی حالت میں بھی کم از کم اپنے سے دگنی تعداد پر — (۸:۵۹ ؛ ۶۵—۶۶)

(۲۱) مومن باہمی ایک دوسرے کے دوست اور مددگار۔ کفار باہمی ایک دوسرے کے دوست۔ اگر یہ روش بدل گئی تو فساد برپا ہو جائے گا — (۸:۷۲—۷۳)

(۲۲) مومن کی زندگی مسلسل حرکت و عمل کی زندگی ہے۔ اگر ان میں جمود اور تعطل آجائے تو ان کی جگہ دوسری قوم لے لیگی — (۹:۳۹)

(۲۳) عذاب کی علامت یہ ہے کہ دنیاوی زندگی دکھ درد سے بھری ہو۔ اور ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہو (۹:۷۴)

(۲۴) ایک طبقہ خالص منافقین کا ہوتا ہے۔ انہیں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جنہیں اپنی غلطیوں کا احساس و اعتراف ہوتا ہے۔ ان سے اچھے اور بُرے دونوں قسم کے اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ ان کی بازآفرینی کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ صحیح راستے پر آ سکتے ہیں ـــــ (۱۰۲ـــ۱۰۱ : ۹)

(۲۵) مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے تو اگر مسجد بھی تعمیر کی جائے تو وہ جہنم میں لے جاتی ہے (چہ جائیکہ مسجدیں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے پہچاننے کی علامات بن جائیں) ـــ (۱۱۱ـــ۱۰۷ : ۹)

(۲۶) مومنین کو غیر مساعد حالات سے نجات دلانا، خدا کے ذمہ فرض ہے۔ لہٰذا، اگر مسلمان غیر مساعد حالات سے باہر نہیں نکل سکتے تو بات واضح ہے کہ یہ مومن نہیں ـــــ (۱۰۳ : ۱۰)

(۲۷) خدا کا اعلان کہ اگر تم اس نظام سے پھر جاؤ گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ (۵۷ : ۱۱) (۳۸ : ۴۷)

(۲۸) جب لوگ آسائشوں کے پیچھے پڑ جائیں اور دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے کو اپنا شیوہ بنائیں تو قوم پر تباہی آجاتی ہے۔ جب تک کسی قوم میں زندہ رہنے کی صلاحیت باقی رہے وہ تباہ نہیں ہوتی۔ خدا کسی قوم کو یونہی دھاندلی سے تباہ نہیں کرتا ـــــ (۱۱۷+۱۱۶ : ۱۱)

(۲۹) حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے کا نتیجہ تمکن فی الارض ہوتا ہے ـــــ (۵۶ : ۱۲)

(۳۰) مسلمانوں کو ایسا ضابطۂ زندگی دیا گیا تھا جو شجرِ طیب کی طرح ہمیشہ ثمربار رہنے والا تھا۔ اس کے ذریعے انہیں دنیا اور آخرت میں ثبات اور استحکام نصیب ہونا تھا۔ لیکن ان کے لیڈر ان کے قافلے کو ایسی منڈی میں لے گئے۔ جہاں اس جنس کا سدا کوئی خریدار نہیں تھا۔ یعنی جہنم میں ـــــ (۲۸ـــ۲۴ : ۱۴)

(۳۱) مسلمانوں کو ان لوگوں کے ملکوں میں آباد کیا جنہوں نے ظلم اور زیادتی کی تھی۔ (جب انہوں نے ظلم اور زیادتی شروع کر دی تو ان کے ملکوں پر دوسری قومیں مسلط ہو گئیں) ـــــ (۱۴ـــ۱۳ : ۱۴)

(۳۲) مسلمانوں کی زندگی ایسی قابلِ رشک تھی کہ کفار حسرت سے کہتے تھے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ (۲ : ۱۵)

(۳۳) کفرانِ نعمت سے قوموں پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے ـــــ (۱۱۲ : ۱۶)

(۳۴) قرآن میں شفا اور رحمت ہے۔ لیکن ظلم کرنے والوں کے لئے یہی قرآن سخت نقصان کا موجب بن جاتا ہے (یعنی اس میں بیان کردہ قانونِ مکافات کی رو سے ظلم کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں)

(۸۲ : ۱۷)

(۳۵) نظامِ صلوٰۃ کے ضائع کر دینے سے تباہی آگئی۔ اگر یہ اسے پھر قائم کریں تو پھر وہی جنتی معاشرہ انہیں

مل جائے گا۔ (نظامِ صلوٰۃ سے مراد ہے قرآن کے مطابق معاشرہ کی تشکیل) ---- (۱۹: ۵۹-۶۱)

(۳۶) کفار، مومنین کو عاجز اور بے بس نہیں کر سکتے ---- (۲۴: ۵۷)

(۳۷) ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ، استخلاف اور تمکن فی الارض ہے۔ یہ تمکن اس لئے ملتا ہے کہ دین متمکن ہو جائے اور اطاعت صرف احکامِ خداوندی کی ہو۔ کسی اور کی اطاعت کا شرک اس میں شامل نہ ہو ---- (۲۴: ۵۵)

(۳۸) صرف یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان والے ہیں، چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے صادقین اور کاذبین کو الگ الگ کیا جائے گا ---- (۲۹: ۱-۳)

(۳۹) مومنین کی نصرت خدا کے ذمے فرض ہے ---- (۳۰: ۴۷)

(۴۰) اسلام میں فرقہ بندی شرک ہے۔ لہٰذا، فرقوں میں گھرا ہوا مسلمان توحید پرست کیسے ہو سکتا ہے ---- (۳۰: ۳۰-۳۲)

(۴۱) مومن اور فاسق ایک جیسے نہیں ہو سکتے (لہٰذا، مومن کبھی فاسق نہیں ہو سکتا) ---- (۳۲: ۱۸)

(۴۲) جسے قوانینِ خداوندی کی یاد دلائی جائے اور وہ اس سے اعراض برتے تو اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے ---- (۳۲: ۲۲)

(۴۳) جو اپنے بُرے کاموں کو نیکی سمجھے، اسے کون ہدایت دے سکتا ہے ---- (۳۵: ۸)

(۴۴) وراثتِ کتاب کے لئے جماعتِ مومنین کو چنا گیا تھا۔ ان میں بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والے بھی ہیں، میانہ روی اختیار کرنیوالے بھی اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے بھی ---- (۳۵: ۳۲)

(۴۵) بخل (یعنی سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لینے کی ہوس) قوموں کو تباہ کر دیتی ہے۔ اُن کی جگہ دوسری قومیں لے لیتی ہیں جو ان جیسی نہیں ہوتیں ---- (۴۷: ۳۸)

(۴۶) سابقہ اہلِ کتاب کی طرح نہ ہو جانا کہ جب ان پر مدت گذر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ لیکن اسکے بعد بھی نئی زندگی مل سکتی ہے ---- (۵۷: ۱۶-۱۷)

(۴۷) مومن، خود بھی خدا کی عطا کردہ روشنی میں چلتا ہے اور دوسروں کو بھی اس میں چلاتا ہے۔ اس لئے اسے دُہرا حصہ ملتا ہے۔ (اور جب یہ اس روشنی کو زیرِ دامن چھپالے تو اسے عذاب بھی دہرا ملتا ہے۔ (۵۷: ۲۸)

(۴۸) مومن، حزب اللہ ہیں۔ یہ غالب رہیں گے ---- (۵۸: ۱۹-۲۲)

(۴۹) قرآن میں پہنچکر دین مکمل ہوگیا۔ یہ دین (نظامِ زندگی) دیگر تمام نظامہائے حیات پر غالب آئے گا۔ خواہ مخالفین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کو مسلسل جدوجہد کرنی ہوگی ——— (۱۲—۸ : ۶۱)

(۵۰) مسلمان، مجرمین کی طرح نہیں ہوسکتے (اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان مجرم نہیں ہوسکتا) ——— (۶۸:۳۵)

(۵۱) تم باہم دشمن تھے۔ خدا نے تمہیں قرآن کے رشتے میں منسلک کر کے بھائی بھائی بنا دیا۔ اور اس طرح ایک امّت وجود میں آگئی جس کا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا۔ تمہیں تاکید کی گئی تھی کہ باہمی تفرقہ نہ پیدا کرنا۔ (تم نے اس روش کو چھوڑا تو تباہ ہوگئے۔ کتاب اللہ تمہارے پاس موجود ہے۔ اس سے پھر اجتماعی طور پر متمسک ہو جاؤ تو پھر وہی وحدت پیدا ہو جائے گی) ——— (۱۰۴—۱۰۲ : ۳)

(۵۲) اکثر لوگ مومن کہلاتے ہوئے بھی شرک کرتے ہیں ——— (۱۰۶ : ۱۲)

(۵۳) حالات کیسے ہی ہمت شکن اور یاس انگیز ہوں مسلمانوں کے لئے ناامید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ یہ جب بھی قرآن کی طرف آجائیں گے ان کی چھنی ہوئی جنت انہیں واپس مل جائے گی ——— (۵۵—۵۳ : ۳۹)

——— (۰) ———

(۲۶۴) حضرت اسمٰعیلؑ

(نیز دیکھئے۔ ابراہیمؑ)

(۱) اسمٰعیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑھاپے کی اولاد تھے ——— (۳۹ : ۱۴)۔ انہی کی بشارت دیتے وقت انہیں "غلامِ حلیم" کہہ کر پکارا گیا تھا ——— (۱۰۱ : ۳۷)

(۲) آپؑ حضرت یعقوبؑ کے آبا میں سے تھے۔ یعنی ان کے چچا ——— (۱۳۳ : ۲)

(۳) حضرت ابراہیمؑ اپنے ایک خواب کو اپنی دانست میں، اشارۂ خداوندی سمجھ کر، حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے۔ جب انہوں نے بیٹے کو لٹا دیا تو خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یہ ہمارا حکم نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کو اس طرح ذبح ہونے سے بچا لیا گیا اور انہیں تولیتِ کعبہ کے لئے منتخب کر لیا۔ یہ اُس وقتی قربانی کے مقابلہ میں عمر بھر کی قربانی تھی اور اس لئے

بہت بڑی قربانی ــــ (۱۰۷ــ ۱۰۰ : ۳۷)

(۴) حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ نے کعبہ کی تعمیر کی تھی ــــ (۱۲۷ : ۲)۔ تطہیرِ کعبہ خدا کے حکم کے مطابق کی گئی تھی ــــ (۱۲۵ : ۲)

(۵) حضرت اسمٰعیلؑ زمرۂ انبیاء کرام میں سے تھے۔ (۱۳۶ : ۲) ــــ (۸۳ : ۳) ــــ (۱۶۳ : ۴) ــــ (۸۶ ؛ ۸۶ : ۶) (۱۹:۵۴) ــــ (۲۱ : ۸۵) ــــ (۴۸ : ۳۸)

(۶) حضرت اسمٰعیلؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ (وہ ان گروہ بندیوں سے بلند، صرف مسلم تھے) ــــ (۲:۱۴۰)

(۷) صادق الوعد ــــ (۵۴ : ۱۹)

ــــ (۰) ــــ

۴۷۔ اُسوہ

اسوۃ۔ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں وہ شے جس سے کوئی غمگین انسان سکون اور تسلی حاصل کرے۔ اور چونکہ اس قسم کی تسلی بہترین طور پر کسی قابلِ تقلید نمونہ کو اپنے سامنے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کے معنی نمونہ کے ہو گئے۔ قرآن کریم میں دو شخصیتوں کی زندگی کو خاص طور پر اسوۂ حسنہ کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ ایک نبی اکرمؐ کی ذات گرامی کو۔ یہ اس وقت کہا گیا جب جنگِ احزاب میں بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے لیکن حضورؐ روشنی کے مینار کی طرح اپنے مقام پر کھڑے رہے ــــ (۲۱ : ۳۳)۔ اور دوسرے حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے رفقاء۔ جنہوں نے برملا اپنی قوم سے کہہ دیا کہ جب تک تم خدا پر ایمان نہ لاؤ، ہمارا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا ــــ (۶ ؛ ۴ : ۶۰)

ــــ (۰) ــــ

۴۸۔ اُسوۂ حسنہ

اُسوۃٌ۔ (ا۔س۔ی یا ا۔س۔و)۔ قابلِ تقلید نمونہ۔ نیز وہ چیز جس سے غمگین آدمی تسلی حاصل کرے۔ جس سے اس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے۔

اسوۂ حسنہ

(۱) جو شخص کسی نہایت نازک خطرناک موقعہ پر عزم و ثبات اور بلندیٔ سیرت کا ثبوت دیتا ہے اس کا یہ طرزِ عمل دوسروں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہوتا ہے۔ یعنی دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسے ہی بنو۔ جنگِ احزاب میں کچھ لوگوں نے عدمِ استقلال اور دون ہمتی کا مظاہرہ کیا تو ان سے کہا گیا کہ ہجوم مصائب کے ایسے وقت میں جو کچھ تمہارے رسول نے کیا تھا ــ یعنی نہ وہ ذرا بھی گھبرائے، نہ دل چھوڑا ــ تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے تھا ــ تمہارے لئے تمہارے رسول کا وہ طرزِ عمل اسوۂ حسنہ تھا ــــ (۲۱ : ۳۳)۔ بہترین قابلِ تقلید نمونہ۔ رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کا بالصراحت ذکر تو اس خاص واقعہ کے ضمن میں آیا ہے، لیکن نبی اکرمؐ کی ساری زندگی جس بلندیٔ کردار اور پاکیزگی سیرت کی مظہر تھی، وہ ہر اس انسان کے لئے جو سیرت کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی حاصل کرنا چاہے، بہترین نمونہ ہے۔ اس سیرت کے اصولی خط و خال خود قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔

(۲) قرآن کریم میں جماعتِ مومنین سے بار بار تاکید کی گئی ہے کہ جو لوگ تمہارے دین کے مخالف ہیں تم ان سے، تم ان سے دوستداری کے تعلقات مت رکھو ــــ (۳ : ۱۱۷)۔ اس سلسلہ میں عملی مثال پیش کرنے کے لئے کہا کہ "تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہمارا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ..... تاآنکہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ" ــــ (۶ ; ۴ : ۶۰)

(۳) قرآن کریم میں "اسوۂ حسنہ" کے الفاظ انہی دو مقامات پر آئے ہیں۔ ویسے کسی کا کوئی عمل جو قرآن کریم کے مطابق ہو، دوسروں کے لئے واجب التقلید نمونہ ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ تم ہمیشہ انصاف کے علمبردار بنو اور سچی شہادت دو خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ ایک شخص جانتا ہے کہ اگر میں نے سچی بات کہہ دی تو اس سے مجھے پھانسی کے تختے پر چڑھ جانا پڑے گا۔ لیکن وہ اس کے باوجود سچی شہادت دیتا ہے اور پھانسی کا رسہ اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے۔ اس کا یہ عمل دوسروں کے لئے مثال بن جاتا ہے۔ ایسے وقت میں ہر شخص یہ کہے گا کہ تمہیں اس سچے اور بہادر انسان کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہیے۔ لفظی تلقین کے مقابلہ میں عملی نمونہ ہمیشہ زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ اسے اندھی

تقلید نہیں کہا جائے گا جس سے قرآن کریم نے سختی کے ساتھ ردکا ہے۔ دیکھئے عنوان تقلید)۔ یہ حسن سیرت کا عملی نمونہ ہو گا۔

(٥)

۴۹۔ اصحاب (متفرق)

(۱) اصحاب الاعراف۔ ــــ دیکھئے "اعراف" ــــ (۴۸ : ۷)
(۲) اصحاب الکھف والرقیم۔ ــــ (۹ : ۱۸)۔ دیکھئے عنوان "کہف"
(۳) اصحاب الجنۃ۔ ــــ (۲۰ : ۵۹)۔ دیکھئے عنوان "جنت"
(۴) اصحاب النار۔ ــــ (۲۰ : ۵۹)۔ دیکھئے عنوان۔ جہنم۔ نار۔
(۵) اصحاب الجحیم۔ ــــ (۱۱۳ : ۹)۔ دیکھئے عنوان۔ جحیم۔
(۶) اصحاب السبت۔ ــــ (۴۷ : ۴)۔ دیکھئے عنوان "سبت"
(۷) اصحاب السعیر۔ ــــ (۶ : ۳۵)۔ دیکھئے عنوان جہنم
(۸) اصحاب الشمال۔ ــــ (۴۱ : ۵۶) } دیکھئے عنوان جہنم
(۹) اصحاب المشئمۃ۔ ــــ (۹ : ۵۶) }
(۱۰) اصحاب المیمنۃ۔ ــــ (۱۸ : ۹۰) } دیکھئے عنوان جنت
(۱۱) اصحاب الیمین۔ ــــ (۳۸ : ۵۶) }
(۱۲) اصحاب موسےٰؑ۔ ــــ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی ــــ (۶۱ : ۲۶)
(۱۳) اصحاب السفینۃ۔ حضرت نوحؑ کے ساتھی جو کشتی میں سوار ہوئے تھے ــــ (۱۵ : ۲۹)
(۱۴) اصحاب الصراط السوی۔ سیدھے راستے پر چلنے والے ــــ (۱۳۵ : ۲۰)
(۱۵) اصحاب القبور۔ ــــ مُردے ــــ (۱۳ : ۶۰)
(۱۶) اصحاب المدین والمؤتفکات۔ مدین اور دیگر تباہ شدہ بستیوں کے رہنے والے ــــ (۷۰ : ۹)
(۱۷) اصحاب رسول اللہ۔ قرآن کریم میں یہ الفاظ نہیں آتے۔ اس کے بجائے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ــــ (۴۸ : ۲۹) آیا ہے۔ یعنی رسول اللہ کے ساتھی۔ اصحاب رسول اللہ کے لئے عنوان صحابہؓ دیکھئے۔

(۱۸) **اصحاب۔** ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے لوگ ــــ (۵۹ : ۵۱)

(۰)

۵۰۔ اصحاب الاخدود

اخدود (خ۔ د۔ د)۔ کھائی یا خندق۔

یمن میں خاندانِ تُبّع کی حکومت تھی۔ ابتداءً یہ ستارہ پرست تھے لیکن بعد میں انہوں نے یہودیوں کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اُن کے ایک جابر بادشاہ' ذو نواس' کے زمانے میں عیسائیوں نے اُس ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو وہ سخت مشتعل ہوگیا۔ اس نے عیسائیوں کے مرکزی شہر' نجران' پر حملہ کیا اور انہیں سخت شکست دی۔ اس نے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے۔ ان میں آگ جلائی' اور عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں۔ جو اس سے انکار کرتا' آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جاتا۔

قرآن کے نزدیک' یہودی اور عیسائی دونوں' اسلام کے دشمن تھے اس لئے اُسے اس واقعہ میں عیسائیوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ لیکن چونکہ وہ ہمیشہ مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت کرتا ہے' خواہ وہ کسی قوم یا مذہب سے متعلق ہوں۔ اس لئے اس نے کھلے الفاظ میں کہا کہ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ــــ (۸۵ : ۴) خندق والوں نے (مظلوم عیسائیوں کو نہیں' درحقیقت) اپنے ہاتھوں خود اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ کیونکہ ظلم کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ یہی انجام ہر ظالم کا ہوگا۔

(۰)

۵۱۔ اصحاب الایکہ

اصحاب الایکہ حضرت شعیبؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ اہل مدین کی طرف

مبعوث ہوئے تھے۔ دوسری جگہ ہے کہ وہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے ـــــ (۲۹ : ۳۶)۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اصحاب الایکہ اہل مدین ہی کو کہا گیا ہے لیکن بعض (۲۶ : ۱۷۶ ـــ ۱۷۷) کا خیال ہے کہ یہ ایک ہی قبیلہ کے دو مختلف خاندان تھے (جن کا مورث اعلیٰ ایک ہی تھا) اور ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے۔ ان کا علاقہ گھنے جنگلات سے ڈھکا ہوا تھا اس لئے انہیں "بن باسی" (اصحاب الایکہ) کہتے تھے۔

(۲) اصحاب الایکہ ظالم تھے ـــــ (۱۵ : ۷۸)۔ ان کا اور اہل مدین کا جرم ایک ہی تھا۔ یعنی معاشی بدمعاملگی ـــــ (۲۶ : ۱۸۱ ـــ ۱۸۳)

(۳) دیگر امم سابقہ کی طرح یہ بھی شکست خوردہ گروہ تھا۔ اور ماخوذ عذاب ـــــ (۳۸ : ۱۳ ـــ ۱۵)

(۴) ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی۔ سو اس کی وجہ سے تباہ ہو گئے ـــــ (۵۰ : ۱۴)

ـــــ (۰) ـــــ

۵۲۔ اصحاب الحجر

الحجر حضرت اسماعیل کے بڑے بیٹے کا نام نبایط تھا۔ ان کے خاندان کو نبط (جمع انباط) کہا جاتا ہے۔ شام اور عرب کی حدود پر ان کی حکومت کے آثار ملتے ہیں۔ پہلے ان کا دارالسلطنت رقیم تھا۔ لیکن جب اس پر رومیوں نے قبضہ کر لیا تو یہ وادی قریٰ میں، شہر حجر کی طرف منتقل ہو گئے۔ اسی نسبت سے انہیں اصحاب الحجر کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور تباہ ہو گئے۔ حالانکہ وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر محکم قلعے بنا کر رہتے تھے ـــــ (۱۵ : ۸۰ ـــ ۸۴)

ـــــ (۰) ـــــ

۵۳۔ اصحاب الرسّ

اصحاب الرسّ۔ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام قیدماہ تھا جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا ـــــ

اصحاب الرّس کے متعلق خیال ہے کہ یہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا ذکر قوم ثمود کے ساتھ آیا ہے اس لئے بعض کا قیاس اس طرف بھی گیا ہے کہ یہ اسی قوم کا ایک قبیلہ تھا۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ انہوں نے تکذیبِ رُسل کی اور ہلاک ہو گئے ——— (۳۸ : ۲۵) ——— (۱۲ : ۵۰)

——— (o) ———

۵۴۔ اصحاب الفیل

فیل (ہاتھی)۔ قرآن کریم میں اصحاب الفیل کا ذکر ایک مقام پر آیا ہے۔ یعنی ——— (۵ – ۱ : ۱۰۵) میں۔ اس کے متعلق تاریخ میں ہے کہ ابرہتہ الاشرم حبشی، اپنی ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے مکہ پر چڑھ آیا۔ اور اس کے لئے اس نے پہاڑیوں کی اوٹ میں خفیہ راستہ اختیار کیا تاکہ وہ مکہ والوں پر بےخبری میں حملہ کر دے۔ لیکن گِدھوں کے جھنڈ جو اپنی جبلی ذہانت سے بھانپ لیتے ہیں کہ فوج کس طرف جا رہی ہے اس لئے ہمیں ان کے ساتھ جانے سے بہت سا سامانِ خوراک (لاشیں) ملیں گی، ان کے اوپر منڈلاتے ہوئے آ گئے۔ (ابابیل کے معنی ہیں، جھنڈ کے جھنڈ پرندے)۔ انہیں دیکھ کر قریشِ عرب نے اندازہ کر لیا کہ کوئی لشکر پہاڑ کے پیچھے سے آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ وہاں سے زور کا پتھراؤ کیا۔ کچھ اس سنگ باری سے اور کچھ اس طرح کہ ان کے ہاتھی بھڑک اٹھے اور اپنی فوج کو کچلتے روندتے ہوئے بھاگ اٹھے، اسکی فوج کا کچومر نکل گیا۔ یہ واقعہ سورۃ الفیل (۱۰۵) میں بیان ہوا ہے تاکہ قریش متنبہ ہو جائیں کہ کعبہ کی تخریب کے عزائم اس قسم کی تباہی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کا انجام بھی تباہی و بربادی (شکست و ہزیمت) ہی ہوا۔ چونکہ قریش نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا (یہ واقعہ حضورؐ کی پیدائش کے سال ہوا تھا۔) اسلئے انہیں مخاطب کر کے اسے بیان کیا گیا۔

——— (o) ———

۵۵۔ اِصلاح

(نیز دیکھیئے۔ صلح۔ صالح۔ مصلح۔ فساد۔ مفسد)

اِصلاح۔ مادہ (ص۔ل۔ح) جس چیز کو جس حال میں ہونا چاہیئے اس کا ٹھیک ٹھیک اسی حالت

ہیں ہونا۔ بالکل مناسب۔ درست۔ با ترتیب۔ اِصْلَاحٌ۔ کسی کے نقص یا خرابی کو دور کرنا۔ ہمواری پیدا کرنا۔ توازن قائم رکھنا معلومات کا سنوارنا۔ اس کے مقابلہ میں لفظ فسَاد آتا ہے۔ اسلام ایسا معاشرتی نظام قائم کرتا ہے جس میں ناہمواریاں دور ہوجاتی ہیں اور ہمواریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

(۰)

اصلاح کی اہمیّت

(۱) منافقین ملک میں فساد پھیلاتے ہیں، اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم مصلح ہیں ــــ (۲ : ۱۱)

(۲) یتیموں کی اصلاح کرتے رہو ــــ (۲ : ۲۲۰)

(۳) مرد اگر اصلاح کا ارادہ رکھتا ہو تو (پہلی اور دوسری) طلاق کے بعد پھر رجوع کرسکتا ہے ــــ (۲ : ۲۲۸)

(۴) لوگوں کی اصلاح کے لئے رازدارانہ مشورے کرنے جائز ہیں ــــ (۴ : ۱۱۴)

(۵) ملک میں اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ ــــ (۷ : ۵۶)۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے یہی کہا تھا ــــ (۷ : ۸۵)

حضرت موسےٰؑ نے اپنے بھائی (حضرت ہارونؑ) سے کہا تھا کہ میری غیر حاضری میں، بنی اسرائیل کی اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی راہ مت چلنا ــــ (۷ : ۱۴۲)

(۷) حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں حتی المقدور تمہاری اصلاح چاہتا ہوں ــــ (۱۱ : ۸۸)

(۸) جو لوگ ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور اصلاح نہیں چاہتے، ان کی اطاعت مت کرو ــــ (۲۶ : ۱۵۲)

(۹) قومِ ثمود کے نو سربراہ تھے جو فساد کا منبع تھے اور اصلاح نہیں چاہتے تھے ــــ (۲۷ : ۴۸)

(۱۰) جس شخص پر زیادتی ہوئی ہو وہ اس زیادتی کا بدلہ لے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ دیکھے کہ مجرم کو معاف کر دینے سے اس کی اصلاح ہوسکتی ہے، اور اس طرح اسے معاف کر دے تو یہ زیادہ اچھا ہے ــــ (۴۲ : ۴۰)

(۱۱) میاں بیوی کی ناچاقی کی شکل میں ایک مصالحتی بورڈ بٹھانا چاہیئے جو ان میں اصلاح کی کوشش کرے۔ (۴ : ۳۵)

(۱۲) وصیت کے معاملہ میں اصلاحِ حال کی کوشش ــــ (۲ : ۱۸۲)

(۱۳) جو ایمان لائے اور ہمواریاں پیدا کرے (اپنی ذات اور دوسروں کے معاملات کو سنوار دے) تو اس

کے لئے خوف وحزن نہیں ہوگا ـــــ (۴۸ : ۶) ـ (۳۵ : ۷)

(۱۴) ایمان واعمالِ صالح سے انسان اور قوم کی حالت سنور جاتی ہے ـــــ (۲ : ۴۷)

(۱۵) مومنین کی دعا کہ ہماری اولاد کی بھی اصلاح کردے ـــــ (۱۵ : ۴۶)

(۱۶) آپس میں صلح رکھو ـــــ (۱ : ۸)

(۱۷) تقویٰ سے اعمال سنور جاتے ہیں ـــــ (۷۱ : ۳۳) ـــــ (۵ : ۴۷)

تَابَ وَاَصْلَحَ

(۱) جس شخص کا قدم غلط راستے پر پڑ جائے اسے چاہیئے کہ پھر وہیں واپس آئے جہاں سے اس کا قدم غلط راستے کی طرف اٹھا تھا۔ اسے توبہ کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد جو خرابی یا نقص اس میں پیدا ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اس کا قدم غلط راستے کی طرف اٹھ گیا تھا، اُسے دور کرے۔ اسے اصلاح کہتے ہیں۔ یوں توبہ اور اصلاح سے غلطی کا ازالہ ہوتا ہے ـــــ (۱۶۰ : ۲)

(۲) ارتداد کے بعد بھی توبہ اور اصلاح کی گنجائش باقی رہتی ہے ـــــ (۸۸ : ۳)

(۳) منافقین کے لئے بھی توبہ اور اصلاح کی گنجائش ہے ـــــ (۱۴۶ : ۴)

(۴) چوری کے مرتکب کے لئے بھی توبہ اور اصلاح کی گنجائش ہے ـــــ (۳۹ : ۵)۔ فواحش کے مرتکب کے لئے بھی ـــــ (۱۶ : ۴)

(۵) توبہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کوئی لغزش نادانستہ سرزد ہو جائے ـــــ (۵۴ : ۶) ـــــ (۱۱۹ : ۱۶)

(۶) پاک دامن عورتوں کے خلاف الزام تراشی جرم ہے۔ لیکن اس میں توبہ اور اصلاح کی گنجائش ہے۔

(۵ : ۲۴)

(ان مقامات کی مزید تشریح "توبہ" کے عنوان میں دیکھئے)

متفرق

(۱) حضرت زکریّا کی بیوی کے نقص کو دور کرکے اُسے اولاد کے قابل بنا دیا ـــــ (۹۱ : ۲۱)

(۲) مسلمانوں میں کبھی نزاع پیدا ہو جائے تو ان میں باہمی صلح کرا دیا کرو ـــــ (۱۰ـ۹ : ۴۹)

۵۶۔ اضداد۔ (فلسفۂ اضداد)

ہمارے زمانے میں اشتراکی نظامِ معیشت نے بڑی شہرت حاصل کر رکھی ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تو "معاشی نظام" کے عنوان میں آئے گا، اس مقام پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اشتراکیت صرف ایک معاشی نظام کا نام نہیں، وہ معاشی نظام' ایک فلسفۂ حیات کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے' جسے فلسفۂ اضداد کہا جاتا ہے۔ اشتراکیت کا معاشی نظام تو قرآن کے معاشی نظام سے ملتا جلتا ہے لیکن اس کا فلسفۂ زندگی' قرآنی فلسفۂ حیات کی بالکل ضد ہے۔ اور چونکہ اشتراکی (کمیونسٹ) ہونے کے لئے' اشتراکی فلسفۂ حیات کو تسلیم کرنا ضروری ہے' اس لئے (اس بنا پر) نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان ہو سکتا ہے نہ کوئی مسلمان' کمیونسٹ۔

کمیونسٹ فلسفۂ اضداد کی ابتدا' جرمن فلاسفر' ہیگل سے ہوتی ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں ایک تصور (IDEA) وجود میں آتا ہے۔ وہ بڑھتا پھولتا پھلتا ہے۔ جب وہ اپنے شباب پر پہنچ جاتا ہے تو اس میں سے' اس کی ضد ایک اور تصور پھوٹتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح پروان چڑھتا ہے تو پھر ایک تیسرا تصور ایسا پیدا ہوتا ہے جو ان دونوں باہمدگر متضاد تصورات کی خصوصیات کو لئے ہوتے ابھرتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلۂ تصورات آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ روحِ عصر (SPIRIT OF THE AGE) اس تمام عمل کی محرک ہوتی ہے۔

مارکس اسی مکتبِ فکر سے متعلق تھا۔ لیکن اس نے کہا کہ یہ تضاد و تغیر تصورات میں نہیں بلکہ انسان کے معاشی نظام میں رونما ہوتا رہتا ہے اور تاریخی وجوب (HISTORICAL NECESSITY) اس کی قوتِ محرکہ ہے۔

چینی اشتراکیت کا سربراہ' ماؤزے تنگ بھی اگرچہ اسی مکتبِ فکر سے متعلق ہے لیکن اس کا نظریۂ اضداد ہیگل اور مارکس دونوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات کی ہر شے کے اندر شروع سے اخیر تک ہمیشہ دو متضاد عناصر موجود ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے برسرِپیکار رہتے ہیں۔ ان کے اس باہمی ٹکراؤ کی وجہ سے اس فلسفہ کو جدلیاتی (DIALECTIC) کہا جاتا ہے۔ ان متضاد عناصر میں سے ایک وقت میں ایک عنصر غالب رہتا ہے اور دوسرا مغلوب۔ باہمی تصادم سے کچھ وقت کے بعد' مغلوب عنصر غالب ہو

جاتا ہے اور غالب عنصر مغلوب۔ یہ سلسلہ دولابی شروع سے جاری ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔

ان کے برعکس قرآن کریم کا فلسفہ حیات ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ کائنات میں حق (تعمیری قوتوں) اور باطل (تخریبی قوتوں) میں باہمی کشمکش رہتی ہے۔ اس کشمکش میں حق ہمیشہ باطل پر غالب آتا ہے اور اس طرح زندگی ایک ارتقائی منزل طے کر کے، اگلی منزل میں داخل ہو جاتی ہے۔ وہاں پھر باطل، نئے پیکر میں حق کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور وہی کشمکش پھر شروع ہو جاتی ہے۔ حق کا یہ غلبہ خدا کی کائناتی قوتوں کی بنا پر ہوتا ہے لیکن ان کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ (انسانی حساب وشمار کی رو سے خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے)۔ اگر انسانی دست و بازو ان قوتوں کے رفیق بن جائیں تو پھر یہ غلبہ انسانی حساب وشمار کے مطابق ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں آخر الامر غلبہ حق ہی کا ہوتا ہے اور حق ہی کا ہوگا۔

ان مختصر سی تصریحات سے واضح ہے کہ کشمکش اضداد، تو قرآنی فلسفہ حیات کی رو سے بھی جاری ہے۔ لیکن اس کشمکش اور اشتراکی فلسفہ کی کشمکش اضداد میں بنیادی فرق ہے۔ اشتراکی فلسفہ کی رو سے کائنات میں نہ کوئی قدر مستقل ہے اور نہ ہی حق کا بالآخر غالب آنا کائنات کا غیر متبدل قانون۔ قرآنی فلسفہ حیات کی رُو سے کشمکش اضداد بھی اس لئے گئی ہے کہ ہر شے (اور انسان) کی مضمر قوتوں کی نمود اور نشو ونما، کشمکش کی رُو سے ہوتی ہے۔ اور انہی مضمر قوتوں کے مشہود ہونے سے زندگی، سلسلہ ارتقاء کی اگلی منزل میں داخل ہو سکتی ہے۔ بالفاظ دیگر کائناتی اور انسانی ارتقاء کے لئے کشمکش لاینفک ہے اور کشمکش کے لئے اضداد لاینفک۔ قرآن کریم میں نظام فطرت کے اضداد اور انسانی نظریات کے اضداد وغیرہ کا ذکر بڑی شرح وبسط سے آیا ہے مقصد اس سے وہی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی حق کا باطل پر غلبہ۔

——— (۰) ———

۱۔ نظامِ فطرت کے اضداد

(۱) نور بمقابلہ ظلمات ——— (۲ : ۱۷)

(۲) ارض فرش اور سماء بناء ——— (۲ : ۲۲)

(۳) مشرق و مغرب ——— (۲ : ۱۱۵)، مشرقین و مغربین ——— (۵۵ : ۱۷)

(۴) اختلافِ لیل و نہار میں آیات ــــ (۲ : ۱۶۴) ــ (۳ : ۱۸۹) ــ (۶ : ۱۰) ــ (۱۲ : ۱۷) ــ (۲۵ : ۶۲)

(۴۵ : ۵)

(۰) اختلاف الوان والسنہ میں آیات ــــ (۲۲ : ۳۰)

(۵) ذکر ــ انثیٰ ــــ (۳۵ : ۳) ۔ انسانی پیدائش کے مختلف مراحل ــ (۵ : ۲۲) ــ (۱۴ــ۱۳ــ۱۲ : ۲۳)

خلقاً آخر ــ (۱۴ : ۲۳) نفخِ رُوح ــ (۹ : ۳۲) ــ (۷۲ : ۳۸) ــ (۶۷ : ۴۰) ۔ اطواراً (۷۱ : ۱۴)

انبتکم من الارض ــ (۷۱ : ۱۷) ۔ حیاتِ نو ــ (۷۱ : ۱۸) ۔ طبقاً عن طبق ــ (۸۴ : ۱۹)

(۶) خلقکم من نفس واحدۃ ۔ وخلق منہا زوجہا ... رجالاً ونساءً ــ (۴ : ۱) ــ (۷ : ۱۸۹)

(۱۶ : ۱۷۲) ــ (۳۵ : ۱۱) ــ (۶ : ۳۹)

ہرشے کے جوڑے ــ (۱۳ : ۳) ــ (۲۲ : ۵) ــ (۳۶ : ۳۶) ــ (۴۲ : ۱۱)

(۴۳ : ۱۲) ــ (۵۱ : ۴۹) ــ (۳۹ : ۷۵)

(۷) یبدؤا الخلق ثم یعیدہٗ ــــ (۱۰ : ۴) ۔ طریقِ ارتقاء ــ ہرشے کا مستقر و مستودع

(۱۱ : ۶ : ۷) ۔ نشاۃ الآخرۃ ــ (۲۷ : ۶۴) ــــ (۲۰ : ۲۹) ــ (۲۷ ؛ ۱۱ : ۳۰) ۔

کھیتی کی مثل جو بتدریج بڑھتی ہے ــــ (۲۹ : ۴۸)

(۸) کھیتی لہلہاتی ہے اور ایک ہی حادثہ سے تباہ ہو جاتی ہے ــ (۲۴ : ۱۰)

(۹) ماءِ واحد سے کھیتی کی سیرابی ہوتی ہے لیکن پھل اور فصلیں گوناگوں اگتی ہیں ــ (۴ : ۱۳)

(۲۰ : ۵۳) ــــ (۲۸ ؛ ۲۷ : ۳۵)

(۱۰) یہ ارض و سماء بدل جائیں گے ــــ (۴۸ : ۱۴)

(۱۱) ارضی پیدائش میں تنوع ــــ (۱۳ : ۱۶)

(۱۲) ارض و سماء کی مثل بنانے پر قادر ۔ یہ سب اجل مسمّیٰ تک کے لئے ہے ــ (۲ : ۱۳) ــ (۹۹ : ۱۷)

(۸ : ۳۰) ــ (۱۳ : ۳۵) ۔ اسے اجل اللہ کہا گیا ہے ــ (۵ : ۲۹) ۔ اجل مسمّیٰ سے پہلے عذاب

نہیں آسکتا ــــ (۵۴ : ۲۹) ــ (۴۵ : ۳۵) ــ (۱۱ : ۶۴)

(۱۳) ربنا الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقہٗ ثم ھدیٰ ۔ ــــ (۵۰ : ۲۰)

انسان کے متعلق بھی ــ (۷۸ : ۲۶)

(۱۴) کما بدانا اول خلق نعیدہٗ ـــــ (۲۱ : ۱۰۴)
(۱۵) حیات ارض بعد موت ـــــ (۳۰ : ۲۴)
(۱۶) خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ـــ (۳۲ : ۵) ـــ (۷۰ : ۴)
(۱۷) موت کے بعد خلق جدید ـــ (۳۲ : ۱۰) ـــ (۳۴ : ۷)
(۱۸) یزید فی الخلق ما یشاء ـــــ (۳۵ : ۱)
(۱۹) کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا ـــــ (۳۸ : ۲۷)
(۲۰) اکتساب رزق کی استعداد میں فرق تاکہ کام لیا جائے لیکن اس کے باوجود طبقات کو مٹانا مقصود ہے اس لیے سرمایہ داری معاشرہ کا نظام نہیں بن سکتی ـــ (۴۳ : ۳۲)
(۲۱) ہر ارض کی مثل سما ـــــ (۶۵ : ۱۲)
(۲۲) موت و حیات کی کشمکش حسن عمل کے لئے ـــ (۶۷ : ۲)
(۲۳) سماء ذات الرجع ۔ ارض ذات الصدع ـــــ (۸۶ : ۱۱ - ۱۲)
(۲۴) خلق ۔ فسوّیٰ ۔ قدّر ۔ فھدیٰ ـــــ (۸۷ : ۱ - ۳)

نظریات کے اضداد

(۱) منعم علیہ کے مقابلہ میں مغضوب اور ضالّ ـــــ (۱ : ۶)
(۲) ایمان کے مقابلہ میں کفر ـــــ (۲ : ۶ تا ۴)
(۳) ہدایت بمقابلہ ضلالت ـــــ (۲ : ۱۶)
(۴) اتباع ـــ کفر و تکذیب ـــ (۲ : ۳۸ ـــ ۳۹)۔ اتباع ـــ انقلاب علیٰ اعقاب ـــ (۲:۱۴۳)
(۵) حق ـــ باطل ـــ (۲ : ۴۲)۔ جاء الحق و زھق الباطل ۔ ان الباطل کان زھوقا ـــ (۱۷ : ۸۱) ـــ (۴۹ : ۳۴)۔ لوگ ان کی کشمکش جاری رکھتے ہیں ـــ (۱۸ : ۵۶) ـــ (۴۰ : ۵)۔ حق کو باطل پر مارتے رہتے ہیں تو باطل کا بھیجہ توڑ دیا جاتا ہے ـــ (۲۱ : ۱۸) ـــ (۳۴ : ۴۸)۔ اللہ حق ہے۔ اس کے سوا باطل ـــ (۳۱ : ۳۰)۔ باطل، قرآن کے قریب نہیں آسکتا ـــ (۴۱ : ۴۲)۔ خدا حق کو ثابت کرتا ہے اور باطل کو مٹاتا ہے ـــ (۴۲ : ۲۴) نظام کائنات بالحق پیدا کیا ہے ـــ (۴۴ : ۳۹) ـــ (۴۵ : ۲۲)

(۶) کفر ــــ شکر ــــ (۲ : ۱۵۲)

(۷) ما انزل اللہ ــــ ما الفینا علیہ آباءنا ــــ (۲ : ۱۷۰) ــــ (۵ : ۱۰۴)

(۸) عذاب ــــ مغفرت ــــ (۲ : ۱۷۵)

(۹) مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے کے مقابلہ میں ایمان اور اعمال ــــ (۲ : ۱۷۷)۔ تقویٰ ــــ (۲ : ۱۸۹)

(۱۰) اتباعِ خطوات الشیطان ــــ ادخال فی السلم کافۃ ــــ (۲ : ۲۰۸)

(۱۱) تقویٰ ــــ عزت الاثم ــــ (۲ : ۲۰۶)

(۱۲) عزت الاثم ــــ اشتریٰ نفس لمرضات اللہ ــــ (۲ : ۲۰۷)

(۱۳) اللہ ــــ طاغوت ــــ (۲ : ۲۵۷)۔ ایمان ــــ تحاکم الی الطاغوت ــــ (۴ : ۶۰)

(۱۴) ریاء ــــ ایمان ــــ (۲ : ۲۶۴)

(۱۵) عباداً لی من دون اللہ ــــ ربانیین ــــ (۳ : ۷۸)

(۱۶) معروف ــــ منکر ــــ (۳ : ۱۰۳)

(۱۷) مومن ــــ فاسق ــــ (۳ : ۱۰۹)

(۱۸) حیات الدنیا لعب ولہو ــــ دارالآخرۃ خیر ــــ (۶ : ۳۲)۔ دنیا ــــ آخرت ــــ (۲ : ۸۶)

(۱۹) رسل ــــ مبشرین ومنذرین ہوتے تھے ــــ (۶ : ۴۸)

(۲۰) صراطِ مستقیم ــــ سُبل ــــ (۶ : ۱۵۴)

(۲۱) قومِ نوح ــــ حضرت نوحؑ ــــ (۷ : ۵۹-۶۰)۔ اراذل ــــ (۱۱ : ۲۷)

(۲۲) قوم عاد ــــ حضرت ہودؑ ــــ (۷ : ۶۵)

(۲۳) ثمود ــــ صالحؑ ــــ (۷ : ۷۳)

(۲۴) قوم لوط ــــ حضرت لوطؑ ــــ (۷ : ۸۰)

(۲۵) قوم مدین ــــ شعیبؑ ــــ (۷ : ۸۵)

(۲۶) قوم فرعون ــــ موسےٰؑ ــــ (۷ : ۱۰۳)

(۲۷) ایمان وتقویٰ کا نتیجہ، برکات ارض وسماء ــــ تکذیب کا نتیجہ تباہی ــــ (۷ : ۹۶)

(۲۸) وراثتِ ارض ــــ تقویٰ کا نتیجہ ــــ (۷ : ۱۲۸)۔ صالحیت کا نتیجہ ــــ (۲۱ : ۱۰۵)

ایمان و عمل صالح کا نتیجہ ــــ (۱۴ــ۱۳ : ۱۴) ــــ (۵۵ : ۲۴)

بنی اسرائیل ــــ (۱۳۷ : ۷) ، جماعت مومنین ــــ (۲۷ : ۸)

(۲۹) نوعِ انسان کا وجود اس حقیقت کی شہادت ہے کہ تعمیری قوتیں، تخریبی قوتوں پہ غالب آسکتی ہیں (۱۷۲ : ۷)

(۳۰) خدا بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ انسانی جذبات اسے پستی کی طرف لے جاتے ہیں ــــ (۱۷۶ : ۷)

(۳۱) تکذیبِ آیات سے بتدریج ہلاکت کی طرف ــــ (۱۸۲ : ۷)

(۳۲) غزوات سے مقصد یہ تھا کہ یحق الحق بکلمٰتہ۔ و یقطع دابر الکافرین ــــ (۸ــ۷ : ۸)

(۳۳) تقویٰ سے فرقان حاصل ہوگا ــــ (۲۹ : ۸)

(۳۴) حیات اور ہلاکت علیٰ بیّنہ ہوتی ہے ــــ (۴۲ : ۸)

(۳۵) رسمی نیکی کے کام ــــ ایمان ــــ (۲۰ــ۱۹ : ۹)

(۳۶) مال، اولاد، جائیدادیں ــــ جہاد فی سبیل اللہ ــــ (۲۴ : ۹)

(۳۷) یہ نورِ خدا کو بجھانا چاہتے ہیں۔ خدا اسے پورا کرنا چاہتا ہے ــــ (۳۲ : ۹)

(۳۸) دین الحق تمام ادیان پہ غالب آجائے گا ــــ (۳۳ : ۹)

(۳۹) نظریات کے تضاد کی مثالیں۔ سیلاب خس و خاشاک۔ سونا اور کھوٹ۔ ماینفع الناس باقی رہتا ہے (۱۷ : ۱۳)

(۴۰) کلمہ طیّبہ اور کلمہ خبیثہ ــــ (۲۷ــ۲۴ : ۱۴)

(۴۱) مومن ــــ فاسق ــــ (۱۸ : ۳۲)۔ مومن اور سیّآت کے عامل ــــ (۵۸ : ۴۰) ــــ (۲۲ــ۲۱ : ۴۵)

(۴۲) الیہ یصعد الکلم الطیّب والعمل الصالح یرفعہٗ ــــ (۱۰ : ۳۵)

(۴۳) متقین ــــ فجار ؛ مومن ــــ مفسد ــــ (۲۸ : ۳۸) ؛ مسلمین ــــ مجرمین (۳۵ : ۶۸)

مسلم ــــ قاسط ــــ (۱۴ : ۷۲)

(۴۴) کتابًا متشابہا مثانی ــــ (۲۳ : ۳۹)

(۴۵) اشداء علی الکفار ــــ رحماء بینھم ــــ (۲۹ : ۴۸)

(۴۶) دین الحق۔ لیظھرہٗ علی الدین کلّہ ــــ (۹ : ۶۱)

(۴۷) تمہیں پیدا کیا تو تم میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ــــ (۲ : ۶۴)

(۴۸) مفاہمت نہیں ہوسکتی ــــ (۱۵ : ۱۰) ــــ (۱۱۳ : ۱۱) ــــ (۷۴ : ۱۷) ــــ (۹ : ۶۸)

(۴۹) شاکر ــــ کفور ــــ (۲:۷۶)

(۵۰) ابرار ــــ فجار ــــ (۱۴ ؛ ۱۳ : ۸۲)

(۵۱) ھدینٰہ النجدین ــ (۱۰ : ۹۰)

(۵۲) نفسِ انسانی میں تخریب و تعمیر کی صلاحیتیں ہیں ــــ (۱۱ ۸ : ۹۱)

(۵۳) ان سعیکم لشتٰی ــــ (۴ : ۹۲)

(۵۴) اعطٰی و اتقٰی - صدق بالحسنٰی - بخل واستغنٰی - کذب بالحسنٰی - ــــ (۹-۱ : ۹۲)

(۵۵) ان الانسان لفی خسر - الا الذین امنوا ــــ (۳-۱ : ۱۰۳)

(۵۶) لا اعبد ما تعبدون ــ (۶-۱ : ۱۰۹)

(۵۷) خدا، تولیدی نظریہ سے بلند ہے - احد ہے - اس میں تضاد نہیں ــ (۳-۱ : ۱۱۲)

(۵۸) رب الفلق ــ (۱ : ۱۱۳)

انسان کے اندرونی تضادات

(۱) ابلیس و آدم - ابلیس کا انکار ــ (۳۴ : ۲)
ابلیس کو یوم بعث تک کی مہلت۔
(۷:۱۴) ــ (۴۰-۳۶ : ۱۵) ــ (۸۰-۷۹ : ۳۸)

(۲) عباد مخلصین پر ابلیس کا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔
(۴۲-۴۰ : ۱۵) ــ (۹۸ : ۱۶) ــ (۶۴ : ۱۷)

(۳) بیخوفی و بےحزنی ــ نار ــ (۳۹-۳۸ : ۲)

(۴) شرح صدر - ضیق صدر ــ (۱۲۶ : ۶)

(۵) جب تک تغیرِ نفس نہ ہو، قوم کی حالت میں تغیر نہیں ہو سکتا ــــ (۵۳ : ۸) ــ (۱۱ : ۱۳)

(۶) جنت میں دلوں کی کدورت نکل جائے گی - (۴۷ : ۱۵)

اضداد کی مثالیں

(۱) فساد بمقابلہ اصلاح ــــ (۱۱ : ۲)

(۲) انقطاع ــ وصل ــ (۲۷ : ۲)

(۳) نقض ــ میثاق ــــ (۲۷ : ۲)

(۴) موت ــ حیات ــ (۲۸ : ۲)
موت اور بعث ــ (۵۶ : ۲)

(۵) نار ــ بےخوفی و بےحزنی ــ (۳۹-۳۸ : ۲)
نار ــ جنت ــ (۸۲-۸۱ : ۲)
حسنات دنیا و آخرت ــ نار ــ (۲۰۱ : ۲)
نار ــ جنت و مغفرت ــ (۲۲۱ : ۲)

(۶) ادنٰے ــ خیر ــ (۶۱ : ۲)
خیر ــــ شر ــــ (۲۱۶ : ۲)

(۷) سر ــ اعلان ــ (۷۷ : ۲)

(۸) دنیا ــ آخرت ــ (۸۶ : ۲)

(۹) زوج ــ المرء ــ (۱۰۲ : ۲)
زوج بمعنی خاوند ــ (۲۳۲ : ۲)

(۱۰) نفع ــ ضرر ــ (۱۰۲ : ۲)
نفع ــ اثم ــ (۲۱۹ : ۲)

(۱۱) کتمان ــ تبیان ــ (۲ : ۱۵۹) ــ (۳ : ۱۸۶)

تبیان ــ اخفاء ــ (۵ : ۱۵)

(۱۲) یُسر ــ عُسر ــ (۲ : ۱۸۵)

(۱۳) ابیض و اسود ــ (۲ : ۱۸۷)

(۱۴) محبت ــ اکراہ ــ (۲ : ۲۱۹)

(۱۵) اَمۃ (لونڈی) ــ عبد (غلام) ــ (۲ : ۲۲۱)

(۱۶) لغو ــ ماکسبت قلوب ــ (۲ : ۲۲۵)

(۱۷) امساک ــ تسریح ــ (۲ : ۲۲۹)

(۱۸) اولاد ــ مولود ــ والدات ــ (۲ : ۲۳۳)

(۱۹) موسع ــ مقتر ــ (۲ : ۲۳۶)

(۲۰) رجال (پیدل) ــ رکبانا (سوار) ــ (۲ : ۲۳۹)

(۲۱) شرب ــ طعم ــ (۲ : ۲۴۹)

(۲۲) قلیل ــ کثیر ــ (۲ : ۲۴۹)

(۲۳) رُشد ــ غیّ ــ (۲ : ۲۵۶)

(۲۴) ماکسب ــ مااخرج من الارض ــ (۲ : ۲۶۷)

(۲۵) فقر ــ مغفرہ ز فحشاء ــ فضل ــ (۲ : ۲۶۸)

(۲۶) تبدوا ــ تخفوا ــ (۲ : ۲۷۱)

(۲۷) بیع ــ ربوٰ ــ (۲ : ۲۷۵) ز

ربوٰ ــ صدقات ــ (۲ : ۲۷۶) ز

ربوٰ ــ ایمان ــ (۲ : ۲۷۸) ،

ربوٰ ــ رأس المال ــ (۲ : ۲۷۹)

(۲۸) لہا ــ علیہا ــ (۲ : ۲۸۶)

(۲۹) متاع الحیوٰۃ الدنیا ــ واللہ عندہٗ حسن مآب ــ (۳ : ۱۳)

(۳۰) اسلموا ــ تولّوا ــ (۳ : ۱۹)

(۳۱) عزت ــ ذلت ــ (۳ : ۲۵)

(۳۲) طوعًا ــ کرہًا ــ (۳ : ۸۲)

(۳۳) اعتصام بحبل اللہ جمیعًا ــ تفرقہ ــ (۳ : ۱۰۲)

(۳۴) اعداء ــ الف بین قلوبکم... اخوانًا ــ (۳ : ۱۰۲)

(۳۵) حسنۃ ــ سیئۃ ــ (۳ : ۱۱۹)

(۳۶) سرّاء ــ ضرّاء ــ (۳ : ۱۳۳)

(۳۷) فقیر ــ اغنیاء ــ (۳ : ۱۸۰)

(۳۸) خبیث ــ طیّب ــ (۴ : ۲)

(۳۹) حلال ــ حرام ــ (۴ : ۲۳)

(۴۰) محصنین ــ مسافحین ــ (۴ : ۲۴)

(۴۱) انفاق کے مقابلہ میں کتمان بخل ــ (۴ : ۳۷)

(۴۲) عمد ــ خطا ــ (۴ : ۹۲ ــ ۹۳)

(۴۳) علم ــ ظن ــ (۴ : ۱۵۷) ز حق ــ ظن (۱۰ : ۳۶)

(۴۴) سِرّ ــ جہر ــ (۶ : ۳)

(۴۵) ضُر ــ خیر ــ (۶ : ۱۷)

خیر ــ فتنہ ــ (۲۲ : ۱۱)

(۴۶) ضلالت ــ صراط مستقیم ــ (۶ : ۳۹)

(۴۷) اعمیٰ ــ بصیر ــ (۶ : ۵۰)

(۴۸) یتوفکم باللیل ــ یبعثکم فی النہار (۶ : ۶۰)

(۴۹) بَرّ ــ بحر ــ (۶ : ۶۳)

(۵۰) غیب ــ شہادت ــ (۶ : ۷۳)

(۵۱) ظاہر ــ باطن ــ (۶ : ۱۲۱)

(۵۲) خوف — طمع — (۷ : ۵۶)

(۵۳) حیات — ہلاکت — (۸ : ۴۲)

(۵۴) ہنسنا — رونا — (۹ : ۸۲)

(۵۵) اصغر — اکبر — (۱۰ : ۶۱)

(۵۶) امساک — کشف — (۱۰ : ۱۰۷)

(۵۷) اعمیٰ — بصیر؛ اصم — سمیع — (۱۱ : ۲۴)

(۵۸) اہل — عمل غیر صالح — (۱۱ : ۴۶)

(۵۹) عالی — سافل — (۱۱ : ۸۲)

(۶۰) قائم — حصید — (۱۱ : ۱۰۰)

(۶۱) واحد — متفرق — (۱۲ : ۳۹)

(۶۲) بسط و قدر — (۱۳ : ۲۶)

(۶۳) مثل السوء — مثل الاعلیٰ — (۱۶ : ۶۰)

(۶۴) مُدخل — مخرج — (۱۷ : ۸۰)

(۶۵) ھون — اکرام — (۲۲ : ۱۸)

(۶۶) مرض — شفا — (۲۶ : ۸۰)

(۶۷) ادنیٰ — اکبر — (۳۲ : ۲۱)؛ اکثر — (۵۸ : ۷)

(۶۸) یلج — یخرج — (۳۴ : ۲)

(۶۹) نزول — عروج — (۳۴ : ۲)

(۷۰) یمین — شمال — (۳۴ : ۱۵)

(۷۱) یبدئُ — یعید — (۳۴ : ۴۹)

(۷۲) عذب فرات — ملح اجاج — (۳۵ : ۱۲)

(۷۳) ظل — حرور — (۳۵ : ۲۱)

(۷۴) بین اَیدی — خلف — (۳۶ : ۹)

(۷۵) محسن — ظالم لنفس — (۳۷ : ۱۱۳)

(۷۶) فوق — تحت — (۳۹ : ۱۶)

(۷۷) اوّل — آخر؛ ظاہر — باطن — (۵۷ : ۳)

(۷۸) اثم — برّ؛ عدوان — تقویٰ — (۵۸ : ۹)

(۷۹) صراطِ مستقیم پر چلنے والا اور مُکِبًّا علیٰ وجہہ — (۶۷ : ۲۲)

(۸۰) ضرًّا — رشدًا — (۷۲ : ۲۱)

(۸۱) صدق — کذب؛ صلیٰ — تولیٰ — (۷۵ : ۳۱–۳۲)

(۸۲) عبوس و قمطریر — نضرت و سرور — (۷۶ : ۱۱)

(۸۳) تصدّیٰ — تلھّیٰ — (۸۰ : ۶؛۱۱)

اضداد کی کشمکش

(۱) خدا چاہتا تو سب کو جبراً راہِ راست پر چلاتا — (۶ : ۳۵؛ ۹۷؛ ۱۰۸؛ ۱۵۰) — (۱۰ : ۱۹؛ ۹۹) — (۱۱ : ۱۱۸) — (۱۳ : ۳۱) — (۱۶ : ۹؛ ۹۳) — (۱۸ : ۲۹) — (۴۲ : ۸)

(۲) مردہ سے زندہ — زندہ سے مردہ — فالق الحب والنویٰ — (۳ : ۲۶) — (۶ : ۹۶)

فالق الاصباح — (۱۰ : ۳۱)

(۳) نفس واحد سے تخلیق کے بعد مستقر و مستودع ——— (۶ : ۹۹)

(۴) زمین سے نبات کل شئی ——— (۶ : ۱۰۰) ——— (۷ : ۵۷)

(۵) ہر نبی کا عدو ——— شیاطین الجن والانس ——— (۶ : ۱۱۳)

(۶) تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے ——— (۶ : ۱۳۴) ——— (۹ : ۳۹) ——— (۱۴ : ۱۹)
پوری نوع انسان کو ——— (۳۵ : ۱۶) ——— (۴۷ : ۳۸)

(۷) ثقلت موازین و خفت موازین ——— (۷ : ۸-۹)

(۸) ہر قوم کی ایک اجل ہے جس سے تقدم۔ تاخر نہیں ہو سکتا۔ ——— (۷ : ۳۴) ——— (۱۰ : ۴۹) ——— (۱۵ : ۴-۵)
(۱۶ : ۶۱) ——— (۱۸ : ۵۸-۵۹) ——— (۲۳ : ۴۳)

(۹) قوموں کی باہمی لعن طعن جہنم میں ——— (۷ : ۳۸-۳۹)

غیر متبدّل

(۱) کلمٰت اللہ ——— (۶ : ۳۴) ——— (۶ : ۱۱۶) ——— (۱۰ : ۶۴) ——— (۱۴ : ۲۴-۲۷) ——— (۱۸ : ۲۷) ——— (۵۰ : ۲۹)

(۲) حقاً علینا ننج المؤمنین ——— (۱۰ : ۱۰۳) ——— (۳۰ : ۴۷)

(۳) ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ——— (۱۳ : ۱۷)

(۴) سنت اللہ غیر متبدل ہے ——— (۱۷ : ۷۷) - (۳۳ : ۶۲) - (۳۵ : ۴۳) - (۴۰ : ۸۵) - (۴۸ : ۲۳)

(۵) باطل قرآن کے قریب نہیں آسکتا ——— (۴۱ : ۴۲)

(۶) کتب علی نفسہ الرحمۃ ——— (۶ : ۱۲ ; ۵۴)، کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ——— (۵۸ : ۲۱)

(۷) لا تبدیل لخلق اللہ ——— (۳۰ : ۳۰)

متفرّق

(۱) مفاہمت نہیں ہو سکتی ——— (۱۱ : ۱۱۳)، (۲) سلسلۂ کائنات اجل مسمیٰ تک چل رہا ہے (۱۳ : ۲)

(۳) لکل اجل کتاب۔ یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت۔ عندہ ام الکتاب ——— (۱۳ : ۳۸-۳۹)
اجل اللہ ——— (۲۹ : ۵)، حق کو قائم رکھتا ہے، باطل کو مٹاتا ہے ——— (۴۲ : ۲۴)

(۴) نظامِ جاگیرداری بتدریج ختم ہو رہا ہے ——— (۲۱ : ۱۳)
(۵) انسان کی کشمکش طبعی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی۔ موت کے بعد بھی آگے چلتی ہے۔ مزید ارتقاء میں تعقلت موازین ہے ——— (۱۰۲ : ۲۳) ——— (۸-۷ : ۹۹) ——— (۴-۵ : ۱۰۱)
(۶) حضرت موسیٰؑ کئی کٹھالیوں میں سے گذر کر خدا کے پیمانے پر پورے اترے ——— (۴۰ : ۲۰)
(۷) لوگوں کے ذریعے ایک دوسرے کی مدافعت ——— (۴۰ : ۲۲)
(۸) عملِ ارتقاء میں واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا ——— (۹۹ : ۲۳) ——— (۱۰۲ : ۲۶)
(۹) عملِ ارتقاء۔ غرف فوق غرف ——— (۲۰ : ۳۹)
(۱۰) ہم پہلی تخلیق کے بعد تھک نہیں گئے کہ خلقِ جدید نہ کرسکیں ——— (۱۵ : ۵۰)
(۱۱) جنت میں جو چاہیں گے ملے گا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ——— (۳۵ : ۵۰)
(۱۲) نشاۃ الاخریٰ خدا کے ذمے ہے ——— (۴۷ : ۵۳)
(۱۳) ہر شے کی ربوبیت کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں ——— (۲۹-۲۸ : ۵۵)
(۱۴) دنیا اور آخرت دونوں کی جنت مختلف فنون کی حامل ہے ——— (۴۸ : ۵۵)
(۱۵) ہم نے تمہاری موت کا پیمانہ مقرر کر رکھا ہے۔ ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری امثال بدل دیں۔ اور تمہیں ایسی ہیئت میں پیدا کر دیں جسے تم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر جان نہیں سکتے ———

(۶۲-۶۰ : ۵۶) ——— (۲۹ : ۷۶)

(۱۶) مومنین کا نور جنت میں ان کے آگے آگے جا رہا ہوگا ——— (۱۳-۱۲ : ۵۷)، اتمامِ نور کی دعائیں ——— (۸ : ۶۶)
(۱۷) تخلیقِ انسان احسن تقویم میں ہوئی ہے۔ یہ اپنے آپ کو اسفل السافلین بنا لیتا ہے ——— (۵-۴ : ۹۵)

——— (۰) ———

۵۷۔ اعتکاف

(نیز دیکھئے۔ حج۔ طواف۔ مسجد)

اعتکاف:۔ مادہ (ع۔ ک۔ ف)۔ اس کے معنی ہیں رُکنا یا روکنا۔ کسی چیز کے ساتھ وابستہ

رہنا۔ پریشاں چیزوں کو سنوارنا۔ بکھرے ہوئے موتیوں کو لڑی میں پرو دینا۔ معاملات کو درست کرنا۔

ہمارے ہاں رسم یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں، بعض لوگ، دنیاوی معاملات سے قطع تعلق کر کے مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں نفل پڑھتے یا ورد وظیفہ کرتے رہتے ہیں۔ اسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح دنیاوی علائق سے منقطع ہو کر "عبادت" کے لئے کسی گوشے میں بیٹھے رہنا وہ رہبانیت ہے جس سے قرآنِ کریم نے منع کیا ہے ——— (۵۷ : ۲۷)

قرآن کریم (سورہ بقرہ) میں ہے کہ جب تم "عاکف فی المساجد" ہو تو مباشرت سے پرہیز کرو ——— (۲ : ۱۸۷) "مسجد" کے متعلق ہمارا موجودہ تصور یہ ہے کہ یہ عمارت نماز پڑھنے کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ لیکن قرآنی نظام میں مسجد کا تصور اس سے مختلف ہے۔ اس میں 'مسجد' کی حیثیت اس نظام کے مرکزی مقام کی ہوتی ہے جس میں مملکت کے مختلف امور سرانجام پاتے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی محولہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو بعض ہنگامی حالات میں، اسلامی مملکت کے خاص امور کی سرانجام دہی کے لئے ان مراکز میں رُکنا پڑے، انہیں یکسو ہو کر ان امور کو سرانجام دینا چاہیئے۔ جنسی جذبات وغیرہ کے خیالات کو پاس نہیں آنے دینا چاہیئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "مسجد")

جہاں تک حج کے "عاکفین" کا تعلق ہے (۲ : ۱۲۵)، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کانفرنس میں اس لئے شریک ہوتے ہیں کہ یہ سوچا جائے کہ انسانیت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو کس طرح مجتمع کیا جا سکتا ہے اور ان کے بگڑے ہوئے معاملات کو کیسے سنوارا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "حج")

——— (٠) ———

(۱) کعبۂ عاکف اور باد دونوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے۔ یعنی وہاں کے رہنے والوں (العاکفین) اور باہر سے آنے والے (البادِ) دونوں کے لئے "کھلا شہر" ——— (۲۲ : ۲۵)

(۲) بیت الحرام کو طائفین اور عاکفین کے لئے پاکیزہ رکھنا چاہیئے ——— (۲ : ۱۲۵)۔ [طائفین کے لئے دیکھئے عنوان طواف نیز عنوان حج]

(۳) کسی ایک مقام پر رُک جانے یا کسی کے ساتھ وابستہ رہنے کے لئے یہ لفظ حسب ذیل مقامات پر آیا ہے۔

——— (۷ : ۱۳۸) ——— (۹۷ ; ۹۱ : ۲۰) ——— (۵۲ : ۲۱) ——— (۷۱ : ۲۶) ——— (۲۵ : ۴۸)

(۴) اعتکاف فی المساجد ——— (۲ : ۱۸۷)

——— (٠) ———

۵۸۔ اطاعت۔ (اتّباع)

(نیز دیکھئے۔ سجدہ۔ تقلید۔ اسلامی نظام حکومت وغیرہ)

اطاعت :۔ مادہ (ط۔ و۔ ع)۔ کسی کام کو بطیبِ خاطر، دل کی پوری پوری رضامندی، اور پسندیدگی سے کرنا۔ اس میں جبر کا پہلو نہیں ہوتا۔

اتباع :۔ مادہ (ت۔ ب۔ ع)۔ کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ جیسا وہ کرے ایسا ہی خود کرنا۔

معنوی اعتبار سے اطاعت اور اتباع ایک ہی بات ہے۔ لیکن دونوں میں ذرا سا فرق ہے۔ اطاعت کسی کے حکم یا فیصلے کو بطیبِ خاطر ماننے کو کہیں گے۔ لیکن اتباع میں متبوع اور متبع دونوں ایک جیسا کام کر رہے ہوں گے۔ جو کچھ آگے چلنے والا کریگا وہی کچھ اس کے پیچھے چلنے والا کریگا۔ لیکن یہ عمومی فرق ہے۔ ویسے یہ الفاظ (اطاعت اور اتباع) مرادف طور پر بھی آجاتے ہیں۔

دین کی اصل (بنیاد) اس حقیقت پر ہے کہ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان سے اپنی اطاعت کرائے۔ یہ محکومی ہوگی جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا ہے۔ (۳ : ۷۹) اس میں اطاعت کسی انسان کی نہیں بلکہ قوانین و احکام خداوندی کی ہوگی۔ اور اس اطاعت میں خود وہ بھی شامل ہوگا جو ان احکام و قوانین کی اطاعت کرائے گا۔

یہ قوانین و احکام، قرآن کریم کے اندر ہیں اس لئے اطاعتِ خداوندی سے مراد ہوگا قرآنِ کریم کے قوانین و احکام کی اطاعت کرنا۔

لیکن اسلام انفرادی زندگی کا نام نہیں۔ یہ ایک اجتماعی نظام کا نام ہے۔ اور اجتماعی نظام میں افرادِ معاشرہ کسی مرکزی اتھارٹی کے فیصلوں کے مطابق چلتے ہیں۔ یہ مرکزی اتھارٹی جس نے سب سے پہلے اسلامی نظام قائم کیا تھا خود رسول اللہ تھے۔ حضورؐ خود بھی احکام و قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتے تھے اور دوسروں سے بھی ان کی اطاعت کراتے تھے۔ اس اطاعت کا نام تھا "خدا اور رسولؐ کی اطاعت" یعنی احکام خداوندی کی اطاعت، اُس نظام کی رُو سے جسے رسول اللہ نے قائم فرمایا تھا۔ رسول اللہ مرکزی اتھارٹی تھے اور ان کے نیچے افسرانِ ماتحت (اولوالامر)۔ اِن افسرانِ ماتحت کے فیصلوں کے خلاف مرکزی اتھارٹی سے اپیل کی جاسکتی تھی۔ لیکن

مرکزی اتھارٹی کا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔

لیکن یہ نظام رسول اللہ کی زندگی تک ہی نہیں رہنا تھا، اُسے آپؐ کے بعد بھی آگے چلنا تھا۔ چنانچہ یہ آگے چلا۔ اُس وقت یہ مرکزی اتھارٹی حضورؐ کے جانشین (خلفائے راشدین) تھے۔ لہٰذا، اس وقت "خدا و رسول کی اطاعت" سے مراد ان کے اُن فیصلوں کی اطاعت تھی جو وہ قوانینِ خداوندی کی ترویج و تنفیذ کے سلسلہ میں صادر فرماتے تھے۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے اطاعت کے لئے اس کی تصریح کر دی ہے۔ وانتم تسمعون۔ (۸: ۲۰) درآنحالیکہ تم سن رہے ہو۔ لہٰذا، اطاعت ایک زندہ محسوس اتھارٹی کے ذریعے ہوگی۔

اسلام، پھر اُس وقت صحیح معنوں میں سامنے آئے گا جب معاشرہ میں وہی نظام قائم ہو یعنی ایسا نظام جس میں قوانین و احکام خداوندی کی اطاعت ایک مرکزی اتھارٹی کے تابع کی جائے اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر اپنی مرضی نہ چلا سکے۔ اسی کا نام توحید ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "اسلامی نظام")۔

—— (٠) ——

خدا کی اطاعت

(۱) اللہ سے بہتر فیصلے دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ جاہلیت اور اسلام میں فرق ہی یہ ہے —— (۵: ۵۰)

(۲) خدا حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ اتباع اسی کا کرنا چاہیئے جو حق کی طرف راہ نمائی کرے —— (۱۰: ۳۵)

(۳) کائنات کی ہر شے خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے —— (۱۶: ۴۹)

(۴) جو خدا کی طرف سے دی ہوئی راہ نمائی کا اتباع کریگا وہ نہ گمراہ ہوگا، نہ مشقتوں میں پڑے گا —— (۲۰: ۱۲۳)

(۵) خدا کے راستے کا اتباع کرنے والے —— (۴۰: ۷)

(۶) کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ خدا سے حکومت، ضابطہ قوانین اور نبوت تک بھی کیوں نہ دیدے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے فرمانبردار نہیں، میرے اطاعت گذار بندے بنو۔ وہ یہی کہے گا کہ تم اس کتاب کی اطاعت سے جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو، خدا کے بندے بن جاؤ —— (۳: ۷۸)

قرآن کی اطاعت و اتباع

(۱) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن کا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے اسلاف کا اتباع کریں گے —— (۲: ۱۷۰)
—— (۳۱: ۲۱)

(۲) قرآن کی طرف بلایا جاتا ہے تو منافق اعراض برتتے ہیں ــــ (۴ : ۶۱)

(۳) جو قرآن کے مطابق فیصلے نہیں کرتا وہ ظالم، فاسق اور کافر ہے ــــ (۵ : ۴۴ ; ۴۵ ; ۴۷)

(۴) رسول اللہ کو حکم کہ فیصلے قرآن کے مطابق کرو ــــ (۵ : ۴۸) ۔ اور کسی کی خواہشات کا اتباع مت کرو ــــ

(۵ : ۴۹)

(۵) رسول اللہ کا اعلان کہ میں صرف قرآن کا اتباع کرتا ہوں ــــ (۶ : ۵۰) ــــ (۷ : ۲۰۳) ــــ (۱۰ : ۱۵) ــــ (۴۶ : ۹)

(۶) رسول کو حکم کہ صرف قرآن کا اتباع کرو اور مشرکین سے اعراض برتو ــــ (۶ : ۱۰۷) ــــ (۱۰ : ۱۰۹) ــــ (۴۵ : ۱۸)

(۷) اتباع صرف قرآن کا کرو ــــ (۶ : ۱۵۶) ۔ اس کے سوا کسی اور کا اتباع مت کرو ــــ (۷ : ۳)

(۸) ایمان علی الرسول اور اتباعِ قرآن ــــ (۷ : ۱۵۷)

(۹) رسول اللہ خود قرآن کا اتباع کرتے تھے ــــ (۱۰ : ۱۵)

(۱۰) رسول اللہ سے کہا کہ اگر تم قرآن آجانے کے بعد لوگوں کے خیالات کا اتباع کروگے، تو تمہارا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا ــــ (۱۳ : ۳۷)

(۱۱) تورات اور قرآن سے بہتر ہدایت دینے والی کوئی کتاب ہو تو لاؤ ۔ میں اس کا اتباع کرونگا ــــ (۲۸ : ۴۹)۔ (یعنی تورات اپنے وقت میں واجب الاطاعت تھی۔ اب قرآن واجب الاطاعت ہے۔)

(۱۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ وحی کا اتباع کرو اور کفار اور منافقین کا اتباع مت کرو ــــ (۳۳ : ۱-۲) ــــ (۴۵ : ۱۸)

(۱۳) رسول بھی وحی کی بنا پر ہدایت پر ہوتا ہے ــــ (۳۴ : ۵۰)

(۱۴) الذکر کا اتباع کرنے والے ہی غلط اعمال کے نتائج سے ڈرتے ہیں ــــ (۳۶ : ۱۱)

(۱۵) اگر بعض باتوں میں قرآن کی اطاعت کی جائے اور بعض میں دوسروں کی تو یہ منافقت اور ارتداد ہے ۔

(۴۷ : ۲۵ ــــ ۲۶)

(۱۶) ہدایت خداوندی کا اتباع کرنے والے خوف و حزن سے مامون رہینگے ــــ (۲ : ۳۸)

(۱۷) رضوان اللہ کا اتباع کرنے والے ــــ (۳ : ۱۷۳) ــــ (۵ : ۱۶) ــــ (۶۰ : ۱)۔ اسکے خلاف چلنے والے (۴۷ : ۲۸)

(۱۸) سلامتی ہے اس کے لئے جو ہدایت خداوندی کا اتباع کرتا ہے ــــ (۲۰ : ۴۷)

(۱۹) مومن، الحق کا اتباع کرتے ہیں۔ کفار باطل کا ــــ (۴۷ : ۳)

(۲۰) جن کے دل میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں ـــ (۳ : ۷)

(۲۱) قرآن کا اتباع کرو ـــ (۳۹ : ۵۵)

رسولؐ کی اطاعت و اتّباع

(۱) اتباعِ رسولؐ کرنے والے، خدا کی اطاعت میں ڈوبے ہوتے ہیں ـــ (۳ : ۱۹)

(۲) ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو ـــ (۳ : ۳۰)

(۳) حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میری اطاعت کرو ـــ (۳ : ۴۹)

(۴) حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے کہا کہ ہم رسول کا اتباع کرتے ہیں ـــ (۳ : ۵۲)

(۵) قرآن اور رسولؐ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو منافق اعراض برتتے ہیں ـــ (۴ : ۶۱)

(۶) کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک رسول کو اپنا حکم نہ تسلیم کرے ـــ (۴ : ۶۵)

(۷) قانونِ خداوندی کی رُو سے رسول کی اطاعت ضروری ہے ـــ (۴ : ۶۴)

(۸) رسولؐ کی اطاعت کرنے والا خدا کی اطاعت کرتا ہے ـــ (۴ : ۸۰)

(۹) اتباعِ رسولؐ اور اتباعِ قرآن ـــ (۷ : ۱۵۷)-(۷ : ۱۵۸)

(۱۰) میری دعوت علیٰ وجہ البصیرت ہے۔ یہی مسلک میرے متبعین کا ہوگا ـــ (۱۲ : ۱۰۸)

(۱۱) حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جو میرا اتباع کرے گا وہ میرا ہے ـــ (۱۴ : ۳۶)

(۱۲) رسولؐ کے اتباع سے صراطِ مستقیم ملتا ہے ـــ (۱۹ : ۴۳)

(۱۳) حضرت ہارونؑ نے قوم سے کہا کہ (سامری کی بات نہ مانو) میری اطاعت اور اتباع کرتے جاؤ ـــ (۲۰ : ۹۰)

(۱۴) رسولؐ بھیجا جاتا ہے تاکہ لوگ احکامِ خداوندی کا اتباع کریں ـــ (۲۰ : ۱۳۴)—(۲۸ : ۴۷)

(۱۵) قومِ نوحؑ کے لیڈروں نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان (حضرت نوحؑ) کی اطاعت کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے ـــ (۲۳ : ۳۴)

(۱۶) اطاعتِ رسول سے استخلاف فی الارض ـــ (۲۴ : ۵۶)

(۱۷) ایمان کا مظاہرہ اطاعتِ رسول سے ہوتا ہے ـــ (۲۴ : ۶۲)

(۱۸) ہر رسول کی دعوت یہ تھی کہ خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ـــ (۳ : ۵۰)

(۲۶ : ۱۰۸؛ ۱۱۰؛ ۱۲۶؛ ۱۳۱؛ ۱۴۴؛ ۱۵۰؛ ۱۶۳؛ ۱۷۹)—(۴۳ : ۶۳)—(۲۶ : ۱۶)—(۷۱ : ۳)

(۱۹) مومنین جو تیرا اتباع کرتے ہیں ان سے مشفقانہ برتاؤ کرو ــــ (۲۱۵ : ۲۶)
(۲۰) رسول اور اس کے متبعین غالب رہتے ہیں ــــ (۳۵ : ۲۸)
(۲۱) رسول کے ساتھ ہو کر ہدایت کا اتباع کرنا ــــ (۵۷ : ۲۸)
(۲۲) رسولوں کی اطاعت کرو جو اجرِ رسالت نہیں مانگتے ــــ (۲۱ : ۳۶)
(۲۳) میرا اتباع کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے ــــ (۶۱ : ۴۳)
(۲۴) حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ــــ (۶۳ : ۴۳)
(۲۵) حضرت نوحؑ کی دعوت کہ خدا کی محکومیت اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ــــ (۳ : ۷۱)
(۲۶) رسول امین ہوتا ہے (وحیِ خداوندی کا) اس لئے اس کی اطاعت کی جاتی ہے ــــ (۲۱ : ۸۱)
(۲۷) مومنین رسول کا اتباع کرتے تھے ــــ (۵۲ : ۳) ــــ (۴ : ۶۴) ــــ (۹ : ۱۱۷) ــــ (۱۲ : ۱۰۸) ــــ (۲۶ : ۲۱۵)
(۲۸) تحویلِ قبلہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ رسول کا اتباع کون کرتا ہے ــــ (۲ : ۱۴۳)
(۲۹) اگر تو انہیں ہدایت کی دعوت دے تو یہ تیرا اتباع نہیں کریں گے ــــ (۷ : ۱۹۳)
(۳۰) مرسلین کی اطاعت کرو ــــ (۲۱ ــ ۲۰ : ۳۶)
(۳۱) یہ میرا راستہ ہے۔ اس کا اتباع کرو ــــ (۶ : ۱۵۴)
(۳۲) جو حق کی طرف دعوت دیتا ہے اس کا اتباع کرو ــــ (۳۵ : ۱۰)
(۳۳) اگر رسول تمہاری اطاعت کرنے لگ جائے تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ ــــ (۷ : ۴۹)
(۳۴) رسول اللہؐ مطاع اور امین تھے ــــ (۲۱ : ۸۱)

خدا اور رسول کی اطاعت

(۱) ان سے کہہ دو کہ تم خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس سے اعراض برتنا کفر ہے ــــ (۳۱ : ۳)
(۲) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ــــ (۱۳۱ : ۳)
(۳) زخم کھانے کے باوجود خدا اور رسول کی آواز پر لبیک کہنے والے ــــ (۱۷۱ : ۳)
(۴) خدا اور رسول کی اطاعت سے جنت۔ معصیت سے جہنم ــــ (۴ : ۱۳ ــ ۱۴) ــــ (۳۳ : ۶۶)
(۵) اللہ اور رسول اور اولوالامر کی اطاعت ــــ (۵۹ : ۴)

(۶) خدا اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔ (۶۹ : ۴)

(۷) خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور اس باب میں بڑے محتاط رہو ـــ (۹۲ : ۵)

(۸) مومن ہونے کے لئے خدا اور رسول کی اطاعت ضروری ہے ـــ (۱ : ۸)

(۹) خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس سے روگردانی مت کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو۔ (۲۰ : ۸)۔ (۲۴ : ۸)

(۱۰) ایسا نہ کروگے اور آپس میں جھگڑنے لگ جاؤ گے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ـــ (۴۶ : ۸)

(۱۱) جو خدا اور رسول دے دیں اس پر راضی ہو جاؤ ـــ (۵۹ : ۹)

(۱۲) مومن مرد اور عورت، سب خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں ـــ (۷۱ : ۹)

(۱۳) مہاجرین اور انصار نے سخت مشکلات میں رسول کا اتباع کیا تھا ـــ (۱۱۷ : ۹)

(۱۴) کا شعار یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی آواز پر بدل وجان لبیک کہتے ہیں۔ منافقین کی یہ حالت ہے کہ وہ صرف اُس وقت اطاعت کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ ایسا کرنے میں ان کا فائدہ ہے ـــ (۴۵ ـــ ۴۷ : ۲۴)۔ اس اطاعت سے ہدایت ملتی ہے۔

(۱۵) رسول اللہ کے گھر کی عورتوں کو خدا اور رسول کی اطاعت کا حکم ـــ (۳۳ : ۳۳)

(۱۶) جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا ـــ (۷۱ : ۳۳)

(۱۷) خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو ـــ (۳۳ : ۴۷) ـــ (۱۴ : ۴۹)۔ اس کا اجر ملے گا ـــ (۱۶ـــ۱۷ : ۴۸)

(۱۸) خدا اور رسول کی اطاعت کرو ـــ (۱۳ : ۵۸) ـــ (۱۲ : ۶۴)

مِلّتِ ابراہیمی کا اتّباع

(۱) ملتِ ابراہیمی کا اتباع کرو۔ یہ توحید ہے ـــ (۳ : ۶۷) ـــ (۳ : ۹۴) ـــ (۱۲۳ : ۱۶)

(۲) اتباعِ ملتِ ابراہیمی کا نام اسلام ہے ـــ (۱۲۵ : ۴) ـــ (۳۸ : ۱۲) ؛ (۳)۔ جو میرا اتباع کریگا وہ میرا ہے (۳۶ : ۱۴)

مومنین کا مسلک

(۱) مومن کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ـــ (۲۸۵ : ۲) ـــ (۴۶ : ۴) ـــ (۷ : ۵) ـــ (۵۱ : ۲۴)

(۲) مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم اہل کتاب کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں کفر کی طرف لوٹا دینگے ——— (۳ : ۹۹)

(۳) اگر تم کفار کی اطاعت کرو گے تو تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ گے ——— (۳ : ۱۴۸)

(۴) مومن خدا کی وحی کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی کو حق کہتے ہیں ——— (۴۷ : ۳)

(۵) اطاعت اور معقول بات (قاعدے اور قانون کے مطابق)۔ یہ ہے مومنین کا شعار ——— (۴۷ : ۲۱)

(۶) مومن مطوعین (اطاعت شعار) ہوتے ہیں ——— (۹ : ۷۹)

غیر اللہ کی اطاعت

(۱) جب عذاب سامنے آئے گا تو متبوعین (جن کا اتباع کیا جاتا تھا) اپنے متبعین (اتباع کرنے والوں) سے بیزار ہو جائینگے اور ان کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے ——— (۲ : ۱۶۶ — ۱۶۷)

(۲) ایمان کا دعوے اور اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت (غیر خدائی قوتوں) سے لینے والے! ——— (۴ : ۶۰)

(۳) ایسے لوگوں کا اتباع مت کرو جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ——— (۵ : ۷۷)

(۴) دنیا میں اکثریت ظن و قیاس کا اتباع کرتی ہے۔ ان کی اطاعت کرنے والا گمراہ ہوتا ہے۔ (۶ : ۱۱۷)۔ (۵۳ : ۲۸)

(۵) قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرنیوالوں کا اتباع مت کرو ——— (۶ : ۱۵۱)

(۶) مشرکین ظن کا اتباع کرتے ہیں ——— (۶ : ۱۴۹) ——— (۱۰ : ۳۶ ; ۶۶)

(۷) حضرت موسےٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ مفسدین کے راستے کا اتباع نہ کرنا ——— (۷ : ۱۴۲)

(۸) اپنی خواہشات کا اتباع کرنے والا۔ اس کی مثال کتے کی سی ہے ——— (۷ : ۱۷۶)

(۹) حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ ان لوگوں کے راستے پر نہ چلنا جو علم نہیں رکھتے ——— (۱۰ : ۸۹)

(۱۰) قوم عاد نے رسولوں کی معصیت کی اور اپنے سرکش لیڈروں کا اتباع کیا ——— (۱۱ : ۵۹) ; قوم فرعون نے بھی (۱۱ : ۹۷)

(۱۱) عذاب آجانے کے بعد متبعین اپنے متبوعین سے کہیں گے کہ تم ہماری کچھ مدد کر سکتے ہو؟ ——— (۱۴ : ۲۱) — (۴۰ : ۴۷-۴۸)

(۱۲) جس کا دل قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل ہے اور وہ اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرتا ہے، اس کی اطاعت مت کرو ——— (۱۸ : ۲۸)

(۱۳) اپنے خیالات اور خواہشات کا اتباع کرنیوالا دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روک دیتا ہے ——— (۲۰ : ۱۶)

(۱۴) اپنے خیالات اور خواہشات کا اتباع کرنے والے ناخلف ہیں اور صلوٰۃ کا مفہوم ضائع کر دیتے ہیں — (۱۹ : ۵۹)

(۱۵) اگر حق لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگ جائے تو زمین اور آسمان میں فساد برپا ہو جائے — (۲۳ : ۷۱)

(۱۶) کفار کی اطاعت مت کرو — (۲۵ : ۵۲)

(۱۷) مسرفین کے احکام کی اطاعت مت کرو — (۲۶ : ۱۵۱)

(۱۸) شاعروں کی اطاعت گمراہ لوگ کرتے ہیں — (۲۶ : ۲۲۴)۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے عنوان "شاعری")

(۱۹) اللہ کی راہ نمائی کے بغیر اپنے جذبات کا اتباع کرنے والا گمراہ ہے — (۲۸ : ۵۰) — (۳۰ : ۲۹)

(۲۰) شرک اور معصیت کا حکم والدین بھی دیں تو ان کی اطاعت مت کرو — (۲۹ : ۸) — (۳۱ : ۱۵)

(۲۱) کفار مومنین سے کہتے تھے کہ تم ہمارا اتباع کرو تو ہم تمہاری خطاؤں کی بھی ذمہ داری لے لینگے — (۲۹ : ۱۲)

(۲۲) کفار اور منافقین کا اتباع مت کرو۔ اور ان کی طرف سے ایذا دہی کا خیال نہ کرو — (۲۵ : ۵۲) — (۳۳ : ۴۸)
(۶۸ : ۸ تا ۱۰) — (۷۶ : ۲۴) — (۹۶ : ۱۹)

(۲۳) جہنم میں لوگوں کا اعتراف کہ ہم نے خدا اور رسول کی اطاعت کے بجائے اپنے لیڈروں اور پیشواؤں کی اطاعت کی — (۳۳ : ۶۶ - ۶۸) — (۱۸ : ۴۰) — (۴۰ : ۴۷ - ۵۰)

(۲۴) حضرت داؤدؑ سے کہا کہ لوگوں کے فیصلے الحق کے مطابق کرو اور اپنے خیالات اور خواہشات کا اتباع مت کرو۔ (۳۸ : ۲۶)

(۲۵) رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ وحی پر استقامت سے جمے رہو اور لوگوں کی خواہشات کا اتباع مت کرو — (۴۲ : ۱۵)

(۲۶) اپنی خواہشات کو خدا بنا لینے والے — (۴۵ : ۲۳)۔ یہ لوگ ان کے برابر نہیں ہو سکتے جو وحی کا اتباع کرتے ہیں۔
(۴۷ : ۱۴)۔ ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے — (۴۷ : ۱۶)

(۲۷) اگر بعض باتوں میں قرآن کا اتباع کیا جائے اور بعض میں لوگوں کا۔ تو یہ ارتداد ہے — (۴۷ : ۲۶، ۲۸)

(۲۸) اگر رسول تمہاری اطاعت شروع کر دے تو تم مشکلات میں پھنس جاؤ — (۴۹ : ۷)

(۲۹) ہدایت آجانے کے بعد، ظن و قیاس یا اپنے خیالات اور خواہشات کا اتباع کرنے والا — (۵۳ : ۲۳)

(۳۰) نشانیاں دیکھ کر بھی اپنی ہی خواہشات کا اتباع کرنے والے — (۵۴ : ۳)

(۳۱) رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ مکذبین کی اطاعت مت کرو۔ ان کی طرف جھکو نہیں۔ مداہنت مت برتو — (۶۸ : ۸-۱۰)
(۷۶ : ۲۴) — (۹۶ : ۱۹)

(۳۲) قوم حضرت نوحؑ نے سرکش لیڈر کی اطاعت کی — (۷۱ : ۲۱)

(۴۳) اگر ماں باپ شرک کی دعوت دیں تو ان کی بات کبھی مت مانو ــــ (۸ : ۲۹) ــــ (۱۵ : ۳۱)

(۴۴) اگر تم نے اہلِ کتاب کی اطاعت کی تو وہ تمہیں کافر بنا دیں گے ــــ (۱۴۸ ؛ ۹۹ : ۳)

اتباعِ شیطان۔

(یعنی احکامِ خداوندی کے مقابلہ میں اپنے یا دوسرے لوگوں کے جذبات، خواہشات اور مفادات کا اتباع)

(۱) حلال و طیّب کھاؤ اور شیطان کا اتباع مت کرو ــــ (۱۶۸ : ۲) ــــ (۱۴۳ : ۶)

(۲) اسلام میں کلیۃً داخل ہو جاؤ اور شیطان کا اتباع مت کرو ــــ (۲۰۸ : ۲)

(۳) خدا کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کا اتباع کرنے لگ جاتے ــــ (۸۳ : ۴)

(۴) شیطان کے ساتھیوں کی اطاعت کروگے تو مشرک ہو جاؤ گے ــــ (۱۲۲ : ۶)

(۵) شیطان کا اتباع کرنے والے جہنمی ہیں ــــ (۱۸ : ۷)

(۶) جسے شیطان آپکڑے وہ گمراہ ہو جاتا ہے ــــ (۱۷۵ : ۷)۔ یہ اپنے جذبات کا اتباع کرتے ہیں ــــ (۱۷۶ : ۷)

(۲۸ : ۱۸) ــــ (۱۶ : ۲۰)

(۷) خدا کے بندوں پر شیطان غالب نہیں آسکتا۔ اس کا اتباع گمراہ ہی کرتے ہیں ــــ (۴۲ : ۱۵)

(۸) شیطان اور اس کے متبعین کا ٹھکانہ جہنم ہے ــــ (۶۳ : ۱۷)

(۹) آیاتِ خداوندی سے جھگڑنے والا اور شیطان کا اتباع کرنے والا ــــ (۳ : ۲۲)

(۱۰) شیطان کے نقوشِ قدم پر مت چلو ــــ (۲۱ : ۲۴)

(۱۱) قومِ سبا نے شیطان کا اتباع کیا تھا ــــ (۲۰ : ۳۴)

(۱۲) شیطان اور اس کے متبعین سے جہنم بھر دیا جاویگا ــــ (۸۵ : ۳۸)

(۱۳) اگر حق، لوگوں کے جذبات کا اتباع کرنے لگ جائے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جائے ــــ (۷۱ : ۲۳)

(۱۴) ہدایت خداوندی کو چھوڑ کر اپنے جذبات کا اتباع کرنا، تباہی کی طرف لے جاتا ہے ــــ (۱۴۵ : ۲)

(۳۷ : ۱۳) ــــ (۵۰ : ۲۸) ــــ (۲۹ : ۳۰) ــــ (۱۶ ؛ ۱۴ : ۴۷) ــــ (۳ : ۵۴)

(۱۵) اپنی شہوات کا اتباع کرنے والے ــــ (۲۷ : ۴) ــــ (۵۹ : ۱۹)

(۱۶) رسول کا اعلان کہ میں تمہارے جذبات کا اتباع نہیں کرسکتا ــــ (۵۶ : ۶)

(۱۷) لوگوں کے جذبات کا اتباع مت کرو ــ (۷۷ ; ۴۹ ; ۴۸ : ۵) ــ (۲ : ۵۰) ــ (۴۲ : ۱۵) ــ (۴۵ : ۱۸)

(۱۸) لوگوں کے فیصلے حق کے ساتھ کرو اور ان کے یا اپنے جذبات کا اتباع مت کرو ــ (۱۳۵ : ۴) ــ (۲۶ : ۳۸)

(۱۹) اے رسولؐ! اگر یہ لوگ تیری دعوت کو قبول نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ یہ اپنے جذبات کا اتباع کرنا چاہتے ہیں ــ

(۵۰ : ۲۸)

(۲۰) ظن اور اپنے جذبات کا اتباع کرنے والے ــ (۲۳ : ۵۳)

متفرقات

(۱) اہل کتاب کہتے تھے کہ تم اسی کی بات مانو جو تمہارے دین کا اتباع کرے ــ (۷۲ : ۳)

(۲) ہدایت خداوندی کا اتباع کرنے والا ہی سلامتی میں رہتا ہے ــ (۴۷ : ۲۰)

(۳) اس کا اتباع کرو جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے ــ (۱۵ : ۳۱)

(۴) قوم فرعون کے مردِ مومن نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میرا اتباع کرو۔ میں تمہیں رشد و ہدایت کا راستہ دکھاؤنگا (۳۸ : ۴۰)

(۵) اطاعت سے بہترین اجر ــ (۱۶ : ۴۸)

(۶) سنو اور اطاعت کرو ــ (۱۶ : ۶۴)

(۷) متبعینِ حضرت عیسیٰؑ ــ (۱۵۷ : ۴) ــ (۲۷ : ۵۷)

(۸) جو لوگ علم نہیں رکھتے ان کا اتباع مت کرو ــ (۸۹ : ۱۰)

(۹) صرف خدا کے راستے کا اتباع کرو۔ متفرق راستوں کا اتباع مت کرو ــ (۱۵۳ : ۶)

(۱۰) ظن کا اتباع مت کرو ــ (۱۵۷ : ۴) ــ (۱۴۹ ; ۱۱۷ : ۶) ــ (۶۶ ; ۳۶ : ۱۰) ــ (۲۸ ; ۲۳ : ۵۳)

(۱۱) سبیل المؤمنین کا اتباع ــ (۱۱۵ : ۴) ــ (۱۵ : ۳۱)

(۱۲) شاعروں کا اتباع غاوون کرتے ہیں ــ (۲۲۴ : ۲۶)

(۱۳) کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے کا اتباع کرو ــ (۱۲ : ۲۹)

(۱۴) اطاعت اور قولِ معروف ــ (۲۱ : ۴۷)

(۱۵) طوعًا و کرہًا۔ ارض و سما کی خود سپردگی طوعًا و کرہًا۔ (بلکہ طوعًا ــ ۱۱ : ۴۱)

۵۹- اعتصام

اعتصام:- مادہ (ع- ص- م) کسی چیز کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کے ساتھ وابستہ رہنا۔

(۰)

(۱) جو قانونِ خداوندی کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے اسے صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی مل جاتی ہے ــــ (۳: ۱۰۰)

(۲) مسلمانو! تم خدا کی رسّی (کتاب اللہ) کو مضبوطی سے تھام لو۔ اس کے ساتھ وابستہ رہو اور آپس میں تفرقہ مت پیدا ہونے دو ــــ (۳: ۱۰۲)

(۳) منافق بھی اگر توبہ اور اصلاح کے بعد، قانونِ خداوندی کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور نہایت اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کریں تو وہ مومنین کے زمرے میں شمار ہوں گے ــــ (۴: ۱۴۶)

(۴) قانونِ خداوندی کے ساتھ اعتصام ہی سے انسان مومن ہو سکتا ہے ــــ (۲۲: ۷۸)

(۵) اعتصام باللہ سے صفِ مومنین میں داخلہ ــــ (۴: ۱۴۶ ؛ ۱۷۶)

(۶) استعصام کے معنی اپنی عصمت کو محفوظ رکھنا ہے ــــ (۱۲: ۳۲)

(۰)

۶۰- اعراض

اعراض:- مادہ (ع- ر- ض)۔ اَعْرَضَ عَنْہُ کے معنی ہوتے ہیں اس نے پیٹھ موڑ لی۔ اعراض برتنا، روگردانی کی، پہلوتہی کی۔ گریز کی راہیں نکالیں۔ پھر گیا۔ انہی معنوں میں دوسرا لفظ تَوَلّٰی عَنْہُ آتا ہے۔

ایک چیز ہے کسی بات سے انکار کرنا۔ اس کی مخالفت کرنا۔ اسے کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسری چیز ہے اس بات سے پہلوتہی کرنا، روگردانی کرنا، گریز کی راہیں نکالنا۔ یہ اعراض ہے یعنی اس سے انکار نہ کرنا لیکن عملاً اس سے پہلوتہی کرنا۔ یہ مومنین کا شیوہ نہیں۔

(۰)

اہل کتاب کا اعراض

(۱) بنی اسرائیل سے بعض امور کا اقرار لیا۔ انہوں نے اقرار کر لیا لیکن بعد میں ان باتوں سے اعراض برتنے لگے۔ (دیکھئے۔ یہاں ان باتوں سے انکار کرنا نہیں کہا گیا۔ پہلو تہی کرنا کہا گیا ہے۔ یعنی وہ ان باتوں کو زبان سے بدستور مانتے تھے، لیکن عملاً ان سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اعراض کا تعلق عمل سے ہے۔) جو قوم کسی بات سے عملاً پہلو تہی کرتی ہے' اس بات کا اقرار اسے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ——— (۲:۸۳)

(۲) اگر اہل کتاب اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ سیدھے راستے پر سمجھے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ اس سے پھر جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس دین کے مخالف ہیں ——— (۲:۱۳۷)

(۳) اہل کتاب سے کہو کہ وہ اس دین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو وہ سیدھے راستے پر سمجھے جائینگے۔ اگر پھر جائیں تو اس کی ذمہ داری تم پر نہیں ——— (۳:۱۹)

(۴) اہل کتاب کو کتاب اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی ہے لیکن ان میں کا ایک فریق اس سے پہلو تہی کرتا ہے ——— (۳:۲۲)

(۵) اگر اہل کتاب قرآن کی دعوت سے اعراض برتیں تو یہ ان کے مفسد ہونے کی دلیل ہوگی ——— (۳:۶۱-۶۲)

(۶) اہل کتاب کو توحید خالص کی دعوت دو۔ اگر یہ اس سے روگردانی کریں تو تم اس پر قائم رہو ——— (۳:۶۳)

(۷) ہر جانے والا رسول' اپنی امت سے اقرار لیتا تھا کہ تم بعد میں آنے والے رسول کی تائید کرنا۔ اس اعتبار سے رسول اللہ پر ایمان اور آپؐ کے مشن کی تائید تمام سابقہ اہل کتاب پر واجب ہے۔ اگر یہ اس سے روگردانی کرتے ہیں تو یہ فسق ہے۔ یعنی صحیح راستے سے ہٹ کر ایک طرف ہو جانا ——— (۳:۸۰-۸۱)

(۸) اگر اہل کتاب تمہارے پاس (اے رسول!) کسی بات کا فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو تم اپنی صوابدید کے مطابق طے کرو کہ ان کے معاملہ میں پڑنا چاہیئے یا نہیں ——— (۵:۴۲)

(۹) ان لوگوں نے ہمیشہ یہ کیا کہ جو رسول بھی خدا کا پیغام لے کر آیا انہوں نے اس سے روگردانی کی ——— (۶:۴)

(۵:۲۶) ——— (۴۶:۳۶) ——— (۶:۴۴) ——— (۶-۵:۷۱)

اطاعت سے اعراض

(۱) اگر یہ لوگ اطاعت کریں تو مومن ہیں۔ اگر اس سے روگردانی کریں

تو یہ کفر ہے ــــ (۳ : ۳۱)

(۲) اگر یہ لوگ اطاعت سے اعراض برتیں تو دیکھو اپنا ہی بگاڑیں گے، تو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا ــــ

(۴ : ۸۰) ــــ (۴۸ : ۴۲)

(۳) قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے اعراض کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے ــــ (۳ : ۱۱)

(۴) اطاعت سے منہ پھیر لینا، انسان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے ــــ (۵۱ــ۴۷ : ۲۴)

(۵) جہاد کے احکام کے سلسلہ میں اطاعت سے روگردانی کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے ــــ (۱۶ــ۱۷ : ۴۸)

(۶) اطاعت یہ ہے کہ اسلامی نظام جو کچھ مانگے دیدیا جائے۔ جو تھوڑا سا دے کر رک جائے، وہ اطاعت سے روگردانی کرتا ہے ــــ (۳۳ــ۳۴ : ۵۳)

(۷) اطاعت سے اعراض کرو گے تو رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا ــــ (۶۴ : ۱۲)

(۸) منافقین کہتے تھے کہ اگر خدا ہمیں مرفہ الحال کر دے تو ہم اس کی راہ میں بہت کچھ دیں۔ جب وہ مرفہ الحال ہو تو لگے اعراض برتنے ــــ (۷۶ــ۷۵ : ۹)

(۹) خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس سے روگردانی مت کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو ــــ (۸ : ۲۰)

قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے

(۱) قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے تباہ ہو جاتے ہیں ــــ (۳ : ۱۱) ــــ (۸۱ : ۱۵) ــــ (۱۰۰ و ۴۸ : ۲۰)

(۵۴ : ۴ــ۶) ــــ (۱۷ : ۲ــ۷۲) ــــ (۲۴ــ۲۳ : ۸۸) ــــ (۱۶ــ۱۵ : ۹۲) ــــ (۱۴ــ۱۳ : ۹۶)

(۲) قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟ ــــ (۱۸ : ۵۷) ــــ (۲۲ : ۳۲)

(۳) قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والوں کی روزی تنگ ہو جاتی ہے ــــ (۱۲۴ : ۲۰)

(۴) تباہی ان کے سر پر آ کھڑی ہوئی ہے اور یہ لوگ ابھی تک غفلت میں منہ پھیرے پڑے ہیں ــــ (۱ : ۲۱)

(۵) ان کی حفاظت قوانینِ خداوندی کی رو سے ہوتی ہے اور یہ انہی کی طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں ــــ (۴۲ : ۲۱)

(۶) ان تک خدا کا پیغام پہنچا دو۔ اگر یہ پھر بھی روگردانی کریں تو اس کی ذمہ داری تم پر نہیں ــــ (۱۰۹ : ۲۱)

(۴۸ : ۴۲) ــــ (۲۳ــ۲۲ : ۸۸)

(۷) قرآن انہیں شرف و عزت عطا کرنے کے لئے دیا گیا ہے اور ان کی حماقت دیکھو کہ یہ اپنے ہی شرف و عزت

سے روگردانی کرتے ہیں____(۲۳ : ۷۰)

(۸) خدا کے ہر قانون سے اعراض برتنے والے ___(۴۶ : ۳۶)___(۴ : ۱۴)

(۹) اگر تم قوانینِ خداوندی سے اعراض برتو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا____(۳۸ : ۴۷)

(۱۰) جو قوانینِ خداوندی سے پیٹھ موڑ کر چل دیتا تھا جہنم اسے بلاتی ہے____(۱۷ : ۷۰)___(۱۷ : ۷۲)

(۱۱) تکذیب کرنے والا اور منہ پھیر کر چل دینے والا____(۳۲ : ۷۵)—(۱۶ : ۹۲)—(۱۳ : ۹۶)

(۱۲) اہلِ سبا نے ایسا کیا تو ان پر سیلاب آگیا___(۱۵ : ۳۴)۔ قوم عاد و ثمود بھی اسی طرح تباہ ہوگئے (۱۳ : ۱۴)

(۱۳) تم ان کے اعراض سے افسردہ خاطر نہ ہو___(۳۵ : ۶)

(۱۴) بربنائے جہالت اعراض برتنے والے___(۲۴ : ۲۱)

(۱۵) ذکر الرحمٰن سے اعراض___(۵ : ۲۶) ؛ تذکرہ سے اعراض___(۴۹ : ۷۴)

(۱۶) جب قرآن میں خدائے واحد کا ذکر آتا ہے تو اس سے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں___(۴۶ : ۱۷)

(۱۷) فرعون نے بھی وحیٔ خداوندی سے اعراض برتا___(۲۰ : ۶۰)___(۳۹ : ۵۱)

(۱۸) تھوڑا سا دیتا ہے پھر ہاتھ روک لیتا ہے۔ یہ وحیٔ خداوندی سے اعراض برتتا ہے___(۳۴ : ۵۳)

(۱۹) صلّی کے مقابلہ میں تولّی آیا ہے۔ صلّی۔ کسی کے پیچھے پیچھے چلے جانا۔ تولّی منہ پھیر کر چل دینا___(۳۱-۳۲ : ۷۵)

(۲۰) کفر اور تولّی اکٹھا آیا ہے___(۲۲ : ۸۸)

(۲۱) اگر یہ لوگ وحی سے اعراض برتیں تو ان سے کہدو کہ ہمارے لئے خدا کافی ہے___(۱۲۹ : ۹) ؛ تیرا کام ان تک پیغام پہنچا دینا تھا___(۹۲ : ۵)___(۱۳ : ۹)—(۷۲ : ۱۰)—(۵۷ : ۱۱)—(۸۲ : ۱۶)—(۱۲ : ۲۴)

(۲۲) رسول اللہ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ کوئی اور اسے پڑھا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں___(۱۴ : ۴۴)۔ کہتے ہیں کہ کیا ہمارے ہی جیسا ایک انسان ہمارا راہ نما بننے کے لئے آگیا ہے (۶ : ۶۴)

(۲۳) اعراض برتو گے تو خود تباہ ہو جاؤ گے___(۳ : ۱۱)___(۴۵ : ۲۴)

منافقین سے اعراض

(۱) منافقین سے اعراض برتیے۔ لیکن اس کے باوجود ان تک صحیح پیغام پہنچاتے رہیئے (شاید ان کے دل میں کبھی کوئی بات اُتر جائے)___(۶۳-۶۱ : ۴)

(۲) منافقین سے اعراض برتئے اور اپنے مشن کی محکمیت پر بھروسہ رکھئیے ——— (۸۱ : ۴)
(۳) جب منافقین کو خدا اور رسول کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ متکبرانہ سر پھیر کر چل دیتے ہیں (۵: ۶۳)
(۴) جہاد سے منہ چرانے والے منافقین سے اعراض برتو ——— (۹۵ : ۹)

کفار اور مشرکین سے اعراض

(۱) وحی کا اتباع کرو اور مشرکین سے اعراض برتو ——— (۶ : ۱۰۷)——— (۱۵ : ۹۴)——— (۳۰ : ۳۲)
(۲) رسول اپنا پیغام پہنچائے چلا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ مخالفین اپنی ضد اور مخالفت میں انتہا تک پہنچ گئے، ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں۔ یہ اب تباہ ہو کر رہیں گے، تو بادلِ ناخواستہ ان سے اعراض اختیار کر لیتا ہے ——— (۷ : ۱۸۰)۔ (اور کسی دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جہاں کی فضا اس کے مشن کے لئے زیادہ سازگار ہوتی ہے)۔
(۳) اس قدر غمخوار اور ہمدرد رسول ان کی طرف آیا۔ اگر اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں تو ان کی مرضی تم خدائی مشن کی محکمیت پر بھروسہ رکھو ——— (۹ : ۱۲۹)
(۴) ان سے اعراض برتئے۔ ان کی تباہی عنقریب آیا چاہتی ہے ——— (۳۷ : ۱۷۴—۱۷۶) ——— (۴۳ : ۸۹)
(۵) ان سے اعراض برتو۔ تم پر اس سے کسی قسم کی ملامت نہیں آتے گی ——— (۵۱ : ۵۴)
(۶) جو ہمارے قوانین سے اعراض برتے اس سے تم اعراض برتو۔ ان کے پیش نظر صرف دنیاوی زندگی کا مفاد ہے۔ اس سے بلند کوئی مقصد ان کے سامنے نہیں ——— (۵۳ : ۲۹)

اعراض کن لوگوں سے برتا جائیگا

(۱) مُردوں کو نہیں سنایا جا سکتا۔ بہروں کو بھی نہیں۔ جو لوگ منہ پھیر کر چل دیں، وہ اس سے کس طرح نفع یاب ہو سکیں گے ——— (۲۷ : ۸۰)——— (۳۰ : ۵۲)
(۲) جو وحی سے منہ پھیر کر چل دے اور دنیاوی مفاد کو زندگی کا مقصد قرار دے لے ——— (۵۳ : ۲۹) ان پر عذاب آئے گا۔ ان سے صرفِ نظر کر لو ——— (۳۷ : ۱۷۴ ; ۱۷۸)۔ اس سے تم پر کوئی حرف نہیں آئے گا ——— (۵۱ : ۵۴)۔ یہ خود عذاب میں مبتلا ہوں گے ——— (۵۴ : ۶)

عبرت آموز نشانیوں سے اعراض

(۱) زمین و آسمان میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن پر غور و خوض سے قانونِ خداوندی کی صداقت سمجھ میں آسکتی ہے۔
لیکن یہ لوگ ان سے آنکھیں بند کئے، دامن بچاتے ہوئے گذر جاتے ہیں ــــ (۱۰۵ : ۱۲)

(۲) مظاہرِ فطرت پر غور و فکر کی طرف سے اعراض برتنے والے ــــ (۳۲—۳۱ : ۲۱)

(۳) انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے اور یہ اس سے اعراض برتتے ہیں ــ (۳ : ۴۶)

(۴) انقلابِ عظیم کی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی اعراض برتیں گے ــ (۲—۱ : ۵۴)

(۵) ان کے سامنے اس قدر عبرت آموز باتیں آچکی ہیں لیکن یہ پھر بھی اپنی روش نہیں چھوڑتے۔ انہیں ان کی تباہ کن روش
کے نتائج سے آگاہ کرنا، ان کے کسی کام نہ آیا۔ سو ان سے اعراض برتو ــــ (۶—۴ : ۵۴)

(۶) فرعون نے سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود پیٹھ پھیر لی ــــ (۲۲ : ۷۹)

(۷) یہ ایک نبأِ عظیم ہے اور یہ لوگ اسی سے اعراض برت رہے ہیں ــ (۶۸—۶۷ : ۳۸) ــ (۳ : ۴۶)

(۸) ہر نشانی سے اعراض ــــ (۴ : ۶) ــ (۸۱ : ۱۵) ــ (۴۶ : ۳۶)

متفرقات

(۱) سچی شہادت دینے سے پہلو تہی نہ کرو ــــ (۱۳۵ : ۴)

(۲) لوگوں کا حق سے اعراض برتنا رسول اللہ پر گراں گذرتا تھا۔ (لیکن کسی کو زبردستی مسلمان بنانا مشیت کے پروگرام
کے خلاف تھا) ــــ (۳۵ : ۶)

(۳) جو لوگ احکامِ خداوندی کے متعلق بیہودہ باتیں کریں، ان سے پہلو تہی اختیار کرو ــ (۶۸ : ۶) ــ (۵۵ : ۲۸)

(۴) جو لوگ دین کو کھیل تماشا سمجھیں ان سے اعراض برتو۔ لیکن اس کے باوجود ان تک حق کی بات پہنچاتے رہو۔
(۷۰ : ۶)

(۵) جو اپنی جہالت سے نکلنا ہی نہ چاہیں ان سے اعراض برتو۔ (ان سے سر کھپائی کرنا خواہ مخواہ اپنے وقت اور
توانائی کو ضائع کرنا ہے) ــــ (۱۹۹ : ۷)

(۶) انسان کے لئے خدا نے اس قدر سامانِ نشو و نما عطا کیا ہے۔ اگر اس کے باوجود لوگ اس کے قوانین کی اطاعت

سے روگردانی اختیار کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری رسول پر نہیں ـــ (۸۲-۸۰ : ۱۶)

(۷) انسان کو آسائش کی زندگی ملتی ہے تو خدا سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اور جب مصیبت پڑتی ہے تو چلّاتا ہے اور نا اُمید ہو جاتا ہے ـــ (۸۳-۸۲، ۱۷)۔ اہل سبا نے ایسا ہی کیا تھا ـــ (۱۶-۱۵ : ۳۴) ـــ (۵۱ : ۴۱)

(۸) جو شخص بات سُننے ہی نہیں، منہ پھیر کر چل دے۔ اسے ہدایت کیا فائدہ دے سکتی ہے ـــ (۸۰-۷۹ : ۲۷) (۵-۱ : ۴۱)

(۹) کفار کا انقلاب عظیم کی طرف سے اعراض ـــ (۶۸ : ۳۸)

(۱۰) اگر یہ لوگ ان تمام عقلی دلائل کے باوجود اعراض برتتے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں، تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دیا ہے۔ نہ مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے ـــ (۱۳ : ۴۱)

(۱۱) حضورؐ سے کہا گیا کہ جو غریب آدمی صداقت معلوم کرنے کا ذوق لے کر آئے اس کی طرف پہلے توجہ دو بمقابلہ ان دولتمندوں کے جو ان باتوں سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھیں ـــ (۵-۱ : ۸۰)

(۱۲) کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں۔ جب وہ ساحل پر آلگتی ہے تو اعراض برتنے لگ جاتے ہیں۔ (۶۷ : ۱۷)

(۱۳) جن کی مدد نہ کر سکو تو ان سے بیشک اعراض برتو لیکن ان سے بات نہایت نرمی سے کرو ـــ (۲۸ : ۱۷)

(۱۴) جو لوگ عقل و فکر سے کام نہ لے کر، اسلام اختیار نہیں کرتے، اگر ان پر اسلام ٹھونس دیا جائے تو وہ اس سے اعراض برتیں گے۔ اس لئے کسی کو زبردستی اسلام کے دائرے میں لانا یا اُسے اس میں رہنے پر مجبور کرنا غلط ہے ـــ

ـــ (۸ : ۲۳)

(۱۵) مومن، لغویات سے اعراض برتتے ہیں ـــ (۳ : ۲۳)

ـــــ (۰) ـــــ

۶۱ - اعراف

اعراف (ع - ر - ف) - بلند مقامات

یہ لفظ قرآن کریم میں (سورۂ اعراف میں) ایک ہی مقام پر دو جگہ آیا ہے۔ وہاں سلسلہ کلام، اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے احوال و کوائف سے متعلق چلا آرہا ہے۔ لہٰذا، اہلِ اعراف کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے جنت اور جہنم (بالخصوص جنت) کا قرآنی مفہوم سامنے ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے آپ "جنت" کا عنوان دیکھئے۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ عام

طور پر جنت، زندگی کی اُس ارتقائی منزل کا نام ہے جو مرنے کے بعد ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اپنے دنیاوی اعمال کے نتیجے میں اپنی ذات میں آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں گے۔ لیکن قرآن کریم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اُس معاشرہ کی زندگی کو بھی، جو قرآن کریم کے مطابق اِس دنیا میں متشکل ہو "جنت کی زندگی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے جہاں اہلِ اعراف ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو مرنے کے بعد کی جنت میں مقابلۃً بلند مقامات پر ہوں گے۔ وہاں اس سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو اِس دنیا کی زندگی میں قرآنی معاشرہ کے اربابِ نظم و نسق ہوں گے۔

سورۃ اعراف میں ہے کہ یہ لوگ، ان لوگوں کو دیکھیں گے جو ہنوز "جنت" میں داخل تو نہیں ہوئے لیکن اس میں آنے کے متمنی ہیں تو ان سے کہیں گے کہ آگے بڑھئے اور ہر طرح کی سلامتی حاصل کر لیجئے (۷/۴۶) پھر وہ ان لوگوں سے مخاطب ہوں گے جو جہنمی زندگی بسر کر رہے ہوں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم نے دیکھ لیا کہ جن لوگوں کے متعلق تم طرح طرح کی باتیں کیا کرتے تھے وہ آج کس طرح سرور و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ـــــ (۷:۴۸)

[یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اعراف، جنت اور دوزخ کے درمیان ایسا مقام ہے جہاں وہ لوگ ہونگے جن کے متعلق ابھی فیصلہ نہیں ہوا ہوگا کہ وہ جنت میں جائینگے یا دوزخ میں، تو قرآن سے اس تصور کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن کی رُو سے مقام دو ہی ہیں ـــ جنت اور جہنم۔]

———— (٠) ————

۶۲- اعمال

(عمل ـــ ایمان و عمل ـــ اعمال صالحہ)

مادہ (ع - م - ل)۔ بمعنی کام۔ یہ لفظ بالعموم ہر اس کام کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی جاندار سے بالارادہ سرزد ہو۔ بعض لغویین کا خیال ہے کہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام محض ہنگامی طور پر سرزد نہ ہو گیا ہو بلکہ وہ عام طور پر کیا جاتا ہو۔ ایمان نام ہے احکام و قوانینِ خداوندی کی صداقت کو دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ تسلیم کر لینے کا اور عمل نام ہے ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا۔ وہ ایمان جس کی شہادت انسان کے اعمالِ حیات نہ دیں، محض رسمی اقرار ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اور وہ کام جن کا محرک انسان کا ایمان نہ ہو، وہ یا تو محض میکانکی (رسمی یا تقلیدی) طور پر سرزد ہوتے ہیں اور یا ہنگامی جذبات کے تابع۔ نتیجہ خیز اعمال وہی ہیں جو انسان سے اس کے دل و دماغ

کی رضامندی سے شعوری طور پر بالارادہ سرزد ہوں اور جن کے مطابق انسان کی پوری زندگی ڈھلی ہوتی ہو۔ (نیز دیکھئے عنوان "ایمان")۔

ہمارے ہاں عام طور پر "عمل" اور "کام" میں فرق کیا جاتا ہے۔ دنیاوی امور کے لئے کام کا لفظ بولا جاتا ہے اور عمل سے مراد ہوتی ہے مذہبی امور کی سرانجامدہی۔ مثلاً نماز روزہ وغیرہ۔ قرآن کی رُو سے یہ تفریق صحیح نہیں۔ "عمل" انسان کے ہر کام کو کہتے ہیں۔ اعمال صالح کے معنی ہیں اچھے کام۔ یعنی وہ کام جن سے انسان کی صلاحیتیں نشوونما حاصل کریں اور معاشرہ کی ناہمواریاں دور ہوں۔

——— (٭) ———

جنّت اور ہر قسم کے خوشگوار نتائج ایمان و عمل کا نتیجہ ہیں

(۱) ایمان و اعمال صالح (یعنی قرآن کریم کے مطابق اعمال) کا نتیجہ جنت ہے ——— (۲:۲۵؛ ۸۲)
(۴:۵۷؛ ۱۲۲)—(۵:۹)—(۷:۴۲)—(۹:۷۲؛ ۸۸—۸۹)—(۱۰:۹)—(۱۱:۲۳-۲۴)
(۱۴:۲۳)—(۱۸:۲—۳؛ ۱۰۷—۱۰۸)—(۱۹:۶۰)—(۲۰:۷۵—۷۶) (۲۲:۱۴؛ ۵۶)
(۲۹:۵۸)—(۳۰:۱۵)—(۳۱:۸)—(۴۰:۷—۸)—(۴۰:۴۰)—(۴۲:۲۲)—
(۴۵:۳۰)—(۴۷:۱۲)—(۴۸:۲۹)—(۶۴:۹)—(۶۵:۱۱)—(۹۸:۷—۸)—

(۲) نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا رُخ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ اصل نیکی ایمان اور اعمال صالح کی ہے۔ ——(۲:۱۷۷)

(۳) ایمان و عمل سے پورا پورا بدلہ ملتا ہے ——— (۳:۵۶؛ ۱۹۴) — (۴:۱۲۴؛ ۱۷۳) —(۱۸:۳۰)

(۴) جو کوئی غلطی کر بیٹھے لیکن پھر قوانینِ خداوندی کو سامنے لے آئے اور اس طرح اپنی اصلاح کر لے اسے جنت مل جاتی ہے ——— (۳:۱۳۴)

(۵) جو لوگ ہجرت کی نیت سے نکل کھڑے ہوئے اور پھر انہیں موت آ گئی تو ان کا اجر خدا کے ذمے ہے ——— (۴:۱۰۰)

(۶) حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی آرائش کر دینا عمل نہیں۔ جہاد عمل ہے۔ اس سے جنت ملتی ہے (۹:۱۹-۲۱)

(۷) جنت تو جان اور مال کی قیمتِ فروخت ہے ——— (۹:۱۱۱)

(۸) جنت استقامت سے ملتی ہے ——— (۱۱:۱۱)

(۹) طوبیٰ لھم و حسن ماٰب ——— (۲۹ : ۱۳)

(۱۰) جنت اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے ——— (۴۲ : ۷) — (۳۲ : ۱۶) — (۵۹ — ۵۸ : ۲۹) — (۷۴ : ۳۹)
(۷۳ : ۴۳) — (۱۶ : ۴۶) — (۲۴ : ۵۶) — (۱۲ — ۵ : ۷۶) — (۴۳ : ۷۷) — (۱۱ : ۸۵)
(۸۸ : ۹ — ۱۰)

(۱۱) ایمان و اعمال سے حیات طیبہ ——— (۹۷ : ۱۶)

(۱۲) ایمان و عمل سے اجر کبیر ——— (۹ : ۱۷)

(۱۳) ایمان و اعمال صالح کا بدلہ بہت اچھا ملتا ہے ——— (۸۸ : ۱۸) — (۱۱۲ : ۲۰) — (۹۴ : ۲۱) — (۸۰ : ۲۸)
(۹ ; ۷ : ۲۹) — (۴۵ — ۴۴ : ۳۰) — (۳۰ — ۲۹ ; ۸ : ۳۵) — (۷۰ : ۳۹) — (۸ : ۴۱) —
(۲۰ : ۷۳) — (۲۵ : ۸۴) — (۶ : ۹۵)

(۱۴) صحیح توبہ، ایمان و عمل کا نام ہے ——— (۷۱ — ۷۰ : ۲۵) — (۶۷ : ۲۸)

(۱۵) ایمان و عملِ صالح سے حالت سنور جائے گی ——— (۲ : ۴۷)

(۱۶) جو خدا کی راہ میں قتل ہوئے ان کے اعمال رائیگاں نہیں جائیں گے ——— (۴ : ۴۷)

(۱۷) ایمان و اعمال سے ایسی تجارت حاصل ہوتی ہے جس میں نقصان کا امکان نہیں ——— (۱۳ — ۱۰ : ۶۱)

(۱۸) صالح مومن حضورؐ کے ساتھی تھے ——— (۴ : ۶۶)

(۱۹) مومنین کی صفات ——— اعمالِ حسنہ یعنی بلندیٔ کردار ——— (۳۵ — ۲۲ : ۷۰)

(۲۰) انسان (وحی کی راہ نمائی کے بغیر) تباہی میں رہتا ہے۔ ایمان و اعمالِ صالح سے اس سے حفاظت مل سکتی ہے ——— (۳ : ۱۰۳)

ایمان و عمل کا نتیجہ بےخوفی

(۱) آدم سے کہا گیا کہ جو بھی خدا کی راہ نمائی کا اتباع کرے گا اسے خوف و حزن نہیں ہوگا ——— (۳۸ : ۲)
(۴۸ : ۶) ——— (۳۵ : ۷)

(۲) مسلمان ہوں، یہود، نصاریٰ، صابئین ہوں، جو بھی خدا اور آخرت پر (قرآن کے مطابق) ایمان لائیں گے، اور اعمال صالح کرینگے، ان کا اجر ملے گا۔ انہیں خوف و حزن نہیں ہوگا ——— (۶۲ : ۲) — (۶۹ : ۵)

(۳) ایمان وعمل سے ولی اللہ بنتا ہے اور اس کی نشانی خوف وحزن سے مامونیت ہے — (۶۴—۶۲ : ۱۰)

(۴) کفرانِ نعمت سے بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے — (۱۱۲ : ۱۶)

(۵) ایمان واستقامت سے خوف وحزن نہیں رہتا — (۱۳ : ۴۶)

ایمان بلا عمل کچھ فائدہ نہیں دیتا

(۱) جو ایسے وقت ایمان لائے جب عمل کا موقعہ ہی باقی نہ ہو تو اس کا ایمان نفع بخش نہیں ہو سکتا — (۱۵۹ : ۶)

(۲) دعوئے ایمان کے ساتھ اگر اطاعت نہیں تو وہ ایمان بے کار ہے — (۲۱۹۳)

(۳) سود خوار مسلمان کے لئے وہی جہنم ہے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے — (۳۰—۱۲۹ : ۳)

(۴) کیا تم سمجھتے ہو کہ جہاد کے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے؟ — (۱۴۱ : ۳) — (۱۶ : ۹) — (۲—۱ : ۲۹)

(۵) جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ان کاموں کی بنا پر کی جائے جنہیں وہ کرتے نہیں، وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے — (۱۸۷ : ۳)

(۶) جنہوں نے بلا عذر ہجرت نہیں کی وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے — (۹۹-۹۷ : ۴)

(۷) محض مقدس آرزوؤں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر مسلمان بھی غلط کار ہوگا تو سزا بھگتے گا — (۱۲۳ : ۴)

(۸) جنت، اعمال کے بدلے میں ملتی ہے — (۴۳ : ۷) — (۳۲ : ۱۶) — (۹۷ : ۱۶) — (۲۴ : ۵۶)

(۹) میدان جنگ میں پیٹھ دکھا جانے والا سیدھا جہنم میں جائے گا — (۱۶ : ۸)

(۱۰) جن لوگوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے انہیں پناہ دی (یعنی مہاجر اور انصار) یہ مومن حقّا تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی، ان کی حمایت بھی فرض نہیں تھی — (۷۵—۷۲ : ۸)

(۱۱) اگر دنیا کی کوئی جاذب چیز بھی خدا اور رسول سے زیادہ عزیز ہو گئی تو خدا کے عذاب کا انتظار کرو۔ (۲۴ : ۹)

(۱۲) جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی — (۳۹ : ۹)

(۱۳) صحیح ایمان والا عمل سے جی نہیں چرائے گا — (۴۴ : ۹)

(۱۴) منافق کی پرکھ عمل کے وقت ہوتی ہے۔ ان سے معاشرتی تعلقات بھی نہیں رکھنے چاہئیں — (۸۱-۷۵ : ۹)

(۱۵) دعویٰ بلا عمل محض شاعری ہے۔ مومن کا شعار ایمان باعمل ہے — (۲۲۷—۲۲۴ : ۲۶)

(۱۶) عملِ صالح، خدا کے نظریۂ حیات کو بلند کرتا ہے — (۱۰ : ۳۵)

(۱۷) اطاعت نہ کی جائے تو اعمال غارت ہو جاتے ہیں ——— (۳۳ : ۴۷)
(۱۸) انفاق فی سبیل اللہ نہیں کرو گے تو تمہاری جگہ خدا دوسری قوم لے آئے گا ——— (۳۸ : ۴۷)
(۱۹) جہاد سے جی چرایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا ایمان ہی نہیں ——— (۱۳-۱۱ : ۴۸)
(۲۰) اطاعت کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ ایمان تمہارے دل میں اتر گیا ہے ——— (۱۴ : ۴۹)
(۲۱) جو لوگ ایمان لائے اور پھر جہاد کیا تو یہ لوگ اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہیں ——— (۱۵ : ۴۹)
(۲۲) حدود اللہ کی پاسداری سے ایمان کی شہادت ملتی ہے ——— (۴ : ۵۸)
(۲۳) جو بات کہتے ہو وہ کر کے کیوں نہیں دکھاتے ——— (۳-۲ : ۶۱)
(۲۴) تورات پر ایمان کے مدعی لیکن اس پر عمل نہ کرنے والے، اس گدھے کی مانند ہیں جس پر کتابیں لدی ہوں ——— (۵ : ۶۲)
(۲۵) جس نے اپنے ایمان کے ساتھ عملِ خیر شامل نہ کیا اس کا ایمان اسے فائدہ نہیں دے سکتا ——— (۱۵۹ : ۶)

عمل بلا ایمان نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا

(۱) عمل کے لئے ایمان شرط ہے ——— (۱۲۴ : ۴)
(۲) اہل کتاب اگر قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں مومن نہیں کہا جا سکتا ——— (۹۱ : ۲)
(۳) جو دین سے مرتد ہو جائے اس کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں ——— (۲۱۷ : ۲)
(۴) اہل کتاب اگر ایمان لائیں گے اور تقویٰ اختیار کریں گے تو جنت مل سکے گی ——— (۶۵ : ۵)
(۵) جو ایمان نہیں لاتے ان پر رجس مسلط ہو جاتی ہے ——— (۱۲۶ : ۶)
(۶) ظاہر داری کے رسمی اعمال بے معنی ہیں ——— (۱۷۷ : ۲) ——— (۲۱-۱۹ : ۹)
(۷) مسجد ضرار کا واقعہ ——— (۱۰۹-۱۰۷ : ۹)
(۸) آخرت پر ایمان نہ لانے سے عذاب ——— (۱۰ : ۱۷)
(۹) طبعی امور میں البتہ ایمان کا سوال نہیں ہوتا ——— (۲۱-۱۸ : ۱۷)۔ یعنی قوانین فطرت کے مطابق عمل کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم، اسے اس کے کام کا نتیجہ مل جاتا ہے۔
(۱۰) ایمان کے بغیر اعمال رائیگاں جائینگے۔ ایسے اعمال کے لئے میزان تک کھڑی نہیں جائے گی ——— (۲۱۷ : ۲)

(۳:۲۱)—(۵:۵ ؛ ۵۳)—(۶:۸۹)—(۷:۱۴۷)—(۹ : ۱۶ ؛ ۶۹)—(۱۱ : ۱۲)——

(۱۸ : ۱۰۳—۱۰۵)————(۳۳ : ۱۹)—(۴۷ : ۱ ؛ ۹ ؛ ۲۸ ؛ ۳۲)—(۴۹ : ۲)—

(۱۱) اعمال کے ساتھ توحید ضروری ہے — (۱۸ : ۱۱۰)

(۱۲) ایمان کے ساتھ باقی خوبیاں ہونی چاہئیں — (۱۷ : ۹۰)

کام کرنیوالے اور نہ کرنیوالے برابر نہیں ہوسکتے

(۱) مجاہدین اور بیٹھے رہنے والے برابر نہیں ہوسکتے — (۴ : ۹۵)

(۲) خدا، انسانوں کا دوست ان کے اعمال کی بنا پر ہوتا ہے — (۶ : ۱۲۸)—(۱۰ : ۶۲—۶۴)

(۳) مدارج کا تعین اعمال کے مطابق ہوتا ہے — (۶ : ۱۳۲)—(۹ : ۱۹—۲۱)—(۲۰ : ۷۵)

(۱۹ : ۴۶)—(۱۱ : ۵۸)

(۴) رسمی اور فروعی کام نیکیاں نہیں۔ اصل نیکی مجاہدانہ زندگی بسر کرنا ہے — (۲ : ۱۷۷)

(۵) غم اور خوشی اعمال کی وجہ سے ہے — (۹ : ۸۲)

(۶) خدا کا قرب اور رسول کی دعائیں اعمال کی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں — (۹ : ۹۸—۹۹)

(۷) ایمان کی پہچان عمل سے ہوتی ہے — (۹ : ۱۰۵)—(۲۴ : ۵۳)

(۸) مجاہدین کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سب نیکیوں میں شمار ہوتا ہے — (۹ : ۱۲۰)

(۹) امم سابقہ کے بعد تمہیں استخلاف فی الارض دیا، یہ دیکھنے کے لئے کہ تم کیسے کام کرتے ہو — (۷ : ۱۲۹)

—(۱۰ : ۱۴)—(۱۶ : ۹۳)

(۱۰) تمام انبیاء کو اعمالِ صالح کی تاکید — (۲۳ : ۵۱)

(۱۱) شعراء زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو کر کے نہیں دکھاتے۔ یعنی ایمان کا دعویٰ بلا عمل محض شاعری ہے۔ مومن ایمان کے ساتھ اعمال صالح کا مظاہرہ کرتا ہے — (۲۶ : ۲۲۶ — ۲۲۷)

(۱۲) دنیا میں ایمان و اعمالِ صالح والے اور مفسدین یکساں نہیں ہوسکتے — (۲۸ : ۲۸)—(۴۰ : ۵۸)

— (۲۱ : ۴۵)

(۱۳) قبل از فتح اور بعد فتح انفاق کرنے والے بھی برابر نہیں ہوسکتے — (۵۷ : ۱۰)

دین کی صداقت کی نشانی، مومنین کے اعمال کے نتائج ہیں

(۱) کفار سے کہا گیا کہ تم اپنی جگہ کام کرو میں اپنی جگہ کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دیں گے کہ کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے — (۶ : ۱۳۶) — (۱۱ : ۱۲۱)

(۲) جو شخص صرف دنیاوی مفاد چاہتا ہے اسے یہ مل جاتے ہیں جو دنیا اور آخرت کے مفاد چاہتا ہے، اُسے وہ مل جاتے ہیں۔ یہ ایمان و عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اول الذکر صرف طبعی امور کے نتائج ہوتے ہیں جن کیساتھ ایمان کی شرط نہیں — (۱۷ : ۱۸—۲۱)

(۳) وراثتِ ارض، عباد الصالحون کے لئے ہے — (۲۱ : ۱۰۵)

(۴) ایمان و عملِ صالح سے رزقِ کریم (عزت کی روٹی) — (۲۲ : ۵۰)

(۵) ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ اس دنیا میں حکومت و تمکن ہے۔ اسی سے دین کا قیام اور توحید کا ثبات ہوتا ہے — (۲۴ : ۵۵)

ایمان و اعمالِ صالحہ

(۱) اس کا اجر خدا سے ملے گا — (۲ : ۶۲ ; ۲۷۷) — (۳ : ۵۶ ; ۱۹۴) — (۴ : ۱۷۳) — (۱۰ : ۴) — (۱۸ : ۳۰) — (۱۸ : ۸۸) — (۲۱ : ۹۴) — (۲۴ : ۳۸) — (۲۸ : ۸۰) — (۳۰ : ۴۵) — (۳۴ : ۴) — (۳۴ : ۳۷) — (۴۱ : ۸) — (۸۴ : ۲۵) — (۹۵ : ۶)

(۲) خوف و حزن نہیں ہوگا — (۵ : ۶۹) — (۲۰ : ۱۱۲)

(۳) اس سے خوشگوار زندگی نصیب ہوگی — (۱۶ : ۹۷) — (۳۰ : ۴۴)

(۴) توبہ اور اعمالِ صالح کا خوشگوار نتیجہ — (۶ : ۵۴) — (۷ : ۱۵۳) — (۱۹ : ۶۰) — (۲۰ : ۸۲) — (۲۵ : ۷۰ ; ۷۱) — (۲۸ : ۶۷)

(۵) بلند مدارج — (۶ : ۱۳۳) — (۲۰ : ۷۵) — (۴۶ : ۱۹) — (۵۸ : ۱۱)

(۶) جنّت — (۲ : ۲۵ ; ۸۲) — (۳ : ۱۳۵) — (۴ : ۵۷ ; ۱۲۲ ; ۱۲۴) — (۱۱ : ۲۳) — (۱۴ : ۲۳) — (۱۸ : ۱۰۷) — (۲۲ : ۱۴ ; ۲۳) — (۲۲ : ۵۶) — (۲۹ : ۵۸) — (۳۰ : ۱۵) — (۳۱ : ۸) — (۳۲ : ۱۹)

(۴۰ : ۴۰)—(۲۲ : ۴۲)—(۱۲ : ۴۷)—(۱۱ : ۶۵)—(۱۱ : ۸۵)

(۷) دعوتِ الی اللہ اور عملِ صالح—(۳۳ : ۴۱)

(۸) ہر عملِ صالح اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے—(۴۶ : ۴۱)—(۱۵ : ۴۵)

(۹) مغفرت اور اجرِ عظیم—(۹ : ۵)—(۱۱ : ۱۱)—(۹ : ۱۷)—(۲ : ۱۸)—(۵۰ : ۲۲)—(۲۶ : ۲۴)—
(۷ : ۳۵)—(۳۰ : ۴۵)—(۲۹ : ۴۸)

(۱۰) انسانی ذات کی وسعت ہوتی ہے—(۴۲ : ۷)

(۱۱) ہدایتِ خداوندی—(۹ : ۱۰)

(۱۲) طوبیٰ لہم وحسن مآب—(۲۹ : ۱۳)

(۱۳) مودّتِ خداوندی—(۹۶ : ۱۹)

(۱۴) استخلاف فی الارض—(۵۵ : ۲۴)

(۱۵) ناہمواریاں دور ہو جائینگی۔(۷ : ۲۹)—(۲ : ۴۷)—(۹ : ۶۴)

(۱۶) صالحین میں شمار ہوگا—(۹ : ۲۹)

(۱۷) یہ لوگ باہمی معاملات میں دھاندلی نہیں کرتے۔(۲۴ : ۳۸)

(۱۸) ایمان و اعمالِ صالح والوں کی حالت دنیا میں مفسدین جیسی نہیں ہو سکتی—(۲۸ : ۳۸)—(۵۸ : ۴۰)
نہ انکی زندگی ایک جیسی نہ موت—(۲۱ : ۴۵)

(۱۹) خوشگواریوں کی بشارت—(۲۳ : ۴۲)

(۲۰) ظلمات سے نور کی طرف اخراج—(۱۱ : ۶۵)

(۲۱) یہ خیر البریہ (بہترین مخلوق) ہیں—(۷ : ۹۸)

(۲۲) یہ خسارے میں نہیں رہتے—(۳ : ۱۰۳)

(۲۳) مرنیوالے کی حسرت کہ ایک بار موقع مل جائے تو میں عملِ صالح کروں—(۱۰۰ : ۲۳)—(۱۲ : ۳۲)—(۳۷ : ۳۵)

(۲۴) انبیاء کی آرزو۔عملِ صالح کی—(۱۹ : ۲۷)

(۲۵) مومنین کی آرزو—(۱۵ : ۴۶)

(۲۶) رسولوں کو حکم کہ عملِ صالح کریں—(۵۱ : ۲۳)—(۱۱ : ۳۴)

(۲۷) جو لقاءِ رب چاہتا ہے وہ عملِ صالح کرے—(۱۱۰ : ۱۸)

(۲۸) حضرت نوحؑ کے بیٹے کے اعمال غیر صالح تھے—(۴۶ : ۱۱)

متفرقات

(۱) ایمان و اعمالِ صالح سے سابقہ لغزشوں کی تلافی ہو جاتی ہے—(۵ : ۹۳)

(۲) سلسلۂ کائنات اعمال کے نتائج مرتب کرنے کے لیے سرگرمِ عمل ہے—(۷ : ۱۱)

(۳) دنیا کی زینت وجۂ جاذبیت ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے—(۷ : ۱۸)

(۴) مال اور اولاد میں کشش ضرور ہے لیکن بقاء اعمال صالح کے لیے ہی ہے—(۴۶ : ۱۸)—(۷۶ : ۱۹)

(۵) ایمان و اعمالِ صالح سے محبت پیدا ہوگی—(۹۶ : ۱۹)

(۶) ایمان و اعمال صالح سے چھوٹی موٹی لغزشوں کے مضر اثرات سے حفاظت مل جاتی ہے ـــ (۴۲ : ۲۰)

(۷) قسمیں کھا کھا کر ایمان کے مظاہرہ کی ضرورت نہیں۔ ایمان اطاعت سے ظاہر ہو جاتا ہے ـــ (۵۳ : ۲۴)

(۸) شکرِ نعمت، عمل سے ہوتا ہے ـــ (۱۹ : ۲۷)

(۹) قیامت میں مجرمین کہیں گے کہ ہمیں واپس بھیج دے۔ ہم عملِ صالح کریں گے۔ لیکن وقت کے دریا کا رُخ پیچھے کی طرف نہیں مڑتا ـــ (۱۲ : ۳۲) ـــ (۳۷ : ۳۵)

(۱۰) میدانِ جنگ کے مصائب سے ایمان کی پرکھ ـــ (۱۱-۱۰ : ۳۳)

(۱۱) نبی کے گھرانے کی عورتوں کو بھی ایمان و عمل ہی کا بدلہ ملے گا ـــ (۳۱ : ۳۳)

(۱۲) قانونِ مکافات، ایمان و عملِ صالح کے نتائج مرتب کرنے کے لئے ہے ـــ (۴ : ۳۴)

(۱۳) حضرت داؤدؑ کو عملِ صالح کرنے کی تاکید ـــ (۱۱ : ۳۴)

(۱۴) جہنم بھی اعمال ہی کا نتیجہ ہے ـــ (۳۳ : ۳۴)

(۱۵) عملِ صالح، ایمان کی رفعت کا موجب ہوتا ہے ـــ (۱۰ : ۳۵)

(۱۶) تقدیر کو بے عملی کا بہانہ مت بناؤ ـــ (۴۷ : ۳۶)

(۱۷) ایمان و اعمالِ صالح والے کبھی ظلم و زیادتی نہیں کرتے ـــ (۲۴ : ۳۸)

(۱۸) سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف دعوت دے اور عملِ صالح کرے ـــ (۳۳ : ۴۱)

(۱۹) ہر عمل اپنے لئے ہوتا ہے ـــ نیک بھی بد بھی ـــ (۴۶ : ۴۱) ـــ (۱۵ : ۴۵)

(۲۰) خدا، ایمان و عملِ صالح والوں کی پکار کا جواب (اجر) دیتا ہے ـــ (۲۶ : ۴۲)

(۲۱) خدا سے عملِ صالح کی توفیق مانگو ـــ (۱۵ : ۴۶)

(۲۲) موت اور حیات اعمال کی پرکھ کے لئے پیدا کئے گئے ـــ (۲ : ۶۷)

(۲۳) قیامت میں انسان کہے گا کہ اے کاش! میں آج کیلئے پہلے کچھ بھیج دیتا ـــ (۲۴ : ۸۹)

(۲۴) صحیح اور غلط کام کے دونوں راستے متمیز ہیں ـــ (۹-۴ : ۹۲)

(۲۵) آسانی مشقتوں کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے ـــ (۵-۴ : ۹۴)

ـــ (۰) ـــ

۶۳- اَعُوذُ بِاللہِ

اس مادہ (ع - و - ذ) کے معنی ہوتے ہیں کسی کی حفاظت میں آجانا۔ کسی کی پناہ لینا۔ کسی مسلک کو مستقل طور پر اختیار کرلینا۔ عاذت بولدھا کے معنی ہوتے ہیں مادہ کا اپنے نوزائیدہ بچے کے پاس کھڑے رہنا تاکہ اس کی حفاظت کرتی رہے۔

دین میں اس سے مراد ہوتی ہے کہ قوانینِ خداوندی کی پناہ میں آجانا۔ مومن "ہر خطرہ کے لئے "خدا کی پناہ" کا طالب ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں "قوانینِ خداوندی کے اتباع سے" ہر خطرہ سے محفوظ ہوجانا۔ اسے تعوذ کہتے ہیں۔ لیکن اب ہم قرآن کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں لٹکا لیتے ہیں اور انہیں تعویذ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہیں کہ ہم خدا کی پناہ میں آگئے ہیں۔ دین جب مذہب میں بدل جاتا ہے تو اس میں یہی کچھ ہوتا ہے۔

(٠)

خدا کی پناہ میں آجانا

(۱) ہر متکبر سے خدا کی پناہ میں آنے کی دعا ـــــ (۴۰ : ۲۷)ـــ(۴۰ : ۵۶)ـــ(۴۴ : ۲۰)

(۲) حضرت مریمؑ کی دعا ـــــ (۱۹ : ۱۸)

(۳) خدا کی پناہ میں ـــــ (۲۳ : ۹۸) ـــ (۱۱۳ : ۱) ـــ (۱۱۴ : ۱)

شیطان کے خطرات سے خدا کی پناہ میں آجانا

(۱) ہمزات الشیطان سے ـــــ (۳ : ۳۵)ـــ(۷ : ۲۰۰)ـــ(۲۳ : ۹۷)ـــ(۴۱ : ۳۶)

(۲) قرآنی پروگرام کے آغاز کے وقت حفاظتِ خداوندی کی آرزو ـــ (۱۶ : ۹۸)۔ اس عظیم عمل کو اب قرآن شریف پڑھنے سے پہلے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کے الفاظ پڑھ کر پورا کرلیا جاتا ہے۔

معاذ اللہ

اپنے ہر سہو یا لغزش کے احساس سے خدا کی حفاظت کے احساس کا بیدار رہنا ـــــ (۲ : ۶۷)ـــ(۱۱ : ۴۷)ـــ(۱۲ : ۲۳ ؛ ۷۹)

متفرق

جن وانس (شہری آبادی اور صحرائی بدوؤں) کا ایک دوسرے کی حفاظت میں آنا ـــ (۶ : ۲۷)

ـــــــ (۰) ـــــــ

۶۴۔ اِفترا

مادہ (ف۔ ر۔ ی)۔ کتر بیونت کر کے کچھ کا کچھ بنا دینا۔ کسی بات کو اپنے جی سے گھڑ کر اسے کسی اور کی طرف منسوب کر دینا۔ مذہبی پیشوا عام طور پر یہ کرتے ہیں کہ اپنے جی سے باتیں وضع کر لیتے ہیں اور انہیں شریعتِ خداوندی کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسے "افترار علی اللہ" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی مفتری تھے۔ حضور خاتم النبیینؐ کے بعد تو ہر مدعیٔ نبوت مفتری علی اللہ ہوگا۔

ـــــــ (۰) ـــــــ

قرآن (یا وحی) افترا ہو نہیں سکتا

(۱) اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی انسان اس کی مثل بنا نہیں سکتا ـــ (۳۸-۳۷ : ۱۰) ـــ (۱۳ : ۱۱) ـــ (۱۱ : ۱۲)

(۲) حضرت نوحؑ سے مخالفین کہتے تھے کہ یہ (معاذ اللہ) مفتری علی اللہ ہے ـــ (۳۵ : ۱۱)

(۳) حضورؐ کے خلاف اعتراض کہ یہ (معاذ اللہ) وحی کو خود وضع کرتے ہیں ـــ (۱۰۵-۱۰۱ : ۱۶) ـــ (۵ : ۲۱) ـــ (۴ : ۲۵)

(۴) مخالفین چاہتے تھے کہ حضورؐ کچھ افترا کریں ـــ (۷۳ : ۱۷)

(۵) پہلے رسولوں کے خلاف اعتراض کہ وہ (معاذ اللہ) مفتری علی اللہ ہیں ـــ (۳۸ : ۲۳) ـــ (۳۶ : ۲۸)

(۶) مخالفین حضرت موسیٰؑ کی پیش کردہ آیات کو افترا کہتے تھے ـــ (۳۶ : ۲۸)

(۷) مخالفین کہتے ہیں کہ قرآن (معاذ اللہ) افترار ہے۔ یہ تو حق ہے ـــ (۳ : ۳۲) ـــ (۴۳ : ۳۴) ـــ (۲۴ : ۴۲)
(۸-۷ : ۴۶)

(۸) مخالفین کہتے تھے کہ حضورؐ کا یہ دعویٰ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے افترا ہے ـــ (۸-۷ : ۳۴)

(۹) اگر حضورؐ (معاذ اللہ) افترا کرتے تو خدا رگِ جان کاٹ ڈالتا ـــ (۴۵-۴۴ : ۶۹)

(۱۰) یہ لوگ چاہتے تھے کہ تم خدا کے خلاف کچھ افترا کرو تو یہ تم سے مفاہمت کر لیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔(۴،۳-۷۳ : ۱۷)

خدا پر افترا باندھنے والے ظالم ہیں

(۱) اس قسم کے ظالموں کو کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی ــــ (۶:۲۱) ــــ (۱۰ : ۶۹) ــــ (۶۱ : ۲۰)

(۲) خدا پر افترا باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حالانکہ اس پر وحی نہ آتی ہو۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے۔(۶:۹۴)

(۳) مفتری علی اللہ سے زیادہ ظالم کون ہے ــــ (۳ : ۹۴) ــــ (۶ : ۱۴۵) ــــ (۷ : ۳۷) ــــ (۱۰ : ۱۷) ــــ (۱۸ : ۱۱)

(۱۵ : ۱۸) ــــ (۲۰ : ۲۱) ــــ (۶۸ : ۲۹) ــــ (۷ : ۶۱)

(۴) جو خدا پر افترا باندھے۔ اور جب حق آ جائے تو اس کی تکذیب کرے۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے

(۶۸ : ۲۹) ــــ (۷ : ۶۱)

(۵) دیکھو یہ کس طرح خدا پر افترا باندھتے ہیں ــــ (۵۰ : ۴)

(۶) کفار افترا کرتے ہیں ــــ (۱۰۳ : ۵)

اہل کتاب خدا کے خلاف افترا کرتے تھے

(۱) اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ انہیں چند دنوں کے سوا جہنم کا عذاب چھو نہیں سکتا۔ یہ افترا ہے جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ــــ (۲۳ : ۳)

(۲) اہل کتاب کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب کے خلاف جس قدر بد دیانتی جی چاہے کر لو۔ یہ جرم نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ افترا علی اللہ ہے ــــ (۷۴ : ۳)

(۳) آیات اللہ پر ایمان نہ لانے والے افترا کرتے ہیں ــــ (۱۰۵ : ۱۶)

شرک افترا ہے

(۱) شرک افترا ہے اور اثم عظیم ــــ (۴۸ : ۴)

(۲) توہم پرستانہ رسوم شرک اور افترا ہیں ــــ (۱۳۸-۳۹ : ۶) ــــ (۱۴۵ : ۶) ــــ

(۵۰ : ۱۱)

ظہورِ نتائج کے وقت افترا رائیگاں جائیگا۔ یہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

(۱) مفتری اپنے آپ ہی کو تباہ کرتا ہے۔ ظہورِ نتائج کے وقت اس کا افترا اسے کچھ فائدہ نہیں دیگا۔ (۶:۲۴)
(۷:۵۳)—(۶۹ ؛ ۶۰ ؛ ۳۰ : ۱۰)—(۲۱ : ۱۱)—(۱۱۶ ؛ ۸۷ : ۱۶)—(۲۸ : ۷۵)—(۴۶ : ۲۸)

(۲) قیامت میں مفتری علی اللہ سے باز پرس ہوگی — (۱۶ : ۵۶) — (۱۳ : ۲۹)

(۳) انہیں کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دو۔ افترا خود تباہی بن کر ان پر مسلط ہو جائے گا — (۱۳۹ ؛ ۱۳۸ ؛ ۱۱۳ : ۶)

(۴) اس طرح ہم مفترین کو سزا دیتے ہیں — (۱۵۲ : ۷)

متفرقات

(۱) اپنے آپ کو بزعمِ خویش مزکّی سمجھنا' خدا کے خلاف بہتان تراشی ہے — (۵۰ : ۴)

(۲) توہم پرستانہ رسومات' خدا کے خلاف افترا ہے — (۵ : ۱۰۳)—(۶ : ۱۳۹)—(۶ : ۱۴۵)

(۳) انبیاء کے دشمن مفتری علی اللہ ہیں — (۶ : ۱۱۳)

(۴) باطل پرستی کی طرف لوٹ جانا' افترا علی اللہ ہے — (۸۹ : ۷)

(۵) خود ہی حرام اور حلال کی فہرستیں مرتب کر کے بیٹھ جانا' افترا علی اللہ ہے — (۱۳۹ ؛ ۱۳۸ : ۶)
(۱۰ : ۵۹)—(۱۱۶ ؛ ۵۶ : ۱۶)

(۶) حضرت موسٰیؑ نے فرعون سے کہا کہ خدا پر افترا مت باندھو — (۶۱ : ۲۰)

—— (۰) ——

۶۵۔ اُفُق ۔ (آفاق)

اُفُق (جمع آفاق) کے بنیادی معنی کنارے کے ہوتے ہیں۔ یعنی جو کچھ زمین اور آسمان کے اطراف سے نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے معنی انتہائی وسعت اور کشادگی نیز بلندی کے ہو گئے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ہم تمہیں اپنی نشانیاں عالمِ انفس و آفاق میں دکھاتے جائیں گے۔ تاآنکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن برحق ہے — (۴۱ : ۵۳)

(۲) وسعت اور بلندی کے اعتبار سے نبی اکرمؐ کے متعلق ہے کہ حضورؐ نے مقام کو انتہائی بلندیوں پر دیکھا ــــ (۲۳ : ۸۱) ــــ دوسری جگہ ہے کہ حضورؐ افقِ اعلےٰ پر تھے ــــ (۷ : ۵۳)۔ یعنی شرف و انسانیت کے معراجِ کبریٰ پر۔

—— (۰) ——

۶۶۔ اِفک

(نیز دیکھئے۔ بہتان۔ تہمت)

اِفک۔ مادہ (ا ف ک)۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی بات بنانا۔ کسی کی طرف غلط بات منسوب کر دینا۔ تہمت لگانا۔ کسی چیز کو اُلٹ دینا یا پھیر دینا۔ اس عنوان میں اِفک بمعنی تہمت، بہتان۔ وضعی، خود تراشیدہ عقاید تک محدود ہے۔

واقعۂ اِفک

سورۂ نور میں ایک واقعہ کا ذکر ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ میں بعض لوگوں نے کسی پاک دامن عورت کے خلاف جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اس میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کون خاتون تھی جس کے خلاف وہ الزام لگایا گیا تھا لیکن ہماری کتب روایات نے اسے حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کر دیا ہے جو بالبداہت غلط ہے۔ قرآنِ کریم نے اس واقعہ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ مسلمانوں کو عام ہدایت کی جائے کہ ایسے واقعات میں ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ــــ (۲۴ : ۱۱ــ۲۲)

(۲) جھوٹی تہمت لگانے والوں کی سزا ــــ (۲۴ : ۲۳ــ۲۴)

(۳) کفار قرآن کریم کو اِفک کہتے تھے۔ یعنی رسول کی وضع کردہ کتاب جسے وہ (معاذ اللہ) خدا کی طرف غلط منسوب کرتا ہے ــــ (۲۵ : ۴) ــــ (۴۳ : ۳۴) ــــ (۴۶ : ۱۱)

(۴) افاک واثیم پر شیطان نازل ہوتے ہیں ــــ (۲۶ : ۲۲۲)۔ ان کے لئے تباہی ہے ــــ (۴۵ : ۷) ــــ

(۵) شرک، اِفک ہے۔ یعنی انسانوں کا خود تراشید عقیدہ ــــ (۴ : ۲۸)۔ بت پرستی اِفک ہے ــــ (۲۹ : ۱۷) ــــ (۳۷ : ۸۶)۔ یہ عقیدہ کہ خدا کی اولاد بھی ہے اور اس کی بیٹیاں بھی ہیں، اِفک ہے ــــ (۳۷ : ۱۵۱)

(۶) افک کے معنی حق سے پھر جانا — (۹ : ۵۱)
(۷) ساحرینِ قوم فرعون نے جو باطل، تماشے پیدا کئے تھے وہ ان کے خود ساختہ (افک) تھے — (۷:۱۱۷)-(۲۶:۳۹)
(۸) جب کسی کے خلاف کوئی بہتان باندھے یا تہمت تراشے، تو مومن کا پہلا ردعمل یہ ہونا چاہیئے کہ نہیں۔ یہ تہمت تراشیدہ نظر آتی ہے۔ اس کے بعد اس کی تحقیق کی جائے — (۱۲ : ۲۴)

—— (۰) ——

۶۷۔ اِلٰہٌ ۔ اَللّٰہُ

اِلٰہٌ۔ مادہ (ا۔ ل۔ ہ)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی متعدد ہیں۔ مثلاً متحیر ہونا۔ گھبرا کر کسی کی پناہ ڈھونڈھنا۔ بلند مرتبہ ہونا، نگاہوں سے پوشیدہ ہونا۔ غلام یا فرماں بردار بنانا۔ ان معانی کے اعتبار سے اِلٰہٌ کا مفہوم ہوگا ایسی صاحبِ اقتدار ہستی جس کی اطاعت اور محکومیت اختیار کی جائے۔ چونکہ باطل پرست بھی کسی نہ کسی ایسی ہستی کو اپنا معبود خیال کرتے ہیں اس لئے قرآن میں معبودانِ باطل کے لئے بھی اٰلِہَۃ کا لفظ آیا ہے۔

اَللّٰہ۔ ایک خیال یہ ہے کہ یہ لفظ کسی دوسرے لفظ سے نہیں بنا۔ لیکن دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ لفظ اَلْ + اِلٰہٌ تھا۔ کثرتِ استعمال سے اِلٰہٌ کا ہمزہ گر گیا۔ اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہو گیا۔ اس طرح یہ لفظ اَللّٰہُ بن گیا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ خدا کی ذات کے لئے استعمال ہوا ہے۔ باقی تمام اسماء اس کی صفات ہیں۔ لہٰذا ' اللہ (یعنی قرآنی اللہ) وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے جس کی عظمت کے سامنے انسانی عقل محوِ حیرت رہ جاتی ہے جس کا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے جس کی اطاعت و محکومیت اختیار کی جاتی ہے۔

اللہ کی ذات کے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے خدا کی معرفت (اس کی ذات کو جاننے پہچاننے) کا حکم نہیں دیا۔ اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ البتہ خدا نے اپنی جن صفات کا تعارف قرآن میں کرایا ہے اس سے ہم اس کے متعلق ایک اندازہ کر سکتے ہیں۔ خدا پر صحیح ایمان کے معنی ہیں ایسی ذات کا ماننا جس کی وہ صفات ہوں۔

خدا سے ہمارا تعلق اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ ہمارے تعلق کی کوئی صورت نہیں۔ اس کی اطاعت سے مفہوم بھی یہی ہے کہ قرآن کریم کے قوانین و احکام کی اطاعت کی جائے۔ اسکو پکارنے

کے معنی بھی یہی ہیں کہ زندگی کے ہر دوراہے پر اس کی دی ہوئی راہ نمائی (قرآن) سے دریافت کیا جائے کہ ہم کس راستے کو اختیار کریں۔

اگر خدا کو اس طریق سے مانا جائے جس طرح قرآن نے کہا ہے تو اسے خدا پر ایمان کہا جائے گا۔ اپنے اپنے تصور کے مطابق خدا کو ماننا، خدا پر ایمان تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اہل کتاب سے بھی خدا پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے، حالانکہ وہ (اپنے طور پر) خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔

قرآن کریم شروع سے اخیر تک خدا ہی کے ذکر پر مشتمل ہے اگرچہ اس کی شکلیں مختلف ہیں۔ اس لئے الٰہ اور اللہ کی تبویب اس طرح کی جائی بڑی تفصیل طلب ہے کہ تذکرۂ خداوندی کے ہر گوشے کو سامنے لایا جائے۔ اس لئے زیر نظر عنوان میں الٰہ اور اللہ کی اُنہی صفات و شئون کا ذکر کیا جائیگا جن کا تعلق براہِ راست قرآنی تعلیم سے ہے۔ باقی گوشے، دیگر متعلقہ عنوانات میں آجائیں گے۔ پھر یہاں ان صفات کا بھی اجمالی سا تعارف کرایا گیا ہے ان میں سے ہر ایک صفت کا تفصیلی تذکرہ الگ الگ عنوانات میں آئے گا۔ مثلاً رزّاق کا تفصیلی ذکر عنوان رزق میں۔ (وقس علیٰ ھٰذا)

(۰)

الٰہ ـــــ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی ہستی ایسی نہیں جس کے احکام و قوانین کی اطاعت کی جائے جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔ یہ حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اطاعت و محکومیت صرف قوانین خداوندی کی اختیار کی جائے گی۔ یہی خدا پر ایمان ہے۔ اور یہی دین کا اصل الاصول اور اسلام کی اساس و بنیاد۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

(۱) اللہ، اس کے ملائکہ اور ارباب علم کی شہادت ـــ (۳ : ۱۷)۔ خدا کا اعلان حضرت موسےٰ کی طرف۔ (۲۰ : ۱۴)

(۲) خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں ـــ (۲ : ۳ ; ۵ ; ۱۷ ; ۶۱) ـــ (۴ : ۸۷) ـــ (۵ : ۷۳) ـــ (۶ : ۴۶ ; ۱۰۳ ; ۱۰۷)
ـــ (۷ : ۱۵۸) ـــ (۹ : ۳۱ ; ۱۲۹) ـــ (۱۱ : ۱۴) ـــ (۱۳ : ۳۰) ـــ (۱۴ : ۵۲) ـــ (۱۶ : ۲) ـــ (۱۸ : ۱۱۰) ـــ
(۲۰ : ۸ ; ۹۸) ـــ (۲۱ : ۱۰۸) ـــ (۲۲ : ۳۴) ـــ (۲۳ : ۱۱۶) ـــ (۲۷ : ۲۶) ـــ (۲۸ : ۷۰) ـــ (۳۵ : ۳)
(۳۷ : ۶۵) ـــ (۳۹ : ۶) ـــ (۴۰ : ۳ ; ۶۲ ; ۶۵) ـــ (۴۱ : ۶) ـــ (۴۴ : ۸) ـــ (۴۸ : ۱۹) ـــ
(۵۹ : ۲۲ ; ۲۳) ـــ (۶۴ : ۱۳) ـــ (۷۳ : ۹)

(۳) اللہ ہی الٰہ واحد ہے ـــــ (۲ : ۱۶۳)—(۴ : ۱۷۱)—(۶ : ۱۹)—(۹ : ۳۱)—(۱۶ : ۲۲)—(۱۸ : ۱۱۰)
(۲۹ : ۴۶)—(۳۷ : ۴)—(۴۱ : ۶)

(۴) تثلیث کا عقیدہ کفر ہے ـــــ (۵ : ۷۳ ; ۱۱۶)—(۲۳ : ۹۱)

(۵) فرعون کا اعتراف (جو قبول نہ ہوا) ـــــ (۱۰ : ۹۰)

(۶) ثنویت کا عقیدہ باطل ـــــ (۱۶ : ۵۱)

(۷) اگر ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو ہر ایک اپنی اپنی مخلوق لے بھاگتا ـــ (۲۳ : ۹۱)۔ ان میں سے ہر ایک عرش پر مستوی ہو جاتا ـــ (۱۷ : ۴۲)۔ کائنات میں فساد برپا ہو جاتا ـــ (۲۱ : ۲۲)

(۸) خدا کے ساتھ کوئی الٰہ نہیں ـــ (۱۷ : ۲۲ ; ۳۹)—(۲۵ : ۶۸)—(۲۷ : ۶۰—۶۴)—(۵۱ : ۵۱)

(۹) خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں ـــ (۱۸ : ۱۴)—(۲۸ : ۷۱ ; ۷۲)—(۵۲ : ۴۳)

(۱۰) اہل جہنم وہ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ تمہارا الٰہ اللہ ہے تو یہ سرکشی اختیار کرتے تھے ـــ (۳۷ : ۳۵)

(۱۱) وہی سماء میں الٰہ ہے۔ وہی ارض میں ـــ (۴۳ : ۸۴)

(۱۲) الٰہ الناس ـــ (۱۱۴ : ۳)

(۱۳) مشرکین کو عنقریب معلوم ہو جائے گا ـــ (۱۵ : ۹۶)۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ـــ (۲۱ : ۲۴)—(۲۳ : ۱۱۷)

حضرات انبیاءؑ کرام کی دعوت

(۱) حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کا اقرار کہ ہم تیرے اور تیرے آباء کے الٰہ کی محکومیت اختیار کریں گے ـــ (۲ : ۱۳۳)

(۲) حضرت نوحؑ کی دعوت ـــ (۷ : ۵۹)—(۲۳ : ۲۳)—(۲۳ : ۳۲)—(۷۱ : ۲۱)

(۳) حضرت ہودؑ ـــ (۷ : ۶۵)—(۱۱ : ۵۰)—(۱۱ : ۵۳ ; ۵۴)—(۴۶ : ۲۱)

(۴) حضرت صالحؑ ـ (۷ : ۷۳)—(۱۱ : ۶۱) ; (۵) حضرت شعیبؑ ـــ (۷ : ۸۵)—(۱۱ : ۸۴)

(۶) ہر رسول کی دعوت ـــ (۲۱ : ۲۵) ; (۷) حضرت ذوالنون کا اعلان ـــ (۲۱ : ۸۷)

(۸) حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ کیا تم بتوں کو الٰہ مانتے ہو ـــ (۶ : ۷۵)۔ قوم کا ردعمل ـــ (۲۱ : ۶۸)
(۱۹ : ۴۶)—(۲۱ : ۵۹ ; ۶۲)—(۳۷ : ۹۱)

(۹) انبیاءؑ سے پوچھو کہ کیا خدا نے کبھی باطل معبودوں کی تعلیم دی تھی؟ ـــ (۴۳ : ۴۵)

(۱۰) قومِ فرعون نے کہا کہ موسےٰ اور اس کی قوم ہمیں ہمارے معبودوں سے سرکش بنا دے گی ــــ (۱۲۷ : ۷)

(۱۱) امم سابقہ کو ان کے کسی معبودِ باطل نے کچھ فائدہ نہ دیا ــــ (۱۰۱ : ۱۱)

باطل الٰہ

(۱) سامری کا گوسالہ ــــ (۸۸ : ۲۰) ــ (۹۷ : ۲۰)

(۲) جو کوئی بھی الٰہ ہونے کا دعوےٰ کرے وہ اہلِ جہنم ہے ــــ (۲۹ : ۲۱) ــ (۲۶ : ۵۰)

(۳) فرعون کا دعوےٰ الوہیت ــــ (۳۸ : ۲۸) ــ (۲۴ : ۷۹) تمسخر ــ (۲۹ : ۲۶) ــ (۳۸ : ۲۸) ــ (۳۷ : ۴۰)

(۴) خدا کے سوا کسی کو اٰلٰہ مت پکارو ــــ (۲۱۳ : ۲۶) ــ (۸۸ : ۲۸)

(۵) بنی اسرائیل کا حضرت موسٰے سے مطالبہ کہ ہمیں بھی ایک اٰلہ بنوا دے ــ (۱۳۸ : ۷)

(۶) مشرکین کا تعجب کہ خدا ایک کیسے ہو سکتا ہے ــــ (۵ : ۳۸)

(۷) جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا اٰلہ بنالیا ــــ (۴۳ : ۲۵) ــ (۲۳ : ۴۵)

(۸) کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور اٰلہ بھی ہیں ؟ میں تو اس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ (۱۹ : ۶)

(۹) اصحابِ کہف نے اپنی قوم سے کنارہ کشی اختیار کرلی کیونکہ وہ خدا کے سوا دوسروں کو اٰلہ بناتے تھے ــ (۱۵ : ۱۸)

(۱۰) مشرکین اس لئے معبودانِ باطل کو اختیار کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے قوت کا باعث بنیں ــ (۸۱ : ۱۹)

(۱۱) کیا وہ ارضی اٰلہ اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ان کے سہارے دور دور تک پھیل سکیں ــ (۲۱ : ۲۱)
تاکہ وہ ان کی مدد کر سکیں ــــ (۷۴ : ۳۶)

(۱۲) کیا وہ معبود انہیں خدا کی گرفت سے بچا سکتے ہیں ــ (۴۳ : ۲۱)۔ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ــــ (۲۳ : ۳۶)

(۱۳) مشرکین اور ان کے معبودانِ باطل سب اہلِ جہنم ــ (۹۸ : ۲۱)

(۱۴) معبودانِ باطل خالق نہیں مخلوق ہیں ــ (۳ : ۲۵)

(۱۵) باطل معبودوں کا عقیدہ اِفک ہے ــــ (۸۶ : ۳۷)

(۱۶) خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے باطل کے معبود ان کی کبھی مدد نہیں کر سکتے ــــ (۲۸ : ۴۶)

(۱۷) کفار دعوتِ توحید کا مذاق اڑاتے ہیں ــ (۳۶ : ۲۱) ــ (۴۲ــ۴۱ : ۲۵) ــ (۷-۶ : ۳۸)
کہتے ہیں کیا ہم ایک شاعر اور مجنون کی خاطر اپنے معبود چھوڑ دیں ــ (۳۶ : ۳۷)۔ ایک اور اعتراض (۵۸-۵۷ : ۴۳)

ــــ (۰) ــــ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر ایمان

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ایک عظیم انقلابی تصور ہے۔ اس کا اقرار کرنے والا اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ کائنات میں کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سامنے جھکا جائے جس کی محکومی اختیار کی جائے۔ یہ حق صرف قوانینِ خداوندی کو حاصل ہے۔ اور بس۔

—— (۱) ——

اَللّٰہُ

صفاتِ خداوندی

(۱) انسانی آنکھ ذاتِ خداوندی کا ادراک نہیں کر سکتی ــ (۶ : ۱۰۴)ــ (۷ : ۱۴۳)۔ اس کی مثل بھی کوئی نہیں اس لئے ذاتِ خداوندی کو کسی مثال سے بھی سمجھایا نہیں جا سکتا ــ (۴۲ : ۱۱)

(۲) خدا احد ہے صمد ہے۔ نہ وہ بذریعہ تولید وجود میں آیا ہے۔ نہ کوئی اس سے بذریعہ تولید وجود میں آتا ہے۔ اس کا مثیل و نظیر کوئی نہیں ــــ (۱۱۲ : ۱ـــ۴)

اس کی اولاد نہیں ــ (۲ : ۱۱۶ــ۱۱۷)ــ (۶ : ۱۰۲)ــ (۱۶ : ۵۷ــ۵۸)ــ (۱۹ : ۳۵)

(۳) وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ــ (۱۲ : ۳۹ــ۴۰)ــ (۱۸ : ۲۶)

(۴) **صفتِ خالقیت** تخلیق کے دو مراحل۔ عالمِ امر جس میں خدائی ارادے سے شے کا آغاز ہو جاتا ہے ــ (۲ : ۱۱۷)ــ (۳۶ : ۸۲)۔ دوسرا مرحلہ تخلیق جس میں وہ شے مختلف تدریجی مراحل طے کر کے وہ صورت اختیار کرتی ہے جس کا علم حواس کے ذریعے ممکن ہے۔ (۷ : ۵۴)ــ (۳۰ : ۱۱)ــ (۳۲ : ۵ــ۶)

اس نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں ــ (۶۵ : ۳)

کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے ــ (۳۹ : ۵)۔ محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کی گئی ــ (۴۴ : ۳۸ــ۳۹)

کائنات میں تخلیقی اضافے ہوتے رہتے ہیں ــ (۳۵ : ۱)۔

وہ اپنی مخلوق کا ہر وقت علم رکھتا ہے ــ (۳۶ : ۷۹)

(۵) صفتِ ربوبیّت

۱. جملہ کائنات کا نشو و نما دینے والا۔ (رب العالمین) ـــــ (۱ : ۱)

۲. نوعِ انسان کا رب ـــ (۱۱۴ : ۱)۔ تمام اشیاء کا رب ـــ (۶ : ۱۶۵)۔ رب العرش ـــ (۲۳ : ۱۱۶)

۳. ربوبیت میں کوئی اور شریک نہیں ـــ (۳ : ۶۴) ـــ (۱۸ : ۳۸)

۴. خدا کی ربوبیت پر ایمان اور استقامت سے نزولِ ملائکہ ـــ (۴۱ : ۳۰) ـــ (۴۶ : ۱۳)

(۶) رزاقیّت

۱. خدا نے پیدا کیا اور پھر سامانِ زیست (رزق) مہیا کیا ـــ (۳۰ : ۴۰)۔ اس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی نہیں جو سامانِ زندگی پیدا کرتی ـــ (۱۶ : ۷۳) ـــ (۲۷ : ۶۴) ـــ (۳۵ : ۳)

۲. ایمان و اعمالِ صالح سے رزقِ کریم (باعزت رزق) ملتا ہے ـــ (۲۲ : ۵۰)

۳. ہر متنفس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے ـــ (۱۱ : ۶) اس نے رزق کے اسباب و ذرائع مہیا کر دیئے۔ اب یہ ذمہ داری اس نظام کے ہاتھوں پوری ہوگی جو قوانینِ خداوندی کے مطابق متشکل ہو۔

(۷) رحمت

(اس کے صحیح مفہوم کے لئے عنوان رحم۔ رحیم۔ رحمت وغیرہ دیکھئے)

۱. خدا رحمٰن و رحیم ہے ـــ (۱ : ۲)۔ اس نے رحمت اپنے اوپر واجب قرار دے رکھی ہے ـــ (۶ : ۱۲ ; ۵۴)

۲. اس کی رحمت ہر شے کو محیط ہے ـــ (۷ : ۱۵۶)

(۸) نعمت

۱. صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جن پر خدا کی نعمتیں ہوتی ہیں ـــ (۱ : ۶)

۲. نعمت مشروط ہے قوموں کے نفسیاتی تغیر کے ساتھ ـــ (۸ : ۵۳)

(۹) فضل

۱. خدا صاحبِ فضلِ عظیم ہے ـــ (۲ : ۱۰۵)

۲. خدا کے فضل (معاشی سہولتوں) کی تلاش کرتے رہنا چاہیئے ـــ (۴۸ : ۲۹)

(۱۰) منّ (احسان)

ملک کی حکومت و مملکت مل جانا احسانِ خداوندی ہے (اس اعتبار سے خدا کو منّان کہا جاتا ہے ـــ (۲۸ : ۵-۶)

(۱۱) **غضب**

غلط روشِ زندگی کا نتیجہ تباہ کن ہوتا ہے۔ چونکہ تمام اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتے ہیں اس لئے اس تباہ کن نتیجہ کو خدا کا غضب کہتے ہیں ـــــ (۱ : ۷)

(۱۲) **لعنت**

غلط روشِ زندگی سے قومیں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہو جاتی ہیں۔ چونکہ یہ بھی خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے ہوتا ہے اس لئے اسے خدا کی لعنت کہا جاتا ہے ـــــ (۵ : ۶۰) ـــ (۴۴ : ۷)

(۱۳) **قہاریت**

قہر کے معنی ہیں ایسا غلبہ و تسلط جس سے ہر جرم کی قرار واقعی سزا مل جائے۔ "سزا" کے معنی یہ ہیں کہ ہر غلط کام کا نقصان رساں نتیجہ مرتب ہو جائے۔ خدا کو اس اعتبار سے قہار کہا جاتا ہے ـــــ (۶ : ۱۷ـــ۱۸)

(۱۴) **جبّاریت**

جبر کے معنی ہیں کسی بگڑی ہوئی بات کی اس طرح اصلاح کرنا کہ اس میں طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جب بگڑی ہوئی کو قوانین کے حدود میں رکھنا ہو تو اس میں قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا کی اس صفت کو جبّاریت کہا جاتا ہے ـــــ (۵۹ : ۲۳)

(۱۵) **تکبّر**

کبریائی کے معنی عظمت اور بڑائی کے ہیں۔ یعنی جو سب سے بڑی قوتوں کا مالک ہو۔ جسے ہر قسم کی قدرت حاصل ہو۔ جسے کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو ـــــ (۴ : ۳۴) ـــ (۴۵ : ۳۷) ـــ (۵۹ : ۲۳)

(۱۶) **منتقم**

قرآن میں خدا کے لئے انتقام کا لفظ آیا ہے تو اس کے معنی مجرموں کو سزا دینے والا ہے۔ یہ بھی درحقیقت خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کا ایک گوشہ ہے۔ غلط روش کا تباہ کن نتیجہ ان جرائم کی سزا کہلاتا ہے۔ اسی لئے خدا ذوانتقام ہے ـــــ (۱۴ : ۴۷) ـــ (۲۲ : ۳۲) ـــ (۱۶ : ۴۴)۔ مجرمین کی اسی گرفت کو بطشِ رب کہا ہے۔ یعنی خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت ـــــ (۸۵ : ۱۲)

(۱۷) **علیم**

۱۔ خدا کو ہر شے کا علم ہے ـــــ (۵۷ : ۳)

(۲) کائنات کے اسرار و رموز کا علم رکھنے والا ۔۔۔۔ (۶۱ : ۱۰)۔۔۔(۶ : ۲۵)

(۳) غیب (یعنی جو باتیں ہماری نگاہوں سے اوجھل اور ہمارے حواس کی حدود سے ماوراء ہیں۔ ان) کا علم رکھنے والا۔

(۶ : ۵۹)

(۴) تمام انسانی اعمال کا علم رکھنے والا ۔۔۔۔ (۱۹ : ۱۶)

(۵) نگاہوں کی خیانت اور دل کے ارادوں تک کا علم رکھنے والا ۔۔۔۔ (۱۹ : ۴۰)۔۔۔(۱۶ : ۵۰)

(۱۸) **بصیر**

سب کچھ دیکھنے والا ۔۔۔۔ (۴ : ۵۷)

(۱۹) **سمیع**

سب کچھ سننے والا ۔۔۔۔ (۱ : ۵۸)

(۲۰) **خبیر**

ہر بات کی خبر رکھنے والا ۔۔۔۔ (۲۳۴ : ۲)

(۲۱) **قدرت**

قدرت کے ایک معنی تو قوت و اقتدار کے ہیں۔ اسی لئے خدا نے اپنے آپ کو ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْن کہا ہے (۵۸ : ۵۱)
انہی معنوں میں لفظ قَادِرٌ بھی آیا ہے ۔۔۔ (۹۹ : ۱۷)۔ اور قَدِيْرٌ بھی ۔۔۔ (۱۳۳ : ۴)۔ اور مُقْتَدِرٌ بھی (۴۲ : ۵۴)

لیکن قدر کے معنی پیمانے بھی ہیں۔ اسی کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے کائنات میں ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور ہر بات ان پیمانوں کے مطابق عمل میں آتی ہے۔ انہی پیمانوں کو قوانین خداوندی کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے قدیر کے معنی ہوں گے وہ جس کے قوانین کے مطابق ہر شے سرگرم عمل ہے۔ اور انہی کے مطابق ہر کام کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔۔۔ (۲۷ : ۳۳) کے یہی معنی ہیں۔ ہر شے اسکے مقرر کردہ پیمانوں (قوانین) کے تابع رہتی ہے۔ (تفصیل تقدیر کے عنوان میں ملے گی)

(۲۲) **صاحب عرش و کرسی**

عرش کے معنی ہیں کائنات کا مرکزی کنٹرول۔ اسے خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اس کے لئے قرآن میں استواء علی العرش کی اصطلاح آئی ہے ۔۔۔ (۵۴ : ۷) اس لئے وہ رب العرش الکریم ہے ۔۔۔ (۱۱۶ : ۲۳)۔ یا العرش العظیم ہے ۔۔۔ (۸۶ : ۲۳)

پانی' زندگی کا سرچشمہ ہے اور اس سرچشمۂ حیات پر خدا کا مرکزی کنٹرول ہے ــــ (۳۰ : ۲۱)

۲۔ کرسی کے معنی تختِ حکومت یا علمِ خداوندی ہیں۔ اس کا علم و اقتدار پوری کائنات کو محیط ہے ۔ (۲:۲۵۵)

(۲۳) **ملکوت**

مُلک یا ملکوت ۔ حکومت اور اقتدار کے معنوں میں آتا ہے ۔ اسے عام الفاظ میں بادشاہت کہتے ہیں ۔ ساری کائنات چونکہ قوانینِ خداوندی کے مطابق چل رہی ہے اس لئے کائنات پر حکومت اور بادشاہت اسی کی ہے ــــ (۱۱۶ : ۹) ــــ (۸۸ : ۲۳) ــــ (۸۳ : ۳۶)۔ اسی لئے خدا نے اپنے آپ کو مَلِک بھی کہا ہے۔

(۵۹ : ۲۳)

(۲۴) **موت وحیات**

موت اور زندگی خدا کے قوانینِ طبیعی کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم میں ہے کہ خدا ہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے ــــ (۵۶ : ۱۰) ــــ (۲:۵۷) ۔موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی اسی کے قانونِ مشیت کے مطابق ملتی ہے ــــ (۲۸ : ۲)

۲۔ یہ عقیدہ باطل ہے کہ زمانے کی گردش سے انسان کی موت واقع ہوتی ہے ــــ (۲۴ : ۴۵)

(۲۵) **مشیت۔ تقدیر**

اس موضوع کی تفصیل' تقدیر کے عنوان میں ملے گی۔ اس مقام پر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ خدا کی مشیت کے تین دائرے ہیں۔ دائرہ اول وہ ہے جس کا تعلق عالمِ امر یا جہانِ مشیت سے ہے۔ اس میں خدا جو کچھ چاہتا ہے اپنی منشاء اور ارادہ سے کرتا ہے ــــ (۱۰۷ : ۱۱) ــــ (۱۸ ؛ ۱۴ : ۲۲)

دوسرا دائرہ وہ ہے جس میں اس نے ہر شے کے لئے قوانین مرتب کر دیئے ہیں اور وہاں پر کام ان قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ دائرہ کائنات سے متعلق ہے ــــ (۳: ۶۵)۔ کائنات کی ہر شے ان قوانین کی اطاعت پر مجبور ہے ــــ (۴۹ : ۱۶)

تیسرا دائرہ' انسانی دنیا کا ہے۔ خدا کے قوانین اس کے لئے بھی متعین ہیں۔ لیکن اس میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو ان قوانین کی پابندی کرے اور چاہے ان کی خلاف ورزی کرے۔ وہ جیسا کریگا، اس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا ــــ (۲۹ : ۱۸) ــــ (۴۰ ، ۴۱)

لہٰذا' جہاں جہاں اللہ کے متعلق ما یشاء (جیسا وہ چاہتا ہے) وغیرہ الفاظ آئے ہیں وہاں یہ دیکھنا ہوگا کہ

ان کا تعلق کس دائرے سے ہے۔ اسی کے مطابق ان الفاظ کا مفہوم لیا جائے گا۔

(۲۶) **توکّل**

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہے کہ خدا پر توکل کرنا چاہیئے ــــ (۲ : ۸)۔ توکّل کے معنی ہیں کامل بھروسہ۔ پورا پورا اعتماد۔ قوانینِ خداوندی اس قدر محکم ہیں کہ نہ ان میں کبھی تغیر و تبدل ہوتا ہے نہ ہی وہ اپنی نتیجہ خیزی میں کبھی تساہل یا غلطی کرتے ہیں۔ ان قوانین کی محکمیت اور نتیجہ خیزی کی صداقت پر یقینِ کامل کا نام خدا پر توکّل کرنا ہے۔ مومنین کا شعار یہی ہے ــــ (۱۲ ــــ ۱۱ : ۱۴)۔ اسی اعتبار سے خدا کو وَکِیلٌ ــــ (۱۳۲ : ۴) کہا گیا ہے۔

(۲۷) **ولایت**

قرآن میں ہے کہ خدا مومنین کا ولی ہے ــــ (۲۵۷ ، ۲)۔ وَلی کے معنی محافظ، سرپرست، رفیق کے ہیں۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے ہیں، انہیں زندگی کے خطرات سے حفاظت ملتی ہے۔ وہ روش ان کی پشت پناہ بنتی ہے۔ چونکہ ان کا ہر پروگرام صحیح خطوط پر متشکل ہوتا ہے اس لئے انہیں قوانینِ خداوندی کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ یوں خدا ان کا رفیق و مددگار بنتا ہے۔ چونکہ صحیح راستہ صرف قوانینِ خداوندی پر چلنے سے ہی ملتا ہے اس لئے خدا کے علاوہ کوئی اور ولی نہیں ہوسکتا ــــ (۱۱۴ ، ۹) ــــ (۴۱ : ۲۹) ــــ (۹ : ۴۲)

۲۔ انسان کو اپنی کمزوری کی وجہ سے دوست اور حمایتی کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا کو اس طرح کی ضرورت کبھی نہیں پڑتی ــــ (۱۱۱ : ۱۷)

۳۔ انسان کو اپنے صحیح اعمال کے نتیجہ میں خدا کی ولایت ملتی ہے ــــ (۱۲۸ : ۶) ــــ (۱۹۶ : ۷)

(۲۸) **الحکیم**

حکمت کے معنی ہیں معاملات کو صحیح حدود کے اندر رکھنا اور انہیں ادھر ادھر نہ ہونے دینا۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت الحکیم بھی ہے ــــ (۱۴۰ : ۶) ــــ (۱ : ۱۱)

(۲۹) **الحلیم**

حلیم اسے کہتے ہیں جو یونہی ذرا ذرا سی بات پر بھڑک نہ اٹھے۔ جو بہت ثقہ، متین، سنجیدہ، بھاری بھرکم، صاحبِ قوت و عظمت ہو۔ خدا کے حلیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا قانونِ مکافات، آئین اور اصول کے مطابق ہر کام کو اس کے نتیجے تک پہنچاتا ہے۔ اگر اس دوران میں انسان اپنی اصلاح کرلے تو وہ اپنی غلط روش کے نقصانات سے محفوظ رہتا ہے ــــ (۲ : ۲۵۵) ــــ (۳ : ۱۵۴)

(۳۰) **الغفور**

اگر انسان قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے تو اس میں اتنی صلاحیت اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تخریبی قوتوں کے حملہ کی مدافعت کر سکے اور یوں زندگی کے خطرات سے محفوظ رہے۔ اس طرح کی حفاظت کو مغفرت کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے خدا غفور ہے ــــ (۲:۲۱۸) ــــ (۶۰:۲۲)۔ اسی کو غفار بھی کہتے ہیں ــــ (۲۰:۸۲)

(۳۱) **اَلعَفُوُّ**

ایک انداز تو یہ ہے کہ ادھر کسی سے کوئی غلطی ہوئی اور اُدھر اس کا ٹینٹوا دبا دیا۔ اور دوسرا انداز یہ ہے کہ لغزش کرنیوالے کو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ اپنی روش پر احتسابی نگاہ ڈال کر اپنے کیے پر منفعل ہو اور آئندہ اس سے مجتنب رہے۔ اس صورت میں اس کی غلطی سے درگذر کیا جاتا ہے یعنی اس شخص کی اصلاح، اس غلطی کے نقصان رساں نتیجہ کی تلافی کر دیتی ہے۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت اَلعَفُوُّ بھی ہے ــــ (۶۰:۲۲)

(۳۲) **اَلتَّوَّابُ**

زندگی کے کسی دوراہے پر ایک شخص کا قدم غلط سمت کی طرف اُٹھ گیا۔ تھوڑی دور جا کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پچھلے پاؤں واپس لوٹا۔ اسے توبہ کہتے ہیں۔ جب یہ شخص غلط سمت کی طرف بڑھ رہا تھا تو خدا کا قانون اس سے ہر قدم پر دور ہٹتا جا رہا تھا۔ جونہی اس نے واپسی کے لئے منہ موڑا، خدا کا قانون بھی اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت اَلتَّوَّابُ بھی ہے۔ یعنی جو اس کی طرف بڑھے اس کی طرف تیزی سے بڑھنے والا ــــ (۲:۵۴) ــــ (۳:۱۱۰)

(۳۳) **رَؤُفٌ**

رحیم اور رؤف معانی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ رحمت کے معانی ہیں سامانِ نشو و نما کا مہیا کرنا اور رافت کے معنی ہیں نہایت نرمی سے ان موانع کو دور کرنا جو کسی کی نشو و نما کے راستے میں حائل ہوں۔ اس لئے قرآنِ کریم نے الرّحیم کے ساتھ خدا کی صفت رؤف بھی بیان فرمائی ہے ــــ (۹:۱۱۷) ــــ (۲۰:۲۴)

(۳۴) **اَلوَدُودُ**

جو لوگ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے ہیں ان کے متعلق قرآنِ کریم میں کہیں یہ کہا گیا ہے کہ خدا انہیں پسند کرتا ہے۔ کہیں یہ کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے۔ اس کے لئے ایک لفظ مودّت ہے۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت اَلوَدُودُ بھی ہے ــــ (۱۱:۹۰) ــــ (۸۵:۱۴)

(۳۵) **الکریم**

کریم کا لفظ عربوں کے ہاں بڑا وسیع المعنی ہے۔ یوں سمجھئے کہ جب انہوں نے یہ کہنا ہو کہ فلاں شخص میں انسانیت کی تمام بلند صفتیں اور عمدہ ترین خصلتیں موجود ہیں تو وہ اسے کریم سے تعبیر کرتے تھے۔ یعنی ہر قسم کے شرف و مجد کا مالک۔ ہر نوع کی عزت و تکریم کا حامل۔ بے بہا جود و سخا اور عنایات کا حامل۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب یہ لفظ خدا کے لئے بولا جائے گا تو اس کا مفہوم کیا ہوگا ــــ (۴۰ : ۲۷) ــــ (۶-۷ : ۸۲)

ایک مقام پر اکرم بھی آیا ہے ــــ (۳ : ۹۶)

(۳۶) **البرّ**

اس کے معنی ہیں حدود فراموش وسعتوں کا مالک۔ زندگی میں کشاد کی راہیں پیدا کرنے والا۔ اسی لئے رحیم کے ساتھ بر کی صفت بھی آئی ہے ــــ (۲۸ : ۵۲)

(۳۷) **الحفیظ**

حفاظت کرنے والا ــــ (۵۷ : ۱۱)

(۳۸) **الرّقیب**

نگران ــــ (۵۲ : ۳۲)

(۳۹) **المھیمن**

ہر شے کو اپنے احاطہ میں لے کر اس کی محافظت کرنے والا ــــ (۲۳ : ۵۹)

(۴۰) **القیّوم**

وہ جس سے ہر شے اپنے وجود کو لئے ہوئے قائم ہو لیکن اسے اپنی ذات کے لئے کسی سہارے کی ضرورت نہ ہو ــــ (۲۵۵ : ۲)

(۴۱) **المقیت۔ شہیدًا**

اس کے معنی بھی محافظ و نگران کے ہیں ــــ (۸۵ : ۴)۔ انہی معنوں میں شَہِیدًا کا لفظ آیا ہے ــــ (۱۱۷ : ۵)

(۴۲) **الاوّل۔ والاٰخر۔ والظاھر۔ والباطن**

یہ چاروں صفات خدا کی لامتناہیت کی مظہر ہیں ــــ (۳ : ۵۷)

(۴۳) **قریب۔ مجیب**

خدا ہر مقام پر ہے۔ اور انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ــــ (۱۸۶ : ۲) ــــ (۵۰ : ۳۴) ــــ (۱۶ : ۵۰) ــــ (۸۵ : ۵۶)

مجیب' اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بھی کوئی، خدا کے قانون کو اپنی راہ نمائی کے لئے پکارتا ہے تو وہ اس کی راہ نمائی کے لئے سامنے آجاتا ہے ـــــ (۲ : ۱۸۶) ـــ (۱۱ : ۶۱)

(۴۴) **لطیف**

ہر جگہ موجود۔ لیکن اس کے باوجود ایسا کہ لطیف کہ حواس اس کا ادراک تک نہ کر سکیں ـــ (۶ : ۱۰۴)۔ نیز ان لوگوں کے ساتھ جو صحیح روش اختیار کرنا چاہیں' نرمی کا برتاؤ کرنے والا ـــ (۱۲ : ۱۰۰) ـــ (۴۲ : ۱۹)

(۴۵) **الحسیب**

خدا کا قانونِ مکافات انسانی اعمال کے ذرہ ذرہ کا حساب رکھتا ہے اور اس کے مطابق ان کے نتائج مرتب کرتا ہے (۲ : ۲۸۴) ـــ (۸ : ۶۵)۔ اس اعتبار سے خدا کو حسیب کہا گیا ہے۔ (۴ : ۶ و ۸۶)۔ نیز ـــ (۲۱ : ۴۷) ـــ (۸۸ : ۲۶)

(۴۶) **شاکر۔ شکور**

انسانی اعمال کی قدر کر کے، ان کی حیثیت کے مطابق ان کا بدلہ دینے والا ـــ (۲ : ۱۵۸) ـــ (۳۵ : ۳۰) ـــ (۶۴ : ۱۷)

(۴۷) **السّلامُ**

"سلام" کا لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ اس میں سلامتی سے لے کر تکمیلِ ذات تک تمام گوشے آجاتے ہیں۔ خدا کی ایک صفت السّلام بھی ہے ـــ (۲۳ : ۵۹)۔ یعنی سلامتی کا ضامن۔ اور انسانی ذات کو نشو ونما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا۔

(۴۸) **المؤمن**

امن کا ضامن۔ جس کے قوانین کی اطاعت سے لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ـــ (۲ : ۳۸) کی کیفیت پیدا ہو جائے ـــ (۵۹ : ۲۳)

(۴۹) **الاعلیٰ ۔ العلی ۔ المتعال**

ان صفات میں خدا کے غلبہ واقتدار، ملکوت وکبریائی کے مختلف گوشے آجاتے ہیں ـــ (۲ : ۲۵۵) ـــ (۹ : ۱۳) ـــ (۳۰ : ۳۱) ـــ (۸۷ : ۱)۔ تعالیٰ ـــ (۲۰ : ۱۱۴)

(۵۰) **العظیم** ـــ انتہائی عظمتوں کا مالک ـــ (۴۲ : ۴)

(۵۱) **العزیز ۔ المتین**

عزیز کے معنی ہیں صاحب غلبہ وتسلط۔ متین کے معنی ہیں جس کی تدابیر بڑی محکم ہوں ـــ (۵۱ : ۵۸) ـــ (۵۹ : ۲۳)

(۵۲) **الباری ۔ المصوّر**

ہر شئے سے حشو وزوائد دور کر کے اسے ایسا بنا کر عطا کرنے والا جس سے وہ حواسِ انسانی کی زد میں آجائے۔

(۵۹:۲۴) ——

(۵۳) **الواسع**

لامحدود وسعتوں کا مالک۔ اور وسعتیں عطا کرنے والا —— (۲:۱۱۵) —— (۲:۲۶۱)

(۵۴) **الوھّاب**

موہبت ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو نہ کسی غرض کے لئے دیا جائے، نہ معاوضہ کی خاطر، اور نہ ہی کسی خدمت کے عوض۔ کائنات میں سامانِ زیست اس فراوانی سے بکھرا پڑا ہے۔ یہ سب خدا کی موہبت ہے اس لئے خدا کی ایک صفت اَلْوَھَّابُ آئی ہے —— (۳:۷) —— (۳۸:۹)

(۵۵) **الغنی**

جسے کسی کی احتیاج نہ ہو اور جو سب کی احتیاج پوری کرے۔ انسان اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق چلتا ہے تو اس سے خدا کا کچھ نہیں سنورتا۔ اپنا ہی کچھ سنوارتا ہے۔ اس لئے کہ خدا لوگوں کے نیک اعمال کا محتاج نہیں —— (۶:۱۳۳-۱۳۴) —— (۱۴:۸) —— (۲۷:۴۰) —— (۳۱:۱۲)

(۵۶) **الفتّاح**

فتح کے معنی ہیں کشادکے دروازے کھول دینا۔ حق و باطل میں ایسی تمیز کر دینا جس سے حق کا غلبہ واضح طور پر سامنے آجائے۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت فَاتِحٌ بھی ہے —— (۷:۸۹) —— (۳۴:۲۶)

(۵۷) **الحقّ**

حق کے مفہوم کے لئے حق کا عنوان دیکھئے۔ خدا نے اپنے لئے بھی الحقّ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الحقّ ہے ہی خدا کی ذات۔ پھر جو کچھ خدا کی طرف سے آئے وہ حق ہے —— (۱۰:۳۲) —— (۲۲:۶۲)

(۵۸) **حمیدٌ ۔ مجیدٌ**

ہر قسم کی حمد و ستائش کا سزاوار۔ ہر قسم کی عظمت و بزرگی کا مالک —— (۱۱:۷۳)

(۵۹) **الباسِط**

چونکہ رزق کی بست وکشاد خدا کے قوانین سے وابستہ ہے، اس لئے اسے الباسِطُ بھی کہا جاتا ہے ——

(۲۹:۶۲)

اس کے مقابل میں القابض ہے ــــ (۲:۲۴۵)

یہ ہیں مختصر الفاظ میں خدا کی نمایاں صفات (الاسماء الحسنٰی) جن سے خدا نے خود اپنا تعارف کرایا ہے۔ اس فہرست میں اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ یعنی خدا نے جتنے اور امور کی نسبت اپنی طرف کی ہے، ان سے اس کی صفات کا تصور سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ صفات ہوں یا کوئی اور، ان میں اس نکتہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ صفات اُس پیمانے کی نہیں جس پیمانے کی صفات انسانوں میں ہوتی ہیں۔ انسانی صفات میں جذبات کا دخل ہوتا ہے اور خدا جذبات سے بلند، منزہ اور مبّرٰی ہے۔ نیز انسانی صفات محدود پیمانے پر ہوتی ہیں اور خدا کی صفات لامحدود پیمانے پر۔ اس لئے خدا نے کہا ہے کہ ان صفات کی رُو سے ذہنِ انسانی خدا کے متعلق جو تصور قائم کرتا ہے، اس کی ذات اس سے بلند و بالا ہے۔ محدود ذہن، لامحدود کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ــــ (۲۳:۹۱) سے یہی مراد ہے۔ ان صفاتِ خداوندی میں سے کسی ایک کو لے کر اس میں حد سے بڑھنا غلط ہے۔ جیسے عیسائیت اس کی صفتِ رحم میں حد سے نکل گئی اور عدل کو فراموش کر دیا ــ (۷:۱۸۰)

ــــــــ (۰) ــــــــ

اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں ــ خواہ وہ ایک لفظ میں ہوں یا انہیں کسی آیت کے مفہوم سے متعین کیا گیا ہو، ان کی فہرست حسبِ ذیل ہے:۔

ربّ العالمین۔ الرحمٰن۔ الرحیم۔ مالك یوم الدین۔ مالك الملك، المحیط، القدیر۔ الخالق۔ العلیم۔ الحکیم۔ التواب۔ الباری۔ المصوّر۔ الفتاح۔ القابض۔ الباسط۔ الرفیع ــــ (۴۰:۱۵)۔ الحق، الحمید۔ الغفار۔ البصیر۔ ذوالفضل۔ الناصر۔ النصیر الواسع۔ البدیع۔ العزیز۔ الشاکر۔ الرؤوف۔ الغفور۔ السمیع۔ الحلیم۔ الحي۔ القیوم۔ المعز۔ المذل ــ (۳:۲۵)۔ الحفیظ۔ المجیب۔ المجید۔ العلی۔ العظیم۔ الخبیر الغنی۔ الوهاب۔ الودود۔ المحی۔ الممیت۔ المقیت۔ الحسیب۔ الوکیل۔ الشهید۔ الرازق۔ المبدی۔ المعید ــ (۱۰:۴)۔ البر۔ المنتقم۔ علام الغیوب۔ الجامع (۳:۸) الرقیب۔ القاهر۔ الحاسب۔ القادر۔ اللطیف۔ الواحد۔ القهار۔ الخلاق۔ الکبیر۔

القوی ۔ المقتدر ۔ الاول ۔ الآخر ۔ الظاہر ۔ الباطن ۔ النور ۔ الولی ۔ الہادی ۔ الباقی ۔۔۔(۵۵:۲۷)
الوارث ۔۔۔(۱۵:۲۳) ۔ الملک ۔ القدوس ۔ السلام ۔ المؤمن ۔ المھیمن ۔ الجبار ۔ المتکبر ۔ الشکور
الاحد ۔ الصمد ۔ ذوالجلال والاکرام ۔۔۔(۵۵:۲۷)

(جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، اس فہرست میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے یعنی جو باتیں خدا نے اپنی طرف منسوب کی ہیں۔ ان سے اس کی صفت متعین کر لی جائے۔ جیسے تدبیر امور سے المدبّر وغیرہ)

(۰)

قرآن کریم میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو انسانی اعضاء (ہاتھ، آنکھ وغیرہ) پر دلالت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک پیرایۂ بیان ہے جس میں یہ الفاظ استعارۃً آئے ہیں نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ مثلاً وجہ اللہ ۔۔۔(۲:۱۱۵)۔ ان الفضل بید اللہ ۔۔۔(۳:۷۲)۔ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا ۔۔۔(۱۱:۳۷)

(۰)

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ۔ لَہُ الْمُلْکُ ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۔ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۔۔۔(۳۹:۶)

یہ ہے اللہ تمہارا نشوونما دینے والا۔ سارا اقتدار اسی کے لئے ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی اطاعت اور محکومیت اختیار کی جائے۔ سو تم کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو؟

(۰)

متفرقات

(۱) خدا کی ایک صفت ہے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔۔۔(۱:۳) الدّین کی تفصیل دین کے عنوان میں ملے گی۔ یہاں اس کے معنی جزا اور سزا کے ہیں۔ یعنی اعمال کے نتائج۔ دین کی ساری عمارت قانونِ مکافاتِ عمل کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اس قانون پر خدا کے کنٹرول کے معنی یہ ہیں کہ یہ اپنی کارفرمائی میں اٹل ہے۔

(۲) جزا و سزا کے سلسلہ میں، خدا کی ایک صفت شدید العقاب بھی آئی ہے ۔۔۔(۲:۱۹۶)۔ یعنی مجرم کا بڑی شدت سے پیچھا کرنے والا۔

(۳) انسانوں کو راہ نمائی دینے کے اعتبار سے خدا کو الہادی بھی کہا جاتا ہے ۔۔۔(۲۵:۳۱)

(۴) اس کے قوانین کے اٹل ہونے کی جہت سے، خدا کے متعلق ہے۔ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ــــ (۸ : ۳) یعنی وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ خدا کے "وعدے" اس کے قوانین ہی ہیں۔

(۵) خدا خیر کا سرچشمہ ہے۔ جب ہم کائناتی قوتوں یا اپنی صلاحیتوں کو قوانینِ خداوندی کے خلاف استعمال کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ شر ہوتا ہے۔ ورنہ خدا تو خیر ہی خیر ہے ــــ (۲۵ : ۳)

(۶) خدا کا پروگرام جس کے مطابق کائنات میں اس کے قوانین کارفرما رہتے ہیں، اس کی تدابیر کہلاتا ہے۔ اس جہت سے خدا کو خیر الماکرین ــــ (۵۳ : ۳) کہا گیا ہے۔ بہترین تدابیر کرنیوالا۔

(۷) انسان کو صحیح مدد خدا کے قوانین کے اتباع سے ملتی ہے۔ اس لحاظ سے خدا کو ناصر ــــ (۱۴۹ : ۳)۔ اور نصیر کہا گیا ہے ــــ (۴۵ : ۴)

(۸) خدا کی ہر بات سچی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق یہ کہا ہے کہ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ــــ (۸۷ : ۴)

(۹) خدا کا قانونِ مکافات جملہ کائنات کو اپنے گھیرے میں لئے ہے۔ اس لحاظ سے خدا کے متعلق کہا گیا ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ــــ (۱۰۸ : ۴)

(۱۰) خدا ساری مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس لئے بدیع السمٰوٰت و الارض ــــ (۱۱۷ : ۲)، اور فاطر السمٰوٰت والارض ــــ (۸۰ : ۶) کہا گیا ہے۔

(۱۱) بیج سے پودا اُگانے کی جہت سے خدا کو فالق الحب و النوی ــــ (۹۶ : ۶) کہا گیا ہے۔

(۱۲) خدا کائنات میں ہر جگہ ہے ــــ (۱۱۵ : ۲) ــــ (۳ : ۶) ــــ (۷ : ۷) ــــ (۴ : ۵۷) ــــ (۷ : ۵۸)۔ مشرق و مغرب اس کے لئے ہے ــــ (۱۱۵ : ۲)

(۱۳) وہ سب کو کھلاتا ہے لیکن خود نہیں کھاتا ــــ (۱۴ : ۶)

(۱۴) خدا کے اختیارات لامحدود اور مطلق ہیں۔ لیکن اس نے خود ہی اپنے اختیارات پر پابندی عاید کر رکھی ہے۔ چونکہ یہ اس نے اپنی مرضی اور ارادے سے کیا ہے اسلئے اس سے اسکے قادرِ مطلق ہونے پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا۔ (مثلاً) کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ ــــ (۱۲ : ۶) اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دے رکھا ہے۔ یا حقاً علینا ننج المؤمنین ــــ (۱۰۳ : ۱۰)۔ یا وکان حقا علینا نصر المومنین (۴۷ : ۳۰)؛ مومنین کو تباہیوں سے محفوظ رکھنا اور ان کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے۔

(۱۵) جب انسانوں کی کوئی جماعت قوانینِ خداوندی پر عمل پیرا ہوتی ہے تو اس کا پروگرام جلد عمل میں آ جاتا

ہے۔ ان انسانوں کے کام کو خدا خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے ــــ (۱۷: ۸) ــ (۷: ۴۷) ــ (۱۰: ۳۸)

(۱۶) ہر شے کے خزانے خدا کے پاس ہیں لیکن وہ ان میں سے قدرِ معلوم (متعین پیمانوں) کے مطابق لوگوں کو دیتا ہے ــــ (۲۱: ۱۵)

(۱۷) سب صفاتِ حسنیٰ خدا کے لئے ہیں۔ اسے کسی صفت سے پکارو بات ایک ہی ہے ــــ (۱۱۰: ۱۷)

"حسنیٰ" میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان صفات میں کامل توازن و تناسب ہے۔ حسن نام ہی صحیح تناسب کا ہے۔ اور خدا کی صفات چونکہ مکمل ترین ہیں اس لئے ان کا تناسب بھی حسین ترین ہے۔

(۱۸) اللہ نور السمٰوٰت والارض ہے ــــ (۳۵: ۲۴)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کائنات میں ہر جگہ اس کی راہ نمائی کارفرما ہے۔

(۱۹) فطرت اللہ سے مراد خدا کا اندازِ تخلیق ہے نہ کہ "خدا کی فطرت" ــــ (۳۰: ۳۰)

(۲۰) تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر روشنائی۔ پھر بھی کلمات اللہ ختم نہ ہوں ــــ (۲۷: ۳۱) اس سے کائنات کی وسعت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

(۲۱) اگر تم دینِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے جدوجہد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کریگا ــــ (۷: ۴۷)

(۲۲) خدا، رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس ہے ــــ (۴ ــ ۱: ۱۱۴)

(۲۳) کائنات میں صرف خدا کا قانون کارفرما ہے ــــ (۸۲ ــ ۷۸: ۲۶)

(۲۴) ربنا الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقہٗ ثم ھدیٰ ــــ (۵۰: ۲۰)

(۲۵) خلق فسوّیٰ۔ قدر فھدیٰ ــــ (۳ ــ ۲: ۸۷)

ــــ (۰) ــــ

یوں تو صفاتِ خداوندی سارے قرآن میں درخشندہ موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں لیکن بعض آیات میں انہیں (گویا) ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ مثلاً ــــ (۲۵۵: ۲) یا (۲۴ ــ ۲۳: ۵۹)۔ یا سورۂ اخلاص (۴ ــ ۱: ۱۱۲)

ــــ (۰) ــــ

ایک اہم حقیقت

حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں فرق یہ ہے کہ انسان کو خدا نے ذات (PERSONALITY) عطا کی

ہے۔ بکمل ترین ذات خدا کی ہے۔ اور اس کے بعد محدود پیمانے پر خدا کی عطا کردہ انسانی ذات۔ انسان کو اسکی ذات غیر نشو ونمایافتہ حالت میں ملتی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد اس کی ذات کی نشو ونما ہے۔ انسانی ذات میں اس امر کا امکان ہے کہ (وہ ان صفات کو چھوڑ کر جو ذاتِ خداوندی سے مخصوص ہیں اور جن میں کوئی اور شریک نہیں ہوسکتا مثلاً ھوالاول وغیرہ) صفاتِ خداوندی کو علیٰ حدِ بشریت اپنے اندر منعکس کرتی جائے۔ اس بنا پر خدا کی صفات ہمارے لئے معیار بنتی ہیں یہ پرکھنے کے لئے کہ ہماری ذات کس حد تک نشو ونمایافتہ ہو چکی ہے۔

دوسرے یہ کہ کائنات کے ہر واقعہ پر خدا کی ایک خاص صفت کا ظہور ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کے گہرے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کس قسم کے واقعات پر خدا کی کس قسم کی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ انسانی ذات کے نشو ونمایافتہ ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات وحوادث پر انسان کا ردِّ عمل بھی ویسا ہی ہو۔ اسی کو قربِ خداوندی کہا جاتا ہے۔ (تفصیل اس اجمال کی مصنف کی کتاب "من ویزداں" میں ملے گی)۔

(٠)

۶۸۔ الیاس۔ اِل یاسین

الیاس قرآن کریم میں انہیں زمرۂ انبیاء کرام میں بتایا گیا ہے ــــ (۶ : ۸۶)۔ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ بعل کی پرستش کرتے تھے ــــ (۳۷ : ۱۲۳ــ۱۲۵)۔ انہی کا دوسرا نام اِل یاسین بتایا گیا ہے ــــ (۳۷ : ۱۳۰)

انہیں حضرت ابراہیم کی ذریت میں سے بتایا گیا ہے ــــ (۶ : ۸۵)۔ اس لئے یہ غالباً انبیائے بنی اسرائیل میں میں سے ہوں گے۔ ممکن ہے یہ وہی ہوں جن کا نام تورات میں ایلیا نبی آیا ہے۔

(٠)

۶۹۔ الیسع

الیسع قرآنِ کریم نے انہیں من زمرۂ انبیاء کرام بتایا ہے ــــ (۶ : ۸۷)۔ نیز ــــ (۳۸ : ۴۸)

تورات میں انہیں (ELISHA) کہا گیا ہے۔

(٠)

۷۰۔ الم

الم۔ درد کو کہتے ہیں۔ اَلِیْمٌ کے معنی درد پہنچانے والا یا دردناک ہیں۔ الیم العذاب اس تکلیف کو کہتے ہیں جو دردانگیزی میں انتہا تک پہنچی ہوئی ہو۔ اس میں زندگی کی تمام ناخوشگواریاں آجاتی ہیں۔

قرآن کریم نے غلط اعمال کے نتائج کو عذاب الیم کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی وہ زندگی جس میں انسان تمام خوشگواریوں سے محروم رہ جائے، خواہ وہ اس دنیا میں ہو اور خواہ آخرت میں ـــــ (۲ : ۱۰)۔ یہ لفظ قرآن کریم میں انہی معنوں میں آیا ہے اور بے شمار مقامات پر۔ ان کے حوالوں کی ضرورت نہیں۔

(٠)

۷۱۔ امام

امام (مادہ ا۔م۔م)۔ وہ شخص جو آگے ہو۔ یہ دراصل اُس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے معمار دیکھتے ہیں کہ دیوار کی تمام اینٹیں ایک سیدھ میں آرہی ہیں یا نہیں (اسے ہمارے ہاں ساہل کہتے ہیں)۔ اس سے امام کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ یعنی وہ جس کی زندگی کو سامنے رکھ کر یہ دیکھا جائے کہ ہم سیدھے راستے پر چل رہے ہیں یا نہیں۔ اسی لئے سیدھے وسیع راستے (شاہراہ) کو بھی امام کہتے ہیں۔ نیز انسان کے اعمال نامہ کو بھی کہ وہ بھی انسان کی روش کا صحیح آئینہ ہوتا ہے اور اس کا مقام متعین کرنے کا معیار۔ (جمع ائمہ)

(٠)

نوعِ انسان کی امامت

(۱) جب حضرت ابراہیمؑ معیار خداوندی پر ہر طرح پورے اُترے تو کہا کہ ہم نے تجھے نوعِ انسان کا امام بنا لیا ہے (۲ : ۱۲۴)۔ یہی وہ مقامِ ابراہیمی ہے (یعنی اقوام عالم کی لیڈرشپ) جس کے حصول کی جماعتِ مومنین کو تاکید کی گئی ہے ـــــ (۲ : ۱۲۵)

(۲) مومنین کی آرزو (دعا) کہ ہمیں متقیوں کا امام بنا دے ـــــ (۲۵ : ۷۴)۔ کتنا بلند ہے یہ مقام جس کے حصول کی آرزوئیں، مومنین کے سینے میں مچلتی اور دعا بن کر ان کے لب تک آجاتی ہیں۔ اور چونکہ دعا (یا آرزو)

صرف اس کی سکھائی جاتی ہے جو ممکن الحصول ہو، اس لئے اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ جماعتِ مومنین کا صحیح مقام کیا ہے۔ پورے عالمِ انسانیت میں جو لوگ زندگی کی پُرخطر گھاٹیوں سے بچ کر چلنے کے متمنی ہوں ان کی لیڈرشپ، اور لیڈرشپ بھی وہ جو سیرت و کردار کی بلندی کی بنا پر حاصل کی جائے، نہ کہ وہ جو محض قوت اور استبداد کے زور پر جھپٹ لی جائے۔

متفرقات

(۱) امام بمعنی واضح، کھلا راستہ (شاہراہ) ——— (۱۵ : ۷۹ : ۸۰)

(۲) امام مبین ــ بمعنی انسانی اعمال کا ریکارڈ جن کے نتائج خدا کے "قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے مرتب ہوتے ہیں ——— (۳۶ : ۱۲)

(۳) کتابِ موسےٰ، امام و رحمت تھی ——— (۱۱ : ۱۷) ——— (۱۲ : ۴۶)

(۴) جس دن تمام انسان، اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ یہاں امام کے معنی اعمالنامہ بھی ہو سکتے ہیں (۱۷ : ۷۱)

(۵) ائمۃ الکفر۔ بمعنی سرغنے ——— (۹ : ۱۲) ——— (۲۸ : ۴۱)

(۶) انبیاء سابقہ کو ائمہ بنایا ——— (۲۱ : ۷۳)۔ بنی اسرائیل کو ائمہ بنایا ——— (۲۸ : ۵) ——— (۳۲ : ۲۴)

(۰)

۷۲۔ امانت۔ امین

امانت (مادہ۔ ا۔ م۔ ن)۔ امانت۔ وہ چیز جو کسی کو اُس کے بھروسے پر دیدی جائے۔ امین۔ بخوف۔ مطمئن جسے قابلِ اعتماد سمجھا جائے۔ جو کسی کو قابلِ اعتماد سمجھے۔ جس مقام میں پورا پورا ..... اطمینان اور سامانِ حفاظت موجود ہو۔ اس مادہ میں "امن" کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی "ایمان" کے عنوان میں دیکھئے۔

(۰)

امانت کی حفاظت کا حکم

(۱) باہمی قرض کے معاملہ کو تحریر میں لے آنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں ہو اور کاتب نہ ملے تو مقروض

کی کوئی شے بطور امانت اپنے قبضہ میں لی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس پر ویسے ہی اعتبار کر لیا جائے تو اُسے چاہیئے کہ اپنی امانت کو بحفاظت ادا کر دے ــــ (۲۸۳ : ۲)

(۲) اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں کہ اگر انہیں مال کے ڈھیر کا امین بنا دیا جائے تو اسے بلا توقف واپس کر دیں۔ (۷۴ : ۳)۔ اور وہ بھی کہ ایک دینار تک واپس نہ دیں ــــ (۷۴ : ۳)

(۳) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانات کو ان کے اہل کی طرف لوٹا دیا کرو ــــ (۵۸ : ۴)

(۴) اپنی امانات میں خیانت نہ کرو۔ نہ ہی نظامِ خداوندی سے خیانت کرو ــــ (۲۷ : ۸)

(۵) اپنی امانات کی پاسداری کرنے والے مومن کامیاب ہیں ــــ (۸ : ۲۳) ــــ (۳۲ : ۷۰)

(۶) دربارِ حضرت سلیمانؑ کے قوی ہیکل سردار نے کہا کہ میں ملکۂ سبا کا تخت لاؤنگا اور امین ثابت ہونگا ــــ (۳۹:۲۷)

(۷) کارندہ کو قوی اور امین ہونا چاہیئے۔ حضرت موسےٰؑ میں یہ صفات تھیں ــــ (۳۹ : ۲۷) ــــ (۲۶ : ۲۸)

(۸) ارض و سمٰوٰت نے امانتِ خداوندی میں خیانت نہیں کی۔ انسان ایسا کرتا ہے ــــ (۷۲ : ۳۳) یعنی کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کی اطاعت بلا کم و کاست کئے جاتی ہے۔ لیکن انسان ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے۔

(۹) متقی مقامِ امین میں ہوں گے ــــ (۵۱ : ۴۴)۔ ــــ (۱۰) مکہ بلدِ امین ہے ــــ (۳ : ۹۵)

(۱۱) قرآن کو روح الامین لے کر نازل ہوا ــــ (۱۹۳ : ۲۶)

ہر رسول امین ہوتا تھا

حضرت ہودؑ ــــ (۶۸ : ۷)۔ حضرت یوسفؑ صاحبِ اقتدار اور امین تھے ــــ (۵۴ : ۱۲) حضرت نوحؑ ــــ (۱۰۷ : ۲۶)
حضرت ہودؑ ــــ (۱۲۵ : ۲۶)۔ حضرت صالحؑ ــــ (۱۴۳ : ۲۶) حضرت لوطؑ ــــ (۱۶۲ : ۲۶) حضرت شعیبؑ ــــ (۱۷۸ : ۲۶)
حضرت موسےٰؑ ــــ (۱۸ : ۴۴)۔ نبی اکرمؐ مطاع اور امین تھے ــــ (۲۱ : ۸۱)

ــــ (٥) ــــ

۷۳۔ امر۔ (اذن)

(امر بالمعروف اور نہی عن المنکر الگ عنوان میں لکھا گیا ہے)

اَمَرَ۔ (مادہ ا۔م۔ر) اس کے بنیادی معنی نشانِ راہ (DIRECTION) کے ہیں۔ اس کے بعد یہ لفظ

مشورہ اور حکم کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ خَلق کے مقابلہ میں استعمال ہو تو اس سے مفہوم ہوتا ہے کسی شے کا وہ تخلیقی مرحلہ جب وہ محسوس شکل میں مرتب نہ ہوئی ہو بلکہ خدا کی اسکیم کے درجے میں ہو۔ اسی طرح یہ لفظ قانونِ خداوندی کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ قانونِ خداوندی کے تین گوشے ہیں۔ پہلا گوشہ وہ جہاں خدا اپنے اختیارِ مطلق سے قوانین کو وجود میں لاتا ہے۔ یہ خدا کا عالمِ امر ہے۔ دوسرا گوشہ خارجی کائنات کا ہے جہاں قوانینِ خداوندی ہر شے کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ اور تمام اشیاء ان کے مطابق از خود عمل کرتی چلی جاتی ہیں۔ اور تیسرا گوشہ انسانی دنیا کا جس میں قانونِ خداوندی بذریعہ وحیٔ نبوت انسانوں تک پہنچتا ہے۔ چونکہ خدا کا قانونِ مکافات بھی اس میں شامل ہے اس لئے اَمر کے معنی فیصلہ یا فیصلہ کن مرحلہ بھی ہوتا ہے۔

اِذْنٌ۔ مادہ (ا۔ ذ۔ ن)، عام معنی اجازت۔ اعلان اور ایسا علم ہے جس میں صاحبِ علم کا ارادہ اور مشیت بھی اس کے ساتھ شامل ہو۔ اس لئے یہ لفظ بالعموم قانونِ خداوندی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ خارجی کائنات سے متعلق ہو یا انسانی دنیا سے۔

امر (حکم) یا اذن (اجازت) کے متعلق ایک بنیادی غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے (اگرچہ یہ الفاظ قرآن کے نہیں) کہ "خدا کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا" یا خدا کی اجازت کے بغیر انسان ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ ہر شے (انسانوں سمیت) مجبورِ محض ہے۔ اور اس کی ہر نقل و حرکت کے لئے خدا ہر مرتبہ الگ اجازت یا حکم دیتا رہتا ہے۔ یہ مفہوم صحیح نہیں۔ خدا نے پانی کو ایک ہی مرتبہ یہ اجازت یا حکم دے رکھا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے۔ اور پانی اس حکم یا اجازت کے مطابق ہمیشہ نشیب کی طرف بہے چلا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ پانی خدا کے حکم یا اجازت سے نشیب کی طرف بہتا ہے لیکن اسی کو دوسرے لفظوں میں قانونِ خداوندی کہتے ہیں۔ لہٰذا، اس حقیقت کو یوں بھی بیان کیا جائے گا کہ پانی کے متعلق قانونِ خداوندی (یا مشیتِ خداوندی) یہ ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ کلیہ بالکل درست ہوگا کہ کائنات کی ہر شے قانونِ خداوندی کے مطابق کام کرتی ہے۔ انسانوں کے بارے میں قانونِ خداوندی یہ ہے کہ اسے ایک دائرے کے اندر صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے۔

مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قانون اس حکم یا اجازت کا نام ہے جو غیر متبدل ہو۔ چونکہ خدا کا ہر حکم یا اجازت ابدی اور غیر متبدل ہوتے ہیں اس لئے انہیں ہنگامی احکام کے بجائے غیر متبدل قانونِ خداوندی کہا جائے گا۔

تخلیقی پروگرام کا عالمِ امر

(۱) خدا کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ جب وہ اپنی کسی اسکیم (امر) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس شے کے تخلیقی پروگرام کا آغاز ہو جاتا ہے ـــ (۲ : ۱۱۷) ـــ (۳ : ۴۸) ـــ (۶ : ۷۳) ـــ (۱۹ : ۳۵) ـــ (۳۶ : ۸۲) ـــ (۴۰ : ۶۸)

(۲) خدا کا امر تو بس آنکھ جھپکنے کے برابر ہوتا ہے ـــ (۵۴ : ۵۰)

خلق و امر دونوں خدا کے لئے ہیں

سلسلۂ کائنات کے ضمن میں کہا کہ خلق و امر خدا کے لئے ہیں ـــ (۷ : ۵۴)۔

مغربی مفکر (PRINGLE - PATTISON) نے کہا ہے کہ انگریزی زبان کی بدقسمتی ہے کہ اس میں خدائی تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (CREATION) ہے۔ عربی زبان بڑی خوش قسمت ہے کہ اس میں خدا کے تخلیقی پروگرام کے لئے دو الفاظ (امر اور خلق) موجود ہیں۔ امر اس مرحلہ کا نام ہے جس میں تخلیق کی جانیوالی شے کی (DIRECTION) متعین کی جاتی ہے۔ اور خلق وہ منزل ہے جس میں وہ شے ہمارے نقطۂ نگاہ سے محسوس پیکر اختیار کر لیتی ہے۔ (بحوالہ خطباتِ اقبالؒ)

امر بمعنی فیصلہ یا حکومت کا فیصلہ یا امورِ مملکت

(۱) لوگ کہتے تھے کہ فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق ہو۔ خدا نے کہا کہ فیصلہ نظامِ خداوندی کی طرف سے ہوگا ـــ (۳ : ۱۵۳)

(۲) اولی الامر (ماتحت اربابِ حکومت) کی اطاعت ـــ (۴ : ۵۹) ـــ (۴ : ۸۳)

(۳) جماعتِ مومنین کے امر (معاملاتِ حکومت) کے فیصلے باہمی مشورے سے ہونگے ـــ (۳ : ۱۵۸) ـــ (۴۲ : ۳۸)

(۴) قیامت میں امر (حکومت) صرف خدا کی ہوگی ـــ (۸۲ : ۱۹)

(۵) حکومت کے معاملات میں رسول (یا سربراہِ مملکت) کا کبھی اپنا اختیار نہیں ہوتا ـــ (۳ : ۱۲۷)

(۶) جب تک مخالفین امر اللہ کی طرف نہ آئیں ان سے جنگ جاری رکھو ـــ (۴۹ : ۹)

(۷) خدا اور رسول کے فیصلے کے بعد، کسی کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ ـــ (۳۳ : ۳۶)

خدا کا فیصلہ۔ یعنی قانونِ خداوندی۔ قانون مکافاتِ عمل کا نتیجہ

(۱) اللہ کا ہر فیصلہ (قانون) پورا ہو کر رہتا ہے ——(۲ : ۱۰۹ ز ۲۱۰)——(۴ : ۴۷)——(۶ : ۸ ز ۵۸)

(۲) چاند، سورج، ستارے، خدا کے امر (قانون) کی رو سے قائم ہیں ——(۷ : ۵۴)

(۳) قصہ حضرت نوحؑ میں کہا کہ خدا کا امر پورا ہو کر رہا ——(۱۱ : ۴۰ ز ۴۴)۔ قوم ہودؑ ——(۱۱ : ۵۸)——(۴۶ : ۲۵)
(۵۱ : ۴۴)۔ قومِ صالحؑ ——(۱۱ : ۶۶)۔ قوم لوطؑ ——(۱۱ : ۷۶ ز ۸۲)——(۱۵ : ۶۶)۔ قومِ شعیبؑ ——(۱۱ : ۹۴)
قوم نوحؑ ——(۲۳ : ۲۷)——(۵۴ : ۱۲)۔

(۴) اقوامِ سابقہ کی قوانینِ خداوندی سے سرکشی ——(۶۵ : ۸)

(۵) قصہ حضرت ابراہیمؑ کے ضمن میں کہا کہ کیا تم امر اللہ پر تعجب کرتے ہو؟ ——(۱۱ : ۷۳)

(۶) جب خدا کا امر آجاتا ہے تو کوئی مدد نہیں کر سکتا ——(۱۱ : ۱۰۱)

(۷) خدا اپنے امر پہ غالب ہے (اس کا فیصلہ یا قانون نافذ ہو کر رہتا ہے) ——(۱۲ : ۲۱)——(۶۵ : ۳)

(۸) امرِ الٰہی کے مطابق انسان کا ہر عمل محفوظ رہتا ہے تاکہ وہ صحیح صحیح نتیجہ پیدا کر سکے ——(۱۳ : ۱۱)

(۹) خدا کے فیصلہ کا وقت (امر) آپہنچا ——(۱۶ : ۱)

(۱۰) خدا کے امر کے مطابق فرشتے وحی لے کر نازل ہوتے ہیں ——(۱۶ : ۲)۔ وحی امرِ خداوندی ہے ——

(۱۶ : ۸۵)——(۴۰ : ۱۵ ز ۷۸)——(۴۲ : ۵۲)

(۱۱) کفار خدا کے امر (آخری فیصلہ) کے منتظر ہیں ——(۱۶ : ۳۳)

(۱۲) حضرت مریمؑ، راہبہ کی متاصل زندگی اور ان کے بیٹے (حضرت عیسیٰؑ) کی پیدائش ایک طے شدہ بات تھی ——(۱۹ : ۲۱)

(۱۳) آخری فیصلہ کا دن، مخالفین کے لئے یوم الحسرت ہوگا ——(۱۹ : ۳۹)

(۱۴) رسولؐ خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ——(۲۱ : ۲۷)۔ اسکے امر کے مطابق تعلیم دیتے ہیں ——(۲۱ : ۷۳)——(۳۲ : ۲۴)

(۱۵) قصہ حضرت زیدؓ میں کہا کہ خدا کا امر (قانونی وضاحت) ہو کر رہی تھی ——(۳۳ : ۳۷)

(۱۶) خدا کا ہر فیصلہ اس کے مقرر کردہ پیمانے (قانون) کے مطابق ہوتا ہے ——(۳۳ : ۳۸)

(۱۷) جب آخری فیصلہ کا وقت آجاتا ہے تو معاملہ بالحق طے ہو جاتا ہے ——(۴۰ : ۷۸)

(۱۸) ہر فیصلہ (اپنے وقت پر جا کر نمودار ہوتا ہے ——(۵۴ : ۳)

(۱۹) تمام امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں یعنی ان کے فیصلے اس کے قوانین کے مطابق ہوتے ہیں۔ — (۵۷ : ۵)

(۲۰) امراللہ — قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ کا وقت — (۵۷ : ۱۴)

(۲۱) امر بمعنی قانون بذریعہ وحی — (۳۲ ، ۲۴) — (۶۵ : ۵)

(۲۲) انسان کو جس بات کا حکم دیا جاتا ہے وہ اسے پورا ہی نہیں کرتا — (۸۰ : ۲۳)

(۲۳) قیامت میں امر (حکم) خدا کا ہوگا — (۸۲ : ۱۹)

(۲۴) میدانِ جنگ میں خدا کا فیصلہ — (۹ : ۴۸)

(۲۵) خدا کا فیصلہ ہوجاتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہوا — (۱۴ : ۲۲)

(۲۶) امر الساعۃ آنکھ جھپکنے کے برابر ہوتا ہے — (۱۶ : ۷۷)

(۲۷) نزولِ قرآن کے آغاز کی رات۔ تمام معاملات حکمت کے مطابق طے ہوگئے — (۴۴ : ۴)

(۲۸) جن قوموں نے بھی امراللہ سے سرتابی برتی، تباہ ہوگئیں — (۶۵ : ۸)

(۲۹) خدا کا امر واقعہ ہو کر رہتا ہے — (۸ : ۴۲ ؛ ۴۴)

(۳۰) خدا کے امر (فیصلہ) کا انتظار کرو — (۹ : ۲۴)

(۳۱) ان کا معاملہ خدا سے متعلق ہے۔ وہ بتادے گا کہ یہ کیا کرتے تھے — (۶ : ۱۶۰)

تدبیرِ امور

(۱) خدا تدبیرِ امور کرتا ہے (یعنی اپنی اسکیموں کو بروئے کار لاتا ہے) — (۳ : ۱۰) — (۱۰ : ۳۱) — (۱۳ : ۲)

(۲) آسمان سے زمین کی طرف تدبیرِ امر — (۵ : ۳۲)

(۳) تدبیرِ امور کرنے والے — (۵ : ۷۹) (۴) تقسیمِ امور کرنے والے — (۴ : ۵۱)

امر بمعنی خدا کا طبیعی قانون

(۱) ہوائیں خدا کے امر کے مطابق چلتی ہیں — (۸۱ : ۲۱) — (۳۶ : ۳۸)

(۲) کشتیاں اس کے امر کے مطابق چلتی ہیں — (۳۲ : ۱۴) — (۶۵ : ۲۲) — (۴۶ : ۳۰) — (۱۲ : ۴۵)

(۳) زمین و آسمان اس کے امر سے قائم ہیں — (۲۵ : ۳۰)۔ چاند، سورج، ستارے سب۔ (۵۴ : ۷) — (۱۲ : ۱۶)

(۴) ہر آسمان میں خدا نے اپنے امر (قانون) کی وحی کر دی ــ (۴۱ : ۱۲)

(۵) خدا کا امر ارض اور سمٰوٰت کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے ــ (۶۵ : ۱۲)

(۶) فطری وظیفۂ زوجیت کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے ــ (۲ : ۲۲۲)

(۷) کائناتی قوتیں (ملائکہ) امر اللہ سے سرتابی نہیں کر سکتیں ــ (۱۶ : ۵۰) ــ (۶۶ : ۶)۔ ابلیس نے سرتابی کی ــ (۱۸ : ۵۰)

(۲۱ : ۲۷)

خدا کن باتوں کا امر کرتا (حکم دیتا ہے)

(۱) انصاف (قسط) کا ــ (۷ : ۲۹)

(۲) جنہیں ملانے کا خدا حکم دیتا ہے یہ انہیں منقطع کرتے ہیں ــ (۲ : ۲۷) ــ (۱۳ : ۲۱ ؛ ۲۵)

(۳) ابلیس کو آدم کے سجدہ کا حکم دیا تھا ــ (۷ : ۱۲)

(۴) اللہ فحشاء کا حکم نہیں دیتا ــ (۷ : ۲۸)۔ شیطان ایسا کہتا ہے ــ (۲ : ۱۶۹ ؛ ۲۶۸)

(۵) اللہ عدل و احسان اور ذی القربیٰ سے احسان کا حکم دیتا ہے ــ (۱۶ : ۷۶ ؛ ۹۰)

(۶) امانات کو ان کے اہل کے سپرد کیا کرو ــ (۴ : ۵۸)

(۷) رسول اللہ کو حکم دیا گیا کہ وہ سب سے پہلے مسلم ہوں ــ (۶ : ۱۴ ؛ ۱۶۳) ــ (۱۰ : ۷۲ ؛ ۱۰۴) ــ (۲۷ : ۹۱)
(۳۹ : ۱۲)۔ صرف خدا کی عبودیت اختیار کرو ــ (۶ : ۷۱) ــ (۹ : ۳۱) ــ (۱۳ : ۳۶) ــ (۲۷ : ۹۱)
(۳۹ : ۱۱ ؛ ۶۴) ــ (۴۰ : ۶۶) ــ (۹۸ : ۵)۔ استقامت کا حکم ــ (۱۱ : ۱۱۲) ــ (۱۵ : ۹۴) ــ (۴۲ : ۱۵)

(۸) اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کرو ــ (۱۲ : ۴۰)

(۹) خدا کا بندہ غیر خدا کی معبودیت کا کبھی حکم نہیں دے گا ــ (۳ : ۷۹)

(۱۰) خدا کا ارشاد ہے کہ العرف کا حکم دو ــ (۷ : ۱۹۹)۔ اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دو ــ (۲۰ : ۱۳۲)

(۱۱) طاغوت سے کفر اختیار کرو ــ (۴ : ۶۰)

(۱۲) عائلی زندگی کے متعلق قوانین امر اللہ ہیں ــ (۶۵ : ۵)

ہر معاملہ (امر) آخر الامر اسی کے قانون کی طرف لوٹتا ہے۔

(۱) یعنی ہر معاملہ کا فیصلہ اسی کے قانون کے مطابق ہوتا ہے ــ (۲ : ۲۱۰) ــ (۳ : ۱۰۹) ــ (۸ : ۴۴) ــ (۱۱ : ۱۲۳)

(۷۶ : ۲۲)—(۲۲ : ۳۱)—(۴ : ۳۵)—(۴۳ : ۴۲)—(۵ : ۵۷)

(۲) امر تمام کا تمام خدا کا ہے —(۳ : ۱۳)—(۴ : ۳۰)

(۳) مومن کا شعار — میں نے اپنا معاملہ قانونِ خداوندی کے سپرد کر دیا—(۴۴ : ۴۰)

وحی کے احکام اور دیگر قوانینِ خداوندی کو اذن اللہ کہا گیا

(۱) مذہبی پیشواؤں سے کہا کہ تم خود ہی حرام و حلال کے فیصلے کرنے بیٹھ جاتے ہو یا تمہیں خدا نے ایسا کرنے کا اذن دیا ہے —(۵۹ : ۱۰)

(۲) ان گھروں میں جن کی رفعت کا خدا نے اذن دے رکھا ہے —(۳۶ : ۲۴)

(۳) ان کے معبودانِ باطل انہیں احکامِ خداوندی کے خلاف شریعت مرتب کر کے دیدیتے ہیں —(۲۱ : ۴۲)

(۴) مخالفین کے خلاف جنگ کی اجازت۔ یہ حکم ہنگامی نہیں تھا مستقل ہے جب بھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں، خدا کی یہ "اجازت" بروئے کار آ جائے گی—(۱۵۱ : ۳)—(۳۹ : ۲۲)—(۵ : ۵۹)

(۵) جنگ میں نقصان، قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے —(۱۶۵ : ۳)

(۶) ایمان، خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق لایا جاتا ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ جو شخص خالی الذہن ہو کر وحی کی تعلیم پر غور و فکر کرے گا وہ اس کی صداقت کا قائل ہو جائے گا —(۱۰۰ : ۱۰)

وحی کی تعلیم کے مطابق

(۱) بدوں اذنِ خداوندی، شفاعت کام نہیں دے سکے گی۔ (شفاعت کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان "شفاعت")

(۲۵۵ : ۲)—(۳ : ۱۰)—(۱۰۵ : ۱۱)—(۱۰۹ : ۲۰)—(۲۳ : ۳۴)—(۲۶ : ۵۳)

(۲) الروح اور ملائکہ بدوں اذنِ خداوندی بات نہیں کر سکتے—(۳۸ : ۷۸)

(۳) خدا نے فیصلہ کر دیا کہ یہودیوں پر مستبد حکام مسلط رہیں گے —(۱۶۷ : ۷)

(۴) خدا نے اعلان کر دیا کہ شکر گذار قوم کی خوشگواریوں میں اضافہ کیا جائے گا —(۷ : ۱۴)

(۵) خدا و رسول کی طرف سے اعلان کہ مشرکین، کعبہ سے دور رہیں گے —(۳ : ۹)

(۶) قانونِ خداوندی کے مطابق، قلیل التعداد جماعتیں، کثیر جماعتوں پر غلبہ حاصل کر سکتی ہیں—(۲۴۹ : ۲)

(۶۶ : ۸)

(۷) حضرت طالوت کے لشکر نے قوانینِ خداوندی کے مطابق جالوت کو شکست دی ـــــ (۲ : ۲۵۰)

(۸) حضرت عیسیٰؑ نے وحی کی تعلیم کے مطابق (باذن اللہ) بنی اسرائیل کی مردہ قوم کو حیاتِ تازہ عطا کر دی۔

(۳ : ۴۸) ـــــ (۵ : ۱۱۰)

(۹) رسول کی اطاعت وحی کی تعلیم کی رو سے کی جاتی ہے ـــــ (۴ : ۶۴)

(۱۰) رسول اللہ وحی کی تعلیم کے مطابق لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتے تھے ـــــ (۱۴ : ۵) ـــ

(۱۴ : ۱) ـــــ (۳۳ : ۴۶)

(۱۱) جنت، وحی کی تعلیم کے مطابق مل سکتی ہے ـــــ (۱۴ : ۲۳)

(۱۲) وحی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے تعینِ مدارج ـــــ (۳۵ : ۳۲)

(۱۳) ہدایت وحی کی تعلیم کی رو سے ملتی ہے ـــ (۲ : ۲۱۳)

(۱۴) خدا، جنت کی طرف راہ نمائی وحی کی رو سے کرتا ہے ـــــ (۲ : ۲۲۱)

قوانینِ فطرت

(۱) آسمان اور زمین خدا کی بات پر کان دھریں گے ـــــ (۸۴ : ۲ ، ۵)

(۲) ان میں سے کوئی بھی بدوں قانونِ خداوندی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ـــــ (۲ : ۱۰۲) ـــ (۵۸ : ۱۰)

(۳) موت، خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق آتی ہے ـــــ (۳ : ۱۴۴)

(۴) زمین کی پیداوار اور بارش باذنِ خداوندی ہوتی ہے۔ یعنی قانونِ فطرت کے مطابق ـــــ (۷ : ۵۷-۵۸)

(۵) وحشی قبائل، قوانینِ فطرت کے مطابق، حضرت سلیمانؑ کے کام کرتے تھے ـــــ (۳۴ : ۱۲)

(۶) ہر واقعہ قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ـــ (۶۴ : ۱۱)

(۷) اجرامِ فلکی قانونِ خداوندی کے مطابق فضا میں معلق ہیں ـــ (۲۲ : ۶۵)

مشیتِ خداوندی یا امر اللہ کے معنوں میں

(۱) وحی باذن اللہ نازل ہوتی تھی ـــــ (۲ : ۹۷) ـــ (۱۳ : ۳۸) ـــ (۱۴ : ۱۱) ـــ (۴۰ : ۷۸) ـــ

(۴۲ : ۵۱) ـــ (۹۷ : ۴)

متفرقات

(۱) مناسک ہر قوم کے لئے الگ الگ تھے۔ انہیں امر (اصلِ دین) کے متعلق جھگڑنا نہیں چاہئیے ——
(۲۲ : ۶۷)——(۱۸ ; ۱۷ : ۴۵)

(۲) امر بمعنی عام معاملات ——(۳۶ : ۳۳)——(۴۴ : ۴۰)——(۲۱ : ۷۴)

(۳) ہر امر (یعنی معاملہ) میں سلامتی ہی سلامتی تھی ——(۴ : ۹۷)

(۴) معاف کر دینا اور استقامت دکھانا مِنْ عزم الامور ہے ——(۴۳ : ۴۲)
نزولِ قرآن کی شب (جب نزول کا آغاز ہوا) ہر معاملہ حکمت کے ساتھ نکھر کر الگ الگ ہو گیا یعنی قرآن کی رُو سے ایسا ہو گیا ——(۴ : ۴۴)——(۵ : ۹۷)

(۵) المقسّمٰت الامر ——(۴ : ۵۱)۔ ملائکہ خدا کے اَمر سے نازل ہوتے ہیں ——(۶۴ : ۱۹)——(۵ : ۴۴)

(۶) امر بمعنی قانون بذریعہ وحی ——(۵ : ۶۵)——(۴۴ : ۲۸)

(۷) وحی کا تعلق عالمِ امر سے ہے ——(۸۵ : ۱۷)——(۱۵ : ۴۰)——(۵۲ : ۴۲)——(۵ : ۴۴)——(۱۸ ; ۱۷ : ۴۵)

(۸) حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی بشارت دی تو اسے اَمرُ اللہ کہا گیا ——(۷۳ : ۱۱)

——— (۰) ———

۴۷۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

(اَمر کا عنوان الگ بھی لکھا گیا ہے)

امر (مادہ ۔ ا ۔ م ۔ ر)۔ اس کے بنیادی معنی علامت ۔ نشانی ۔ راہ نمائی کے ہیں۔ مشورہ کرنے کے معنوں میں بھی یہ مادہ استعمال ہوتا ہے ۔ عام معنی اس کے حکم کرنے کے ہیں ۔

معروف (مادہ ۔ ع ۔ ر ۔ ف) کسی چیز کی بُو پا لینا۔ کسی چیز کی علامات و آثار سے اس کا ادراک کر لینا ۔ عام طور پر اس کے معنی جانی پہچانی چیز کے ہیں ۔

نہی (مادہ ۔ ن ۔ ہ ۔ ی) روکنا ۔ منع کرنا ۔ باز رکھنا ۔ (آمر کی ضد ہے)

منکر (مادہ ۔ ن۔ ک ۔ ر) ۔عقل کی فریب کاری ۔چالاکی ۔فریب دہی ۔ ہر ایسی بات جو خوش آئند نہ ہو ۔جو چیز پہچانی نہ جائے ۔ (معروف کی ضد ہے)

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر" قرآن کریم کی خاص اصطلاح ہے اور جماعتِ مومنین (اسلامی مملکت) کا بنیادی فریضہ بلکہ ان کی ہستی کا جواز ۔معروف کے معنی ہیں وہ کام یا باتیں جنہیں قرآنی معاشرہ صحیح اور پسندیدہ قرار دیدے ۔ جنہیں وہ (RECOGNISE) کرے ۔یا زمانون کی زبان میں جنہیں وہ VALID قرار دے) ظاہر ہے کہ یہ وہی امور ہو سکتے ہیں جن کا حکم یا اجازت قرآن سے ملتی ہو ۔ اس کے مقابلے میں منکر وہ امور ہوں گے جنہیں وہ معاشرہ (RECOGNISE) نہ کرے ۔ (VALID قرار نہ دے) ۔یعنی قرآن کریم جن سے روکتا ہو ۔اسلامی مملکت اور جماعتِ مومنین کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان امور کے کرنے کا حکم دے اور تاکید کرے جنہیں قرآنِ کریم صحیح تسلیم کرتا ہے اور ان سے روکے جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے ۔ (امر اور نہی کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ فریضہ وعظ و تبلیغ تک محدود نہیں ۔ یہ فرائضِ حکومت میں داخل ہے جس کے لئے قوانین کی ضرورت ہو گی ۔ ویسے "معروف" میں وہ قواعد و ضوابط اور رسوم و رواج بھی آ جائیں گے جو قرآن کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں روا رکھے جائیں ۔اس کے لئے عرف کا لفظ بھی آتا ہے ۔یعنی یہ نہیں کہ کسی قوم یا ملک کا ہر رواج، قرآنی معروف میں از خود شامل سمجھا جائے گا ۔ ان رسوم و رواج میں سے صرف وہی معروف سمجھے جائیں گے جنہیں اسلامی معاشرہ قرآن کریم کی روشنی میں جانچ پرکھ کر صحیح اور جائز قرار دے دے ۔

امتِ مسلمہ کا فریضہ

(۱) تم بہترین امت ہو جو نوعِ انسان کی بہبود کے لئے وجود میں لائی گئی ہے ۔ لہٰذا تمہارا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے ___ (۳ : ۱۰۹) ___ (۹ : ۱۱۲)

(۲) اسی کو (۳ : ۱۰۳) میں دہرایا گیا ہے ۔ عام طور پر اس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو یہ فریضہ سر انجام دے ۔ یہ غلط ہے ۔قرآن نے (۳ : ۱۰۹) میں نیز دیگر مقامات پر یہ فریضہ پوری امت کا قرار دیا ہے نہ کہ امت میں سے ایک جماعت کا ۔ آیت (۳ : ۱۰۳) میں "منکم" ۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق ۔۔ تبئین (وضاحت) کے لئے آیا ہے ۔ تبعیض کے لئے نہیں ۔

(۳) اہل کتاب میں سے بھی بعض لوگ ایمان لا کر اسی جماعت (امتِ مسلمہ) میں داخل ہو جاتے ہیں جس کا فریضہ

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے ـــــ (۱۱۳ : ۳)

(۴) امر بالمعروف کے لئے خفیہ مشورے کرنے بھی جائز ہیں ـــــ (۱۱۴ : ۴)

(۵) لوگوں کے اعمال کی ذمہ داری جماعتِ مومنین پر نہیں۔ لیکن یہ ان کا فریضہ ہے کہ انہیں صحیح بات کی نصیحت کرتے رہیں ـــــ (۶۹ : ۶)

(۶) حق اور انصاف کے ساتھ ہدایت کرنے والی جماعت ـــــ (۱۸۱ : ۷)

(۷) جماعتِ مومنین کے مرد اور عورتیں، دونوں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔ (للہذا، اسلامی معاشرہ میں، امورِ مملکت میں عورتیں بھی شریک ہوسکتی ہیں) ـــــ (۱۱۲ ; ۷۱ : ۹)

اہلِ کتاب کی حالت

(۱) ان کے علماء و مشائخ انہیں برائیوں سے نہیں روکتے تھے ـــــ (۶۳ : ۵)

(۲) یہ لوگ دوسروں کو اچھے کاموں کی تاکید کرتے تھے۔ لیکن اپنے آپ کو بھلاتے ہوئے تھے ـــــ (۴۴ : ۲)

(۳) یہ ان لوگوں کے قتل کے درپے ہوجاتے تھے جو انہیں انصاف کے لئے کہتے تھے ـــــ (۲۰ : ۳)

(۴) جو لوگ دوسروں کو برائیوں سے روکتے تھے انہیں بچا لیا گیا ـــــ (۱۶۵ : ۷) ـــــ (۱۱۶ : ۱۱)

(۵) بنی اسرائیل منکر سے لوگوں کو نہیں روکتے تھے۔ اس لئے ان کے انبیاء نے ان پر لعنت کی ـــــ (۷۹ : ۵)

رسول اللہ کا فریضہ

(۱) رسول اللہ کو حکم کہ لوگوں کو صحیح بات کی نصیحت کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اس لئے تباہ نہ ہوجائے کہ اس تک صحیح بات نہیں پہنچی تھی اس لئے وہ غلط کام کرتا رہا ـــــ (۷۰ : ۶)

(۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر حضورؐ کا فریضہ تھا ـــــ (۱۵۷ : ۷)

(۳) رسول اللہ کو حکم کہ لوگوں کو عُرف کے مطابق حکم دیتے رہو۔ (عرف یہاں معروف ہی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے) ـــــ (۱۹۹ : ۷)

خدا کا حکم

(۱) خدا، فحشاء و منکر سے روکتا ہے ـــــ (۹۰ : ۱۶)

صلوٰۃ یہی کچھ کرتی ہے ___ (۲۹ : ۴۵). (یعنی خدا کا یہ حکم بذریعہ صلوٰۃ پورا ہوتا ہے. صلوٰۃ اس نظام کا نام ہے جسے امتِ مسلمہ قرآن کے مطابق قائم کرتی ہے)

شیطان

شیطان فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے ___ (۲۴ : ۲۱)

منافقین کی حالت

منافقین لوگوں کو معروف سے روکتے ہیں اور منکر کا حکم دیتے ہیں ___ (۹ : ۶۷)

اسلامی مملکت کا فریضہ

(۱) اگر انہیں تمکن حاصل ہو گیا تو یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں گے ___ (۲۲ : ۴۱)

(۲) جو خیر (نیک باتوں) سے روکے اس کی اطاعت مت کرو ___ (۶۸ : ۱۲)

متفرقات

(۱) حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو تاکید کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا رہے ___ (۳۱ : ۱۷)

(۲) اس سے کون اچھا ہے جو خدا کی طرف دعوت دے اعمالِ صالحہ کرے اور اپنے آپ کو مسلم کہے ___ (۴۱ : ۳۳)

معروف بمعنی قاعدہ و قانون

(۱) اطاعت اور ایسی باتیں کرنا جنہیں اسلامی نظام پسندیدہ قرار دے۔ یہ ہے صحیح روش ___ (۴۷ : ۲۱)

(۲) طلاق کے احکام کے ضمن میں فرمایا کہ اسلامی نظام کے مقرر کردہ قاعدے قانون کے مطابق عمل کرو ___

(۲ : ۲۲۹ ؛ ۲۳۱ ؛ ۲۳۲ ؛ ۲۳۳ ؛ ۲۳۴ ؛ ۲۳۵ ؛ ۲۳۶ ؛ ۲۴۰ — ۲۴۱) ___ (۶۵ : ۲) ___ (۶۵ : ۶)

(۳) قصاص کے متعلق قانون کے ضمن میں اتباع بالمعروف کا حکم ___ (۲ : ۱۷۸)

(۴) وصیت کے ضمن میں حکم کہ معروف کے مطابق وصیت کرنا فرض ہے ___ (۲ : ۱۸۰)

(۵) بیوی کے حقوق اور ذمہ داریاں، خاوند کے حقوق اور ذمہ داریوں کے مطابق ہیں ۔ معروف کی رو سے ۔

(۲ : ۲۲۸)

(۶) یتیموں کے سرپرست اگر ضرورت مند ہوں تو معروف کے مطابق معاوضہ لے لیں ـــــ (۴ : ۶)

(۷) عورتوں سے معروف کے مطابق حسن سلوک سے پیش آؤ ـــــ (۴ : ۱۹)

(۸) عورتوں کا مہر معروف کے مطابق ادا کردو ـــــ (۴ : ۲۵)

(۹) دوستوں سے معروف کے مطابق اچھا سلوک کرو ـــــ (۶ : ۳۳)

معروف بمعنی شریفانہ

(۱) کسی کی مدد کر کے اسے تنگ کرتے رہنا، اس سے تو یہ بہتر ہے کہ اسے شریفانہ انداز سے جواب دے دیا جائے ۔

(۲ : ۲۶۳) ـــــ (۴ : ۸)

(۲) رسول اللہ کی ازدواج مطہرات کو حکم کہ اجنبیوں سے، قاعدہ قانون کے مطابق، نہایت شریفانہ انداز سے بات کر دے تاکہ اگر کسی کے دل میں روگ ہے تو اسے غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے ـــــ (۳۳ : ۳۲)

اطاعت معروف میں

(۱) رسول اللہ جو بیعت لیتے تھے اس میں یہ بات بھی تھی کہ اطاعت معروف میں ہو گی یعنی مملکت کے قوانین و ضوابط کی رو سے ـــــ (۶۰ : ۱۲) نجی معاملات میں اطاعت نہیں تھی (جیسے حضرت زید کا واقعہ) ـــــ (۳۳ : ۳۷)

منکر کے معنی ناپسندیدگی

(۱) جب کفار قرآن سنتے ہیں تو ان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نظر آجاتے ہیں ـــــ (۲۲ : ۷۲)

(۲) حضرت لوطؑ کی اپنی قوم کو تنبیہ کہ تم اپنی مجلسوں میں بڑی ناپسندیدہ باتیں کرتے ہو ـــــ (۲۹ : ۲۹)

(۳) جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں وغیرہ کہہ دیتے ہیں وہ بڑی ہی ناپسندیدہ بات کرتے ہیں ـــــ (۵۸ : ۲)

(۴) ایک نفس ذکیہ کا قتل (حضرت موسٰیؑ کے خیال میں) ناپسندیدہ فعل تھا ـــــ (۱۸ : ۷۴)

(۵) آوازوں میں سب سے زیادہ ناخوش آیند آواز گدھے کی ہوتی ہے ـــــ (۳۱ : ۱۹)

منکر بمعنی فریب خوردہ

(۱) آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے دل فریب خوردہ ہیں یا وہ فریب کار ہیں ۔۔۔(۲۲ : ۱۶)

منکر بمعنی اجنبی

حضرت لوطؑ نے اپنے مہمانوں سے کہا کہ وہ اجنبی ہیں ۔(۶۲ : ۱۵)۔(۲۵ : ۵۱) منکر کے معنی جو پہچان نہ سکے (۵۸ : ۱۲)

منکر بمعنی انکار کرنیوالا

(۱) پیغامِ خداوندی سے انکار کرنیوالے ۔۔(۵۰ : ۲۱)۔ (۲) رسول سے انکار کرنے والے ۔۔(۶۹ : ۲۳)

(۳) آیات اللہ سے انکار کرنیوالے ۔۔(۸۱ : ۴۰)۔ (۴) نعمائے خداوندی کو پہچانتے ہیں پھر ان سے انکار کرتے ہیں ۔(۸۳ : ۱۶)

(۵) آخرت پر ایمان نہ لانیوالوں کے قلوب منکر ہیں ۔۔۔(۲۲ : ۱۶)

―――― (۰) ――――

۷۵۔ اُمّ (ماں)

اُمّ (ا۔م۔م)۔ اس لفظ کے اولین معنی ماں کے ہیں۔ اس کے بعد یہ ہر شے کی اصل کے لئے بولا جاتا ہے۔

جمع اُمہات (مائیں)

اُمّ بمعنی اصل۔ سرچشمہ

خدا نے کائنات میں قوانین فطرت نافذ کئے ہیں اور انسانی ہدایت کے لئے قوانین بذریعہ وحی عطا کئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان قوانین کا سرچشمہ کیا ہے؟ یہ کیسے بنائے گئے؟ ان کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ ان کی اصل و بنیاد، علمِ خداوندی، مشیتِ ایزدی ہے یعنی انہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے علم و اختیار کی بنا پر بنایا ہے۔ اس میں کسی کا دخل نہیں۔ اسی لئے یہ ابدی بھی ہیں اور غیر متبدل بھی۔

(۱) اسی لئے کہا گیا ہے کہ اُم الکتاب (قانون کا سرچشمہ) خدا کے پاس ہے ـــ (۱۳ : ۳۹)ـــ (۴۳ : ۴)

(۲) قرآن کریم کی محکم آیات ام الکتاب ہیں ـــ (۳ : ۶)

نوٹ :۔ اُم بمعنی ماں کے دیگر مقامات متعلقہ عنوانات میں آئیں گے۔ مثلاً اُم ہونے عنوان ہوئے ہیں وغیرہ۔

اُمّ القُریٰ

(۱) مرکزی شہر مکہ کو کہتے تھے جہاں کے رہنے والے نبی اکرمؐ کے اولین مخاطب تھے ـــ (۶ : ۹۳)ـــ (۴۲ : ۷)

(۲) ملک کا دارالخلافہ یا مرکزی شہر جس میں رسول بھیجا جاتا تھا ـــ (۵۹ : ۲۸)

رشتے ناطے

(۱) ماں سے نکاح حرام ہے ـــ (۲۳ : ۴)

(۲) سوتیلی ماں سے بھی ـــ یعنی جس عورت سے باپ نے نکاح کیا ہو ـــ (۲۲ : ۴)

(۳) جس عورت کا دودھ پیا ہو اس سے بھی ـــ (۲۴ : ۴)۔ (۴) بیوی کی ماں سے بھی ـــ (۲۳ : ۴)

(۵) نبی کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں ـــ (۶ : ۳۳)۔ ان سے بھی نکاح حرام تھا ـــ (۵۳ : ۳۳)

(۶) بیوی کو غصے (کی جہالت) میں ماں کہہ دینے سے وہ سچ مچ کی ماں نہیں بن جاتی۔ یہ بیہودہ سی لغویات ہوتی ہیں جو غصے میں منہ سے نکل جاتی ہیں ـــ (۴ : ۳۳)۔ اس کا کفارہ۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا۔ یا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے ـــ (۴-۲ : ۵۸)

(۷) جنین کی پرورش رحمِ مادر میں ہوتی ہے ـــ (۶ : ۳۹)ـــ (۳۲ : ۵۳)

(۸) حمل اور رضاعت (دودھ پلانے) کی مدت بالعموم اڑھائی سال تک کی ہو جاتی ہے ـــ (۱۵ : ۴۶) ویسے دودھ چھڑانے کی مدت عام طور پر دو سال کی ہوتی ہے ـــ (۱۴ : ۳۱)۔ اگر کوئی قانونی سوال سامنے آجائے تو رضاعت کی مدت دو سال ہی شمار کی جائے گی ـــ (۲ : ۲۳۳)

وراثت

(۱) اگر متوفی کی اولاد ہو، تو اس کے ترکہ میں سے ماں اور باپ کا حصہ ۱/۶ ہے۔ یعنی ماں کا بھی ۱/۶ اور

باپ کا بھی ۱/۶۔ اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کا حصہ ۱/۳ ہوگا۔ اور اگر اس کے بھائی ہوں تو ماں کا حصہ ۱/۶ ہوگا۔ یہ تقسیم، متوفی کا قرضہ ادا کر دینے اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد (اگر کچھ بچ رہے تو اس میں سے) ہوگی ــــ (۴ : ۱۱)

(تفصیل کے لیے عنوان وراثت دیکھیے)

ــــــــ (۰) ــــــــ

۶۔ اُمّت

(نیز دیکھیے۔ قوم)

اُمّت (ا۔م۔م)۔ قرآن کریم میں جماعت مومنین کے لیے **قوم** کا لفظ نہیں آیا بلکہ اُمّت کا لفظ آیا ہے۔ اُمّت کے معنی مسلک، مشرب، طریق زندگی، نظریۂ حیات کے ہیں۔ لہٰذا قوم تو کسی ایک مقام کے رہنے والوں یا ایک قبیلہ یا نسل کے افراد پر مشتمل ہوگی اور امت ہم مشرب افراد سے ترتیب پاتی ہے گی یعنی اسلام میں امت کی تشکیل آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہوگی۔ نظریۂ قومیت کا یہ بنیادی فرق ہے۔ جو جماعت مومنین (مسلمانوں) کو دیگر اقوام عالم سے متمیز کرتا ہے۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معانی ہیں۔ ویسے مجازی اور عرفی طور پر اسے عام گروہ، جماعت یا قوم کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔

ــــــــ (۰) ــــــــ

امّت بمعنی مسلک

(۱) اسلاف کی اندھی تقلید کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک اُمّۃ (طریق زندگی، مسلک، مشرب) پر چلتے دیکھا اور ہم بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے جا رہے ہیں ــــ (۲۲-۲۳ : ۴۳)

(۲) حضرات انبیاء کرام کے تذکرہ کے بعد کہا کہ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ــــ (۹۲ : ۲۱)۔ یہ تمہاری اُمّت (امتِ) واحدہ تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام مختلف ممالک میں پیدا ہوئے مختلف قوموں اور نسلوں سے ان کا تعلق تھا۔ ان کے زمانے بھی مختلف تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ امت واحدہ کے افراد تھے۔ اس لیے کہ ان کا مسلک و مشرب ایک تھا۔ ان کی آئیڈیالوجی مشترک تھی (نیز ۲۳:۵۲)

(۳) اگر خدا کا پروگرام ایسا ہوتا تو تمام انسان پیدا ہی ایسے کئے جاتے کہ وہ ایک ہی مسلک کے پیرو ہوتے جس طرح کائنات کی ہر شئے اور حیوانات کی ہر نوع، پیدائشی طور پر ایک ہی روش پر چلتی ہے لیکن خدا کی مشیت یہ بھی کہ انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا جائے۔ اس لئے انسان مختلف راستوں پر چلتے ہیں ــــــ

(۵ : ۴۸)ــــ(۱۱ : ۱۱۸)ــــ(۱۶ : ۹۳)ــــ(۴۲ : ۸)ــــ(۴۳ : ۳۳)

(۴) ابتداءً انسان ایک ہی مسلک پر چلتے تھے۔ پھر انہوں نے باہمی اختلافات شروع کر دیئے ــ(۱۰ : ۱۹)۔ تو ان کے اختلافات مٹانے کے لئے خدا نے انبیاء کرام کو بھیجا ــــ(۲ : ۲۱۳)۔ اب جو لوگ ہدایت خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ وہ پھر امتِ واحدہ بن جائیں گے۔ جو اس ہدایت کی مخالفت کریں گے وہ دوسری امت (گروہ) کے افراد ہوں گے مشیت کا پروگرام یہی ہے کہ آئیڈیالوجی کی وحدت کی بنا پر انسانوں کی ایک عالمگیر برادری (امتِ واحدہ) بن جائے ــــ(۴۳ : ۳۳)

(۵) جہنم میں جانے والی ہم مشرب جماعتوں کے لئے بھی امۃ کا لفظ آیا ہے ــــ(۷ : ۳۸)

(۶) قومِ موسےٰ میں ایک امت (جماعت) ایسی بھی جو حق کی طرف دعوت دیتی تھی ــــ(۷ : ۱۵۹)۔ یہاں قوم اور اُمت کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

امت بمعنی جماعت۔ گروہ۔ ہم مشرب افراد کی اجتماعی شکل وغیرہ

(۱) حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیرے قوانین کے سامنے جھکی ہوئی ہو۔(۲ : ۱۲۸)

(۲) اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں (امت) جو آیات اللہ کا اتباع کرتے ہیں (یعنی جو لوگ ایمان لے آتے ہیں)۔

(۳ : ۱۱۳)ــــ(۵ : ۶۶)ــــ(۷ : ۱۵۹ ؛ ۱۶۴)

(۳) جب ہر امت سے ایک شہید (نگران) بلایا جائے گا ــــ(۴ : ۴۱)ــــ(۱۶ : ۸۴)ــــ(۲۸ : ۷۵)

(۴) اس طرح ہر امت اپنے مسلک کو حق بجانب سمجھتی ہے ــــ(۶ : ۱۰۹)

(۵) جہنم میں داخل ہونے والا گروہ (امت) اپنے ہم مشرب گروہ پر لعنت بھیجے گا ــــ(۷ : ۳۸)

ہر امت (گروہ) گھٹنوں کے بل گری ہوئی ــــ(۴۵ : ۲۸)

(۶) مخلوق میں سے ایک امت (گروہ) جو حق کے ساتھ عدل کرتی ہے ــــ(۷ : ۱۸۱)

(۷) ہر امت کی طرف رسول آتا تھا ــــ(۶ : ۴۲)ــــ(۱۰ : ۴۷)ــــ(۱۶ : ۳۶ ؛ ۶۳)ــــ(۲۳ : ۴۴)ــــ(۳۵ : ۲۴)

(۵ : ۴۰)

اُمم نے ان کی تکذیب کی ——— (۱۸ : ۲۹)——(۴۲ : ۳۵)

(۸) رسول اللہ ایک ایسی امت کی طرف رسول جس سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی تھیں ——— (۳۰ : ۱۳)

(۹) ہر امت کے لئے مناسک تھے ——— (۲۲ : ۳۴)——(۲۲ : ۶۷)

(۱۰) ہر امت میں سے ایک گروہ (فوج) جو تکذیبِ آیات کرتی تھی ——— (۸۳ : ۲۷)

(۱۱) مدین کے پیاؤ پر امۃ من الناس ——— (۲۳ : ۲۸)

(۱۲) ہر امت کو اس کے اعمالنامہ کے ساتھ بلایا جائے گا ——— (۲۵ : ۴۱)——(۲۸ : ۴۵)——(۱۸ : ۴۶)

(۱۳) تمام دآبہ اور پرندے تمہارے ہی جیسی اُمم ہیں ——— (۳۸ : ۶)

(۱۴) حضرت نوحؑ کی کشتی میں سوار ہونے والوں کو اُمم کہا گیا ——— (۴۸ : ۱۱)

(۱۵) بنی اسرائیل اُمم میں تقسیم ہو گئے ——— (۱۶۰ : ۷)——(۱۶۸ : ۷)

امتِ مسلمہ

(۱) آئیڈیالوجی کی وحدت سے وہ امت وجود میں آئی جو قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہے۔ (۲:۱۲۸)

(۲) جماعتِ مومنین کو اُمّۃ وسطٰے (بین الاقوامی امت۔ مرکزی حیثیت رکھنے والی جماعت) بنایا ہے تاکہ یہ تمام اقوامِ عالم کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔ اور ان کے اعمال کی نگرانی ان کا مرکز کرے ——— (۲:۱۴۳)

(۳) تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے ——— (۳:۱۰۹)

(۴) آیت (۳ : ۱۰۳) میں ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ..... (۳ : ۱۰۳) اس کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ "تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے" اور اس ترجمہ سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی پیشواؤں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ترجمہ اور مفہوم بالبداہت غلط ہے۔ اس لئے کہ (۳ : ۱۰۹) میں تمام مومنین سے کہا گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمہارا سب کا فریضہ ہے۔ (نیز ۲۲ : ۴۱)۔ لہٰذا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ (۳ : ۱۰۳) میں اس فریضہ کو پوری امت کا نہیں بلکہ امت میں سے ایک گروہ کا فریضہ بتایا گیا ہے تو اس سے قرآن کریم میں تضاد ماننا پڑے گا۔ اور یہ چیز قرآن پر ایمان کے منافی ہے۔ قرآن کی رو سے

امتِ مسلمہ ایک نظام قائم کرتی ہے جس کا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ فریضہ پوری جماعت کی طرف سے ادا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ ان میں مذہبی پیشواؤں کا گروہ تو یہ فریضہ ادا کرتا ہے اور باقی امت دنیاوی دھندوں میں مصروف رہتی ہے۔ یہ عیسائیت کے کلیسا (CHURCH) کا تصور ہے، اسلام کا نہیں۔

آیت (۳ : ۱۰۴) میں منکم سے مراد "تم میں سے" نہیں۔ اس میں (عربی قاعدہ کی رُو سے) مِنْ تبیین (یعنی وضاحت) کے لئے آیا ہے۔ اور اس کی قرآن کریم میں کئی مثالیں موجود ہیں۔ اس سے مراد "کُل کا کُل" ہوتا ہے۔

(۵) حضرت ابراہیمؑ امۃ قانتا للہ تھے (۱۶ : ۱۲۰) یہاں عام طور پر اُمۃ کے معنی امام کے لئے جاتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ ایک فرد تھے لیکن ان کی شخصیت ایسی جامع الصفات تھی کہ وہ ایک فرد نہیں بلکہ یوں سمجھو کہ پوری کی پوری امت تھی جو احکامِ خداوندی کی اطاعت گزار تھی۔

امم سابقہ سے ہمارا تعلق

یہ جماعتیں اپنے وقت میں ہو گذری ہیں۔ اُن کے اعمال اُن کے ساتھ تھے، تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا تھا — (۲ : ۱۳۴، ۱۴۱)

یہ عظیم اصول ہے جو اس وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ہماری ساری عمر ان بحثوں میں گزر جاتی ہے کہ فلاں کیسا تھا اور فلاں کیسا۔ خدا کہتا ہے کہ ہم تم سے یہ کچھ پوچھیں گے ہی نہیں۔ وہ جیسے بھی تھے تم پر ان کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ اور تم سے انہی کی بابت پوچھا جائے گا۔ یہ ہے امم سابقہ اور افرادِ گذشتہ سے ہمارا تعلق۔ البتہ جن کے متعلق قرآن کریم نے خود بصراحت بتا دیا ہے کہ وہ ایسے تھے اور ایسے۔ ان کے متعلق اسی قسم کا عقیدہ رکھنا قرآن پر ایمان کا تقاضا ہے۔

اُمّت بمعنی قوم

(۱) ہر امت (قوم) کے عروج و زوال کے لئے ایک میعاد ہوتی ہے جو اس قوم کے اعمال کے مطابق متعین ہوتی ہے — (۷ : ۳۴) — (۱۰ : ۴۹)۔ یہ مدت خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق متعین ہوتی ہے — (۱۳ : ۳۸)۔ اس میں تاخیر و تقدیم نہیں ہو سکتی — (۱۵ : ۵) — (۲۳ : ۴۳)

(۲) ہر اُمت (قوم) کی طرف رسول بھیجا ــــ (۳۶ : ۱۶) ــــ (۲۴ : ۳۵)

(۳) دنیا میں ایک امت دوسری امت سے آگے بڑھنا چاہتی ہے ــــ (۹۳-۹۲ : ۱۶)

اُمت بمعنی مُدت

(۱) امت کے معنی مدت کے بھی آئے ہیں ــــ (۸ : ۱۱)

ــــ (۰) ــــ

امم سابقہ

(نیز دیکھئے۔ قوم۔ سیروا فی الارض۔ ہلاکت)

قرآنِ کریم کی ساری تعلیم کا محور، خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فرد ہو یا قوم، ان کا ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ تعمیری عمل کا نتیجہ تعمیری، تخریبی کا نتیجہ تخریبی ــــ وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کے ثبوت میں کبھی علمی دلائل پیش کرتا ہے، کبھی نظامِ فطرت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور کبھی تاریخی شواہد سے بتاتا ہے کہ فلاں قوم نے اس قسم کا نظام قائم کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ اور دوسری قوم نے اس قسم کی روش اختیار کی تو اس کا نتیجہ وہ نکلا۔ امم سابقہ کے احوال و کوائف جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں، ان سے یہی بتانا مقصود ہے۔ اور اس سے مطلب یہ کہ اگر تم بھی ویسے کام کرو گے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو انسانی تاریخ ایک سائنس یا فلسفہ بن کر سامنے آجاتی ہے یعنی قوموں کا عروج و زوال اور ان کی موت و حیات، یونہی ہنگامی حادثات کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ سب کچھ مکافاتِ عمل کے غیر متبدل قانون کی رو سے ہوتا ہے ــــ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اب بھی ایسا ہی ہوگا، اور اس کے بعد بھی ایسا ہی۔

ــــ (۰) ــــ

قوموں کی موت و حیات کا اٹل قانون

(۱) جب تک کوئی قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہیں پیدا کرتی، جب تک اس کے قلب و نگاہ میں تغیر نہیں ہوتا

اس کی خارجی زندگی میں تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی ــــ (۸ : ۵۳) ــــ (۱۳ : ۱۱)

(۲) خدا کسی قوم پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ قومیں خود اپنے آپ پر ظلم اور زیادتی کرتی ہیں ــــ (۲ : ۵۷) ــــ (۳ : ۱۱۶) ــــ (۴ : ۱۴۷) ــــ (۶ : ۱۳۲) ــــ (۷ : ۱۶۰) ــــ (۸ : ۴۲) ــــ (۹ : ۷۰) ــــ (۱۰ : ۴۴) ــــ (۱۱ : ۱۰۱) ــــ (۱۱۸؛ ۱۶ : ۳۳) ــــ (۲۶ : ۲۰۹) ــــ (۲۸ : ۵۹) ــــ (۲۹ : ۴۰) ــــ (۳۰ : ۹) ــــ (۳۴ : ۱۵ ــ ۲۱) ــــ (۴۰ : ۳۱)

خدا کسی کو بلا وجہ ذلیل نہیں کرتا۔ انسان اپنے اعمال کی وجہ سے ذلیل ہوتا ہے ــــ (۱۷ : ۲۰ ــ ۸۹)

(۳) یہ ہو نہیں سکتا کہ قوم مصلحین کی ہو اور خدا اسے یونہی دھاندلی سے تباہ کر دے ــــ (۱۱ : ۱۱۸)

(۴) قوموں کا محو و ثبات (مٹ جانا اور باقی رہنا) خدا کے اٹل قانون کے مطابق ہوتا ہے ــــ (۱۳ : ۳۹)

(۵) پہلے تنبیہہ کرنے والا بھیجا جاتا ہے پھر تباہی آتی ہے ــــ (۲۶ : ۲۰۸)۔ یہ تنبیہہ کرنے والا قوم کے دارالسلطنت (مرکزی مقام) میں آتا ہے ــــ (۶ : ۱۳۲) ــــ (۱۰ : ۴۷) ــــ (۲۸ : ۵۹) ــــ (۲۴ : ۲۵) ــــ (۳۷ : ۷۲)

(۶) قوموں کے عروج و زوال سے متعلق .... قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ــــ (۱۷ : ۷۷) ــــ (۳۳ : ۶۲) (۳۵ : ۴۳) ــــ (۴۰ : ۸۵)

(۷) ناہمواریاں پیدا کرنے والے نظام کا تباہ کن عمل، خود اس نظام کے حاملین کے خلاف جاتا ہے ــ (۳۵ : ۴۳)

(۸) قوموں کی تباہی کے لئے آسمان سے لشکر نہیں اترا کرتے ــ (۳۶ : ۲۸)۔ یہ قوموں کے باہمی تصادم، یا ایک قوم کے اندر مختلف پارٹیوں کے تزاحم کی شکل میں آتی ہے ــ (۶ : ۶۵)۔ یا اور کوئی ظالم قوم اس قوم پر چڑھ دوڑتی ہے ــــ (۶ : ۱۳۰)

(۹) ظلم کا نتیجہ تباہی ہے اس میں کسی قوم کی تخصیص نہیں ــــ (۵۹ : ۵۱)

(۱۰) قومیں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر ویران کرتی ہیں ــــ (۵۹ : ۲)

(۱۱) قومیں اپنے کئے کی سزا بھگتتی ہیں۔ اور وقتی طور پر وہ کتنی ہی خوش حال کیوں نہ نظر آئیں، آخرالامر وہ نقصان اٹھاتی ہیں ــــ (۱۰ ــ ۸ : ۶۵)

(۱۲) وراثتِ ارضی مشروط ہے قوانینِ خداوندی کی تائید و نصرت سے بشرطیکہ وہ قوم مستقل مزاجی سے ان پر کاربند رہے ــــ (۷ : ۱۲۸)

(۱۳) حکومت و تمکن اس لئے ملتا ہے کہ دیکھا جائے کہ تم کیسے کام کرتے ہو ــــ (۷ : ۱۲۹) ــــ (۱۰ : ۱۴)

(۱۴) اگر صحیح راستے میں مسلسل جد و جہد نہ کرتے رہو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا — (۹ : ۳۸-۳۹)

(۱۵) وراثتِ ارضی کے لئے صلاحیت شرط ہے — (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

(۱۶) کمزور قوموں کو آزادی اور تمکن مل جانا خدا کی نعمت اور احسان ہے (اگرچہ اس کے لئے اس قوم کی کوشش ضروری ہے) — (۵ : ۲۸)

(۱۷) حق کے ساتھ فیصلے کئے جائیں اور اپنے جذبات کا اتباع نہ کیا جائے۔ اسے نظامِ خداوندی کہا جائیگا۔ (۳۸ : ۲۶)

(۱۸) تعداد کی کثرت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جو قوم موت سے ڈر کر بھاگ اٹھے وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ جب دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو جائے تو دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے — (۲ : ۲۴۳-۴۵)

(۱۹) آیت (۳ : ۲۵) کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ خدا جسے چاہے حکومت دے، جس سے چاہے چھین لے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حکومت کے ملنے اور چھننے کے لئے کوئی قانون نہیں، یہ محض خدا کی مرضی پر منحصر ہے۔ "مشیتِ خداوندی" کے معنی ہی خدا کا قانونِ مشیت ہے۔ اس کی تائید ان تمام آیات سے ہوتی ہے جن میں اس قانون کا ذکر ہے۔ مثلاً (۲ : ۲۴۷)۔ اس میں پہلے بتایا گیا ہے کہ طالوت کو اقتدار کے لئے کیوں منتخب کیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد کہا کہ یہ "خدا کی مشیت" ہے۔ نیز (۸ : ۵۳) — (۲۱ : ۱۰۵) — (۲۴ : ۵۵) — (۴۶ : ۱۹) — (۵۳ : ۳۹)

(۲۰) جو قوم "پیش پا افتادہ" طبیعی زندگی کے مفاد کے فریب میں آکر مستقل اقدار کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتی ہے اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے — (۶ : ۱۳۱-۱۳۴)۔ نظامِ حق و صداقت کی مخالفت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے — (۴۰ : ۷۰)

(۲۱) جب قوم میں اجتماعی مفادِ انسانیت کی جگہ انفرادی مفاد پرستی لے لے تو اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے۔ جو اس پہلی قوم جیسی نہیں ہوتی — (۲۱ : ۱۱) — (۴۷ : ۳۶-۳۸)۔ جہاد سے منہ موڑنے والے۔ (۹ : ۳۸-۳۹)

(۲۲) بقا اسی نظام کے لئے ہے جو تمام نوعِ انسان کی منفعت کو سامنے رکھے — (۱۳ : ۱۷)

(۲۳) نظامِ صلوٰۃ (یعنی وحی کی راہ نمائی میں قائم کردہ نظام) کو ضائع کر دینے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۱۹ : ۵۹)

(۲۴) مسائلِ حیات کو سنجیدگی سے نہ لینے والے اور بے کار، بے نتیجہ باتوں میں الجھے رہنے والے، تباہ ہو جاتے ہیں — (۷۰ : ۴۲)

(۲۵) آسمانی راہ نمائی کے اتباع سے قوم ہلاکت سے محفوظ رہ کر خوف و حزن سے مامون ہو جاتی ہے۔ (۲۰ : ۱۳۴-۳۵)
(۷ : ۱۶۹-۱۷۰)

(۲۶) پہلے اوپر کا طبقہ بگڑتا ہے ـــ (۲۴ : ۱۲۴) ـــ (۱۱ : ۱۱۶) ـــ (۲۹ - ۲۸ : ۱۴) لیکن نیچے کا طبقہ یہ عذر نہیں پیش کر سکتا کہ ان کے لیڈروں نے انہیں گمراہ کیا تھا ـــ جہنم میں عوام اور لیڈروں کے مکالمات ـــ (۶۷ : ۳۳) ـــ (۳۳ - ۳۱ : ۳۴) تابع اور متبوع قومیں ـــ (۳۸ : ۷)

(۲۷) جب تباہی آتی ہے تو وہ صرف ظالمین تک محدود نہیں رہتی سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے (۸ : ۲۵)

تباہ کن جرائم - اسبابِ ہلاکت

(۱) صحیح نظامِ خداوندی کی مخالفت مفاد پرست گروہ کی طرف سے ہوتی تھی۔ ان لوگوں کو قرآن کریم نے "الملاء" کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی وہ سردارانِ قوم جن کے ہاں دولت کی فراوانی تھی۔ یا "مترفین" کہہ کر یعنی ایسے آسودہ حال لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کریں۔ (۹۳ - ۶۰ : ۷) میں مختلف اقوام کی سرگزشت کے سلسلہ میں اس حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز ـــ (۱۱۶ : ۱۱) ـــ (۳۳ : ۲۳)

(۲) ان میں ایسے لوگ نہ رہے جو دوسروں کو ملک میں فساد کرنے سے روکتے ـــ (۱۱۶ : ۱۱)

(۳) ہلاکت کے معنی ایسی تباہی کے بھی ہیں جس کے بعد وہ قوم دوبارہ زندہ نہ ہو سکے ـــ (۹۵ : ۲۱)

(۴) سامانِ رزق کا غلط استعمال (ناسپاس گزاری) باعثِ ہلاکت ہوتی ہے ـــ (۱۷ - ۱۵ : ۳۴)

(۵) استکبار اور ناہمواریاں پیدا کرنیوالی تدابیر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں ـــ (۴۳ : ۳۵) ـــ (۳۱ : ۴۴)

(۶) حد سے گزر جانا۔ سامانِ زیست کو بے جا صرف کرنا، وجۂ ہلاکت ہے ـــ (۹ : ۳۶) ـــ (۳۱ : ۴۴)

(۷) تباہی کا بنیادی سبب ظلم ہوتا ہے ـــ (۴۷ : ۶) ـــ (۱۳ : ۱۰) ـــ (۱۱۶ : ۱۱) ـــ (۱۴ - ۱۱ : ۲۱) ـــ (۸۴ ; ۴۵ : ۲۲) ـــ (۴۱ : ۲۳) ـــ (۲۰۹ : ۲۶) ـــ (۵۹ : ۲۸) ـــ (۵۹ : ۵۱) ـــ (۵۳ : ۵۳)

(۸) فاسقین تباہ ہوتے ہیں ـــ (۱۰۲ : ۷) ـــ (۱۶ : ۱۷) ـــ (۵۴ : ۴۳)

(۹) مجرمین تباہ ہوتے ہیں ـــ (۱۳ : ۱۰) ـــ (۱۱۶ : ۱۱) ـــ (۳۷ : ۴۴)

(۱۰) مترفین تباہی کا موجب ہوتے ہیں ـــ (۱۱۶ : ۱۱) ـــ (۱۶ : ۱۷) ـــ (۱۳ : ۲۱) ـــ (۳۳ : ۲۳)

(۱۱) زندگی کو اسی دنیا کی زندگی سمجھنا اور مرنے کے بعد کی زندگی سے انکار کرنا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے ـــ (۳۸ - ۳۵ : ۲۳) (۴۰ : ۲۵)

(۱۲) جو بات کہی جائے اس پر غور نہ کیا جائے بلکہ کہنے والے کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا جائے۔ اس سے قوم کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور وہ تباہ ہو جاتی ہے ـــ (۳۹ - ۳۳ : ۲۳) ـــ (۴۷ : ۲۳) ـــ (۴۱ : ۲۵)

(۱۳) عقل و فکر سے کام نہ لینے سے تباہی آتی ہے ـــ (۴۴ : ۲۵)

(۱۴) دولت کو اپنے لیے جمع کرتے رہنا وجۂ تباہی ہوتا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری تباہ ہو کر رہتا ہے ـــ (۸۲ - ۷۶ : ۲۸) ـــ (۵۲ - ۴۹ : ۳۹)

(۱۵) جب جذبات عقل پر غالب آجائیں تو قوم علم و بصیرت کے باوجود تباہ ہو جاتی ہے ـــ (۳۸ : ۲۹)

(۱۶) اندھی تقلید تباہی کا باعث ہوتی ہے ـــ (۸ - ۷ : ۳۸)

(۱۷) باطل کی قوتوں کے سہارے صحیح نظام کی مخالفت کرنے سے تباہی آتی ہے ـــ (۶ - ۴ : ۴۰)

(۱۸) جب ان کے سامنے تاریخی شواہد پیش کیے جائیں تو وہ کہہ دیں کہ یہ محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ (۴۶:۱۷)

(۱۹) اقتدار بغیرِ حق باعثِ ہلاکت ہے خواہ علم و بصیرت کتنی ہی کیوں نہ ہو ـــ (۲۶ - ۲۱ : ۴۶)

(۲۰) غلط نظام والی قوم کا درحقیقت کوئی دوست اور سرپرست نہیں ہوتا ـــ (۱۱ : ۴۷)

(۲۱) حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے سے تباہی آتی ہے ـــ (۳ - ۲ : ۱۵) ـــ (۴۷:۱۲)

(۲۲) اپنے جذبات کا اتباع کرتے جانا اور ان پر مستقل اقدار کی پابندی عاید نہ کرنا باعثِ ہلاکت ہے۔ (۵۴:۳)

(۲۳) جس کھیتی میں مسکینوں کا حصہ نہ ہو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ اس مثال سے قرآن نے بات سمجھائی ہے (۲۸-۱۶:۶۸)

تکذیبِ آیات سے ہلاکت

تکذیبِ آیات سے مراد یہ ہے کہ خدا کے رسول نے اس قوم سے کہا کہ تم غلط روش اختیار کیے ہو۔ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ قوم اس کی اس بات کو مان لیتی یا کم از کم اس پر عقل و فکر سے غور کرتی اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔

(۱) قومِ فرعون نے قوانینِ خداوندی کی تکذیب کی اور تباہ ہو گئی ـــ (۱۰ : ۳)

(۲) ان قوانین کی تکذیب جنہیں علم و بصیرت سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی ـــ (۳۹ : ۱۰)

(۳) دیکھو کہ تکذیب کرنیوالوں کا حشر کیا ہوا ـــ (۳۶ : ۱۶)

(۴) اگر یہ (اے رسول) تیری تکذیب کرتے ہیں تو اقوامِ سابقہ نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا تھا۔ پھر

دیکھو ان کا انجام کیا ہوا —— (۲۲ : ۴۴-۴۵) —— (۳۵ : ۴۴) —— (۳۵ ، ۲۴-۲۵) . مکذبین کا انجام —— (۳ : ۱۳۷)

(۶ : ۱۱) —— (۱۶ : ۳۶) —— (۴۳ : ۲۵)

(۵) قومِ فرعون تکذیب کی وجہ سے تباہ ہوئی —— (۲۳ : ۴۷)۔ اس نے کہا کہ ہم اپنی محکوم قوم کے افراد کی بات کس طرح مان لیں —— (۲۳ : ۴۹) —— (۲۵ : ۳۶)

(۶) تکذیب ہی نہیں بلکہ استہزاء —— (۲۵ : ۴۱) —— (۴۳ : ۷)

(۷) تکذیبِ رُسل سے ہلاکت —— (۵۰ : ۱۴)

(۸) تمام قومیں یہی کچھ کرتی رہیں۔ ایسا نظر آتا ہے جیسے جانے والی قوم آنے والی کو وصیت کر جاتی تھی (۵۱ : ۵۲-۵۳)

قوت، دولت، سامانِ زیست کی فراوانی کے باوجود ہلاکت

(۱) اقوامِ سابقہ جنہیں ایسا تمکن عطا ہوا تھا جیسا تمہیں بھی حاصل نہیں، اپنی غلط روش کے نتیجہ میں تباہ ہو گئیں۔ (۶ : ۶)

(۲) قوموں پر پہلے ہلکی سی مصیبتیں آتی ہیں تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کر کے اپنی روش میں تبدیلی پیدا کریں لیکن وہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتیں اور اپنی غلط روش میں آگے بڑھتے چلی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ غلط اعمال اور ان کے تباہ کن نتائج کے درمیان ایک وقفہ ہوتا ہے جس طرح بیج بونے اور فصل کے پکنے میں ایک میعاد ہوتی ہے، اس لئے ان پر فوری تباہی نہیں آتی بلکہ انہیں رزق کی مزید فراوانیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس سے وہ اور بھی حدود فراموش ہو جاتیں، اور آخر الامر تباہ ہو جاتی ہیں۔ ان کی یہ تباہی ان کے مظالم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظالم کا تباہ ہو جانا اہلِ عالم کے لئے نجات کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی قوموں کی تباہی، دوسرے انسانوں کے لئے مقامِ سپاس گزاری ہوتی ہے —— (۶ : ۴۲-۴۵)

(۴) تباہی ظالم قوم کی ہوتی ہے —— (۶ : ۴۷)۔ فاسق قوم کی —— (۴۶ : ۳۵)

(۵) قوانینِ خداوندی کے اتباع سے بھی سامانِ زیست کی فراوانیاں حاصل ہوتی ہیں لیکن اس کا نتیجہ تباہی نہیں ہوتا، دنیا اور آخرت کی خوشگواریاں ہوتا ہے —— (۷ : ۹۶)

(۵) ان پر ایسے مقامات سے تباہی آئی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے —— (۱۶ : ۲۶) —— (۳۹ : ۲۵)

(۶) ان قوموں کی تباہی جو سامانِ زیست و آرائش میں کہیں بڑھ کر تھیں —— (۱۹ : ۷۴)

(۷) وہ قومیں اس طرح ہلاک ہوئیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا —— (۱۹ : ۹۸)

(۸) یہ قومیں، تباہی کو اپنے سامنے محسوس شکل میں دیکھ کر بھاگنے لگیں۔ ان سے کہا گیا کہ اب بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو۔ چلو واپس اپنے محلات میں اور اپنے سامانِ عیش و عشرت کی طرف تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ اسے تم نے کس طرح حاصل کیا تھا — (۲۱ : ۱۱-۱۵)

(۹) ہلاک ہونیوالی قوموں کے محلات تباہ ہو گئے۔ کنوئیں ویران ہو گئے — (۲۲ : ۴۵)

(۱۰) ہلاک ہونے والی قومیں اپنے سامانِ معیشت پر اتراتی تھیں — (۲۸ : ۵۸)

(۱۱) قارون سے کہا کہ تم سے پہلے ایسی قومیں تباہ ہو گئیں جو تم سے کہیں زیادہ دولت اور قوت کی مالک تھیں۔ (۲۸ : ۷۸)

(۱۲) رزق کی فراوانی سے جوع الارض کی ہوس بڑھ جاتی ہے۔ اس سے خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر سے ایمان اُٹھ جاتا ہے۔ جذبات اصولوں پر غالب آجاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ تباہی ہے — (۳۴ : ۱۵-۲۱)

(۱۳) عربوں سے پہلی قومیں، قوت اور دولت میں ان سے بڑھ کر تھیں۔ وہ بھی تباہ ہو گئیں تو یہ کیسے محفوظ رہ جائیں گے — (۳۵ : ۴۴)

(۱۴) تباہی کے معنی یہ ہیں کہ وہ قوم دنیا میں ذلت و خواری کی زندگی بسر کرے — (۳۹ : ۲۶) — (۴۱ : ۱۶)

(۱۵) سرمایہ داری کا غلط نظام ہو تو مال و دولت تباہی سے نہیں بچا سکتا — (۳۹ : ۴۹، ۵۰)

(۱۶) قومِ عاد نے کہا کہ ہم سے زیادہ صاحبِ قوت و دولت کون ہے۔ لیکن ان کا غلط نظام انہیں تباہی سے بچا نہ سکا — (۴۱ : ۱۵)

(۱۷) اقوامِ سابقہ باوجود بڑی قوتوں کی مالک ہونے کے تباہ ہو گئیں۔ کیونکہ وہ مستقل اقدار کا استہزا کرتی تھیں۔

(۴۳ : ۶-۸)

(۱۸) قومِ فرعون کی دولت و املاک کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا — (۴۴ : ۲۵-۲۸)

(۱۹) قومِ عاد کے پاس قوت، دولت بلکہ علم و بصیرت بھی بہت تھا لیکن ان کے غلط نظام (استکبار بغیر الحق) نے انہیں تباہ کر دیا — (۴۶ : ۲۶)

(۲۰) کتنی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں ان عربوں سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ وہ بھی تباہ ہو گئیں۔ (۴۷ : ۱۳) (۵۰ : ۳۶)

علم و بصیرت کے باوجود ہلاکت

(۱) جب کسی قوم پر مفاد پرستی کے جذبات غالب آجائیں تو وہ علم و بصیرت کے باوجود ہلاک ہو جاتی ہے۔ (۲۹ : ۳۸) (۴۶ : ۲۶)

(۲) تباہی ایسے مقامات سے آتی ہے جو اس قوم کی عقل و شعور میں نہ ہوں — (۱۶ : ۲۶)—(۳۹ : ۲۵)—(۵۹ : ۲)

(۳) ایسا علم، علم نہیں جہالت ہوتی ہے — (۴۶ : ۲۳—۲۶)

مہلت کا وقفہ

(۱) عمل اور اس کے نتیجے کے محسوس طور پر سامنے آنے میں ایک وقفہ ہوتا ہے — (۱۱ : ۱۰،۴)

(۲) مہلت کا عرصہ بڑھتا جاتا ہے تو قوم بجائے اس کے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کرے، جرائم میں اور آگے بڑھتی چلی جاتی ہے — (۱۹ : ۷۵)

(۳) اگر قانونِ مہلت پہلے سے متعین نہ ہوتا تو یہ لوگ کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے — (۲۰ : ۲۹)

(۴) اعمال کے تباہ کن نتائج تو ساتھ کے ساتھ مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں لیکن تباہی محسوس شکل میں ایک وقت کے بعد جا کر سامنے آتی ہے۔ اُس وقت نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی — (۲۱ : ۱۲-۱۳)

(۵) مہلت کے وقفہ کے بعد عذاب — ہر قوم کے ساتھ یہی ہوا — (۲۲ : ۴۴)

(۶) یہ عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ خدا کا ایک ایک دن، تمہارے حساب و شمار سے ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے، اس لئے قوموں کی زندگی، دنوں سے نہیں صدیوں سے ماپی جاتی ہے — (۲۲ : ۴۴—۴۸)

(۷) جب تباہی کا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ذرا بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اسی کو اس قوم کی اجل کہا جاتا ہے۔ یعنی مہلت کا وقفہ گزرنے کے بعد تباہی کا وقت — (۱۰ : ۴۹)—(۲۳ : ۴۳)۔ یہ اجل، یعنی مہلت کے وقفہ کے بعد تباہی، خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق طے پاتی ہے (جیسے مختلف فصلوں کے پکنے کے لئے مختلف مدت درکار ہوتی ہے) — (۷ : ۳۴)—(۱۳ : ۳۸؛ ۳۹)—(۱۵ : ۴-۵)

(۸) اگر مہلت کا وقفہ نہ ہوتا تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہتا — (۳۵ : ۴۵)

(۹) مہلت کے وقفہ کے بعد ایک مستقر ہوتا ہے جہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ٹھہر جاتا ہے اور نتائج سامنے آجاتے ہیں — (۵۴ : ۳)

انبیائے سابقہ کی اقوام

(۱) قومِ حضرت نوحؑ کی تباہی — (۷ : ۵۹—۶۵)—(۱۱ : ۲۵—۴۹)—(۱۴ : ۹)—(۲۳ : ۲۳—۳۰)—(۲۵ : ۳۷)—(۲۶ : ۱۱۲—۱۱۶)—(۷۱ : ۱—۲۸)

(۲) قومِ عاد کی داستانِ ہلاکت — (۷ : ۶۵—۷۲) — (۱۱ : ۵۰—۶۰) — (۲۶ : ۱۲۹—۱۳۴) — (۲۹ : ۳۸) — (۴۱ : ۱۵) — (۴۶ : ۲۱—۲۶) — (۸۹ : ۶—۸)

(۳) قومِ ثمود کی ہلاکت — (۷ : ۶۵—۷۹) — (۱۱ : ۶۱—۶۸) — (۴۱ : ۱۷) — (۹۱ : ۱۱—۱۵)

(ان کے معاشی نظام میں سب کچھ بڑے بڑے لوگوں نے سنبھال رکھا تھا۔ اور غریبوں کے حصے میں کچھ نہیں آتا تھا) — (۱۵ : ۸۲) — (۲۶ : ۱۴۶—۱۴۹) — (۴۶ : ۲۵) — (۹۱ : ۱۱—۱۵)

قوم کے سرغنے — (۲۷ : ۴۸—۵۲)

(۴) قومِ لوط کی تباہی — (۷ : ۸۰—۸۴) — (۱۱ : ۶۹—۸۳)

(۵) قومِ شعیبؑ (مدین) — (۷ : ۸۵—۹۳) — (۱۱ : ۸۴—۹۵)۔ یہ قوم علم و بصیرت کے باوجود تباہ ہوگئی۔ کیونکہ اس پر مفاد پرستی کے جذبات غالب آچکے تھے — (۲۹ : ۳۸)

(۶) قومِ حضرت موسیٰؑ (فرعون اور اس کی قوم) — (۷ : ۱۰۳—۱۳۷) — (۱۱ : ۹۶—۹۹) — (۲۳ : ۴۵—۴۸) — (۲۵ : ۳۵)۔ ان کے اموال و دیار کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا — (۷ : ۱۳۷) — (۴۴ : ۲۵—۲۸) — (۷۳ : ۱۵—۱۶)۔ ان پر نہ آسمان رویا نہ زمین — (۲۸ : ۴) — (۴۳ : ۵۱) — (۴۴ : ۲۸) — (۷۹ : ۲۴)

(۷) قومِ سبا کی ہلاکت — (۳۴ : ۱۵—۲۱)

(۸) تمام انبیاء کے ساتھ یہی ہوا۔ اور ان کی قومیں تباہ ہوئیں — (۷ : ۹۴—۹۹) — (۹ : ۷۰) — (۱۱ : ۱۰۰) — (۲۲ : ۴۲—۴۶) — (۲۵ : ۳۸) — (۴۰ : ۵—۶ ؛ ۳۱) — (۵۰ : ۱۲—۱۴) — (۵۳ : ۵۰—۵۳) — (۶۹ : ۴—۱۴)

(۹) دیکھو کہ قوم عاد، ثمود، فرعون کے ساتھ کیا ہوا — (۸۹ : ۶—۱۴)

(۱۰) یہ اقوام جن جرائم کے نتیجہ میں تباہ ہوئیں، ان میں سرفہرست یہ تھے۔

۱۔ طبقاتی ناہمواریاں، معیارِ تکریم دولت، محنت اور دستکاری کو ذلیل پیشے شمار کرنا۔ (قومِ نوح)

۲۔ قومیت کا معیار اشتراکِ نظریہ کے بجائے نسل کا اشتراک۔ (قومِ نوح)

۳۔ جبر اور استبداد کی حکومت۔ سلب و نہب۔ (قومِ عاد)

۴۔ ذرائع پیداوار امت کی مشترکہ تحویل میں رہنے کے بجائے ذاتی ملکیت میں۔ (قومِ ثمود)

۵۔ کاروبار کی بنیاد نظامِ سرمایہ داری۔ مذہب اور معاملات میں ثنویت۔ (قومِ شعیب)

۶۔ جنسی بدنہادی۔ (قومِ لوط)

۷۔ استبدادِ ملوکیت۔ فریبِ مذہبی پیشوائیت اور خون آشامیٔ قارونیت۔ (قومِ فرعون)

۸۔ دینِ خداوندی کو مذہب بنادینا۔ (بنی اسرائیل)

سامانِ عبرت

(۱) تم دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اقوامِ سابقہ کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات کس طرح ان کی عبرت انگیز داستانیں بیان کرتے ہیں۔ تم اس سے عبرت حاصل کرو ــ (۳ : ۱۳۶ ــ ۳۷) ــ (۱۲ : ۱۰۹) ــ (۱۶ : ۳۶) ــ (۳۰ : ۹) ــ (۴۰ : ۸۲ ــ ۸۳)

(۲) عائلی قوانین بیان کرنے کے بعد کہا کہ خدا چاہتا ہے کہ تمہارا حشر بھی ویسا ہی نہ ہو جیسا ان اقوامِ سابقہ کا ہوا جنہوں نے ان قوانین کے خلاف روش اختیار کی تھی ــ (۴ : ۲۶)

(۳) "تمام انبیائے سابقہ کی اقوام کی سرگزشت بیان کرنے کے بعد کہا کہ تم ان پر غور کرو ــ (۷ : ۱۰۰ ــ ۱۰۲)

(۴) پہلی قوموں کی تباہی کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھا جائے کہ تم کیسے کام کرتے ہو ــ (۱۰ : ۱۴)

(۵) کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو کچھ پہلی قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ان سے کہئے کہ یہ اس کا انتظار کریں۔ ایسا ہو کر رہے گا ــ (۱۰ : ۱۰۲)

(۶) اقوامِ سابقہ کی سرگزشت میں سامانِ عبرت ــ (۱۱ : ۱۰۳) ــ (۱۴ : ۹ ــ ۱۷ ؛ ۴۵) ــ (۱۵ : ۱۰ ــ ۱۴) ــ (۱۷ : ۱۷) ــ (۲۰ : ۱۲۸)

(۷) ان سے پہلے لوگ بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ پھر ان پر تباہی آگئی ــ (۱۶ : ۳۳ ــ ۳۴)

(۸) سامانِ عبرت بشرطیکہ یہ آنکھیں کھول کر چلیں پھریں ــ (۲۲ : ۴۶)

(۹) قرآن کے محکم اصول اور اقوامِ سابقہ کی سرگذشتیں۔ یہ دونوں چیزیں دی گئیں تاکہ لوگ راستے کی خطرناک گھاٹیوں سے محفوظ رہ سکیں ــ (۲۴ : ۳۴)

(۱۰) عقلی دلائل کے بعد کہا کہ اگر یہ ان سے بھی نہیں سمجھتے تو ان سے کہو کہ تم اقوامِ گذشتہ کے احوال و ظروف پر ہی نگاہ ڈالو ــ (۴۱ : ۱۳ ــ ۱۴)

(۱۱) قومِ فرعون کے انجام کو باعثِ عبرت بنایا ــ (۴۳ : ۵۶)

(۱۲) ان سے پوچھو کہ تم زیادہ قوت و شوکت کے مالک ہو یا قوم تبعؑ جو ہلاک ہو گئی تھی ـــ (۳۷ : ۴۴)
(۱۳) لیکن تباہ ہونے والی قومیں ان سرگزشتوں سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے کہہ دیتی ہیں کہ یہ محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں ـــ (۱۷ : ۴۶)
(۱۴) ان سے کہو کہ زمین میں چلیں پھریں اور دیکھیں کہ اقوامِ سابقہ کا حشر کیا ہوا ـــ (۱۰ : ۴۷)
(۱۵) عبرت ان کے لئے ہے جو آنکھیں کھول کر دل کی کشادگی سے غور کریں ـــ (۳۷ : ۵۰)
(۱۶) عبرت ان کے لئے جو الم انگیز تباہی کے احساس سے خوف کھائیں ـــ (۳۷ : ۵۱)
(۱۷) ان کے پاس اقوامِ گزشتہ کی بہت سی سرگذشتیں آچکی ہیں جن میں سامانِ عبرت ہے ـــ (۴ : ۵۴) ـ (۵۱ : ۳۴ ـــ ۱۵ : ۵۴)
(۱۸) کیا ان تک پہلی قوموں کی سرگزشتیں نہیں پہنچیں جو یہ ان سے عبرت حاصل کرتے ـ (۵ : ۶۴)
(۱۹) صاحبانِ عقل و بصیرت کو چاہیئے کہ ان سرگزشتوں سے عبرت حاصل کریں ـ (۱۰ ـ ۸ : ۶۵)
(۲۰) کیا ہم نے اقوامِ سابقہ کو ہلاک نہیں کیا جو انہیں چھوڑیں گے ـــ (۱۷ ـــ ۱۶ : ۷۷)
(۲۱) کیا ان تک اممِ سابقہ کی داستانیں نہیں پہنچیں؟ اسی طرح خدا کا قانونِ مکافات انہیں بھی گھیرے ہوئے ہے ـــ (۲۰ ـــ ۱۷ : ۸۵)
(۲۲) دیکھو کہ قومِ عاد و ثمود کے ساتھ کیا ہوا؟ ـــ (۱۴ ـــ ۶ : ۸۹)
(۲۳) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ـــ (۵ ـــ ۱ : ۱۰۵)
(۲۴) دیکھو! ابو لہب کا انجام کیا ہوا ـــ (۵ ـــ ۱ : ۱۱۱)

متفرقات

(۱) دین میں خواہ مخواہ کرید کرنے اور جن امور کے متعلق کوئی احکام نہیں دیئے گئے تھے (کیونکہ ان کا تعلق دین سے نہیں بلکہ عام معاشرتی زندگی سے تھا) ان کے متعلق سوالات کر کے مصیبت مول لے لینے سے تباہی آجاتی ہے ـــ (۱۰۲ : ۵)
(۲) استکبار بغیر الحق بُرا ہے. یعنی دنیا میں تعمیری کام کئے بغیر صاحبِ اقتدار بن بیٹھنا ـــ (۴۶ : ۷) ـــ (۱۵ : ۴۱) ـــ (۲۰ : ۴۶)

(۳) تاریخ کی اہمیت ——— (۲۴ : ۳۴)

(۴) طریقِ ہلاکت۔ خانہ جنگی۔ اندرونی شورش ——— (۶۵ : ۶)۔ ایک قسم کے ظالموں پر دوسری قسم کے ظالم مسلط کر دیئے جاتے ہیں ——— (۱۳۰ : ۶)

——— (۰) ———

۷۸۔ اُمّی

مادہ (ا۔م۔م) ایسا شخص جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو۔ یعنی لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ اہل کتاب کے مقابلہ میں بھی آیا ہے۔ وہاں اس کے معنی عرب کے غیر اہل کتاب ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ عام عرب جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں تھے۔ ویسے امّی، مکہ (ام القریٰ) کے رہنے والے کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

——— (۰) ———

(۱) ان (اہل کتاب) میں اُمّی بھی ہیں جو علم نہیں رکھتے۔ محض حرف شناس ہیں ——— (۷۸ : ۲)

(۲) اہل کتاب کے مقابلہ میں امی کا لفظ۔ یعنی غیر اہل کتاب ——— (۱۹ : ۳)

(۳) یہود کہتے ہیں کہ امیوں (غیر اہلِ کتاب) کا مال فریب سے بھی کھا لیا جائے تو یہ کوئی جرم کی بات نہیں۔ (۷۴ : ۳)

(۴) نبی الاُمّی۔ یعنی غیر اہل کتاب (عربوں) میں مبعوث ہونے والا نبی ——— (۱۵۷ : ۷)—(۱۵۸ : ۷)

(۵) امیوں میں رسول پیدا کیا گیا ——— (۲ : ۶۲)

(۶) نبی اکرمؐ نبوت سے پہلے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ نبوت کے بعد حضورؐ کی حالت ایسی نہیں تھی (۴۸ : ۲۹)۔ اس لئے حضورؐ کو امی بمعنی اَن پڑھ (خواندہ) کہنا صحیح نہیں۔

——— (۰) ———

۷۹۔ اِنتقام

(نیز دیکھئے — جرم، مکافاتِ عمل وغیرہ)

انتقام۔ مادہ (ن۔ ق۔ م)۔ اس کے بنیادی معنی ہیں، راستہ کا درمیانی حصہ جس پر چلنے والا خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔ استعمال کی رو سے اس کے معنی ہوتے ہیں جرم کی سزا دینا تاکہ مجرم کی اصلاح ہو جائے اور وہ زندگی کے جادۂ مستقیم پر گامزن رہے۔ جب یہ لفظ خدا کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں خدا کا قانونِ مکافات جس کے مطابق افراد اور اقوام کے غلط کاموں کے نقصان رساں اور تباہ کن نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ انسانوں کے لئے استعمال ہو تو اس کا وہی مفہوم ہوتا ہے جس مفہوم کے لئے یہ لفظ ہمارے ہاں عام طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی اپنے بغض، عداوت، حسد وغیرہ کی وجہ سے دوسروں کو تنگ کرنا۔

خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے اسی کو انتقامِ خداوندی کہا جاتا ہے!

(۱) خدا ذوانتقام ہے ــــ (۳ : ۴) ــ (۵ : ۹۵) ــ (۱۴ : ۴۷) ــ (۳۹ : ۳۷)

(۲) خدا مجرمین سے انتقام لیتا ہے یعنی ان کے جرم کی انہیں سزا دیتا ہے ــ (۳۲ : ۲۲) ــ (۴۳ : ۴۱) ــ (۴۴ : ۱۶)

(۳) اقوامِ سابقہ اپنی غلط روش کے نتیجہ میں تباہ ہو گئیں۔ اسے انتقامِ خداوندی کہہ کر پکارا گیا ہے
(۷ : ۱۳۶) ــ (۱۵ : ۷۹) ــ (۳۰ : ۴۷) ــ (۴۳ : ۲۵) ــ (۴۳ : ۵۵)

انسانوں کی طرف سے انتقام

(۱) مخالفین اس لئے مسلمانوں سے انتقام لیتے ہیں کہ یہ خدا پر ایمان کیوں لے آئے ــ (۵ : ۵۹) ــ (۷ : ۱۲۶) ــ (۸۵ : ۸)۔ خدا نے انہیں خوشگواریاں کیوں عطا کر دیں ــ (۹ : ۷۴)

(۲) مسلمانوں سے کہا گیا کہ اگر تم کسی مستحق کی مدد کر رہے ہو تو اس کی کسی لغزش پر، انتقاماً اس کی امداد کو بند مت کرو ــ (۲۴ : ۲۲)۔ کتنی بڑی کشادہ ظرفی پر مبنی ہے یہ تعلیم!

ــــ (۰) ــــ

لفظ انتقام کے سلسلہ میں تو قرآنِ کریم میں اتنا ہی آیا ہے البتہ جرم اور اس کی سزا کے ضمن میں بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان جرم۔ یہاں ضمناً دو چار اصولی باتیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) برائی کا دفعیہ بھلائی سے کرو ــ (۲۳ : ۹۶)

(۲) مظلوم ظالم سے بدلہ لے سکتا ہے ــ (۲۶ : ۲۲۷)۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ سزا، جرم سے زیادہ

نہ ہو۔ (۲:۱۹۴)۔ (۵:۲)۔ (۱۶:۱۲۶)۔ (۶۰:۲۲)۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ حکومت مختلف جرائم کی سزا کا تعین خود کرے۔ اسی کو ضابطۂ تعزیرات کہا جاتا ہے۔

(۳) اگر مجرم میں اصلاح کا امکان ہو تو معاف کر دینا زیادہ اچھا ہے۔ (۱۶:۱۲۶)

(۰)

۸۰۔ انجیل

(نیز دیکھئے۔ عیسٰیؑ۔ کتب سابقہ۔ تحریف)

انجیل۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ یونانی لفظ اِوَنجِلیُوں کا معرب ہے جس کے معنی خوشخبری کے ہیں۔ انگریزی میں اسے (GOSPEL) اور عیسائیت کی اصطلاح میں عہد نامہ جدید (NEW TESTAMENT) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات پر ایمان لائے کہ انبیائے سابقہ پر بھی اپنے اپنے وقت میں، خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی جسے ان کی کتاب کہا جاتا ہے لیکن یہ کتابیں اپنی اصل شکل میں اب کہیں موجود نہیں۔ اس لئے اب ان تمام کتابوں کی سچی اور اصل تعلیم قرآن کریم کے اندر ہے جو ان تمام باتوں کو سچ کر دکھائے گا جو ان کتابوں کے اندر خدا کی طرف سے آئی تھیں (اس کے لئے یہ کہتے ہیں کہ قرآن تمام کتب سابقہ کا مصدق ہے)۔ انجیل، حضرت عیسٰیؑ کی طرف نازل ہوئی تھی جو اپنی اصل شکل میں اب دنیا میں کہیں بھی نہیں۔ موجودہ انجیل، بہت سی مرقومات پر مشتمل ہے۔ اس میں چار کتابیں حضرت عیسٰیؑ کی سوانح حیات پر مشتمل ہیں جو آپ کے حواریوں نے آپ کے بعد تصنیف کی تھیں۔ علاوہ بریں سینٹ پال کے بہت سے خطوط ہیں۔ قرآن جب انجیل کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد وہ کتاب ہوتی ہے جو حضرت عیسٰیؑ پر نازل ہوئی تھی۔ ان کتابوں کے محرف ہونے کے لئے دیکھئے عنوان "تحریف"

(۰)

انجیل

(۱) قرآن سے پہلے انجیل نازل کی جو انسانوں کے لئے ہدایت کا موجب تھی۔ (۳:۳)

(۲) حضرت عیسٰیؑ کو تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا۔ (۳:۴۷)۔ (۵:۱۱۰)

(۳) تورات وانجیل حضرت ابراہیمؑ کے بعد نازل کی گئی تھیں ـــــ (۳ : ۶۴)

(۴) مسلمانوں کے لئے کتب سابقہ (بشمولہ انجیل) پر ایمان لانا ضروری ہے ـــــ (۳ : ۸۳)

(۵) حضرت عیسٰیؑ کو انجیل دی گئی تھی ـــــ (۵ : ۴۶) ـــــ (۵۷ : ۲۷)

(۶) اہل کتاب اگر تورات و انجیل کی سچی تعلیم پر کاربند رہتے تو رزق کی فراوانیاں حاصل ہوتیں۔(۵ : ۶۶)

(۷) حضرت محمد رسول اللہ کا ذکر انجیل میں تھا ـــــ (۷ : ۱۵۷)

(۸) دین کا اصول یہ ہے کہ خدا مومنین کی جان اور مال بعوض جنت خرید لیتا ہے۔ یہ وعدہ تورات و انجیل میں بھی مذکور تھا ـــــ (۹ : ۱۱۱)

(۹) محمدؐ رسول اللہ والذین معہٗ کی مثال تورات و انجیل میں بھی تھی ـــــ (۴۸ : ۲۹)

ـــــ (٠) ـــــ

جو کچھ حضرت عیسٰیؑ کی طرف نازل کیا گیا تھا

(۱) جو حضرت عیسٰیؑ کو دیا گیا تھا ـــــ (۲ : ۱۳۶) ـــــ (۳ : ۸۳) ـــــ (۴ : ۱۶۳) ـــــ (۴۲ : ۱۳)۔ بینات ـــــ (۴۳ : ۶۳)

ـــــ (٠) ـــــ

[انجیل اور دیگر مبینہ آسمانی کتابوں کی تاریخ کے لئے مصنف کی کتاب "مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں" دیکھئے اس سے معلوم ہوگا کہ یہ کتابیں کس قدر محرف ہیں]۔

ـــــ (٠) ـــــ

۸۱ - انذار

انذار (مادہ - ن۔ ذ۔ ر) کسی کو اس بات سے آگاہ (WARN) کرنا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا نتیجہ تمہارے لئے نقصان اور تباہی کا موجب ہوگا۔ جہاں تک انسان کی طبیعی زندگی کا تعلق ہے وہ اپنے علم اور تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ کون سی چیز اس کے لئے منفعت بخش اور کون سی ضرر رساں ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی انسانی زندگی (یعنی انسانی ذات) کا تعلق ہے، وہ اس بات کو از خود معلوم نہیں کر سکتا کہ کونسی چیز اس کی ذات کے لئے موجبِ تقویت ہے اور کونسی باعثِ ضعف و انتشار۔ یہ چیز اسے وحی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار

سے، حضرات انبیاء کرام کو منذرین (آگاہ کرنے والے) کہا گیا ہے اور ان کے اس فریضہ کو انذار۔

(۰)

انبیاء سابقہ کا انذار

(۱) حضرت نوحؑ کا فریضۂ انذار — (۷ : ۶۳) — (۲۶ : ۱۱۵) — (۷۱ : ۱)

(۲) حضرت ہودؑ — (۷ : ۶۹) — (۴۶ : ۲۱) (۵۴ : ۱۷)۔ حضرت صالحؑ — (۳۰ ؛ ۲۳ : ۵۴)
حضرت لوطؑ — (۵۴ : ۳۳)

(۳) رسولوں کا مشن انذار ہوتا ہے — (۲ : ۲۱۳) — (۴ : ۱۶۵) — (۶ : ۴۸)
(۶ : ۱۳۱) — (۱۶ : ۲) — (۱۸ : ۵۶) — (۳۹ : ۷۱) — (۵۳ : ۵۶)

(۴) ہر قوم میں نذیر آتے رہے — (۳۵ : ۲۴) — (۳۷ : ۷۲—۷۳)۔ اور مترفین ان کی مخالفت کرتے رہے
— (۲۵ : ۵۱) — (۲۶ : ۲۰۸) — (۳۴ : ۳۴) — (۳۵ : ۳۷) — (۳۷ : ۷۲) — (۴۳ : ۲۳)

(۵) رسالت سے مقصود انذار ہے — (۴۰ : ۱۵)

(۶) حضرت لوطؑ — (۲۶ : ۱۷۳) — (۲۷ : ۵۸) — (۵۴ : ۳۶)

(۷) انبیاء سابقہ نذیر و بشیر تھے — (۱۱ : ۲) — (۱۱ : ۱۲) — (۱۱ : ۲۵)

(۸) آلِ فرعون کی طرف نذیر — (۵۴ : ۴۱)

کفار کا ردِعمل

(۱) سنکھیا کے مہلک اثرات سے آگاہ کرنا اسی کے لئے مفید ہو سکتا ہے جو اپنی زندگی کو عزیز رکھتا ہو۔ جو خودکشی کرنے پر آمادہ ہو اُسے اس انذار سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جو لوگ پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہوں کہ ہم نے بات سننی اور ماننی ہی نہیں، انہیں خطرات سے آگاہ کرنا یا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے۔ (۲ : ۶)
انذار اسی کو فائدہ دے سکتا ہے جو زندہ رہنا چاہے — (۱۰ : ۱۰۱) — (۱۰ ...) — (۳۶ : ۱۰) — (۳۶ : ۷۰)

(۲) انذار سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو خطرات کو اپنے سامنے دیکھنے سے پہلے اس بات پر یقین رکھے کہ کہنے والا ٹھیک کہتا ہے — (۳۵ : ۱۸—۲۲) — (۳۶ : ۱۰—۱۱) — (۵۴ : ۵)

(۳) کفار انذار سے روگردانی کرتے ہیں ــ (۳ : ۴۶) ــ (۴-۵ : ۵۴) ۔ اسے مذاق سمجھتے تھے ــ (۵۶ : ۱۸)

(۴) جو بہرہ بن کر پیٹھ موڑے اسے انذار کیا فائدہ دے سکتا تھا ــ (۴۵ : ۲۱)

تباہی سے پہلے انذار

(۱) خدا کسی بستی (قوم) کو تباہ نہیں کرتا جب تک انہیں پہلے آگاہ نہ کر دیا جائے کہ ان کی غلط روش انہیں تباہی کی طرف لئے جا رہی ہے ــ (۱۳۱ : ۶) ۔ پہلے یہ انذار حضرات انبیاء کرام کی وساطت سے ہوتی تھی ۔ ختمِ نبوت کے بعد، یہ فریضہ امتِ مسلمہ کے ذمے عاید ہو گیا جو قرآن کی وارث ہے ۔ (۲۰۸ : ۲۶)(۵۸ : ۲۷)

(۲) ہر قوم میں نذیر آتے رہے ــ (۲۴ : ۳۵) ــ (۷۲-۷۳ : ۳۷)

(۳) تباہی سے پہلے انذار ــ (۷۱ : ۱) ــ (۱۸-۱۹ : ۷۹)

(۴) خدا کے نُذُر کیسے ثابت ہوتے ــ (۱۶ : ۵۴) ــ (۲۱ : ۵۴)

(۵) دیکھو! مُنذَرین کا انجام کیا ہوا ــ (۷۷ : ۳۷) ز (۷۳ : ۳۷)

رسول اللہ کا فریضۂ انذار

(۱) حضورؐ قرآن کے ذریعے لوگوں کو آگاہ کیا کرتے تھے ــ (۱۹ : ۶) ــ (۲ : ۷) ــ (۵۲ : ۱۴) ــ (۹۷ : ۱۹) ــ (۴۵ : ۲۱) ــ (۱۹۴ : ۲۶) ــ (۱۵ : ۴۰) ــ (۱۲ : ۴۶)

(۲) لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا تھا کہ مُنذِر انہی جیسا انسان کیوں ہے ۔ فوق البشر کیوں نہیں ــ (۶۹ ز ۶۳ : ۷) ــ (۲ : ۱۰) ــ (۴ : ۳۸) ــ (۲ : ۵۰)

(۳) رسول اللہ لوگوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ ۔ ان سے کہا گیا کہ میرا فریضہ تمہیں خطرات سے آگاہ کرنا ہے ۔ اس کا معجزات سے کیا تعلق ۔ میں معجزے دکھانے کے لئے نہیں آیا ــ (۷ : ۱۳) ــ (۵۰ : ۲۹)

(۴) نزولِ قرآن سے مقصد تبشیر (صحیح روش کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دینا) اور تنذیر ہے ــ (۲ : ۱۸) ــ (۹۷ : ۱۹) ــ (۱ : ۲۵) ــ (۲ : ۴۴) ــ (۱۲ : ۴۶) ــ (۴۰ : ۷۸) ــ (۱۴ : ۹۲)

(۵) عیسائیوں کو ابنیتِ مسیح کے غلط عقیدہ کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرو ــ (۴ : ۱۸)

(۶) آپ نذیر تھے۔ لوگوں کو بدلہ ان کے اپنے اعمال کا ملتا ہے —(۲۲ : ۴۹-۵۰)—(۲۷ : ۹۲)

(۷) رسول اللہ کو حکم کہ سب سے پہلے اپنے اہلِ خاندان کو آگاہ کرو —(۲۶ : ۲۱۴)۔ پھر پوری قوم کو اور عالمگیر انسانیت کو —(۶ : ۹۲)—(۱۴ : ۴۴)—(۲۵ : ۱)—(۲۸ : ۴۶)—(۳۲ : ۳)—(۳۴ : ۴۴)—(۳۶ : ۶)—(۴۲ : ۷)

(۸) رسول اللہ بشیر و نذیر تھے —(۲ : ۱۱۹)—(۵ : ۱۹)—(۷ : ۱۸۴؛ ۱۸۸)—(۱۳ : ۷)—(۱۵ : ۸۹)—(۱۷ : ۱۰۵)—(۲۲ : ۴۹)—(۲۵ : ۵۶)—(۲۶ : ۱۱۵)—(۲۷ : ۹۲)—(۲۹ : ۵۰)—(۳۳ : ۴۵)—(۳۴ : ۲۸؛ ۴۶)—(۳۵ : ۲۳-۲۴)—(۳۸ : ۶۵؛ ۷۰)—(۴۱ : ۴)—(۴۶ : ۹)—(۴۸ : ۸)—(۵۱ : ۵۰-۵۱)—(۵۳ : ۵۶)—(۶۷ : ۲۶)—(۷۱ : ۲)—(۷۴ : ۳۶)—(۷۹ : ۴۵)

(۹) کفارِ عرب قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہماری طرف نذیر آیا تو ہم سیدھے راستے پر چل پڑیں گے۔ لیکن جب نذیر آیا تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی —(۳۵ : ۴۲)

(۱۰) رسول اللہ سے ارشاد کہ لوگوں کو آنے والی تباہی سے آگاہ کرو —(۱۹ : ۳۹)—(۷۸ : ۴۰)—(۷۴ : ۲)

(۱۱) رسولؐ کے متبعین، قرآن کے ذریعہ انذار کا فریضہ سرانجام دیں گے —(۴۶ : ۲۹)

(۱۲) رسول اللہ کا انذار انبیاءِ سابقہ کی طرح تھا —(۴۱ : ۱۳)

(۱۳) رسول اللہ سے پہلے اس قوم کی طرف کوئی نذیر نہیں آیا تھا —(۲۸ : ۴۶)—(۳۲ : ۳)

انذار کس کے لئے مفید ہے

(۱) جو لوگ خدا کے قانونِ مکافات کو حقیقت سمجھتے ہیں، وہی انذار سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں —(۵۱ : ۶)

(۲) جو قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے ہیں —(۳۵ : ۱۸)—(۳۶ : ۱۱)

(۳) جو زندہ ہے —(۳۶ : ۷۰)۔ جو مردہ نہیں —(۳۵ : ۲۲-۲۳)

(۴) جو ایمان نہیں لاتے انہیں نُذُر فائدہ نہیں دیتے —(۱۰ : ۱۰۱)

انذار کب فائدہ دیتی ہے

(۱) انذار اسی وقت تک فائدہ دیتی ہے جب تک انسان کے پاس بازیابی کا وقت ہو۔ موت سامنے کھڑی ہو

یا موت کے بعد اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ــــ (۳۷ : ۲۵)

(۲) جب اعمال کے نتائج سامنے آجائیں تو پھر انذار سے فائدہ نہیں ہوتا۔ قیامت میں ملائکہ مجرمین سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس نذیر نہیں آئے تھے ــــ (۷۱ : ۳۹) ــ (۹ـ۸ : ۶۷)

انذار خدا کی رحمت ہے

(۱) کسی مسافر کو قبل از وقت بتا دینا کہ آگے خطرہ ہے، اس کے لئے موجب رحمت ہوتا ہے۔ اس لئے انذار خدا کی رحمت ہے ــــ (۴۳ : ۷)

متفرقات

(۱) امم سابقہ کے حالات سے دیکھو کہ جس نے انذار سے روگردانی کی اس کا انجام کیا ہوا ــــ (۳۳ـ۱۷ : ۵۴)

(۲) تم بھی دیکھ لو گے کہ انذار سے اعراض برتنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے ــــ (۱۷ : ۶۷)

(۳) مختلف گروہوں کو مرکز میں آکر تفقہ حاصل کرنا چاہیئے، تاکہ واپس جاکر دوسروں کو آگاہ کریں۔ (۱۲۲ : ۹)

(۴) اہل جہنم کہیں گے کہ اگر ہمیں ایک دفعہ واپس بھیج دیا جائے تو ہم اعمال صالح کریں۔ ان سے کہا جائیگا کہ تمہاری طرف نذیر آئے تھے۔ تم نے اس وقت کیوں نہ مانا ــــ (۳۷ : ۳۵) ــ (۸ : ۶۷)

(۵) خدا خود منذر ہے ــــ (۳ : ۴۴)

(۶) بادیہ نشینوں (جنات) کا اپنی قوم کی طرف منذرین کی حیثیت سے واپس جانا ــــ (۲۹ : ۴۶)

ــــــــ (۰) ــــــــ

۸۲۔ انسان (الناس)

(نیز دیکھئے ــــ آدم۔ بشر)

انسان قرآن کریم میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے جن معنوں میں ہم اسے اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں یعنی آدمی (HUMAN BEING)۔ یا نوع انسان (الناس)۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ انسان ایسا ہے اور

دیاہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر انسان وحی کا اتباع نہ کرے اور اپنے حیوانی جذبات کے تابع چلے تو اس کی حالت ایسی ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ انسان کی فطرت کوئی نہیں (دیکھئے عنوان فطرت)، جہاں تک اس کی طبعی زندگی کا تعلق ہے اس میں حیوانی جذبات (INSTINCTS) ہیں۔ اور جہاں سے اس کی "انسانی زندگی" شروع ہوتی ہے وہاں اس کی راہ نمائی وحی کی رُو سے ہوتی ہے۔ اس کی انسانی زندگی کا تقاضا ہے کہ یہ اپنے حیوانی جذبات (جبلتوں) کا استعمال وحی کے مطابق کرے اور حیوانی زندگی (جسے کفر کی زندگی کہا گیا ہے) یہ کہ ان جذبات کو جس طرح جی چاہے استعمال کرے۔ قرآنی تعلیم کا ملخص یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس کے حقیقی مقام سے آشنا کرایا ہے۔۔۔ ایک خدا کا محکوم، اور ساری دنیا کا حاکم، اور حیاتِ جاوداں حاصل کر لینے کا سزاوار۔

جس مقام پر یہ لفظ انس، جآن کے ساتھ آیا ہے وہاں اس کے معنی ہیں شہری باشندے، مہذب اقوام۔ برخلاف صحرا نشین، خانہ بدوش، غیر متمدن قبائل کے، جنہیں جن کہہ کر پکارا گیا ہے۔

انسان اور بشر عام طور پر مرادف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ویسے ہم نے بشر کا الگ عنوان درج کیا ہے۔

―――― (۰) ――――

انسان جب وحی کے تابع نہ چلے

(۱) انسان کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ بہت جلد اپنے پست حیوانی جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ وحی اس کی اس کمزوری کو رفع کر دیتی ہے ۔۔۔ (۲۸ : ۴)

(۲) ایسے انسان پر جب مصیبت پڑتی ہے تو خدا کو پکارتا ہے۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اعراض برتتا ہے۔ ۔۔۔ (۲۳ ۔۔۔ ۲۲ ؛ ۱۲ : ۱۰) ۔۔۔ (۲۹ : ۶۵) ۔۔۔ (۳۲ : ۳۱)۔ لیکن وحی کے تابع چلنے والوں کی یہ کیفیت نہیں ہوتی ۔۔۔ (۱۱ : ۹ ۔۔۔ ۱۱) ۔۔۔ (۸۳ ؛ ۶۷ : ۱۷) ۔۔۔ (۳۶ ؛ ۳۳ : ۳۰) ۔۔۔ (۳۲ : ۳۱)
(۴۹ ؛ ۸ : ۳۹) ۔۔۔ (۵۱ ۔۔۔ ۴۹ : ۴۱) ۔۔۔ (۴۸ : ۴۲) ۔۔۔ (۲۳ ۔۔۔ ۱۸ : ۷۰)

(۳) انسان کھلا ہوا جھگڑالو ہے ۔۔۔ (۴ : ۱۶) ۔۔۔ (۵۴ : ۱۸) ۔۔۔ (۷۷ : ۳۶)

(۴) انسان بھلائی کے بجائے ان چیزوں کو آواز دے دے کر بلاتا ہے جو اس کے لئے برائی کا موجب ہوں ۔۔۔ انسان بڑا ہی جلدباز واقع ہوا ہے۔ (یہ بات کہ درحقیقت اس کے لئے کونسی چیز بھلائی کا موجب ہے، وحی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے) ۔۔۔ (۱۱ : ۱۷) ۔۔۔ (۳۷ : ۲۱)۔ فرعون کی بیوی کا اندازہ ۔۔۔ (۹ : ۲۸)

(۵) انسان بڑا ناشکرگزار ہے ــــ (۱۷ : ۶۷)ــــ (۲۲ : ۶۶)ــــ (۵ : ۴۳)ــــ (۱۷ : ۸۰)

(۶) قرآن میں واضح ہدایت موجود ہے لیکن اکثر لوگ اس سے انکار کرتے رہتے ہیں ــــ (۱۷ : ۸۹)

(۷) انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے ــــ (۱۷ : ۱۰۰)

(۸) خدا کے قوانین (وعدے) بالکل سچے ہوتے ہیں لیکن انسان جلدبازی میں گھبرا اٹھتا ہے ــــ (۲۸:۱۳)

(۹) انسان ان چیزوں (مثلاً فطری صلاحیتوں وغیرہ) کو اپنی کاریگری سمجھ کر، ان کی رُو سے حاصل شدہ سامانِ زیست کو اپنی ملکیت سمجھ لیتا ہے ــ قارون کا قصہ ــــ (۲۸ : ۷۸)ــــ (۳۹ : ۴۹)

(۱۰) انسان، امانتِ خداوندی میں خیانت کرتا ہے ــ یعنی اپنے اختیار وارادہ کو غلط استعمال کرتا ہے یہ بڑا ظالم اور جاہل ہے ــــ (۳۳ : ۷۲)۔ ظالم اور کفّار بھی ــــ (۱۴ : ۳۴)

(۱۱) وحی کے تابع نہ ہو تو انسانی زندگی محض حیوانی سطح کی رہ جاتی ہے۔ اور مآل جہنم ــــ (۴۷ : ۱۲)

(۱۲) کیا انسان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ ایسا خدا کی راہ نمائی کے مطابق چلنے ہی سے ہو سکتا ہے ــــ (۵۳ : ۲۴ــ۲۵)

(۱۳) انسان جب اپنے آپ کو وحی کے تابع نہیں رکھتا تو نقصان اٹھاتا ہے ــ باغ والوں کی مثال ــــ (۶۸:۱۶ــ۳۳)

(۱۴) انسان بے صبرا واقع ہوا ہے لیکن وحی کے تابع چلنے والے ایسے نہیں ہوتے ــــ (۷۰ : ۱۸ــ۲۳)

(۱۵) انسان ہمیشہ پاافتادہ مفاد کے پیچھے لپکتا ہے۔ عاقبت اندیشی سے کام نہیں لیتا ــــ (۷۶ : ۲۷)

(۱۶) انسان سوچتا نہیں کہ خدا نے اسکی تخلیق کس طرح سے کی ہے۔ یہ خدا کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ (۸۰ : ۱۷)(۸۲:۶ــ۷)

(۱۷) انسان پر مختلف حالتیں گذرتی ہیں۔ جب اس پر ذلّت و پستی چھا جاتی ہے تو خدا پر الزام دھرنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب اس کی اپنی غلط روش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ غلط معاشی و معاشرتی نظام کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے ــــ

(۸۹ : ۱۵ــ۲۰) ــــ (۹۰ : ۱۲ــ۱۴)

(۱۸) انسان کو بہترین ہیئتِ کذائی میں پیدا کیا۔ لیکن یہ اپنے آپ کو پست ترین درجہ پر لے جاتا ہے۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان و اعمالِ صالح کی زندگی بسر کرتے ہیں ــــ (۹۵ : ۴ــ۶)

(۱۹) انسان سرکشی برتتا ہے ــــ (۹۶ : ۶)

(۲۰) انسان وحی کے تابع نہ چلے تو بدترین مخلوق۔ اس کے تابع چلے تو بہترین مخلوق ــــ (۹۸ : ۶ــ۷)

(۲۱) انسان، ربوبیتِ خداوندی کا ناشکرگزار ہے۔ مال و دولت کی محبت اس پر غالب رہتی ہے۔ وہ سب کچھ

اپنے ہی لئے سمیٹ لینا چاہتا ہے ـــ (۸ـ۶ : ۱۰۰)

(۲۲) تاریخ انسانیت اس پر شاہد ہے کہ اگر انسان وحی کے تابع نہ چلے تو نقصان اٹھاتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے ـــ (۳ـ۱ : ۱۰۳)

(۲۳) انسان حاسد ہوتا ہے۔ دوسروں کا شیرازہ بکھیرنے کی سوچتا رہتا ہے ـــ (۵ـ۴ : ۱۱۳)

(۲۴) انسان دوسروں کے دل میں وساوس پیدا کر کے شر پھیلاتا ہے ـــ (۶ـ۵ : ۱۱۴)

(۲۵) شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اگر انسان اپنے جذبات کو بیباک چھوڑ دے تو تباہ ہو جاتا ہے ـــ (۱۲ : ۵) ـــ (۱۷ : ۵۳) ـــ (۲۹ : ۲۵)

(۲۶) اسے جگر پاش مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے ـــ (۶ : ۸۴)

(۲۷) اسے (وحی کے ذریعے) وہ علم دیا جو اسے حاصل نہیں تھا ـــ (۵ : ۹۶)

انسان کی پیدائش اور موت و حیاتِ اُخروی

(۱) خدا نے تخلیقِ انسانی کا آغاز بے جان مادہ سے کیا۔ جب یہ بچہ انسانی میں آیا تو اس کے لئے زمین پر رہنے کی کی ایک مدت معین کی گئی ـــ (۳۶ : ۲) ـــ (۲ : ۶)

(۲) قصہ آدم میں جمع کے صیغے (اور وہ بھی جمع مخاطب کے) لا کر بتایا گیا ہے کہ وہ درحقیقت نوعِ انسان کی داستان ہے جسے تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے ـــ (۳۶ : ۲) ـــ (۱۱ : ۷)
نفسِ واحدہ (اولین جرثومہ حیات) سے تخلیق کا آغاز ـــ (۱ : ۴)

(۳) انسانی تخلیق کی ابتداء غیر ذی حیات مادہ سے ہوئی۔ اس سے پہلے زمین کوئی آبادی بھی جواب نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ اس میں آتشیں مادہ زیادہ تھا۔ اسکے بعد داستانِ آدم شروع ہو جاتی ہے (۲۶ـ۱۴ : ۱۵)

(۴) انسانی تخلیق نطفہ سے ہوئی ـــ (۴ : ۱۶)

(۵) انسانی بچے کی پیدائش، جوانی، پھر بڑھاپا جس میں علم حاصل کر لینے کے بعد انسان پھر جاہل بن جاتا ہے۔ (۷۰ : ۱۶) ـــ (۵۴ : ۳۰) ـــ (۶۸ : ۳۶)

(۶) پیدائش سے پہلے انسان کوئی شے نہیں تھا ـــ (۹ : ۱۹) ـــ (۶۷ : ۱۹) ـــ (۱ : ۷۶)

(۷) انسانی تخلیق کی ابتداء بے جان مادہ سے ہوئی۔ مرنے پر اس کا جسم پھر بے جان مادہ میں تبدیل ہو جاتا ہے

لیکن اسے حیاتِ اُخروی عطا ہوتی ہے ـــــ (۲۰ : ۵۶)

(۸) ہر انسان کے لئے موت ہے ـــــ (۲۱ : ۳۴-۳۵)

(۹) انسانی پیدائش اور زندگی کے مختلف مراحل (نطفہ سے بڑھاپے تک) کے بیان سے حیاتِ اُخروی پر دلیل ـ (۲۲ : ۵-۶)ـ(۲۳ : ۱۲-۱۴)ـ(۳۶ : ۷۸-۷۹)ـ(۴۰ : ۶۷)ـ(۵۶ : ۵۹)

(۱۰) خدا نے تمہیں زندہ کیا، پھر موت دے گا، پھر زندہ کریگا ـ (۲ : ۲۸)ـ(۲۲ : ۶۶)ـ(۲۳ : ۱۵-۱۶)

(۱۱) انسان کو بے مقصد (عبث) پیدا نہیں کیا گیا ـــ (۲۳ : ۱۱۵) ـ (۷۵ : ۳۶-۴۰)

(۱۲) انسان کو پانی (نطفہ) سے پیدا کیا۔ پھر یہ نسب اور سسرال کے ذریعے خاندانی رشتوں میں پرو دیا گیا ـ (۲۵ : ۵۴)

(۱۳) انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے ہوا۔ پھر ایک مقام پر ذی حیات میں نر و مادہ کا امتیاز پیدا ہوا۔ اس سے میاں بیوی کا رشتہ وجود میں آیا جو وجہ سکون و محبت ہے۔ پھر مختلف علاقوں کے انسانوں میں اختلافِ رنگ و زبان پیدا ہوا جو آیاتِ خداوندی میں سے ہے ـــــ (۳۰ : ۲۰-۲۳)

(۱۴) انسانی پیدائش کے مختلف مراحل کے بعد کہا کہ اس میں خدا نے اپنی توانائی (روح) کا ایک شمہ ڈالا جس سے یہ سمع و بصر و فوآد کا مالک بنا یعنی صاحبِ علم و ارادہ انسان ـــــ (۳۲ : ۷-۹) (۳۸ : ۷۱-۷۲)

(۶۷ : ۲۳) ـــ (۷۶ : ۲)

(۱۵) انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے ہوا پھر مختلف مراحل سے گزرا۔ اس کی عمر کا گھٹنا بڑھنا خدا کے طبیعی قوانین کی رُو سے ہوتا ہے ـ (۳۵ : ۱۱)

(۱۶) انسانی تخلیق کی ابتدا طینِ لازب (چپچپی مٹی) سے ہوئی ـ (۳۷ : ۱۱)

(۱۷) انسانی تخلیق نفسِ واحدہ (ایک جرثومہ حیات) سے ہوئی جو بعد میں نر و مادہ میں منقسم ہو گیا ـــــ

(۴ : ۱)ـ(۶ : ۹۹)ـ(۷ : ۱۸۹)ـ(۳۹ : ۶)ـ(۴۲ : ۱۱)

(۱۸) کائنات کی تخلیق انسانی تخلیق سے کہیں زیادہ بڑی تھی ـ (۴۰ : ۵۷)ـ(۷۹ : ۲۷)

(۱۹) انسان کو بہترین صورت (احسن صور) میں پیدا کیا ـ (۴۰ : ۶۴) (۶۴ : ۳)

(۲۰) تخلیقِ انسان میں خدا کی نشانیاں ہیں ـــ (۴۵ : ۴)

(۲۱) استقرارِ حمل سے چالیس سال کی عمر تک کا ذکر ـــ (۴۶ : ۱۵)

(۲۲) خدا، انسان کے دل میں گذرنے والے خیالات تک سے واقف ہے۔ وہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ـ (۵۰ : ۱۶)

(۲۳) انسان موت سے بدکتا ہے۔ وہ آکر رہے گی ــــ (۱۹ : ۵۰)

(۲۴) خدا انسان کو اس وقت سے جانتا ہے جب اس کی تخلیق کا آغاز بے جان مادہ سے ہوتا ہے ــــ (۳۲ : ۵۳)

(۲۵) رحمٰن نے انسان کو پیدا کیا اور اسے اظہار خیالات (بیان) کی صلاحیت دی ــــ (۳-۱ : ۵۵)

(۲۶) انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ــــ (۱۴ : ۵۵)

(۲۷) انسان کو مختلف منازل میں سے گذار کر بنایا ــــ (۱۴-۱۳ : ۷۱)

(۲۸) انسان کو زمین سے ایک خاص انداز سے اگایا اور پھیلایا ــــ (۱۷ : ۷۱)

(۲۹) ہم نے اسے پیدا کیا ہے۔ جب ہم چاہیں گے اس کی مثل بدل کر اور لے آئیں گے ــــ (۲۸ : ۷۶)

(۳۰) ماءِ مھین (نطفہ) سے پیدائش۔ پھر ایک وقت تک رحم مادر میں استقرار ــــ (۲۲-۲۱ : ۷۷)

(۳۱) انسانوں کے جوڑے بنائے۔ مرد اور عورت میں تقسیم کیا ــــ (۸ : ۷۸)

(۳۲) انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ دیکھتا نہیں کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ــــ (۲۱-۱۷ : ۸۰) (۷-۵ : ۸۶)

(۳۳) انسان کو پیدا کیا۔ اس میں صحیح تناسب رکھا۔ پھر اسے خاص ترکیب سے انسان بنایا۔ پھر یہی انسان خدا کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے ــــ (۹-۷ : ۸۲)

(۳۴) انسان طبقاً طبقاً ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ــــ (۱۹ : ۸۴)

(۳۵) انسان کو صحیح تناسب کے ساتھ پیدا کیا تاکہ یہ مختلف موانع کو سر کر سکے ــــ (۴ : ۹۰)

(۳۶) حیات بعد الممات ــــ (۳ : ۷۵) ــ (۱۰ : ۷۵) ــ (۱۳ : ۷۵)

(۳۷) انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ــــ (۴ : ۹۵)

(۳۸) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ــــ (۲ : ۹۶)

(۳۹) خدا کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ تمام نوعِ انسان کو ختم کر کے ان کی جگہ کوئی دوسری نوع لے آئے ــــ (۱۳۳ : ۴)

(۴۰) فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ــــ (۳۰ : ۳۰) کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان فطرت۔

(۴۱) ذکر و انثیٰ کے اختلاط سے پیدائش۔ اور شعوب و قبائل کی تفریق محض بغرضِ تعارف ــــ (۱۳ : ۴۹)

انسانی عظمت و احترام

(۱) جس نے کسی ایک جان کو ناحق تلف کر دیا اس نے گویا پوری نوعِ انسان کو تلف کر دیا۔ اور جس نے کسی

ایک کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کو زندگی بخش دی ــــ (۳۲ : ۵)

(۲) چاند، سورج، لیل و نہار، دریا، سمندر، کشتیاں، سب انسان کے لئے مسخر کر دیئے گئے۔ انہیں قانون کی زنجیروں میں جکڑ دیا کہ انسان ان قوانین کا علم حاصل کر کے، ان سے کام لے۔ اور ان کی ضروریاتِ زندگی کا تمام سامان ان کے لئے مہیا کر دیا ــــ (۳۴ــ۳۲ : ۱۴)

(۳) مویشیوں کو انسان کے تابع فرمان کر دیا۔ ان میں افادی اور جمالیاتی دونوں پہلو ہیں ــــ

(۸ــ۵ : ۱۶)ــ(۳۶ : ۲۲)ــ(۸۰ــ۷۹ : ۴۰)ــ(۱۳ــ۱۲ : ۴۳)

(۴) مختلف اشیائے کائنات اس کے لئے مسخر کر دی گئیں ــــ (۱۲ــ۱۰ : ۱۶)

(۵) قرآن میں خود تمہارے لئے شرف و عظمت کی باتیں ہیں۔ اگر تم عقل و فکر سے کام لے کر اس کے مطابق چلو تو تمہیں یہ کچھ حاصل ہو جائے گا ــــ (۱۰ : ۲۱)

(۶) جو کچھ زمین میں ہے اور سمندر میں چلنے والی کشتیاں، سب انسان کے لئے مسخر کر دیں ــــ (۶۵ : ۲۲)

(۷) خدا نے انسان کو واجب التکریم بنایا ہے۔ اس لئے ہر انسانی بچہ محض انسان ہونے کی جہت سے یکساں عزت کا مستحق ہے ــــ (۷۰ : ۱۷)

(۸) ارض و سموٰت میں سب کچھ انسان کیلئے تابع تسخیر کر دیا گیا ــــ (۲۰ : ۳۱)

(۹) اسے احسن صور (بہترین صورت) میں پیدا کیا ــــ (۶۴ : ۴۰)ــ(۳ : ۶۴)

(۱۰) ارض و سموٰت میں سب کچھ انسان کے لئے تابع تسخیر کر دیا ــــ (۱۳ــ۱۲ : ۴۵)

(۱۱) انسان اس قوت کے ذریعے (جو اسے وحی کے اتباع سے حاصل ہو سکتی ہے) اقطار السموٰت والارض سے بھی آگے نکل سکتا ہے ــــ (۳۳ : ۵۵)

(۱۲) تم خدا سے وقار کے طالب کیوں نہیں ہوتے ــــ (۱۳ : ۷۱)

(۱۳) زمین کی پیداوار کو انسانوں اور ان کے مویشیوں کے لئے سامانِ زندگی بنایا ــــ (۳۲ : ۷۹)ــ(۳۲ : ۸۰)

(۱۴) انسان طبقاً طبقاً ارتقائی منازل طے کرتا ہوا، بلندیوں تک پہنچا جائے گا ــــ (۱۹ : ۸۴)

(۱۵) انسان کو بہترین ہئیت میں پیدا کیا۔ پھر یہ اپنے آپ کو پست ترین سطح پر لے جاتا ہے۔ بجز صاحبانِ ایمان و عمل کے ــــ (۵ــ۴ : ۹۵)

(۱۶) انسان کو علم حاصل کرنے کی استعداد دی ــــ (۵ــ۳ : ۹۶)۔ اور قوتِ گویائی بھی ــــ (۴ : ۵۵)

(۷) انسان وحی کے تابع چلے تو بہترین مخلوق ہے ——(۹۸ : ۷)

(۸) دنیاوی جاذبیتیں وجہِ زینت ہیں ——(۱۳ : ۳)

(۹) انسان اشرف المخلوقات تو نہیں البتہ بیشتر دکثیر) مخلوق سے افضل ہے ——(۱۷ : ۷۰)

(اس سلسلہ میں عنوان خلیفہ بھی دیکھئے)

رسول بھی انسان ہی ہوتے تھے

(۱) رسولوں کے خلاف اعتراض کہ وہ انسان ہیں۔ اور ان کا اعتراف کہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں ——(۱۰ : ۲)۔

(۱۱——۱۰ : ۱۴)——(۱۷ : ۹۴)

(۲) رسولوں کو انسان ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اگر زمین میں فرشتے بستے تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجدیا جاتا ——(۱۷ : ۹۵)

(۳) تمام رسول انسان تھے ——(۷۵ : ۲۲) خود نبی اکرمؐ بھی ——(۶ : ۴۱)

الناس (نوعِ انسان)

(۱) تمام نوعِ انسانی کی طرف رسول ——(۴ : ۱۰۵)——(۷ : ۱۵۸)——(۲۲ : ۴۹)——(۳۴ : ۲۸)

(۲) اے نوعِ انسان! اپنے نشوونما دینے والے کی عبودیت (محکومیت) اختیار کرو ——(۲ : ۲۱)

(۳) اے نوعِ انسان! حلال وطیب رزق کھاؤ۔ شیطان کا اتباع مت کرو ——(۲ : ۱۶۸)

(۴) اے نوعِ انسان! قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا ہے ——

(۴ : ۱)——(۲۲ : ۱)

(۵) قرآن تمام نوعِ انسان کی طرف بھیجا گیا ہے ——(۲ : ۱۸۵)——(۳ : ۱۳۷)——(۴ : ۱۰۵؛ ۱۷۵)——

(۶ : ۱۲۳)——(۱۰ : ۵۷)——(۱۰ : ۱۰۴؛ ۱۰۸)——(۱۴ : ۵۲)——(۱۶ : ۴۴)——(۱۷ : ۸۹)——(۱۸ : ۵۴)

(۲۸ : ۴۳)——(۳۹ : ۴۱)——(۴۵ : ۲۰)

نوٹ:۔ قرآن کریم میں الناس کا لفظ بمعنی نوعِ انسان بیشمار مقامات میں آیا ہے۔ ہم نے یہاں ان میں سے صرف ان مقامات کا حوالہ دیا ہے جہاں انسان کی کوئی خصوصیت نمایاں ہوتی ہے۔ دیگر مقامات متعلقہ عنوانات میں درج کئے جائینگے۔

(۶) کعبہ تمام نوعِ انسان کے لئے وجہِ قیام ہے ــــ (۲ : ۱۲۵) ــ (۵ : ۹۷) ــ (۳ : ۹۶ ؛ ۹۷) ــ (۹ : ۳) ــــ (۲۲ : ۲۸)

(۷) اسلامی نظام سے مقصود تمام نوعِ انسان کو عدل پر قائم رکھنا ہے ــــ (۵۷ : ۲۵)

(۸) امتِ مسلمہ کو تمام نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ــــ (۲ : ۱۴۳) ــ (۳ : ۱۰۹)

(۹) حضرت ابراہیمؑ کو نوعِ انسان کی امامت کا مستحق ٹھہرایا گیا ــــ (۲ : ۱۲۴)

(۱۰) تمام انسان خدا کے محتاج ہیں ــــ (۳۵ : ۱۵) ۔ رب الناس ۔ ملک الناس ۔ الٰہ الناس ــ (۱۱۴ : ۱-۳)

جنّ و انس

(۱) "جن و انس" (مہذب آبادی اور جنگلی قبائل) کے سرغنے ہمیشہ انبیاءِ کرامؑ کی مخالفت کرتے رہے اور ایک دوسرے کے دل میں ملمع سازی کی باتیں ڈالتے رہے ــــ (۶ : ۱۱۲)

(۲) جن و انس کی طرف انہی میں سے رسول آتے رہے ــــ (۶ : ۱۳۱)

(۳) جن و انس کی اکثریت جس روش پر جا رہی ہے، وہ روش انہیں جہنم کی طرف لے جائے گی۔ یعنی عقل و فکر سے کام نہ لے کر، ڈھور ڈنگر کی طرح، اندھی تقلید اختیار کئے رہنا ــ (۷ : ۱۷۹) ــــ (۱۱ : ۱۱۹) ــ (۴۱ : ۲۵) ــ (۴۶ : ۱۸)

(۴) گروہِ جن و انس سے کہا گیا کہ تم نکل سکتے ہو تو اقطار السمٰوٰت والارض سے آگے نکل جاؤ۔ ایسا اس قوت کے ذریعے کر سکتے ہو جو وحی کے اتباع سے حاصل ہو سکتی ہے ــــ (۵۵ : ۳۳)

(۵) جنوں کا قرآن سننا۔ جن و انس کے باہمی تعلقات ــــ (۷۲ : ۱-۶)

(۶) جن و انس ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں ــــ (۶ : ۱۲۹) ــ (۷۲ : ۶)

(۷) تم تمام جن و انس مل کر بھی اس قرآن کی مثل نہیں بنا سکتے ــــ (۱۷ : ۸۸)

(۸) حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں جن و انس شامل تھے ــــ (۲۷ : ۱۷)

(۹) جہنم میں جن و انس کے لیڈروں اور عوام کے مکالمے ــ (۴۱ : ۲۹)

(۱۰) جن و انس کو خدا کی عبودیت اختیار کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ــــ (۵۱ : ۵۶)

(۱۱) جن و انس یومِ قیامت میں ــ (۵۵ : ۳۹)

(۱۲) جنت کی حوروں کو جن وانس میں سے کسی نے چھوا نہیں ہوگا — (۵۶ : ۵۵) — (۷۴ : ۵۵)
(۱۳) جن وانس وحی کی تکذیب کرتے تھے — (۵ : ۷۲)
(۱۴) تمام اناس کو ان کے ائمہ کے ساتھ بلایا جائے گا — (۷۱ : ۱۷) - [اناسی یعنی انسان — (۴۹ : ۲۵)
(۱۵) جن وانس لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں — (۶ : ۱۱۴)

انسانی اختیار وارادہ

(۱) اگر خدا چاہتا تو انسانوں کو پیدا ہی اس طرح کرتا کہ یہ سب مجبوراً ایک راستے پر چلے جاتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے اسے اختیار وارادہ دیا ہے تاکہ یہ اپنی مرضی سے صحیح روش اختیار کرے۔ لیکن انسانوں کی اکثریت غلط راستے پر چلتی ہے — (۵۰-۴۹ : ۵) — (۹۳ : ۱۶)

(۲) اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگ باہمی اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن جو وحیٔ خداوندی کے تابع چلتے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے — اور انسانی خلقت کا منشاء بھی یہی ہے کہ یہ آپس میں اختلاف نہ کریں — اگر یہ اختلاف کرتے رہے تو ان کی زندگی جہنم کی ہوگی — (۱۱۹-۱۱۷ : ۱۱)

(۳) کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز رہتی ہے۔ (لیکن انسان صاحبِ اختیار وارادہ ہے اس لئے یہ سرکشی بھی اختیار کر لیتا ہے) — (۵۰-۴۹ : ۱۶) — (۱۸ : ۲۲)

(۴) مختلف افراد میں اکتسابِ رزق کی مختلف صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کے مطابق زیادہ کما کر اپنے اختیار وارادہ سے زاید از ضرورت رزق دوسروں کو دیدے — (۷۱ : ۱۶)

(۵) کائنات کی کوئی شے ان فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی (امانت میں خیانت) نہیں کرتی جو اس کے سپرد کئے گئے ہیں لیکن انسان ایسا کرتا ہے — اول الذکر مجبور ہیں یہ صاحبِ اختیار وارادہ۔ یہ اس سے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور جہالت کا ثبوت دیتا ہے — (۷۲ : ۳۳)

(۶) تم جو چاہو عمل کرو۔ یہ انسانی اختیار وارادہ کا منشور ہے — (۴۰ : ۴۱)

(۷) ہر واقعہ خدا کے قانون کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کو سمجھ لیا جائے تو پھر انسان نہ مصیبت سے گھبراتا ہے اور نہ کامیابی سے اوچھے پن پر اتر سکتا ہے — (۲۳-۲۲ : ۵۷)

(۸) موت وحیات اس لئے پیدا کیں کہ تمہیں اپنی صلاحیتوں کی نشوونما پر کھنے کا موقع مل سکے — (۲ : ۶۷)

(۹) انسان کو سمع و بصر و قلب دیا. لیکن بہت کم لوگ ان کا صحیح استعمال کرتے ہیں ـــــ (۲۳ : ۶۷)

(۱۰) ہر انسان پیدائشی طور پر جنت کا مستحق نہیں ہوتا. اسے یہ اپنے اختیار و ارادے سے حاصل کرنی ہوتی ہے ـــــ (۷۰ : ۳۸ـــ۳۹)

(۱۱) سمع و بصر دیئے اس لئے کہ یہ اپنے فیصلے آپ کرے. ہم نے اسے صرف راستہ دکھا دیا ہے. غلط یا صحیح راستہ اختیار کرنا اس کے اپنے اختیار کی بات ہے ـــــ (۷۶ : ۱ـــ۳)

(۱۲) کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں اور اس سے بازپرس نہیں ہوگی ؟ اسے دونوں راستے دکھا دیئے گئے ہیں. اب یہ جونسا راستہ جی چاہے اختیار کرے. اس کے مطابق اس کی منزل متعین ہو جائے گی ـــــ (۹۰ : ۵ـــ۱۰)

(۱۳)* انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں لٹکا رہتا ہے ـــــ (۱۷ : ۱۳) یہ اپنا محتسب آپ ہے ـــــ (۷۵ : ۱۴) (۳۵ : ۶۷)ـــ(۲۳ : ۸۹)

(۱۴) انسان اسی چیز کا مستحق ہے جس کے لئے وہ محنت اور کاوش کرے ـــــ (۵۳ : ۳۹)

(۱۵) کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے ناقۂ بے زمام کی طرح چھوڑ دیا جائے گا ـــــ (۷۵ : ۳۶)

انسانوں کی عالمگیر برادری

(۱) شروع میں انسان ایک ہی برادری تھے. پھر انہوں نے باہمی اختلاف کیا تو اسے مٹانے کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا گیا تاکہ انسان پھر سے ایک برادری بن جائیں ـــــ (۲ : ۲۱۳)ـــ(۱۰ : ۱۹)

(۲) تمہاری پیدائش اور بعثت نفسِ واحدہ کی طرح ہے ـــــ (۳۱ : ۲۸) شعوب و قبائل کی تفریق محض بغرض تعارف ہے ـــــ (۴۹ : ۱۳)

(۳) خدا نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا ہے ـــــ (۴ : ۱)ـــ(۶ : ۹۹)ـــ(۷ : ۱۸۹)ـــ(۳۹ : ۶)

(۴) جس نے ایک انسانی جان کو ناحق تلف کر دیا اس نے گویا پوری انسانیت کو تلف کر دیا. اور جس نے ایک انسانی جان کو بچا لی اس نے تمام نوعِ انسان کی جان کو بچا لی ـــــ (۵ : ۳۲)

(۵) بقا اسی نظام کے لئے ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے نفع بخش ہو ـــــ (۱۳ : ۱۷)

(۶) ہر انسان واجب التکریم ہے ـــــ (۱۷ : ۷۰)

(۷) سرمایہ داری کا نظام نوعِ انسان کو ایک برادری نہیں بننے دیتا — (۴۳ : ۳۳—۳۶)

(۸) خدا چاہتا تو انسانوں کو زبردستی ایک امت بنا دیتا — (۱۱ : ۱۱۸)

انسان کے بنیادی حقوق

یہ وہ حقوق ہیں جو ہر انسان کو محض انسان ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں جنہیں ہر انسان بطورِ حق طلب کر سکتا ہے اور جن کا تحفظ اسلامی نظام کا فریضہ ہے۔

(۱) احترامِ آدمیت۔ یعنی ہر انسانی بچہ پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم ہے — (۱۷ : ۷۰)

(۲) جنسی مساوات۔ ان فطری وظائف کو چھوڑ کر جو مرد اور عورت میں الگ الگ ہیں، ان میں کسی اور معاملہ میں کوئی فرق نہیں — (۴ : ۱) — (۳ : ۱۹۴) — (۳۳ : ۳۵) — (۴۹ : ۱۳)

(۳) سوسائٹی میں مدارج کا تعین صرف ذاتی جوہرِ کردار کی رو سے ہوگا — (۴۶ : ۱۹)۔ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوگا جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کا پابند ہوگا — (۴۹ : ۱۳)

(۴) کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا محکوم و غلام نہیں بنا سکتا۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوگی، افراد کی نہیں — (۳ : ۷۸)

(۵) کسی کی محنت غصب نہیں کی جائے گی — (۳۹ : ۷۰) — (۵۳ : ۳۹)

(۶) ہر ایک سے عدل کیا جائے گا — (۱۶ : ۹۰)۔ حتیٰ کہ دشمن سے بھی — (۴ : ۱۳۵) — (۵ : ۸)۔ قانون کی نگاہ میں سب یکساں ہوں گے — (۲ : ۴۸ ؛ ۱۲۳ ؛ ۲۸۶) — (۱۵ : ۱۰)

(۷) عدل کے علاوہ احسان بھی کیا جائے گا۔ یعنی جس میں کوئی کمی رہ جائے اس کمی کو پورا کیا جائیگا — (۱۶ : ۹۰)

(۸) ہر فرد (بلکہ ہر جاندار) کے رزق (بنیادی ضروریاتِ زندگی) کی ذمہ داری نظامِ معاشرہ پر ہوگی۔ (۶ : ۱۵۲) — (۱۱ : ۶) — (۱۷ : ۳۱)

(۹) جان کی حفاظت۔ یہ حق مشروط ہے اس سے کہ جن جرائم کی سزا قتل ہو ان میں جان لی جا سکتی ہے۔ اسے بالحق کہتے ہیں — (۲ : ۱۷۸) — (۵ : ۳۲) — (۶ : ۱۵۲)

(۱۰) مال کی حفاظت۔ یعنی جو کچھ قانون کی رُو سے کسی کی تحویل میں ہو اسے کوئی دوسرا چھین نہیں سکتا۔ نہ ہی اسے ناحق کھا سکتا ہے — (۲ : ۱۸۸) — (۴ : ۲۹)

(۱۱) سکونت کی حفاظت۔ (لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا جائز نہیں ــــ (۲:۸۵)

(۱۲) حفاظت عصمت ــــ (۲۴:۲)ــ(۴:۲۴)ــ(۳۳:۵۹)

(۱۳) شادی میں انتخاب کا حق ــــ (۴:۳)ــ(۴:۱۹)

(۱۴) حسن ذوق کا حق ــــ (۷:۳۲)

(۱۵) مذہبی آزادی ــ(۲:۲۵۶) (۹:۶)ــ(۱۰:۹۹)ــ(۱۶:۱۰۶؛۱۲۵)ــ(۱۸:۲۹)

(۱۶) غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ ــ(۲۲:۴۰)۔ ان کے معبودوں کو گالی مت دو ــ(۶:۱۰۹)

استبداد میں مذہبی آزادی نہیں مل سکتی ــ(۷:۱۲۳ــ۱۲۴)ــ(۱۰:۸۳)ــ(۱۴:۱۳)ــ(۲۰:۷۱)

(۲۶:۴۹)

(۱۶) مظلوم کو فریاد کا حق ــــ (۴:۱۴۸)

(۱۷) حیثیتِ عرفی کا تحفظ ــــ (۴:۱۴۸)ــ(۴۹:۱۱ــ۱۲)

(۱۸) جب تک کوئی مجرم ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اسے بے گناہ سمجھا جائے ــ(۲۴:۱۲؛۱۶)

(۱۹) امن کی ضمانت ــــ (۲:۳۸)

(۲۰) ہر شخص صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ــ(۶:۱۶۵)

(۲۱) حرث (کھیتی) اور نسل کا تحفظ ــ(۲:۲۰۵)

(۲۲) قانون کے نفاذ سے پہلے کا جرم، جرم نہیں ــ(۲:۲۷۵)ــ(۴:۲۲)

(۲۳) کسی کو "سبیل اللہ" سے روکنا جائز نہیں ــ(۳:۹۸)۔ اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنا درست نہیں۔ (۸:۳۶)۔ "سبیل اللہ" سے مراد ہے قوانینِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسان کی بھلائی کے کام۔

(۲۴) ماپ تول کا پورا کرنا ــــ (۶:۱۵۳)

(۲۵) ایفائے عہد۔ معاہدات کا احترام ــــ (۱۷:۳۴)

(۲۶) جو چیزیں قدرت کی طرف سے مفت عطا ہوتی ہیں انہیں کسی سے روکنا جائز نہیں ــ(۱۷:۲۰)۔ ان کا انتظام اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق مل جائے ــ(۴۱:۱۰)

متفرق

(۱) خدا اس کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ نوعِ انسان کی جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آئے ــ(۴:۱۳۳)ــ(۶:۱۳۴)

(۳۵:۱۶)ــ(۷۶:۲۸)

(۲) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی اولاد ہیں۔ اس کی تردید یہ کہہ کر کر دی کہ تم عام انسان ہو ــــ (۱۸:۵)

(۳) شروع میں تمام انسان ایک برادری کی طرح رہتے تھے۔ پھر انہوں نے (انفرادی مفاد پرستی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر) اختلافات شروع کر دیئے جنہیں مٹانے کے لئے رشد و ہدایتِ آسمانی کا سلسلہ شروع کیا گیا ــــ (۳۶-۳۵ : ۲) ــــ (۲۱۳ : ۲) ــــ (۱۹ : ۱۰)

(۴) ہر انسان کے لئے موت ہے۔ یہاں کوئی ہمیشہ نہیں رہ سکتا ــــ (۳۵-۳۴ : ۲۱)

(۵) انسان مدنی الطبع ہے اس لئے مختلف افراد کے مفاد کا باہمی تصادم ہوتا ہے۔ لیکن اسی سے انکی مضمر صلاحیتوں کی نمود بھی ہوتی ہے۔ یوں مختلف افراد ایک دوسرے کے لئے کٹھالی کا کام دیتے ہیں ــــ (۲۰:۲۵)

(۶) خدا کو دیکھ لینا انسان کے لئے ممکن نہیں ــــ (۲۱ : ۲۵)

(۷) انسان، نسب اور سسرال کے رشتوں سے منسلک ہے ــــ (۵۴ : ۲۵)

(۸) ماں کے جذبات بڑے شدید ہوتے ہیں۔ قصہ اُمِ موسیٰؑ ــــ (۱۰ : ۲۸)

(۹) عمر کا گھٹنا بڑھنا خدا کے طبیعی قانون کے مطابق ہوتا ہے ــــ (۱۱ : ۳۵)

(۱۰) انسانوں کے ساتھ خدا کی ہمکلامی کے طریقے ــــ رسولوں سے براہِ راست اور دوسرے انسانوں سے رسولوں کی وساطت سے ــــ (۵۱ : ۴۲)

(۱۱) زمین میں اور خود نفسِ انسانی میں آیاتِ خداوندی ہیں ــــ (۲۲-۲۱ : ۵۱)

(۱۲) انسان تنہا پیدا ہوتا ہے۔ پھر اولاد اور دولت بعد میں ملتی ہے جس پر اتراتا ہے ــــ (۱۳-۱۱ : ۷۴)

(۱۳) قیامت میں انسان اپنے خلاف آپ دلیل ہوگا ــــ (۱۴ : ۷۵)

(۱۴) شعوب و قبائل کی تقسیم محض بغرضِ تعارف ہے ــــ (۱۳ : ۴۹)

اختلافِ رنگ و لسان آیاتِ خداوندی میں سے ہے ــــ (۲۲ : ۳۰)۔ ان باتوں کو انسان کی وحدت پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔

(۱۵) جہنم کا ایندھن الناس اور الحجارۃ ــــ (۲۴ : ۲) ــــ (۶ : ۶۶)

(۱۶) جب عالمگیر انسانیت ربوبیتِ عالمینی کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی تو نظامِ سرمایہ داری ختم ہوگا ــــ (۶-۱ : ۸۳)

ــــــ (۰) ــــــ

۸۳۔ انصار

(نیز دیکھئے عنوان نصرت و ہجرت)

انصار (ن۔ص۔ر) مدد کرنیوالے۔ دینِ خداوندی کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں مدد کرنیوالے۔ اس عنوان میں صرف انہی کا ذکر کیا جائے گا۔ (تفصیل نصرت کے عنوان میں ملے گی)

——— (۰) ———

حضرت عیسٰےؑ کے حواری

(۱) جب حضرت عیسٰےؑ کے خلاف، مخالفین کی دراز دستیاں اپنی انتہا تک پہنچ گئیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ایسے کڑے وقت میں کون کون دینِ خداوندی کی مدد کرنے کے لئے تیار ہے۔ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ تو سب حواریوں نے بیک زبان کہا کہ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ —(۵۱ : ۳)—(۶۱ : ۱۴)۔ ہم دینِ خداوندی کی مدد کرینگے۔

(۲) ان حواریوں کی مثال دے کر جماعتِ مومنین سے کہا کہ کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ —(۶۱ : ۱۴)۔

غور کیجئے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کے بارہ شاگرد (متبعین) تھے۔ ان میں سے ایک نے تو آپ کو چند روپوں کے عوض دشمن کے ہاتھوں گرفتار کرا دیا اور باقی سب اس مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور قرآن کریم بتاتا ہے کہ انہوں نے ایسے کڑے وقت میں علی الاعلان کہا کہ ہم اس دعوت کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ہے خدا کی سچی کتاب اور محرف تعلیم کا فرق !

انصار

قرآن کریم نے ان مومنین کو، جنہوں نے سب سے پہلے حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہا تھا، مہاجرین اور انصار کی شقوں میں تقسیم کیا ہے۔ مہاجرین وہ جو مکہ (اور دیگر مقامات سے) ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اور انصار وہ جنہوں نے ان آنے والوں کی ہر طرح سے مدد کی —(۸ : ۷۲)—(۹ : ۱۰۰)—(۹ : ۱۱۷)۔ قرآن کریم نے ان

سب کے متعلق کہا ہے کہ "اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے" "اور ان کے لئے خدا نے جنت تیار کر رکھی ہے" ــــ (۹ : ۱۰۰)، انہیں مومنون حقا ــــ (۸ : ۷۴) پکے، سچے اور حقیقی معنوں میں مومن کہہ کر پکارا گیا ہے۔ جہاں محمدؐ رسول اللہ والذین معہ کہا ہے ــــ (۴۸ : ۲۹) ان میں انصار بھی شامل ہیں بلکہ مومنین کی جس قدر صفات بتائی گئی ہیں وہ سب ان میں موجود تھیں۔ خدا کی ان شہادات کے بعد، یہ تصور کرنا بھی خلافِ قرآن ہوگا کہ ان میں سے کسی سے بھی کوئی ایسی بات سرزد ہوئی تھی جو ایمان اور اسلام کے خلاف تھی۔ اگر تاریخ کوئی ایسی بات بتاتی ہے تو وہ غلط اور وضعی ہے کیونکہ یہ واضح اصول ہے کہ قرآن اور تاریخ کے کسی بیان میں اگر کبھی تضاد ہو تو قرآن کے بیان کو صحیح سمجھا جائے گا اور تاریخ کو غلط۔ کیونکہ قرآن کا ایک ایک لفظ حتمی اور یقینی ہے اور اس کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے۔ اور تاریخ بہرحال انسانی کوششوں کا نتیجہ فلہٰذا ظنی اور قیاسی ہے جس میں صحیح اور غلط دونوں کا احتمال ہے۔

ــــــــ (۰) ــــــــ

۸۴۔ اَنْعَامٌ

(واحد نَعَمٌ اور نَعَمٌ)

اَنْعَامٌ۔ اس کے معنی مال مویشی ہیں۔ عرب عام طور پر یہ لفظ اونٹ، بکری اور گائے کیلئے بولتے تھے۔ بعض نے اس میں بھیڑ اور دنبہ کو بھی شامل کیا ہے۔ قرآن کریم نے بھیمۃ الانعام کہا ہے ــــ (۵ : ۱)۔ بھیمۃ کے معنی ہیں وہ جو بول نہ سکے۔ یہ مویشیوں کی صفت ہے یعنی وہ بول نہیں سکتے۔ انگریزی میں جیسے (DUMB CATTLE) کہا جاتا ہے۔

(۱) انعام کا پرکشش ہونا بری بات نہیں۔ انہیں حاصل کرنا چاہیئے ــــ (۳ : ۱۳)

(۲) مویشیوں کے متعلق جاہلیتِ عرب میں مشرکانہ رسوم ــــ (۴ : ۱۱۹) ــــ (۶ : ۱۳۷) ــــ (۶ : ۱۳۸-۱۴۰) ــــ (۶ : ۱۴۴-۱۴۵)

(۳) تمام بھیمۃ الانعام حلال ہیں بجز ان کے جن کی حرمت کا قرآن میں خصوصیت سے ذکر آگیا ہے ــــ (۱ : ۵) ــــ (۳۰ : ۲۲)

(۴) انعام میں سے بعض سے باربرداری کا کام (جیسے اونٹ). بعض پست قامت ___(۶:۱۴۳).ان سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں اور ان کا گوشت کھایا جاتا ہے ___(۸۰ ; ۶۶ ; ۵ : ۱۶) ان کا دودھ پیا جاتا ہے ___(۲۱ : ۲۳)

(۵) انعام سبزی کھاتے (چرتے چگتے) ہیں ___(۲۰ : ۱۰).ان کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں ___(۲۸ : ۳۵). آٹھ جوڑے ___(۶ : ۳۹) ___(۱۱ : ۴۲). سواری اور گوشت کے لئے ___(۷۹ : ۴۰) ___(۱۲ : ۴۳) یہ تمہارے تابع فرمان ہوتے ہیں ___(۷۱ : ۳۶)

(۶) حج کی تقریب پر موشیوں کا ذبح کرنا ___(۲۸ : ۲۲) ___(۳۴ : ۲۲)

(۷) قدیم زمانے میں انعام اور بنین (افراد خاندان) بڑی نعمت ہوتے تھے ___(۱۳۳ : ۲۶). یہ خدا کی مخلوق ہیں ___(۴۹ : ۲۵).انہیں خدا نے "اپنے ہاتھوں سے" بنایا ہے ___(۷۱ : ۳۶)

(۸) زمین کی پیداوار سے تم بھی کھاتے ہو اور تمہارے انعام بھی چرتے چگتے ہیں ___(۵۴ : ۲۰) ___(۲۷ : ۳۲) ___(۳۳ : ۷۹) ___(۳۲ : ۸۰)

(۹) عقل و فکر سے کام نہ لینے والے انسان، موشیوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ___(۷:۱۷۹)

(۱۰) کفار، حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں ۔ کھاتے پیتے ہیں (اور مرجاتے ہیں) ___(۴۷ : ۱۲)

(۱۱) حالتِ احرام میں شکار کرنے کا کفارہ ___(۵ : ۹۵)

———— (۰) ————

۸۵ - انفاق

(نیز دیکھئے۔ مال ۔ بخل ۔ معاشی نظام)

انفاق۔ مادہ (ن ۔ ف ۔ ق)۔ نَفَقٌ اُس سرنگ کو کہتے ہیں جس میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں۔ نُفَقَۃٌ نیفہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے دونوں سرے کھلے ہوتے ہیں۔ اس لئے انفاق کے معنی ہیں اپنی دولت کو اس طرح کھلا رکھنا کہ جس وقت ضرورت پڑے وہ دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے کام آسکے۔ اسے عام طور پر خرچ کرنا کہتے ہیں۔ لیکن خرچ کرنے کے مقابلہ میں کھلا

رکھنا اس کے مفہوم کو زیادہ واضح کرتا ہے. یعنی دولت کو خرچ تو عندالضرورت کیا جائے لیکن اس مقصد کے لئے وہ کھلی ہر وقت رہے۔

قرآنی نظام معیشت کی بنیاد انفاق پر ہے۔ دولت کو جمع کر کے' اسے صرف اپنی ذات کے لئے سمیٹ رکھنا بخل ہے جو مومن کی ذہنیت کی ضد ہے۔ مومن بڑی محنت سے کماتا ہے اور اپنی ضروریات سے زاید جتنی دولت ہو اسے انسانیت کی بہبود کے لئے ہر وقت کھلا رکھتا ہے کہ قرآنی نظام کو جس وقت ضرورت پڑے اسے اس مقصد کے لئے لے لے۔

انفاق فی سبیل اللہ

"فی سبیل اللہ" کے معنی ہوتے ہیں ان مقاصد کے لئے جنہیں قرآن کریم نے نوع انسان کی بہبود عامہ، اور نظام حق و صداقت کے قیام و استحکام کے لئے متعین کیا ہے۔

(۱) انفاق فی سبیل اللہ سے نہ تو دوسروں پر احسان جتاؤ نہ ہی انہیں اذیت پہنچاؤ ــــ (۲:۲۶۲)

(۲) انفاق کے بغیر تم بِرّ (کشادہ نیکی) تک نہیں پہنچ سکتے ــــ (۲:۱۷۷)ــ(۳:۹۱)۔ انفاق بہترین چیزوں کا کرو۔ ان میں خبیث کی ملاوٹ مت کرو ــــ (۲:۲۶۷)

(۳) کوئی ایسی وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم انفاق نہ کرو ــــ (۵۷:۱۰)

(۴) انفاق لابتغاء وجہ اللہ ہونا چاہیئے. یعنی خالصۃً ان مقاصد کے لئے جنہیں خدا نے متعین کیا ہے اور دل کی پوری رضامندی کے ساتھ ــــ (۲:۲۷۲)۔ اس میں ریا کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے ــ(۲:۲۶۴) اس کا جذبہ قربات خداوندی ہونا چاہیئے ــــ (۹:۹۹)

جماعت مومنین اور انفاق

(۱) قبل فتح مکہ اور بعد فتح، انفاق کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے ــــ (۵۷:۱۰)

(۲) انفاق، ایمان کا امتحان (ٹیسٹ) ہے ــ (۴:۳۹)

(۳) جو کچھ خدا نے دیا ہے، اس میں سے سراً و علانیۃ انفاق کرو ــــ (۲:۲۷۴)ــ(۳:۱۳۳)ــ(۱۳:۲۲)ــ(۱۴:۳۱)ــ(۱۶:۷۵)ــ(۳۵:۲۹)

(۴) انفاق سے اجرِ کبیر ــــ (۷ : ۵۷)

(۵) مومنین کی خصوصیت۔ جو رزق خدا نے دیا ہے اس کا انفاق ــــ (۳ : ۲)ــ(۱۶ : ۳)ــ(۴-۳ : ۸)

ــ(۲۲ : ۳۵)ــ(۶۰ : ۲۳)ــ(۵۴ : ۲۸)ــ(۱۶ : ۳۲)ــ(۳۸ : ۴۲)ــ(۷ : ۵۷)

(۶) ان میں اگر کسی کے پاس انفاق کے لئے کچھ نہیں ہوتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں لیکن ان کی ذاتی محنت ان کی مالی قربانی کی جگہ لے لیتی ہے ــــ (۹۲-۹۱ : ۹)

(۷) انفاق تھوڑا ہو یا بہت، سب عملِ خیر ہے ــــ (۱۲۱ : ۹)

(۸) انفاق کرو قبل اس کے کہ یومِ حساب آجائے ــــ(۲۵۴ : ۲)ــ(۱۰ : ۶۳)

(۹) اپنی محنت اور زمین کی پیداوار دونوں سے انفاق ــــ (۲۶۷ : ۲)

(۱۰) جس مال کے تم مالک بنے اس میں سے انفاق کرو ــــ (۷ : ۵۷)

(۱۱) مومنین کی صفت منفقین ہے ــــ (۱۶ : ۳)

(۱۲) مومنوں کے مال میں محتاجوں کا حق ہے۔ حق کا لفظ قابلِ غور ہے یعنی انہیں بطور خیرات نہیں دیا جاتا۔ وہ اپنا حق وصول کرتے ہیں ــــ (۳۸ : ۳۰) ــــ (۲۴ : ۷۰)

(۱۳) جو شُحِّ نفس سے محفوظ رہے وہ مومن ہے۔ یعنی دل کی تنگی سے ــــ(۹ : ۵۹)ــ(۱۶ : ۶۴)

انفاق کا پروگرام

اسلامی زندگی دو منازل پر مشتمل ہوتی ہے۔ منزلِ اول وہ ہوتی ہے جس میں ہنوز اسلامی مملکت کا قیام عمل میں نہ آیا ہو (اس کے قیام کے لئے کوشش کی جا رہی ہو)۔ اس منزل میں انفاق، انفرادی طور پر ہوگا منزلِ دوم وہ ہوگی جس میں مملکتِ اسلامی قائم ہو چکی ہو۔ اس وقت انفاق کی حیثیت اجتماعی یا نظام کی طرف سے ہوگی۔ ان ہر دو مراحل کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) جو کچھ بھی تم انفاق کرو اس کی ابتدا اپنے والدین، اقرباء وغیرہ سے کرو ــــ (۲۱۵ : ۲)

(۲) انفاق میں اعتدال ملحوظ رکھو ــــ (۶۷ : ۲۵)

(۳) اپنی ضروریات سے زائد جو کچھ ہے سب کا سب انفاق ــــ (۲۱۹ : ۲)

(۴) پیشہ ور گداگروں کو مت دو ــــ (۲۷۳ : ۲)

انفاق کے نتائج و ثمرات

(۱) تمہارے انفاق کا علم خدا کو ہے ــــ (۲ : ۲۷۰) ــ (۲ : ۲۷۳) ــ (۳ : ۹۱)
(۲) تمہارے انفاق کا بدلہ اس طرح ملے گا۔ جیسے خزاں کے بعد درختوں پر بہار آتی ہے ــــ (۳۴ : ۳۹)
(۳) انفاق خود تمہاری اپنی ذات کی بہتری کے لئے ہے ــ (۲ : ۲۷۲)۔ یہ تمہیں واپس مل جائے گا ــــ
(۲ : ۲۶۵ ؛ ۲۷۲) ــ (۸ : ۶۰) ــ (۶۴ : ۱۶) ــ (۹۲ : ۵ ؛ ۸)
(۴) انفاق نہ کرو گے تو تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے لیگی ــــ (۴۷ : ۳۸)۔ عذاب الیم ــ (۹ : ۳۴)
(۵) انفاق کا بدلہ کھیتی کی طرح۔ ایک ایک دانہ سے سات سات سو دانے ــــ (۲ : ۲۶۱) ــ (۲ : ۲۶۵)
(۶) انفاق کرو ورنہ تباہی آجائے گی ــــ (۲ : ۱۹۵) ــ (۴۷ : ۳۸) ــ (۵۷ : ۲۴)
(۷) جنہیں دیا جاتا ہے، ان سے اس کا بدلہ تو ایک طرف، شکریہ تک کی بھی تمنا نہیں کرنی چاہیئے۔ انفاق اپنا بدلہ آپ ہوتا ہے۔ یعنی اس سے انسان کی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے اور نظامِ خداوندی کا قیام و استحکام ــــ (۹ : ۷۶)

اللہ کو قرض دینا

(انفاق فی سبیل اللہ کے لئے دوسری اصطلاح "اللہ کو قرض دینا" ہے۔ کیونکہ جو کچھ انفرادی طور پر دیا جاتا ہے وہ اجتماعی طور واپس مل جاتا ہے اور دینے والے کی ذات کی نشو و نما الگ ہو جاتی ہے)

(۱) جو اللہ کو قرض دے گا اللہ اسے کئی گنا کر کے واپس دے گا ــــ (۲ : ۲۴۵)
(۲) اس کی مثال کھیتی کی ہے جس میں ایک ایک دانے کے بدلے میں سینکڑوں دانے اگتے ہیں ــ (۲ : ۲۶۱)
(۳) انفاق فی سبیل اللہ واپس مل جائے گا۔ اس میں ذرا کمی نہیں آئے گی ــ (۸ : ۶۰) ــ (۳۴ : ۳۹)
(۴) اللہ کو قرض دو ــــ (۵ : ۱۲) ــــ (۵۷ : ۱۱ ؛ ۱۸) ــــ (۶۴ : ۱۷) ــــ (۷۳ : ۲۰)
(۵) بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کو قرض دیں گے ــــ (۵ : ۱۲)

منافقین کا انفاق

انفاق کا جذبۂ محرکہ یہ ہونا چاہیئے کہ اس سے میری ذات کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اگر اس میں اپنے کسی طبعی مفاد

کا جذبہ۔ یا پندارِ نفس (بڑا بننے) کا جذبہ شامل ہوگیا تو یہ ذہنیت "کاروباری" ہوگئی۔ اسے قرآن نے منافقت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ مومنین کے شعار کے یکسر خلاف ہے۔

(۱) خدا نے ان لوگوں کی بات سن لی جو کہتے ہیں کہ ہم سے جو کہا جاتا ہے کہ تم دو' اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا محتاج ہے اور ہم غنی ہیں ـــ (۱۸۰ : ۳)

(۲) جو خدا نے دے رکھا ہے اُسے چھپانا یا لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرنا' ایمان نہیں ـــ (۳۹-۳۸ : ۴)

(۳) کفار اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں ـــ (۳۶ : ۸)

(۴) منافقین کا انفاق قابلِ قبول نہیں ـــ (۵۳ : ۹)

(۵) جو انفاق بطیبِ خاطر نہ ہو اسے قبول نہیں کیا جا سکتا ـــ (۵۴ : ۹)

(۶) منافق اپنے ہاتھ روکے رکھتے ہیں ـــ (۶۷ : ۹)

(۷) منافق پہلے وعدہ کرتا ہے کہ اگر خدا نے مجھے دیا تو میں انفاق کرونگا لیکن بعد میں بخل کرنے لگ جاتا ہے (۷۶-۷۵ : ۹)

(۸) منافق' انفاق فی سبیل اللہ کو جرمانہ سمجھتا ہے ـــ (۹۸ : ۹)

(۹) جب ان سے انفاق کے لئے کہا جاتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ ان بھوکوں کو روٹی کھلانا چاہتا تو خود ہی کیوں نہ کھلا دیتا۔ ہمیں کیوں کہتا ـــ (۴۷ : ۳۶)

(۱۰) منافق تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لیتے ہیں ـــ (۳۴ : ۵۳)

(۱۱) منافق کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھیوں کے لئے کچھ نہ دو۔ اس طرح یہ خود ہی اس کا ساتھ چھوڑ دینگے۔ (۷ : ۶۳)

(۱۲) جو انفاق ریا کی خاطر ہو وہ باطل ہوتا ہے ـــ (۲۶۴ : ۲)۔ اسکی مثال ـــ (۱۱۶ : ۳) ـــ (۳۸ : ۴)

متفرقات

(۱) شیطان (یعنی مفادِ خویش کا جذبہ) ڈراتا ہے کہ تم انفاق سے محتاج ہو جاؤ گے ـــ (۲۶۸ : ۲)

(۲) سوچو کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور تمہارا سب اثاثہ ختم ہو جائے تو تمہارا کیا حال ہو؟ اسی سے دوسروں کی ضرورت کا اندازہ لگاؤ ـــ (۲۶۶ : ۲)

(۳) غلام اور آزاد میں فرق یہ ہے کہ آزاد' انفاق کا اختیار رکھتا ہے ـــ (۷۵ : ۱۶)

(۴) ذاتی اخراجات میں نہ کنجوسی کرو نہ فضول خرچی ـــ (۲۹-۲۷ : ۱۷) ـــ (۶۷ : ۲۵)

۰۸۶۔ اوّل

اوّل سب سے پہلا۔ پہلی مرتبہ۔

صفتِ خداوندی

قرآنِ کریم میں خدا کے لئے ھوالاول والاخر کے الفاظ آئے ہیں۔۔۔(۳ : ۵۷)۔ اس سے مراد ہے زمان کی حدود سے ماوراء۔ یہ وہ لامحدودیت ہے جس کا تصور انسانی ذہن نہیں کرسکتا۔ اس صفت میں کوئی اور شریک نہیں۔

صفتِ نبوی

(۱) رسول سب سے پہلے پیغاماتِ خداوندی پر خود ایمان لاتا ہے۔۔۔(۲۸۵ : ۲)۔۔۔(۱۴۳ : ۷)
وہ ان احکام کے سامنے سب سے پہلے خود تسلیم خم کرتا ہے۔۔۔(۱۶۴ : ۶)۔۔۔(۱۲ : ۳۹)
وہ سب سے پہلے، غلط عقاید و نظریات سے اظہار نفرت و بریت کرتا ہے۔۔۔(۸۱ : ۴۳)

(۲) حضرت موسےٰؑ نے اپنے آپ کو اول المومنین کہا۔۔۔(۱۴۳ : ۷)

(۳) ساحرین دربار فرعون نے کہا کہ ہم سب سے پہلے ربّ موسےٰؑ پر ایمان لاتے ہیں۔۔۔(۵۱ : ۲۶)

السّابقون الاوّلون　صحابہ کبارؓ　(۱۰۰ : ۹)

کعبہ

(۱) سب سے پہلا گھر، جو انفرادی اور قومی نسبتوں سے بلند ہو کر، عالمگیر انسانیت کے لئے بنایا گیا۔۔۔(۹۵ : ۳)

قیامت　اولین و آخرین سب جمع ہو جائینگے　(۴۹ : ۵۶)　(۳۸ : ۷۷)

تخلیق

(۱) خدا سب سے پہلے مرتبہ کائنات اور انسان کو عدم سے وجود میں لایا ــ (۶ : ۹۴) ــ (۵۱ : ۱۷) ــ
ــ (۱۸ : ۴۸) ــ (۲۱ : ۱۰۴) ــ (۷۹ : ۳۶) ــ (۲۱ : ۴۱) ــ (۱۵ : ۵۰)

اوّلون یا اوّلین

بمعنی اسلاف - امم سابقہ - نیز دیکھئے عنوان امم سابقہ ــ (۶:۱۲۵) ــ (۳۸ ؛ ۳۱ : ۸) ــ (۱۳ و ۱۰ : ۱۵)
(۱۷ : ۵۹) ــ (۱۸ : ۵۵) ــ (۲۱ : ۵) ــ (۲۳ : ۲۴ ؛ ۸۱) ــ (۲۷ : ۱۷) ــ (۵۶ : ۴۸)

ــــــ (۰) ــــــ

۸۷- اولاء - اولوا

اُولاءِ - یہ سب - اُولٰئِکم - وہ سب - (۴ : ۹۱)، اُولُوا بمعنی "والے" - (۲۹ : ۳۸)

ــــــ (۰) ــــــ

۸۸- اولاد

اولاد (مادہ و - ل - د) - اولاد کا لفظ عام طور پر بیٹے بیٹیوں کے بولا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں بیٹے بیٹیوں کے علاوہ، ان کی اولاد در اولاد (پوتے، پوتیاں وغیرہ) کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جس طرح والدین باپ، اور اس کے اوپر نسبی سلسلہ (دادا وغیرہ) سب شامل ہوتے ہیں۔

ــــــ (۰) ــــــ

اولاد کی محبت

(۱) اولاد وجہ کشش اور باعثِ زینت ہے لیکن اس کا تعلق صرف انسان کی طبیعی زندگی سے ہے ــ (۳ : ۱۳)
(۱۸ : ۴۶)

(۲) حضرت ذکریا کی اولادِ صالح کے لئے دعا ـــــ (۳۷ : ۳)ـــ(۷ ـ ۶ : ۱۹)

(۳) قتلِ اولاد تباہی کا موجب ہے۔ ـــــ (۱۴۰ : ۶)۔ عربوں کے بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ ویسے قتل کے معنی تعلیم و تربیت سے محروم رکھ کر ذلیل و خوار بنا دینا بھی ہیں۔

(۴) حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میری اولاد میں سے جو میرا اتباع کریگا وہی میرا اپنا ہے۔ دین میں اپنے اور بیگانے کا اصول ہی یہ ہے ـــــ (۳۶ : ۱۴)

(۵) بنی اسرائیل کو کثرتِ اولاد سے طاقت ور بنایا ـــــ (۶ : ۱۷)۔ قومِ نوحؑ ـــ (۱۲ : ۷۱)

(۶) اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل مت کرو۔ ہم تمہارے اور ان کے، دونوں کے رزق کے ذمہ دار ہیں ـــــ (۱۵۱ : ۶)ـــ(۳۱ : ۱۷)۔ خدا کی یہ ذمہ داری اس نظامِ معاشرہ کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے جو قوانینِ خداوندی کے مطابق قائم ہوتا ہے ـــــ (۱۲ : ۶۰)

(۷) صالح اولاد کا ملنا خدا کی رحمت ہے ـــــ (۸۱ : ۱۸)ـــــ (۱۵ : ۴۶)

(۸) اولاد میں بیٹے، بیٹیاں، یا دونوں، یا بے اولاد رہنا سب خدا کے قانونِ طبعی کے مطابق ہوتا ہے۔ (۵۰۔۴۹ : ۴۲)

(۹) مومنین کی دعائیں کہ ان کے بیوی بچوں کو قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب) بنا یا جائے ـــ (۷۴ : ۲۵)

اولاد باعثِ فتنہ

(۱) مال، اولاد وغیرہ سب باعثِ زینت ہیں۔ لیکن جب ان میں سے کوئی شے، حق کے راستے میں حائل ہو جائے اور انسان کو غلط راستہ اختیار کرنے کی طرف مائل کر دے تو یہی چیزیں فتنہ بن جاتی ہیں۔ جب بھی کسی مستقل قدر اور دنیاوی متاع کشمکش میں تصادم ہو (ان میں ٹکراؤ پڑ جائے) تو مستقل قدر کی حفاظت کی خاطر ان چیزوں کو قربان کر دینا چاہیئے۔ اگر ان چیزوں کی محبت غالب آجائے تو یہ چیزیں تباہی کا موجب بن جاتی ہیں ـــــ (۲۸ : ۸)ـــ(۲۴ : ۹)ـــ(۲۲ : ۵۸)

(۲) مخالفین کی کثرتِ اولاد تعجب میں نہ ڈال دے۔ یہی چیز ان کے لئے تباہی کا موجب بن جائے گی ـــــ

(۸۵ ; ۵۵ : ۹)ـــ(۸۰ـــ۷۷ : ۱۹)ـــ(۲۱ : ۷۱)

(۳) شیطان لوگوں کی اولاد کو بگاڑ کر فتنہ پیدا کرتا ہے ـــــ (۶۴ : ۱۷)

(۴) تمہارا مال اور اولاد تمہیں قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل نہ کر دیں ـــ (۹ : ۶۳)
(۵) تمہاری ازواج اور اولاد میں سے بعض تمہاری دشمن ہیں۔ یہ موجب فتنہ بن جاتے ہیں ـــ (۱۵-۱۴ : ۶۴)
(۶) اولاد کے زعم پر حق کی مخالفت ـــ (۱۴ : ۶۸) ـــ (۱۳ : ۷۴)
(۷) مکافاتِ عمل کے وقت اولاد کسی کام نہیں آسکے گی ـــ (۳۳ : ۳۱)

اعمال کے مقابلہ میں اولاد

(۱) کسی کا مال یا اولاد اسے اس کے تباہ کن اعمال کے نتائج سے نہیں بچا سکتے ـــ (۱۱۵ : ۳ ؛ ۹) ـــ (۸۸ : ۲۶)
ـــ (۳۳ : ۳۱) ـــ (۳۷ : ۳۴) ـــ (۱۷ : ۵۸) ـــ (۳ : ۶۰)
(۲) کفار قیامت میں چاہیں گے کہ بیوی بچے فدیہ میں دے کر چھٹکارا حاصل کریں لیکن ایسا نہیں ہوسکیگا۔ (۱۲ : ۷۰)
(۳) مال اور اولاد تباہی کا باعث ـــ (۲۱ : ۷۱)
(۴) مال اور اولاد خدا کے تقرب کا موجب نہیں بن سکتے ـــ (۳۷ : ۳۴)
(۵) اس دن یہ سب اسے چھوڑ کر بھاگ جائینگے ـــ (۳۶ : ۸۰)

اقوامِ گذشتہ کی تباہی کا ایک سبب

انسان کی ابتدائی تمدنی زندگی خاندانوں پر مشتمل تھی اور جس خاندان کے افراد کی کثرت ہوتی تھی وہ دیگر خاندانوں کے مقابلہ میں زیادہ قوت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ حقیقی قوت کا راز انسانوں کے جوہر اور صلاحیتیں ہیں افرادِ خاندان کی کثرت نہیں۔

(۱) کثرتِ اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا تو کوئی مستحسن مقصدِ حیات نہیں ـــ (۲۰ : ۵۷)
(۲) جو اقوامِ سابقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئیں، تباہ ہوگئیں ـــ (۳ ؛ ۹) ـــ (۶۹ : ۹) ـــ (۵۵ : ۲۳)
ـــ (۱۳۳ : ۲۶) ـــ (۳۵ : ۳۴) ـــ (۱۲ : ۷۱)

خدا کی اولاد کا عقیدہ

(۱) یہ کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد بھی ہے۔ وہ ایسے باطل تصورات سے بلند اور منزہ ہے۔ کائنات کی ہر شے اسکے

پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے ۔(۲ : ۱۱۶) — (۴ : ۱۷۱) — (۶ : ۱۰۱) — (۱۰ : ۶۸) — (۱۷ : ۴۰؛ ۱۱۱) — (۱۸ : ۴-۵) — (۱۹ : ۳۵؛ ۸۸—۹۵) — (۲۱ : ۲۶) — (۲۳ : ۹۱) — (۲۵ : ۲) — (۳۹ : ۴) — (۴۳ : ۸۱) — (۷۲ : ۳)

(۲) وہ ساری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس کا انداز تخلیق کا ہے تولید کا نہیں۔ اس کی نہ بیوی ہے نہ اولاد — (۶ : ۱۰۲)

(۳) اولاد میں سے بھی خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور اپنی یہ حالت ہے کہ جب بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے اور وہ شرم کے مارے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے —
(۶ : ۱۰۱) — (۱۶ : ۵۷—۵۹) — (۳۷ : ۱۴۹—۱۵۴) — (۴۳ : ۱۶—۱۸) — (۵۲ : ۳۹)

(۴) جس خدا کے اولاد بھی ہو، قطعاً اس قابل نہیں کہ اسے خدا بنایا جائے — (۴۳ : ۸۱)

(۵) نہ اس کی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد — (۱۱۲ : ۱—۴)

(۶) یہودی عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو — (۹ : ۳۰)

(۷) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی اولاد ہیں — (۵ : ۱۸)

اولاد کی وراثت

اولاد کی وراثت کے احکام۔ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر — (۴ : ۱۱-۱۲)۔ چونکہ اولاد میں پوتے پوتیاں وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں، اس لئے جب کسی کا بیٹا فوت ہو گیا ہو تو اس کا پوتا، بیٹے کی جگہ حصہ پائیگا۔ یوں دادا کی وراثت سے، یتیم پوتے کو حصہ ملے گا جس طرح اُس پوتے کے ترکہ سے جس کا باپ فوت ہو چکا ہو، دادا کو حصہ ملتا ہے — (نیز ۴ : ۱۷۷)

(تفصیل کے لئے عنوان وراثت دیکھئے)

متفرقات

(۱) توہم پرستانہ مسالک میں قتلِ اولاد کو کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا — (۶ : ۱۳۷) — (۶ : ۱۴۰)

(۲) بچے کی پرورش کی ذمہ داری باپ پر ہوتی ہے — (۲ : ۲۳۳)

(۳) اگر بیٹے کے اعمال صالح نہ ہوں اور وہ ایمان میں شریک نہ ہو تو وہ بھی اپنے اہل میں سے نہیں رہتا ــ (۴۵:۱۱)

(۴) "مباہلہ" میں ابناء بھی شامل تھے ــ (۶۰ : ۳)

(۵) منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں بن جاتے ــ (۴ : ۳۳)

ـــــ (۰) ـــــ

۱۰۸۹ اہل

اہل عبرانی زبان میں اہل کے معنی خیمہ ہوتے ہیں۔ اس اعتبار کا لفظ اپنے ابتدائی معنوں میں ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا جو ایک خیمہ میں رہتے ہوں۔ اسی سے اہل بیت (گھر کے لوگ)، اہل خاندان (ایک قبیلہ یا خاندان کے افراد) بولنے لگے۔ ازاں بعد یہ لفظ ان تمام افراد کے لئے استعمال ہونے لگا جو حسب نسب، پیشہ، وطن یا دین میں مشترک ہوں۔

(۲) اھل لکذا۔ وہ اس کا مستحق ہے۔ اسی سے اھل کے معنی مستحق کے آتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم میں اھل الکتاب کا ذکر اکثر آتا ہے۔ اس کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے۔

(۴) اہل اور غیر اہل کے الفاظ ان معانی میں بھی آتے ہیں جن معانی میں ہمارے ہاں "اپنے اور بیگانے" کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے ایک عظیم حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ حضرت نوحؑ سے خدا نے وعدہ کیا کہ "تیرے اہل کو بچا لیا جائے گا" لیکن ان کا بیٹا بچایا نہ گیا۔ وہ غرق ہو گیا تو آپ نے بحضور رب العزت عرض کیا کہ بارالہا! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ تیرے اہل کو بچا لیا جائے گا سو بیٹے سے زیادہ اہل اور کون ہو سکتا ہے۔ وہ کیوں نہ بچایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ نوحؑ! وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا۔ اس لئے کہ انہ عمل غیر صالح ــ (۴۶ : ۱۱)۔ اس کے اعمال غیر صالح تھے۔ وہ ایمان نہیں لایا تھا (۴۲:۱۱)۔ اس سے اپنوں اور بیگانوں کا قرآنی معیار سامنے آ گیا۔ اپنے وہ جو ایمان میں مشترک ہوں۔ اور بیگانے وہ جو ایمان میں مشترک نہ ہو۔ اسی کو اسلامی معیار قومیت کہتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے)

(۵) قرآن کریم میں یہ لفظ اھل کتاب کے علاوہ حسب ذیل مفاہیم کے لئے آیا ہے۔

اھل القریٰ۔ کسی بستی کے باشندے ــ (۹۶ : ۷)۔ اھل المدینۃ ــ (۱۲۰:۹)۔ اھل البیت ــ (۷۳ : ۱۱) ــ (۱۲ : ۲۸) ــ (۳۳ : ۳۳)

اھل الذکر ــــ (۴۳ : ۱۶)، اھل یثرب ــــ (۱۳ : ۳۳)۔ اھل التقویٰ ــــ (۵۶ : ۷۴)

اھل المغفرۃ ــــ (۵۶ : ۷۴)

(۶) امانات ان کے اہل کے سپرد کرو ــــ (۵۸ : ۴)

ـــــ (۰) ـــــ

۹۰۔ اہلِ کتاب

قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ (۱) دنیا کی ہر قوم کی طرف نبی آئے۔ اور (۲) ہر نبی کو خدا کی طرف سے کتاب دی گئی۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو دنیا کی ہر قوم کے متعلق یہ سمجھا جائے گا کہ انہیں کسی نہ کسی زمانے میں کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب ملی تھی۔ لہٰذا، ہر قوم کو اہلِ کتاب کہا جا سکے گا۔ لیکن قرآن کریم نے "اہلِ کتاب" بالخصوص ان اقوام کو کہا ہے جو زمانہ نزولِ قرآن میں اس امر کی مدعی تھیں کہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہے، اور قرآن کے اولین مخاطب ان سے واقف تھے۔ قرآن نے تصریحاً نہیں بتایا کہ وہ کون کون سی اقوام یا اہلِ مذاہب تھے لیکن عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان سے مراد یہودی اور عیسائی تھے کیونکہ انہی دو مذاہب کے پیرو اس زمانے میں عربوں کے آس پاس رہتے تھے۔ اگرچہ قرآن میں مجوس اور صابئین کا بھی نام آیا ہے۔ ــــ (۱۷ : ۲۲)

(۲) قرآنِ کریم میں "اہلِ کتاب" کے علاوہ "الذین اوتوا الکتاب" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اسے ہم نے "کتاب" کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ لہٰذا "اہلِ کتاب" کے متعلق قرآنی تفصیلات کے لئے زیرِ نظر عنوان کے علاوہ اُس عنوان کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے۔ "الذین اوتوا الکتاب" کے الفاظ بعض آیات میں خود مسلمانوں کے لئے بھی آئے ہیں۔ اس کی تصریح بھی "کتاب" کے عنوان میں کر دی گئی ہے۔

(۳) قرآنِ کریم نے یہود اور نصاریٰ کے مشرکانہ عقاید اور کافرانہ مسلک کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس اعتبار سے ان کا شمار "مشرکین" میں ہوگا۔ لیکن قرآن نے مشرکین میں اور اہلِ کتاب میں خود ہی کچھ امتیاز کیا ہے ــــ مثلاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کا سلسلہ مناکحت (نکاح) جائز نہیں لیکن "الذین اوتوا الکتاب" کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود، اہلِ کتاب کو بھی اسلام لانے کی اسی طرح دعوت دی گئی ہے جس طرح مشرکین اور کفار (ہر غیر مسلم) کو دعوت دی گئی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ دنیا کے کسی

اہلِ مذہب کے پاس بھی وہ کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں جو ان کے نبی کو خدا کی طرف سے ملی تھی۔ وحی کی تعلیم اپنی حقیقی اور منزّہ شکل میں اب صرف قرآنِ کریم کے اندر ہے اس لئے دنیا کے ہر انسان کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے اس کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہی الدین ہے اور یہی الاسلام۔

(۴) اہلِ کتاب کے سلسلہ میں "بنی اسرائیل"، یہود اور نصاریٰ کے عنوانات بھی دیکھئے۔ نیز تورات، زبور انجیل کے عنوانات بھی۔

اهل الكتاب

(۱) اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے (یعنی جو قرآن پر ایمان نہیں لاتے) اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کو حضورؐ کی وساطت سے آسمانی ہدایت مل جائے۔—(۲:۱۰۵)—(۹۸:۱)
یہ سب نارِ جہنم میں—(۹۸:۶)

(۲) اہلِ کتاب کے حسد کا یہ عالم ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان، ایمان لانے کے بعد پھر سے کافر ہو جائیں (۲:۱۰۹)۔(۳:۶۸)

(۳) اہلِ کتاب کو دعوت کہ وہ اس اصولی تعلیم کو تسلیم کریں جس کے وہ مدعی ہیں اور جو اب قرآن کے اندر ہے—(۳:۶۴)

(۴) اے اہلِ کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی تھی (۳:۶۴)

(۵) اے اہلِ کتاب! تم قرآن میں دیئے گئے قوانینِ خداوندی سے انکار کیوں کرتے ہو—(۳:۶۹)—(۳:۹۷)

(۶) اہلِ کتاب تلبیس (حق و باطل) اور کتمانِ حق کرتے تھے—(۳:۷۰)

(۷) یہ لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تم بظاہر مسلمان بن کر جماعتِ مومنین میں جا گھسو اور پھر باہر نکل آؤ۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی کچھ لوگ تمہارے ساتھ واپس آجائیں—(۳:۷۱)—(۵:۶۱)

(۸) یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں کہ اُن لوگوں کے سوا جو تمہارا دین قبول کریں، کسی کی بات کا اعتبار نہ کرو—(۳:۷۲)

(۹) اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو امانت میں خیانت نہیں کرتے اور ایسے بھی جن پر ایک پیسے کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے خلاف ہر قسم کی بدمعاملگی جائز ہے۔
(۳:۷۴)

(۱۰) اہلِ کتاب عجیب عجیب انداز سے اپنی کتابوں میں تحریف و تلبیس کرتے تھے—(۳:۷۷)

(۱۱) یہ لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف آنے سے روکتے تھے ——— (۹۸ : ۳)

(۱۲) مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ان کی اطاعت مت کرنا ——— (۹۹ : ۳)

(۱۳) اگر یہ اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے اچھا ہوتا۔ ان میں سے بعض ایمان لاتے ہیں اور باقی فاسق ہیں ——— (۱۰۹ : ۳) ——— (۱۱۲ — ۱۱۳ : ۳) ——— (۱۹۸ : ۳)

(۱۴) زندگی کی کامرانیاں نہ تمہاری خالی آرزوؤں کے مطابق حاصل ہوسکتی ہیں نہ اہل کتاب کی۔ اس کا مدار حکم خداوندی کے مطابق عمل کرنے پر ہے ——— (۱۲۳ : ۴)

(۱۵) اہل کتاب کا مطالبہ کہ رسول اللہ پر آسمان سے بنی بنائی کتاب نازل کیوں نہیں ہوتی۔ انہوں نے اپنے پیغمبر (حضرت موسےٰؑ) سے اس سے بھی زیادہ بڑے مطالبات کئے تھے ——— (۱۵۳ : ۴)۔ ظاہر ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں۔

(۱۶) اہل کتاب میں سے ہر ایک اپنی موت سے پہلے (حضرت) عیسےٰؑ کی صلیب اور رفع الی السماء پر ایمان لاتا (یعنی اپنے اس عقیدہ کو دہراتا) ہے ——— (۱۵۹ : ۴)۔ ظاہر ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں۔

(۱۷) اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو مت کرو۔ حضرت عیسےٰؑ خدا کے رسول ہیں۔ انہیں خدا نہ بناؤ ——— (۱۷۱ : ۴)۔ (یہاں بھی اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں۔) ایسا کہنا کفر ہے ——— (۱۷ ؛ ۷۲ — ۷۳ ؛ ۷۷ : ۵)

(۱۸) اہل کتاب کو رسول اللہ اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت ——— (۱۵ ؛ ۱۹ ؛ ۶۵ ؛ ۶۶ ؛ ۶۸ : ۵) (۱ : ۹۸)

پیدائشی مسلمان، یہود، نصاریٰ، صابئین کو ایمان لانے کی دعوت ——— (۶۲ : ۲) ——— (۶۹ : ۵) ——— (۱۷ : ۲۲)

اگر یہ اس طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو پھر انہیں ہدایت پر سمجھا جائے گا ——— (۱۳۷ : ۲)

(۱۹) یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں ——— (۱۸ : ۵)

(۲۰) اگر اہل الانجیل خدا کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے ——— (۴۷ : ۵)

(۲۱) جماعتِ مومنین کو متنبہ کیا گیا کہ اہل کتاب اور کفار کو اپنا دوست اور سرپرست نہ بنائیں ——— (۵۷ : ۵)

(۲۲) یہ لوگ مسلمانوں کے محض اس لئے خلاف ہیں کہ وہ خدا اور اس کی کتابوں پر ایمان کیوں لے آتے ہیں ——— (۵۹ : ۵)

(۲۳) ان کی اخلاقی خرابیاں ——— (۶۲ : ۵)

(۲۴) ان کے علماء و مشائخ بھی انہیں ایسی باتوں سے روکتے نہیں تھے ——— (۶۳ : ۵)

(۲۵) ان میں باہمی عداوت قیامت تک ــــ (۶۴ : ۵)

(۲۶) اگر یہ لوگ تورات و انجیل و قرآن کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا رہتے تو زمین و آسمان کی برکات سے متمتع ہوتے۔

(۵ : ۶۶)

(۲۷) اہلِ کتاب سے بطریقِ احسن مجادلہ کرو ــــ (۴۶ : ۲۹)

(۲۸) اہلِ کتاب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وحی کا عطا کرنا خدا کے اختیار میں ہے، ان کے اختیار میں نہیں ــ (۲۹ : ۵۷)

(۲۹) یہودیوں کے ایک قبیلہ (بنی قریظہ) کو اہلِ کتاب کہا گیا ــــ (۲۶ : ۳۳) ۔ خیبر کے یہودیوں کو بھی ــــ

(۲ : ۵۹) ــــ (۱۱ : ۵۹)

متفرقات

(۱) انہیں اہل الذکر بھی کہا گیا ہے ــــ (۷ : ۲۱)

ــــــــ (۰) ــــــــ

۹۱۔ ایمان ۔ (مؤمن)

(نیز دیکھیے ــــ اسلام، مسلم)

ایمان ۔ مادہ (ء ۔ م ۔ ن) کسی بات کی سچائی کو دل کے پورے سکون اور ذہن کے کامل اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنا ۔ یقین کرنا ۔ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ۔ اطاعت کرنا ۔ سرِتسلیم خم کرنا ۔

زندگی کی پوری عمارت، چند غیر متبدل حقائق، اٹل اصولات، مستقل اقدار اور محکم قوانین پر استوار ہوتی ہے ۔ جب تک ان حقائق، اصول، اقدار اور قوانین کی صداقت کو تسلیم نہ کیا جائے، انسان کا قدم آگے اٹھ نہیں سکتا ۔ (۲ + ۲ = ۴) ایک حقیقت ہے ۔ جب تک اسے صحیح تسلیم نہ کیا جائے، ریاضی کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ۔ سنکھیا موجبِ ہلاکت ہوتا ہے ۔ جب تک اس حقیقت پر یقین نہ ہو، انسان ہلاکت سے بچ نہیں سکتا ۔

جس طرح انسان کی طبیعی زندگی کے متعلق اٹل قوانین و حقائق مقرر ہیں، اسی طرح اس کی انسانی زندگی سے متعلق بھی غیر متبدل اصول و قوانین مقرر ہیں ۔ یہ اصول و قوانین قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہیں ۔ ان کی صداقت

کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔

لیکن ایمان اندھے یقین کا نام نہیں۔ ان صداقتوں کو علم و بصیرت کی رُو سے سمجھنے اور غور و فکر کے بعد تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انگریزی زبان میں ایمان کا ترجمہ جو (FAITH) کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ (FAITH) بلا علم و بصیرت اندھے یقین کو کہتے ہیں۔ لیکن ایمان اس یقین کا نام ہے جو علم و بصیرت کی رو سے حاصل ہو۔ جن صداقتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں بعض ایسی بھی ہیں جن کا تعلق ہماری محسوس دنیا سے نہیں۔ مثلاً مرنے کے بعد کی زندگی ــــ ان امور کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یعنی ان کا علم حواس کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن انہیں علم و بصیرت کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے حقائق کی صداقت کو اس طرح تسلیم کرنے کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔

نیز بعض حقائق ایسے ہیں جن پر تجربہ کرنے کے بعد ان کی صداقت محسوس نتائج کی شکل میں سامنے آتی ہے مثلاً کسی کسان سے یہ کہنا کہ اگر تم یہ کھاد ڈالو گے تو فصل زیادہ پیدا ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کی صداقت اسی صورت میں سامنے آسکتی ہے جب کسان اس کھاد کو اپنے کھیت میں ڈال کر کھیتی کرے۔ اس قسم کے حقائق کے اَن دیکھے نتائج کو صحیح تسلیم کر لینا بھی ایمان بالغیب کہلاتا ہے۔

چونکہ کسی بات کو علیٰ وجہ البصیرت تسلیم کر لینے اور نتائج سے اس دعوے کی صداقت کو پرکھ لینے سے انسان کو صحیح اطمینان نصیب ہو جاتا ہے، اس لئے امن اور ایمان کا مادہ (ا م ن) ایک ہی ہے۔ مومن اسے کہتے ہیں ــــ (۱) جو ان حقائق کو اس طرح صحیح تسلیم کرے۔ (۲) جسے اس طرح اطمینان اور امن نصیب ہو جائے۔ (۳) جو ان قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد کرے۔ (۴) جو دوسرے انسانوں کو امن کی ضمانت دے، اور اس پر بھروسہ کر کے، انسان بے فکر اور محفوظ ہو جائے۔ (عبرانی زبان میں ایمان کے معنی غیر متزلزل یقین کے ہیں)۔

چونکہ یہ حقائق اور قوانین اب اپنی اصل شکل میں صرف قرآن کریم کے اندر ہیں، اس لئے اب وہی شخص مومن کہلا سکتا ہے جو قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق و قوانین پر ایمان لائے۔ اپنے اپنے تصورات کے مطابق خدا کو مان لینے والے مومن نہیں کہلا سکتے۔ جو اس طرح ایمان نہیں لاتے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ اس سوسائٹی کے ممبر نہیں ہو سکتے جو مومنین پر مشتمل ہو۔

(امن، امین، امانت کا مادہ بھی یہی ہے لیکن انہیں ان سے متعلق عنوانات کے تابع بیان کیا جائیگا۔)

ــــــ (۰) ــــــ

اجزائے ایمان

(۱) وہ امور جن پر ایمان لانے سے ایک شخص اس سوسائٹی کا ممبر بن سکتا ہے جو مومنین پر مشتمل ہو۔ اور جسے جماعت مومنین یا امتِ مسلمہ کہا جاتا ہے ـــ اصولی طور پر پانچ ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ ان پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انہیں انہی تصورات کے مطابق مانا جائے جو تصورات قرآن کریم نے پیش کئے ہیں۔
اللہ۔ آخرت۔ ملائکہ۔ کتبِ آسمانی۔ انبیاء ـــ (۲:۱۷۷)ـــ (۴:۱۳۶)۔ (یہ جو تقدیر کو چھٹا جزو قرار دیا جاتا ہے تو یہ عقیدہ قرآنی نہیں)

(۲) انبیاء اور کتب پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں خدا کی طرف سے وحی پانے والے حضرات انبیاء کرام آتے رہے تھے۔ نبی ہونے کی حیثیت سے ان میں کوئی فرق نہیں ـــ (۳:۸۳-۸۴) البتہ ان کے دائرۂ تبلیغ و رسالت کے اعتبار سے ان کے مراتب میں فرق ہے۔ بعض کسی ایک شعبہ میں آگے تھے، بعض دوسرے میں ـــ (۲:۲۵۳)

(۳) بعض جگہ ان پانچ اجزاء میں سے کم کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً ایک جگہ صرف اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے ـــ (۳:۱۷۸)۔ دوسری جگہ صرف اللہ اور آخرت کا ـــ (۲:۶۲) لیکن بہئیتِ مجموعی ایمان کے اجزاء پانچ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۴) بعض انبیاء پر ایمان لانا اور بعض سے انکار کرنا کفر ہے ـــ (۴:۱۵۰-۱۵۲)

(۵) اسی طرح تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یعنی یہ ماننا کہ اپنے اپنے وقت میں وہ خدا کی طرف سے حضرات انبیائے کرام کو دی گئی تھیں لیکن اب ان میں کوئی بھی اپنی اصل شکل میں دنیا میں موجود نہیں۔ اب ان میں پیش کردہ صداقتیں صرف قرآن کریم کے اندر ہیں۔ اس لئے اب قرآن کریم پر ایمان لانا ضروری ہے ـــ (۴:۱۶۲)۔ ان کے لئے بھی جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں اور ان کے لئے بھی جو مبینہ آسمانی کتابوں کے مدعی ہیں۔

(۶) قرآن کریم اور آخرت پر ایمان لازم و ملزوم ہے۔ یعنی آخرت پر ایمان وہی صحیح ہے جو اس تصور کے مطابق ہو جسے قرآن نے پیش کیا ہے ـــ (۶:۹۳)۔ اسی طرح آخرت پر ایمان نہ رکھنے والا قرآن سے محجوب رہتا ہے ـــ (۱۷:۴۵)

(۷) قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے ــــ (۵۰ : ۲۱)

(۸) قرآن اور کتب سابقہ پر ایمان ــــ (۴۶ : ۲۹)

(۹) خدا پر ایمان اور استقامت سے نزول ملائکہ ــــ (۳۲ــ۳۰ : ۴۱)

(۱۰) اللہ، رسول اور قرآن پر ایمان ــــ (۸ : ۶۴)

(۱۱) مومن، خدائے رحمٰن پر ایمان لاتے ہیں ــ (۲۹ : ۶۷)

اہل کتاب سے ایمان کا مطالبہ

(۱) آسمانی کتاب کے مدعیوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں ــ (۹۰ــ۸۹ ؛ ۴۱ : ۲) (۴۷ : ۴) (۶۶ــ۶۵ : ۵)۔ اس لئے کہ ان کے پاس کوئی کتاب اس شکل میں موجود نہیں جس شکل میں اسے ان کے نبی نے انہیں دیا تھا۔ ان کی سب کتابیں محرف اور وضعی ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے مصنف کی کتاب "مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں")

(۲) اسلام، نسلی یا قومی دین نہیں۔ اس کا دروازہ ہر ایک کیلئے کھلا ہے ــ یہودی، نصاریٰ، صابئین (مجوسی)۔ یا ایسے لوگ جو اپنے آپ کو کسی خاص مسلک سے وابستہ نہیں کرتے ــ یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہونیوالے ــ ان میں سے جو کوئی بھی ایمان لائے گا اسے اس کا اجر ملے گا (۶۲ : ۲)ــ(۶۹ : ۵) لیکن یہ ایمان اس طرح لانا ہوگا جس طرح قرآن کا مطالبہ ہے۔ اپنے اپنے طور پر ایمان لانا نہیں۔

(۳) اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو خدا کے ہاں سے اچھا بدلہ ملتا ــ (۱۰۳ : ۲)ــ(۱۰۹ : ۳)

(۴) جب اہل کتاب اس طرح ایمان لائیں جس طرح مومنین ایمان لاتے ہیں، تو انہیں پھر صحیح راستے پر سمجھا جائیگا۔ (۱۳۷ : ۲)

(۵) ہر نبی کی امت سے اقرار لیا جاتا تھا کہ جو رسول اس کے بعد آئے گا وہ اس پر ایمان لائینگے (تا آنکہ خدا کا آخری نبی آگیا) ــ (۸۰ : ۳)

(۶) اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے ــ (۱۹۸ ؛ ۱۱۳ : ۳)

(۷) اہل کتاب ایمان والے نہیں۔ ایمان کے لئے نظام خداوندی کے واجبات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ــ (۲۹ : ۹)

(۸) مدینے کے یہودی جو ایمان نہیں لائے تھے انہیں کافر کہا گیا ــ (۸۹ : ۲)

(۹) اہل کتاب اگر ایمان نہ لائیں تو اہل جہنم میں سے ہوں گے ــــ (۹۸ : ۶)۔ لہٰذا تمام نوعِ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی صداقتوں اور دعاوی پر ایمان لائے۔

تمام نوعِ انسان کو رسالتِ محمدیہؐ پر ایمان لانے کی دعوت

(۱) رسالتِ محمدیہ عالمگیر انسانیت کیلئے ہے۔ اس لئے اس کی دعوت تمام نوعِ انسان کے لئے ہے ــ (۴:۱۷۰،۱۷۵) (۷ : ۱۵۸)

(۲) قرآن تمام نوعِ انسان کے غور و فکر کیلئے ہے لیکن ہدایت و رحمت مومنین کے لئے ہے ــــ (۲۰ : ۴۵)
اسی طرح صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) بھی ــــ (۲۱ : ۱۰۷) ــ (۹:۶۱)

حقیقتِ ایمان

(۱) ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام نہیں، دل کی تصدیق کا نام ہے ــــ (۹ــ۸ : ۲)

(۲) قرآن کریم کی ہر بات کو سچا سمجھنا ایمان ہے ــــ (۲۶ : ۲)

(۳) کتاب (ضابطہ قوانینِ خداوندی) کے ایک حصے پر ایمان لانا اور دوسرے حصے سے انکار کرنا دنیا میں باعثِ ذلت اور آخرت میں وجۂ عذاب ہے ــــ (۸۵ : ۲)

(۴) زندگی میں کسی وقت بھی کفر اختیار کر لیا جائے تو سابقہ ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا ــ (۲۱۷ : ۲)

(۵) ایمان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہر غیر خدائی قوت سے انکار کیا جائے۔ ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت ضروری ہے۔ الا اللہ سے پہلے لا الٰہ کی منزل آتی ہے ــــ (۲۵۷ : ۲)

(۶) ایمان، انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ اس سے ہر شے اس کے صحیح مقام پر نظر آجاتی ہے ــ (۲:۲۵۷)

(۷) ایمان کے بعد کفر اختیار کر لینے والے پر کامیابی کی راہیں کشادہ نہیں ہوتیں ــ (۸۵ : ۳)
لیکن اس کے بعد پھر ایمان لے آنے کی گنجائش رہتی ہے ــــ (۱۳۷ : ۴)

(۸) قوانینِ خداوندی پر ایمان نہ لانیوالے بدترین خلائق ہیں ــ (۵۵ : ۸)۔ اس لئے کہ ان کی زندگی حیوانی سطح پر بسر ہوتی ہے۔ وہ انسانی سطح تک پہنچ ہی نہیں پاتے ــــ (۱۲ : ۴۷)

(۹) ایمان کے معاملہ میں کام اور پیشہ کچھ معنی نہیں رکھتے — (۱۲ — ۱۱۱ : ۲۶)

(۱۰) جب تک ایمان دل کی گہرائیوں میں نہ اُترے کوئی اپنے آپ کو مومن نہیں کہلا سکتا۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کی مملکت کے سامنے تسلیم خم کر دیا ہے — (۱۴ : ۴۹)۔ یہی صورت مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والوں کی سمجھی جا سکتی ہے۔ ان کے مومن ہونے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ قرآنی حقائق پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان لائیں تاکہ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

(۱۱) نبی، قبل از نبوت، ایمان کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا تھا — (۵۲ : ۴۲)

(۱۲) خدا نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے — (۸ : ۴۹)

(۱۳) خدا کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف راہ نمائی عطا کر دی — (۱۷ : ۴۹)

(۱۴) امتحان گاہوں میں مومنین کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے — (۱۲۴ : ۹) — (۲۲ : ۳۳) — (۳۱ : ۷۴)

(۱۵) خدا کسی کا ایمان ضائع نہیں کرتا — (۱۴۳ : ۲)

(۱۶) کفر بعد ایمان بجز اضطراری حالت کے — (۱۰۶ : ۱۶)

ایمان اور اعمال کا ساتھ

اگرچہ "اعمال" کا عنوان الگ قائم کیا گیا ہے لیکن اس باب میں یہ بتایا جائیگا کہ اگر ایمان کی شہادت انسان کے اعمال نہ دیں تو وہ ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کسی حقیقت کو صحیح ماننے سے مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اس کے مطابق عمل کرے۔ دنیا میں کسی سے پوچھئے۔ وہ تسلیم کریگا کہ جھوٹ بولنا بُری بات ہے اور سچ بولنا بہت اچھی چیز۔ لیکن کتنے ہیں جو اسے تسلیم کرنے کے بعد، اس پر عمل بھی کرتے ہیں؟ اور جب اس پر عمل نہیں ہوتا تو ساری دنیا کا یہ تسلیم کر لینا کہ جھوٹ بُری بات ہے، کیا فائدہ دیتا ہے؟

دوسری طرف، اگر ایک شخص اسے تسلیم ہی نہیں کرتا کہ سچ بولنا اچھی بات ہے اور جھوٹ بولنا بُری بات، تو وہ اگر کسی وقت اتفاق سے، یا کسی مصلحت کے ماتحت سچ بولتا ہے تو اس پر آپ اعتماد کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس لئے جن اعمال کی بنیاد ایمان پر نہیں، ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے وہ اعمال نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے۔ ایمان اور عمل دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

(۱) متقی وہ ہیں جو نگاہوں سے پوشیدہ صداقتوں پر اور قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کرنے کے اَن دیکھے نتائج پر ایمان رکھتے ہیں ــــ (۲ : ۳—۴)

(۲) بُرا کام جو بھی کریگا اُس کی سزا پائے گا۔ لیکن عملِ صالح کے خوشگوار نتائج کے لئے ایمان ضروری ہے۔

(۲ : ۸۱—۸۲)—(۱۰ : ۹ ؛ ۱۷ : ۱۹)

(۳) قرآن پر ایمان لانا اور اس کی پیروی کرنا لازم و ملزوم ہیں ــ (۲ : ۱۲۱)

(۴) خدا کسی ایمان والے کے اعمال کے نتائج کو ضائع نہیں کرتا ــــ (۲ : ۱۴۳)—(۳ : ۱۷۰)

(۵) ایمان کے معنی یہ ہیں کہ احکامِ خداوندی کو سب سے عزیز رکھا جائے ــــ (۲ : ۱۶۵)

(۶) رشد و ہدایت' ایمان سے ملتے ہیں ــــ (۲ : ۱۸۶)—(۴۰ : ۳۸)—(۷۲ : ۲ ؛ ۱۴)

(۷) ایمان یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو' پورے طور پر آخری حد تک' نظامِ خداوندی میں جذب کر دے۔ (۲ : ۲۰۸)

(۸) ایمان کی پرکھ اس سے ہوتی ہے کہ آپ ان چیزوں کے تحفظ کے لئے جن پر آپ کا ایمان ہے' کس قدر مشکلات کا سامنا کرتے ہیں ــــ (۲ : ۲۱۴)

(۹) ایمان کے ساتھ ہجرت اور جہاد ہو تو پھر انسان رحمتِ خداوندی کا مستحق بنتا ہے ــ (۲ : ۲۱۸)

(۱۰) ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دین کی جزئیات تک کا اتباع کیا جائے ــــ (۲ : ۲۲۸)

(۱۱) ربٰو کو نہ چھوڑنے والا خدا اور رسول کے خلاف جنگ کرتا ہے ــــ (۲ : ۲۷۹)

(۱۲) ایمان بلا اطاعت درحقیقت اعراض ہے، ایمان نہیں ــ (۳ : ۳۱)—(۸ : ۱)

(۱۳) قرآن کو چھوڑ کر کسی اور بات کے پیچھے لگ جانے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے ــ (۳ : ۹۹)

(۱۴) آخری سانس تک قوانینِ خداوندی کا اتباع کرنے والا مومن کہلاتا ہے ــــ (۳ : ۱۰۱)

(۱۵) ایمان کی پرکھ مشکلات کے وقت ہوتی ہے ــ (۳ : ۱۴۰—۱۴۱ ؛ ۱۷۲)—(۳۳ : ۱۱ ؛ ۲۲)

(۱۶) ایمان اور تقویٰ سے اجر ملے گا. (تقویٰ کے معنی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت ہے ــ (۳ : ۱۷۸)

(۱۷) اپنے تمام معاملات کے فیصلے نظامِ خداوندی سے کرلینے' ایمان کی شرط ہے۔ ایمان کا دعویٰ' اور معاملات کا فیصلہ غیر خداوندی قوانین کی رو سے' ایمان نہیں۔ کفر ہے ــــ (۴ : ۵۹—۶۰)—(۲۴ : ۴۷—۴۸)

(۱۸) کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے تمام متنازعہ فیہ معاملات میں رسول (اور رسول کے بعد نظامِ خداوندی کی مرکزی اتھارٹی) کو اپنا حَکَم (جج) تسلیم نہ کرے اور اس کے فیصلے کے خلاف دل

میں بھی گرانی محسوس نہ کرے ۔۔۔ (۴:۶۵) ۔۔۔ (۳۳:۳۶) ۔۔۔ (۴۹:۱-۲)

(۱۹) نظامِ خداوندی کی راہ چھوڑ دینے والا ۔ جو مشتمل ہوتی ہے جماعتِ مومنین اور نظامِ خداوندی کی مرکزی اتھارٹی پر ۔۔۔ ایمان کا راستہ چھوڑ دیتا ہے ۔۔۔ (۴:۱۱۵)

(۲۰) اعمال کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے ایمان لازمی ہے ۔۔۔ (۴:۱۲۴)

(۲۱) لغزش کے بعد، توبہ سے (یعنی پلٹ کر صحیح راستے پر آجانے سے) انسان، جماعتِ مومنین کے ساتھ رہتا ہے ۔۔۔ (۴:۱۴۶) ۔۔۔ (۷:۱۵۳) ۔۔۔ (۲۸:۶۷)

(۲۲) اگر تم ایمان لاؤ۔ اور مستقل اقدار کے، قدر شناس رہو تو خدا نے تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ (۴:۱۴۷)

(۲۳) ایمان کے دعویٰ کے ساتھ، احکامِ خداوندی سے عملی انکار، اعمال کو رائیگاں کر دیتا ہے ۔۔۔ (۵:۵)

(۲۴) جب غلط اعمال کے نتائج مرتب ہو کر سامنے آجائیں تو پھر ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا ۔۔۔ (۶:۱۵۹)

۔۔۔ (۱۰:۹۷-۹۸) ۔۔۔ (۳۲:۲۹) ۔۔۔ (۳۴:۵۲) ۔۔۔ (۴۰:۸۵) ۔۔۔ (۴۴:۱۲)

(۲۵) ایمان اور تقویٰ سے ارض و سمٰوٰت کی برکات ۔۔۔ (۷:۹۶)

(۲۶) میدانِ جنگ میں والے "مومن" عذاب میں ماخوذ ہوں گے ۔۔۔ (۸:۱۵) ۔۔۔ (۲۹:۱۰)

(۲۷) عام خیرات کے کام ۔ حاجیوں کے لئے سبیلیں لگا دینا یا کعبہ کی تزئین و آرائش کرنا ۔ ایمان اور جہاد کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔۔۔ (۹:۱۹)

(۲۸) دنیا کی کوئی شے ۔ عزیز، رشتے دار، مال، دولت وغیرہ اگر خدا و رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہو گئی تو وہ قوم فاسقین کی ہو گئی۔ مومنین کی نہ رہی ۔۔۔ (۹:۲۴)

(۲۹) ایمان اور تقویٰ سے انسان، خدا کا ولی بن جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا ۔۔۔ (۱۰:۶۲-۶۴)
(دیکھئے عنوان ولی)

(۳۰) جب موت سامنے آجائے تو ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (کیونکہ پھر عمل کے لئے وقت نہیں ہوتا) ۔۔۔ (۱۰:۹۰)

(۳۱) دنیا میں تمکن اور آخرت میں سرفرازی، ایمان و اعمالِ صالح کے نتائج ہیں ۔۔۔ (۱۲:۵۶-۵۷)

(۳۲) اکثر لوگ ایمان بھی رکھتے ہیں اور ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں (ایسا ایمان کچھ فائدہ نہیں دے سکتا)۔ (۱۲:۱۰۶)

(۳۳) ایمان کے بغیر اعمال راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں ۔۔۔ (۱۴:۱۸) ۔۔۔ (۱۸:۱۰۵) ۔۔۔ (۴۷:۹)

(۳۴) ایمان کے ساتھ اعمال کی تاکید ۔۔۔ (۶:۱۵۹)

(۳۵) مومن وہ ہیں جو قوانینِ خداوندی کے سامنے دل کے پورے جھکاؤ سے تسلیم خم کر دیتے ہیں
(۱۵ : ۳۲) — (۸۴ : ۲۲)

(۳۶) مومن اور فاسق کبھی برابر نہیں ہو سکتے — (۱۸ : ۳۲) — (۲۸ : ۳۸) — (۲۱ : ۴۵) — (۱۴ : ۴۷)

(۳۷) ایمان لانے کے بعد مسلم ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی احکامِ خداوندی کے سامنے جھک جانیوالا — (۶۹ : ۴۳)

(۳۸) ایمان کی نشانی یہ ہے کہ انسان (حق کی خاطر) جان تک دیدینے کی تمنا کرے — (۹۴ : ۲) — (۶–۷ : ۶۲)

(۳۹) عائلی قوانین اس کے لئے ہیں جو ایمان رکھتا ہو — (۲ : ۶۵)

(۴۰) جس ایمان کے ساتھ (نیک عمل) شامل نہیں وہ ایمان کوئی فائدہ نہیں دے سکتا — (۱۵۹ : ۶)۔ اسی طرح جس ایمان کے ساتھ ظلم شامل ہو جائے وہ ایمان نہیں رہتا — (۸۳ : ۶)

ایمان علیٰ وجہ البصیرت لایا جاتا ہے

(۱) یہ مطالبہ کہ ہم جب تک خدا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، ایمان نہیں لائیں گے، جہالت پر مبنی ہے۔ غیر مرئی حقیقتیں محسوس طور پر نظر نہیں آیا کرتیں انہیں عقل و خرد کی رو سے سمجھا جاتا ہے — (۵۵ : ۲)

(۲) کفر اندھی تقلید کا نام ہے۔ ایمان، عقل و بصیرت کو جلا دیتا ہے — (۱۷۰–۱۷۱ : ۲)

(۳) ایمان کے لئے اطمینانِ قلب ضروری ہے — (۲۶۰ : ۲)۔ دین میں اکراہ نہیں — (۲۵۶ : ۲)

(۴) جن مجرد حقیقتوں کو قرآن میں تشبیہات کی رو سے بیان کیا گیا ہے، انہیں عقل و خرد کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے والے ایمان کی پختگی حاصل کر لیتے ہیں — (۳ : ۶)

(۵) ایمان کا مدار معجزات پر نہیں — (۱۱۰ : ۶)

(۶) ایمان نہ لانے والے پر حقائق مشتبہ رہتے ہیں۔ اس کا دل اضطراب و شکوک کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ (۱۲۶ : ۶) بالفاظِ دیگر ایمان اس یقین کا نام ہے جو علم و بصیرت کی رو سے حاصل ہو۔

(۷) ارض و سما پر غور کرنے سے بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کس بات سے ایمان لائیں گے — (۱۸۵ : ۷)

(۸) خدا کسی کو زبردستی مومن نہیں بنانا چاہتا۔ اگر وہ ایسا چاہتا تو تمام انسان پیدا ہی مومن ہوتے۔ لہٰذا ایمان میں جبر کا سوال ہی نہیں۔ ایمان، دل کے اطمینان اور ذہن کے سکون کے ساتھ صداقت کو تسلیم کرنے کا نام ہے — (۹۹–۱۰۰ : ۱۰)

(۹) قرآن کو علم کی رو سے سمجھا جائے تو انسان اس کے سامنے جھک جاتا ہے ——(۱۰۷ : ۱۷)

(۱۰) حق خدا کی طرف سے آگیا۔ جس کی جی چاہے اسے تسلیم کرے جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔ اس میں کسی پر جبر کا سوال ہی نہیں۔

(۱۸ : ۲۹)——(۲ : ۲۵۶)

(۱۱) مظاہرِ فطرت کی طرف توجہ مبذول کرانے سے مطلب یہ ہے کہ لوگ غور و تدبر کی رُو سے ایمان لائیں——

(۲۱ : ۳۰)

(۱۲) ایمان کی پختگی علم کی رو سے ہوتی ہے—— (۵۴ : ۲۲)

(۱۳) مومن وہ ہیں جو اور تو اور آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بن کر نہیں جھکتے۔(۷۳-۷۲ : ۲۵)

(۱۴) جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتا، تبلیغ اسے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی——(۸۱-۸۰ : ۲۷)——(۵۳-۵۲ : ۳۰)

(۱۵) مظاہرِ فطرت میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں —— (۸۶ : ۲۷)——(۵-۴ : ۴۵)——(۳۶-۳۵ : ۵۲)

(۱۶) قصصِ انبیائے سابقہ د اقوامِ گذشتہ مومنین کو فائدہ دے سکتے ہیں——(۳ : ۲۸)——(۲۴ : ۲۹)

(۱۷) ایمان کے لئے دل کی پختگی ضروری ہے —— (۱۰ : ۲۸)

(۱۸) رسول بھی جسے چاہے اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔ ہدایت اسے ملتی ہے جو خود ہدایت لینے کا خواہاں ہو۔

(۲۸ : ۵۶)

(۱۹) انسان پر تمام ذمہ داریاں اس کے صاحبِ اختیار وارادہ ہونے کی وجہ سے عاید ہوتی ہیں——(۷۲ : ۳۳)

(۲۰) جو پہلے ہی فیصلہ کرلے کہ مجھے بات ماننی ہی نہیں، اسے تبلیغ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ——(۶ : ۲)——(۱۰ : ۳۶)

(۲۱) قرآن ماننے والوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے۔ لیکن جو ماننا ہی نہ چاہے اس کے کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں —— (۴۴ : ۴۱)

(۲۲) وحی ایک روشنی ہے جو صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ لیکن روشنی اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے —— (۵۲ : ۴۲)

(۲۳) مومن وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک و شبہات کا گزر تک نہیں ہوتا —— (۱۵ : ۴۹)

(۲۴) خارجی اور داخلی کائنات میں مومنین کے لئے نشانیاں —— (۲۱-۲۰ : ۵۱)

(۲۵) مومن کبھی شک میں نہیں ہوتا۔ منافق شک میں رہتا ہے —— (۱۳ : ۵۷)

(۲۶) قرآن پر غور و فکر سے مومنین کے دل گھل جاتے ہیں ـــ (۱۶ : ۵۷)

(۲۷) رسول اللہ کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت تھی۔ اور یہی شیوہ حضورؐ کے متبعین کا ہوگا ـــ (۱۰۸ : ۱۲)

منافق کا "ایمان" ایمان ہی نہیں ہوتا

(۱) صبح کو ایمان لانا، شام کو پھر جانا، ایمان نہیں مذاق ہے ـــ (۷۱ : ۳)

(۲) ریاکار مومن نہیں ہو سکتا ـــ (۳۸ : ۴)

(۳) کنارے پر کھڑے ہو کر ایمان لانا، تباہی کا موجب ہوتا ہے ـــ (۱۱ : ۲۲)

(۴) منافق منہ سے اقرار کرتا ہے۔ دل سے نہیں ـــ (۴-۱ : ۶۳) . (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان منافق)

قرآن پر اور رسول اللہ پر ایمان

(۱) قرآن سے انکار کرنا فسق ہے ـــ (۹۹ : ۲)

(۲) قرآن اہلِ ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ـــ (۵۲ : ۷) ـــ (۷۷ : ۲۷)

(۳) نبی اکرمؐ ایمان لانے والوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں ـــ (۱۸۸ : ۷)

(۴) رسول اللہ کو قانونِ خداوندی کی تائید اور جماعتِ مومنین کی رفاقت حاصل تھی اور یہ دونوں چیزیں کامیابی کے لئے کافی تھیں ـــ (۶۴-۶۲ : ۸)

(۵) رسول، مومنین کی بات پر اعتماد کرتے تھے اور ان کے لئے باعثِ رحمت تھے ـــ (۶۱ : ۹) ـــ (۱۲۸ : ۹)

(۶) رسولؐ اللہ کی شدتِ آرزو کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہ لاتے ـــ (۱۰۳ : ۱۲)

(۷) قرآن، مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے ـــ (۱۱۱ : ۱۲) ـــ (۸۲ : ۱۷)

(۸) رسولؐ اللہ کے ذاتی مشورہ اور وحی کی رو سے حکم میں فرق۔ حضرت زیدؓ کا واقعہ ـــ (۳۷ : ۳۳)

(۹) رسولؐ اللہ کے لئے مومنین سے الگ خصوصی احکام ـــ (۵۰ : ۳۳)

(۱۰) تمام انبیاءؑ، مومنین تھے ـــ (۲۸۵ : ۲) ـــ (۱۳۲ ; ۱۱۱ ; ۸۱ : ۳۷) ـــ (۱۵ : ۴۲)

(۱۱) رسولؐ اللہ کی درد بھری پکار کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے ـــ (۸۸ : ۴۳)

(۱۲) جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے ـــ (۲ : ۴۷)

(۳) قرآن پر ایمان نہ لانے سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں ـــــ (۹ : ۴۷)

مومنین کی صفات وخصوصیات

یوں تو قرآنِ کریم کی جس قدر تعلیم ہے، ایک مردِ مومن اس کا زندہ پیکر ہوتا ہے لیکن قرآن کریم نے بعض مقامات پر مومنین کی صفات وخصوصیات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ مختصر طور پر یوں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا تعلق اس کی لامحدودیت سے ہے (مثلاً ھوالاول والآخر) ان کے علاوہ، اس کے اسماء الحسنےٰ کی جھلک، حدودِ بشریت کے اندر، مومن میں پائی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ، ایسی خصوصیات بھی جن کا تعلق انسان سے ہے، خدا اس میں شریک نہیں ہو سکتا (مثلاً عصمت کی حفاظت)۔ ذیل میں ان مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں مومنین کی صفات کا خصوصی بیان آیا ہے۔ ان صفات میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

(۱) صابرین (ثبات و استقامت کے پیکر) ـــــ (۱۶ : ۳)۔ خود استقامت پذیر اور دوسروں میں استقامت پیدا کرنے والے ـــــ (۲ : ۱۵۵) ـــــ (۳ : ۱۹۹) ـــــ (۱۳ : ۲۲) ـــــ (۲۲ : ۳۵) ـــــ (۳۵ : ۳۳)

(۲) صادقین۔ اپنے دعوئے ایمان کو عمل سے سچ کر دکھانے والے ـــــ (۳ : ۱۶) ـــــ (۳۳ : ۳۵)۔ صدیق ـــــ (۵۷ : ۱۹)

(۳) قانتین۔ اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرنیوالے ـــــ (۳ : ۱۶) ـــــ (۳۳ : ۳۵) ـــــ (۶۶ : ۵)

(۴) منفقین۔ اپنی دولت اور سامانِ زیست کو ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کھلا رکھنے والے۔ ـــــ (۳ : ۱۶) ـــــ (۸ : ۳) ـــــ (۱۳ : ۲۲) ـــــ (۲۲ : ۳۵) ـــــ (۲۸ : ۵۴) ـــــ (۴۲ : ۳۸)

سرّاً وعلانیہ انفاق کرنیوالے ـــــ (۲ : ۲۷۴) ـــــ (۱۳ : ۲۲) ـــــ (۱۴ : ۳۱) ـــــ (۳۵ : ۲۹) ـــــ (۱۶ : ۷۵)

(۵) مستغفرین بالاسحار۔ ہر پروگرام کو شروع کرتے وقت، قوانینِ خداوندی کے مطابق سامانِ حفاظت طلب کرنیوالے ـــــ (۳ : ۱۶) ـــــ (۵۱ : ۱۸)

(۶) اولوا العلم۔ صاحبانِ علم وبصیرت ـــــ (۳ : ۱۷)

(۷) قائماً بالقسط۔ انصاف قائم کرنیوالے ـــــ (۳ : ۱۷)۔ جھوٹ اور فریب کی شہادت نہ دینے والے۔ (۲۵ : ۷۲)۔ شہدا، یعنی ایمان کے نگران ـــــ (۴ : ۱۳۵) ـــــ (۵۷ : ۱۹) ـــــ (۳۳ : ۷۰)۔

ماپ تول میں پورے اترنے والے ـــــ (۶ : ۱۵۳)

(۸) اولوالالباب۔ صاحبانِ عقل و فکر ــ(۳ : ۱۸۹) ــ(۱۳ : ۱۹)۔ آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی بہرے اندھے بن کر نہ جھکنے والے ــ(۲۵ : ۷۳)
(۹) کارگہِ کائنات میں غور و فکر کرنے والے ــ(۳ : ۱۹۰)
(۱۰) ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھنے والے۔ باہمی مل کر سامانِ حفاظت کرنیوالے ــ(۳ : ۱۹۹)
(۱۱) مومنوں کے سامنے جھکنے والے۔ مخالفین کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ــ(۵ : ۵۴) ــ(۴۸ : ۲۹)
(۱۲) مجاہدین فی سبیل اللہ۔ یعنی حق و صداقت کی راہ میں مسلسل جدوجہد کرنے والے ــ(۵ : ۵۴)
(۱۳) حق کی حمایت میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے ــ(۵ : ۵۴)
(۱۴) جب قوانینِ خداوندی کا مجموعی ذکر سامنے آئے تو ان کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے لرزاں و ترساں۔ اور جب تفصیلی قوانین سامنے آئیں تو ان کی اطاعت میں خواہ کتنی ہی دشواریاں پیش آئیں، ان سے انکا ایمان بڑھ جاتا ہے ــ(۸ : ۲) ــ(۲۲ : ۳۵) ــ(۳۳ : ۳۵)
(۱۵) قوانینِ خداوندی کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ (توکل) رکھنے والے ــ(۸ : ۲)
(۱۶) نظامِ صلوٰۃ قائم کرنے والے ــ(۸ : ۳) ــ(۱۳ : ۲۰) ــ(۲۲ : ۳۵)۔ صلوٰۃ (فرائضِ منصبی کی ادائیگی) میں جھک جانے والے ــ(۲۳ : ۲)۔ صلوٰۃ کی حفاظت کرنے والے ــ(۲۳ : ۹) ــ(۴۲ : ۳۸) ــ(۲۲-۲۳ : ۷۰) ــ(۷۰ : ۳۴)
(۱۷) وہ جنہوں نے اپنی جان اور مال خدا کے ہاتھوں بیچ دیا ہے ــ(۹ : ۱۱۱)
(۱۸) ضرورت پڑنے پر کفن بدوش میدانِ جنگ میں اتر آنے والے ــ(۹ : ۱۱۱)
(۱۹) تائبون۔ جہاں سے غلط قدم اُٹھ جائے، وہیں واپس آکر صحیح راستے پر چل پڑنیوالے ــ(۹ : ۱۱۲) ــ(۶۶ : ۵)
(۲۰) عابدون۔ قوانین و احکامِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرنیوالے ــ(۹ : ۱۱۲) ــ(۶۶ : ۵)
(۲۱) سائحون۔ سیاحت کرنے والے۔ تاکہ اس طرح نظامِ فطرت اور احوال و کوائفِ امم عالم سے واقفیت حاصل ہو ــ(۹ : ۱۱۲) ــ(۶۶ : ۵)
(۲۲) راکعون، ساجدون۔ احکامِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے اور اطاعت گزاری میں انتہا تک پہنچنے والے ــ(۹ : ۱۱۲)
(۲۳) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے۔ یعنی ایسا نظام قائم کرنے والے جس میں وہ قوانین و احکام نافذ

ہوں جنہیں قرآن پسندیدہ قرار دے۔ اور ان سے روکنے والے جنہیں وہ معیوب ٹھہراتا ہے — (۳ : ۱۰۴؛ ۱۰۹)
— (۹ : ۱۱۲؛ ۷۱-۷۲) یہ مردوں اور عورتوں دونوں کا فریضہ قرار دیا گیا ہے — (۹ : ۷۱-۷۲)

(۲۴) حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے یعنی قوانینِ خداوندی کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے زندگی بسر کرنیوالے — (۹ : ۱۱۲)

(۲۵) خدا کے ساتھ جو عہد کیا ہے اسے پورا کرنے والے — (۱۳ : ۲۰)

(۲۶) جنہیں ملاتے کا خدا نے حکم دیا ہے انہیں ملانیوالے یعنی انسانوں کی عالمگیر برادری بنانیوالے — (۱۳ : ۲۱)

(۲۷) خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل سے ڈرنے والے۔ یعنی اس کا احساس رکھنے والے کہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ مرتب ہو کر رہیگا — (۱۳ : ۲۰)

(۲۸) برائی کو بھلائی سے دور کرنیوالے۔ ناہمواریوں کو ہمواریاں پیدا کر کے مٹانے والے — (۱۳ : ۲۲) — (۲۸ : ۵۴)

(۲۹) جن کے دلوں کو قوانینِ خداوندی کے احساس اور ان پر عمل کرنے سے اطمینان حاصل ہوتا ہے — (۱۳ : ۲۸)

(۳۰) لغویات سے پرہیز کرنے والے — (۲۳ : ۳) — (۲۵ : ۷۲) — (۲۸ : ۵۵)

(۳۱) زکوٰۃ کا انتظام کرنیوالے یعنی نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانے والے — (۲۳ : ۴)

(۳۲) عصمت کی حفاظت کرنے والے — (۶ : ۱۵۲) — (۲۳ : ۴-۶) — (۲۴ : ۳۰) — (۲۵ : ۶۸)
(۳۳ : ۳۵) — (۷۰ : ۲۹-۳۰)

(۳۳) معاہدات و امانات کی حفاظت کرنیوالے — (۱۷ : ۳۴) — (۲۳ : ۸) — (۷۰ : ۳۳)

(۳۴) اوچھے پن سے تکبر نہ کرنے والے — (۲۵ : ۶۳)

(۳۵) ناواقفوں کی بھی سلامتی کے آرزومند — (۲۵ : ۶۳)

(۳۶) اسراف اور بخل دونوں سے بچنے والے — (۲۵ : ۶۷)

(۳۷) قوانینِ خداوندی کے علاوہ اور کسی کا اقتدار تسلیم نہ کرنے والے — (۲۵ : ۶۸)

(۳۸) کسی کی جان کو ناحق تلف نہ کرنے والے — (۲۵ : ۶۸)

(۳۹) ان لوگوں کی امامت (لیڈرشپ) کے سزاوار جو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچنا چاہیں — (۲۵ : ۷۴)

(۴۰) زندگی کو سنجیدگی سے نباہنے والے۔ اس سے شاعری نہ کرنے والے — (۲۶ : ۲۲۴-۲۲۵)

(۴۱) ظالم کی کلائی مروڑ دینے والے — (۲۶ : ۲۲۷)۔ ظلم کا بدلہ لینے والے — (۴۲ : ۳۹-۴۱)

(۴۲) جُہلا سے نہ اُلجھنے والے ــــ (۷ : ۱۹۹) ــ (۵۵ : ۲۸)

(۴۳) جہاں قوانینِ خداوندی روک دیں، وہیں رک جانے والے (صائمین) ــــ (۳۵ : ۳۳)

(۴۴) ذاکرین۔ قوانینِ خداوندی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے والے ــــ (۳۵ : ۳۳)

(۴۵) متصدقین (دوسروں کی ضرورت کو اپنے پر ترجیح دینے والے ــــ (۳۵ : ۳۳) ــ (۹ : ۵۹)

(۴۶) کبائر الاثم اور فواحش سے بچنے والے ــــ (۳۷ : ۴۲) ــ (۳۲ : ۵۳)

(۴۷) غصے میں بھی تخریب کے بجائے، حفاظت کا انتظام کرنیوالے ــ (۳۷ : ۴۲)۔ اس زاید قوت کو دوسری طرف لوٹا دینے والے ــ (۱۳۳ : ۳)

(۴۸) خدا کے ہر قانون اور حکم پر لبیک کہنے والے ــــ (۳۸ : ۴۲)

(۴۹) اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنیوالے ــ (۳۸ : ۴۲)

(۵۰) مجرم کو اس کے کئے کی سزا دینے والے۔ البتہ جو اپنے کئے پر نادم ہو اور اس میں اصلاح کی گنجائش ہو، اسے معاف کر دینے والے ــــ (۴۱ : ۴۲)

(۵۱) ناحق بغاوت اور سرکشی نہ کرنے والے ــــ (۴۲ : ۴۲)

(۵۲) باہمی تمسخر نہ کرنے والے۔ ایک دوسرے کے برے برے نام نہ رکھنے والے۔ بدظنی سے بچنے والے۔ خواہ مخواہ دوسرے کے معاملات میں تجسس نہ کرنے والے۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنیوالے ــ (۱۱ : ۴۹)

(۵۳) جن کے مال و دولت میں تمام ضرورت مندوں اور محتاجوں کا حق ہے ــ (۱۹ : ۵۱) ــ (۲۴-۲۵ : ۷۰)

(۵۴) یونہی اپنے آپ کو مقدس نہ بناتے اور جتاتے پھرنے والے ــ (۳۲ : ۵۳)

(۵۵) اپنے بھائیوں کی طرف سے دلوں میں کینہ نہ رکھنے والے ــــ (۴۳ : ۷) ــ (۱۰ : ۵۹)

(۵۶) جو کچھ اپنے اوپر واجب قرار دے لیا ہو اسے پورا کرنے والے ــ (۷ : ۷۶)

(۵۷) یتیموں اور اسیروں کے سامانِ زیست کا انتظام کرنے والے ــــ (۸ : ۷۶)

(۵۸) کسی کو کچھ دے کر معاوضہ تو ایک طرف شکریہ تک کی بھی تمنا نہ کرنے والے ــ (۹ : ۷۶)

(۵۹) ایک دوسرے کو استقامت اور حق پرستی کی تلقین کرنے والے ــــ (۳ : ۱۰۳)

(۶۰) لوگوں سے درگذر کرنیوالے (آگے بڑھ جانیوالے)۔ یعنی یہ نہیں کہ جس قسم کا سلوک کوئی ان سے کرے اسی قسم کا سلوک یہ اس سے کریں۔ یہ ہمیشہ اپنے اصولوں کے مطابق کام کرینگے۔ دوسرے انکے ساتھ

کچھ ہی کیوں نہ کریں)۔ عافین عن الناس سے یہی مراد ہے ـــــ (۱۳۳ : ۳)

(۶۱) کبھی لغزش ہوجاتے تو فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لے آنے والے ـــ (۱۳۴ : ۳)۔ اور اپنی لغزشوں کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے حفاظت کا سامان کرنے والے ـــ (۱۳۴ : ۳)۔

(۶۲) مومنین کفار کو دوست نہیں بناتے ـــ (۲۷ : ۳) ـــ (۱۴۴ : ۴) ـــ (۵۷ : ۵) ـــ (۲۲ : ۵۸) ـــ (۹ ـــ ۱ : ۶۰)

(۶۳) حق کے مطابق عدل کرنیوالے یعنی ان کے قوانین قرآن کریم (حق) پر مبنی ہوتے ہیں اور انہی قوانین کے مطابق وہ متنازعہ فیہ امور کے فیصلے کرتے ہیں ـــ (۱۸۱ : ۷)

(۶۴) اچھے کاموں میں سبقت کرنیوالے ـــ (۶۱ ـــ ۵۷ : ۲۳)

(۶۵) قانون کے معاملہ میں کسی سے نرمی نہیں برتتے ـــ (۲ : ۲۴)

(۶۶) اپنی مجالس میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھنے والے ـــ (۱۱ : ۳۸)

(۶۷) مومن، بہترین قوم کے افراد ہیں جسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ (۱۴۳ : ۲) ـ (۱۰۹ : ۳)

(۶۸) مومن جب تک خود تحقیق نہ کرلے، کسی بات کے پیچھے نہیں لگتا ـــ (۳۶ : ۱۷)

(۶۹) مومن، دوسروں کے لئے اذیت کا موجب نہیں بنتا ـــ (۵۸ : ۳۳)

(۷۰) مومن سب بھائی بھائی ہیں ـــ (۱۰ : ۴۹)۔ آپس میں نہایت نرم دل اور غمگسار ـــ (۲۹ : ۴۸)

عبد مومن آزاد مشرک سے بہتر ہے ـــ (۲۲۱ : ۲)

(۷۱) رفتار و گفتار میں میانہ روی اختیار کرنے والے ـــ (۱۹ : ۳۱)

(۷۲) لوگوں کے ساتھ بے رخی نہ برتنے والے ـــ (۱۸ : ۳۱)

(۷۳) صاف، سیدھی اور دو ٹوک بات کرنے والے ـــ (۷۰ : ۳۳)

(۷۴) جو کچھ زبان سے کہیں اسے کرکے دکھانے والے ـــ (۳ ـ ۲ : ۶۱)

(۷۵) دنیا کی ہر شے اور ہر رشتے کے مقابلہ میں ایمان اور جہاد کو عزیز رکھنے والے ـــ (۲۴ : ۹)

(۷۶) مومن کسی مومن کو عمداً قتل نہیں کرتا ـــ (۹۳ ـــ ۹۲ : ۴)

(۷۷) خدا اور رسول (نظامِ مملکتِ اسلامی) کے فیصلہ کے بعد مومن کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ (۳۶ : ۳۳)

(۷۸) قومیں دنیا میں دو ہی ہیں۔ مومن اور کافر ـــ (۲ : ۶۴)

(۷۹) مومن اور فاسق کبھی برابر نہیں ہو سکتے ـــــ (۱۸ : ۳۲)

(۸۰) مہاجرین اور انصار مومنِ حقا تھے ــــ (۷۴ : ۸) . دوسرے مومن بھی جو ان خصوصیات کے حامل ہوں ـــــ (۴ ـــ ۲ : ۸)

(۸۱) آپس میں حسنِ ظن سے کام لینے والے ــــ (۱۲ : ۲۴). باہمی بھائی بھائی ہیں ــــ (۱۰۳ : ۳) ـــ (۷ : ۱۵) ـــ (۱۰ : ۴۹)

(۸۲) مومن اعلون (سب پر غالب) ہوتے ہیں ــــ (۱۳۸ : ۳) . ان پر کفار کبھی غالب نہیں آ سکتے ــــ (۱۴۱ : ۴)

(۸۳) سبیل المومنین کا اتباع کرنا چاہیئے ــــ (۱۱۵ : ۴)

(۸۴) تفریق بین المومنین کفر ہے ــــ (۱۰۷ : ۹)

(۸۵) خدا اور مومنین کا معاہدۂ بیع و شریٰ ــــ (۱۱۲ ـــ ۱۱۱ : ۹)

(۸۶) مومنین کو مصائب سے محفوظ رکھنا خدا نے اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے ــــ (۱۰۳ : ۱۰) (۸۸ : ۲۱)
ان کی نصرت بھی ــــ (۴۷ : ۳۰)

(۸۷) رسول سے کہا گیا کہ جماعت مومنین کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھو ــــ (۸۸ : ۱۵) ـــ (۲۱۵ : ۲۶)

(۸۸) مومن، خدا اور رسول کی آواز پر لبیک کہتے ہیں ــــ (۵۱ : ۲۴)

(۸۹) مومنوں کے نزدیک نبیؐ ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھا ــــ (۶ : ۳۳)

(۹۰) مومنوں کی جامع صفات ایک ہی آیت میں ــــ (۳۵ : ۳۳)

(۹۱) اگر کبھی مومنوں کی دو پارٹیاں جنگ پر اتر آئیں تو ان میں صلح کرا دو ــــ (۹ : ۴۹)

(۹۲) عزت، سب اللہ، رسول اور مومنین کے لئے ہے ــــ (۸ : ۶۳)

نوٹ :۔ قرآن کریم میں جہاں مومنوں کا ذکر آیا ہے ان میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ البتہ بعض مقامات پر مومنین اور مومنات دونوں بھی آتے ہیں مثلاً ــــ (۳۵ : ۳۳) ــــ (۵ : ۴۸) ــــ (۱۲ : ۵۷) وغیرہ۔

ـــــــــ (۰) ـــــــــ

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت المومن بھی آئی ہے ــــ (۲۳ : ۵۹) . اس کے معنی ہیں "امن کی ضمانت دینے والا"۔ اس صفتِ خداوندی کی رو سے، مومن تمام نوعِ انسان کو امن کی ضمانت دیتے ہیں۔ اسی لئے انہیں امۃ وسطًا ۔ اور شہداء علی الناس وغیرہ بنایا گیا ہے ــــ (۱۴۳ : ۲) ــــ (۱۰۹ : ۳)

ـــــــــ (۰) ـــــــــ

ایمان کے لازمی نتائج

(۱) ایمان سے اختلافات مٹ جاتے ہیں۔ اس سے تمام انسان، امتِ واحدہ بن جاتے ہیں —(۲۱۳ : ۲)

(۲) ایمان کے معنی اجتماعی طور پر قرآن کے ساتھ وابستہ ہو جانا ہے۔ تفرقہ ایمان کی ضد ہے —(۱۰۲-۱۰۳ : ۳)
فرقہ بندی شرک ہے —(۳۱ : ۳۰)

(۳) ایمان کا لازمی نتیجہ اقوامِ عالم پر غالب آجانا ہے —(۱۳۸ : ۳)—(۱۴۱ : ۴)—(۵۶ : ۵)—(۶۵-۶۶ : ۸)
(۲۲-۲۳ : ۴۸)
استخلاف فی الارض —(۵۵ : ۲۴) یعنی اس دنیا میں اقتدار، مملکت و حکومت۔

(۴) مومن، قوانینِ خداوندی کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتا ہے —(۱۵۹ : ۳)

(۵) ساحرینِ دربارِ فرعون کا ایمان لانا۔ جرأت و بیباکی کے مجسمے —(۱۲۲-۱۲۶ : ۷)—(۷۲ : ۲۰)
دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر —(۲۸-۳۵ : ۴۰)

(۶) اللہ مومنین کے ساتھ ہے —(۱۹ : ۸)

(۷) مومنین کی باہمی محبت والفت —(۶۲ و ۶۳ : ۸)—(۷۱-۷۲ و ۱۱ : ۹)—(۲۹ : ۴۸)—(۱۰ : ۵۹)

(۸) مومن صرف قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ڈرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا —(۱۳ : ۹)

(۹) مساجد، یعنی نظامِ خداوندی کے مراکز — کی آبادی صرف مومن کر سکتے ہیں —(۱۸ : ۹)

(۱۰) مومن ہی جنگ میں نہ جانے کی اجازت نہیں مانگتے —(۴۴ : ۹)۔ نہ بلا اجازت واپس جاتے ہیں —(۶۲ : ۲۴)

(۱۱) خدا نے مومنین کا جان و مال بعوض جنت خرید رکھا ہے —(۱۱۱ : ۹)—(۶۱ : ۱۰)۔ اس کی عملی شکل —(۱۰ : ۴۸)

(۱۲) جہاد کا حکم آنے سے مومنین کا ایمان بڑھ جاتا ہے —(۱۲۴ : ۹)۔ قرآن کے ہر حکم سے —(۳۱ : ۷۴)

(۱۳) خدا مومنین کو تباہیوں سے محفوظ رکھتا ہے —(۱۰۳ : ۱۰)۔ مومنین کی مدد کرنا خدا نے اپنے اوپر فرض قرار دے رکھا ہے —(۴۸ : ۳۰)—(۵۱ : ۴۰)

(۱۴) مومنین پر شیطان (انسان کے سرکش جذبات) کا غلبہ نہیں ہو سکتا —(۹۹ : ۱۶)—(۲۰ : ۳۴)

(۱۵) مومن کا شعار اطاعت ہے —(۵۱-۵۲ : ۲۴)

(۱۶) نبی، مومنین پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں —(۶ : ۳۳)

(۱۷) خدا اور اس کے فرشتے مومنین پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں ـــــ (۳۳ : ۴۳)

(۱۸) مومن مردوں اور عورتوں کو بلاوجہ ستانا جرم ہے ـــ (۳۳ : ۵۸) ـــ (۴۸ : ۲۵) ـــ (۸۵ : ۱۰)

(۱۹) ایمان اور استقامت کا نتیجہ بے خوفی کی زندگی ہے ـــ (۴۶ : ۱۳)

(۲۰) دین کی کامیابی سے ایمان والوں کا ایمان بڑھتا ہے ـــ (۴۸ : ۴-۵)

(۲۱) رسول پر ایمان لانا اور اس کے مشن کے لئے تائید و تقویت کا موجب بننا مومنین کا شعار ہے۔ (۴۸ : ۸-۹)

(۲۲) اگر مومن کبھی آپس میں جنگ کر بیٹھیں تو مرکز کو چاہیئے کہ ان میں صلح کرا دے ـــ (۴۹ : ۹-۱۰)

(۲۳) مومنین کے لئے جنت جس کی وسعت ارض و سما جتنی ہے ـــ (۵۷ : ۲۱)

(۲۴) رہبانیت مومنین کا شعار نہیں ـــ (۵۷ : ۲۷)

(۲۵) دنیا میں دو ہی گروہ ہیں ـ مومن اور کافر ـــ (۶۴ : ۲)

(۲۶) مومن، طبقاً عن طبق ارتقائی مراحل طے کرتے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں ـــ (۸۴ : ۱۹)

(۲۷) تاریخ شاہد ہے کہ وحی کی روشنی کے بغیر انسان ہمیشہ خسارے میں رہا ہے۔ مومن خسارے میں نہیں رہتے۔ (۱۰۳ : ۱-۳)

(۲۸) اگر اعراض برتو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا ـــ (۵ : ۵۴) ـــ (۴۷ : ۳۸)

(۲۹) خدا نے تمہارے لئے ایمان پسند کیا ہے۔ اگر رسول اکثر معاملات میں تمہاری (منکرین کی) بات مان لے تو تم مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ ـــ (۴۹ : ۷)

(۳۰) جو مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں ان کا امتحان لے لیا کرو۔ اگر وہ واقعی مومن ہوں تو انہیں واپس کفار کی طرف نہ بھیجو ـــ (۶۰ : ۱۰)

(۳۱) مومن عورتوں کی بیعت ـــ (۶۰ : ۱۲)

(۳۲) ایمان باللہ سے قلب کو ہدایت مل جاتی ہے ـــ (۶۴ : ۱۱)

متفرقات

(۱) ایمان کے بجائے کفر خریدنے والا صحیح راستے سے دور جا پڑتا ہے ـــ (۲ : ۱۰۸)

(۲) دعائے ابراہیمی کہ ایمان لاتے والوں پر رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں ـــ (۲ : ۱۲۶)

(۳) رسول پہلے خود ایمان لاتا ہے پھر دوسروں کو دعوت دیتا ہے ـــ (۲ : ۲۸۵)

(۴) ایمان نہ لانے والا اپنے آپ کو تباہ کر لیتا ہے ــــ (۲۰ : ۶)

(۵) ان کے خیالات کا اتباع مت کرو جو قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے ــــ (۱۵۱ : ۶)

(۶) ایمان نہ لانے والے اپنے سرکش جذبات کا اتباع کرتے ہیں ــــ (۲۷ : ۷)

(۷) ایمان نہ لانے سے اقوامِ سابقہ کی تباہی ــــ (۲۷ : ۷)

(۸) جب تک تباہی سامنے نہ آجائے لوگ صحیح بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے ــــ

(۵۵ : ۱۸) ــــ (۲۰۰ : ۲۶)

(۹) لوگ اپنے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے غافل ہیں اس لئے ایمان نہیں لاتے ــــ (۳۹ : ۱۹)

(۱۰) ایمان والوں کا تمسخر اڑانے والے جہنم میں ــــ (۱۱۰ : ۲۳)

(۱۱) باطل پر ایمان لانیوالے ۔ اللہ سے انکار کرنے والے ۔ نقصان اور تباہی میں ــــ (۵۲ : ۲۹)

(۱۲) مسلم اور مومن کے الفاظ یکجا بھی آتے ہیں ــــ ایمان 'حقائق کو صحیح تسلیم کر لینا ۔ اور اسلام' ان پر عملاً کاربند ہو جانا ہے ــــ (۳۵ : ۳۳) ۔ اور الگ الگ بھی ــــ (۱۴ : ۴۹)

اس آیت میں مسلم کا لفظ لغوی معنوں میں آیا ہے یعنی اسلامی مملکت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنیوالے ۔

(۱۳) خالص خدا کا ذکر کیا جائے تو کفار متنفر ہو جاتے ہیں ۔ ساتھ اوروں کو ملا دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں ــــ (۴۵-۴۴ : ۳۹)

(۱۴) حاملینِ عرش' خدا پر ایمان رکھتے ہیں ــــ (۷ : ۴۰)

(۱۵) مومن' غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے خائف رہتے ہیں ــــ (۱۸ : ۴۲)

(۱۶) بدوی قبائل (جنات) کا ایمان لانا ــــ (۳۳ : ۴۶) ــــ (۳-۱ : ۷۲)

(۱۷) اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ ــــ (۶ : ۶۶)

(۱۸) حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی غیر مومن بیویاں ۔ فرعون کی ایمان دار بیوی ــــ (۱۱-۱۰ : ۶۶)

(۱۹) اہلِ جہنم خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے ــــ (۳۳ : ۶۹)

(۲۰) بہت تھوڑے لوگ ایمان لاتے ہیں ــــ (۴۱ : ۶۹)

ــــ (۰) ــــ

۹۲۔ ایوّبؑ

ایوّب حضرت اسحٰقؑ کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوبؑ اور عیسو۔ عیسو اپنے چچا حضرت اسمٰعیلؑ کے ہاں چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کرلی۔ ان کی متعدد اولادیں ہوئیں جن میں سے عمالق اور عوص مشہور ہیں۔ حضرت ایوبؑ، قبیلہ عوص سے متعلق تھے۔ تورات میں سفرِ ایوب انہی کی طرف منسوب ہے۔ یوباب، اوب اور آیوب ایک ہی نام ہے۔ قرآن کریم نے آپ کی زندگی کا صرف ایک ہی واقعہ بیان کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک تکلیف میں مبتلا ہوگئے لیکن انہوں نے اسے نہایت تحمل اور استقامت سے برداشت کیا۔ اور اس زمانے کے عام رواج کے مطابق جھاڑ پھونک کے شرک آمیز توہمات سے بچکر قاعدے اور قانون کے مطابق اپنی تکلیف (سانپ کاٹے) کا علاج کیا۔

———(۰)———

(۱) حضرت ایوبؑ کا ذکر زمرۂ انبیاؑ میں آیا ہے ——— (۴ : ۱۶۳)—(۶ : ۸۵)

(۲) حضرت ایوبؑ ایک تکلیف میں مبتلا ہوگئے اور آپ کے اہل و عیال اور ساتھی آپ سے جدا ہوگئے۔ آخرالامر یہ تکلیف بھی رفع ہوگئی اور رفقا بھی مل گئے۔ آپ بہترین اطاعت گذار بندے تھے۔ (۲۱:۸۴)

(۳) یہ تکلیف سانپ کے ڈسنے سے ہوگئی تھی۔ اس کے لئے آپ کی راہ نمائی ایک ایسے چشمے کی طرف کی گئی جس میں (غالباً) معدنی اثرات تھے۔ نیز آپ کو بتایا گیا کہ وہ کس طرح اس کا علاج جڑی بوٹیوں سے کریں اور مشرکانہ توہم پرستیوں سے بچیں ——— (۳۸ : ۴۱—۴۴)

انسانی تمدن کے ابتدائی زمانے میں، انسانی ضروریات کی معمولی معمولی باتیں بھی وحی کے ذریعے بتائی جاتی تھیں (جیسے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانا بھی وحی کے ذریعے سکھایا گیا تھا) حضرت ایوبؑ کا منصبِ رسالت، توہم پرستی کو مٹا کر لوگوں کو خدا کے قوانین کی طرف رجوع کرنے کی دعوت معلوم ہوتی ہے۔

———(۰)———

ب

۱۔ بابل

بابل قدیم کلدانی تہذیب کا مرکز' بابل تھا۔ یہودیوں کے ہاں سحر و کہانت کے جو افسانے مشہور تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ بابل میں دو فرشتے ـــ ہاروت و ماروت ـــ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سب ان لوگوں کے ذہن کے تراشیدہ افسانے ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں ـــ (۲ : ۱۰۲)۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(۰)

۲۔ بارش

(نیز دیکھئے۔ رزق)

بارش۔ زندگی کا مدار پانی پر ہے ـــ (۲۱ : ۳۰)۔ اس لئے جس خدا نے زندگی عطا کی ہے اس نے پانی کا ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ بلا مزد و معاوضہ حاصل ہوتا ہے۔ اسے پیا بھی جاتا ہے اور اسی سے فصلیں اگتی ہیں

اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ زمینِ مردہ کو اس سے حیاتِ نو ملتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے بارش اور پانی کا ذکر مختلف انداز سے کیا ہے۔ اور بکثرت کیا ہے۔ کہیں براہِ راست اس کے فوائد کو سامنے لا کر اور کہیں اس کی مثالوں سے اہم حقائق کو واضح کرنے کے لئے۔ بالخصوص قانونِ مکافاتِ عمل کی وضاحت کے لئے جس طرح زمین کو اپنی صلاحیتوں کی نمود کے لئے آسمانی پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسان کو اپنی ذات کی نمود اور نشوونما کے لئے آسمانی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ آسمان سے بارش تو یکساں ہوتی ہے لیکن ہر زمین اپنی اپنی صلاحیت اور ظرف کے مطابق اس سے متمتع ہوتی ہے۔ زمین کی صلاحیت سے نفع یاب ہونے کے لئے کسان کو محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ محنت کے بعد تخم ریزی کا مرحلہ سامنے آتا ہے۔ جس قسم کا بیج بو یا جائے گا اسی قسم کی فصل پیدا ہوگی۔ پھر بیج بونے اور فصل پکنے میں ایک مہلت کا وقفہ ضروری ہے۔ ان مثالوں سے قانونِ مکافاتِ عمل کی پوری پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ نیز اسی سے حیات بعد الممات کا تصور نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور قوموں کی موت اور حیات کا فلسفہ بھی۔ ان تمام نکات کو قرآنِ کریم میں بارش کی مثالوں سے اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ ان سے ایک عام آدمی بھی بات سمجھ سکتا ہے اور ایک بلند پایہ مفکر اور سائنس دان بھی۔

———— (۰) ————

بارش سے رزق پیدا کیا

(۱) خدا بادلوں سے بارش برساتا ہے جس سے فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ تم خدائی اقتدار میں دوسروں کو شامل مت کرو۔ رزق کے سرچشموں کو انسانی اقتدار کے تابع رکھنے کے بجائے، انہیں قوانینِ خداوندی کے تابع رکھو۔—— (۲ : ۲۲)—(۶ : ۱۰۰—۱۰۱)—(۱۴ : ۳۲)—(۱۶ : ۱۰—۱۱)—(۲۰ : ۵۳—

۲۰ — ۱۸ : ۲۳)—(۳۱ : ۱۰)—(۳۵ : ۲۷)—(۴۰ : ۱۳)

(۲) آسمان سے پانی برسے اور زمین اسے اپنے اندر جذب کرے تو اس سے رزق حاصل ہوتا ہے ——

(۳۱ : ۱۰)—(۲۷ : ۶۴)—(۳۵ : ۳)

بارش نعماءِ خداوندی میں سے ہے

(۱) قوموں کو فراوانی سے بارش برسا کر رزق عطا کیا لیکن انہوں نے اس کا استعمال صحیح نہ کیا تو تباہ ہو گئیں۔ (۶ : ۶)

(۲) قومِ ہود کی مثال ــــ (۵۳ : ۱۱)

(۳) قومِ نوح کی مثال ــــ (۱۱ : ۷۱)

بارش سے زمینِ مردہ زندہ ہوجاتی ہے

(۱) خدا بارش برساتا ہے تو اس سے زمینِ مردہ ازسرِ نو زندہ ہوجاتی ہے ــــ (۱۶۴ : ۲) ــ (۶۵ : ۱۶)
(۶۳ : ۲۲) ــ (۴۹ : ۲۵) ــ (۲۴ : ۳۰) ــ (۷ : ۲۲) ــ (۵ : ۴۵)

(۲) بےحس زمین میں زندگی اور حرکت کی نمود ہوجاتی ہے جس سے تر و تازہ نباتات اُگتی ہے ــ (۵ : ۲۲)

(۳) زمینِ مردہ کی زندگی سے حیات بعد الممات پر دلیل ــــ (۵۷ : ۷) ــ (۴۸-۵۲ : ۳۰) ــ
(۹ : ۳۵) ــ (۱۱ : ۴۳) ــ (۱۱ : ۵۰)

زندگی بقدرِ صلاحیّت

(۱) آسمان سے بارش تو ساری زمین پر ایک جیسی ہوتی ہے لیکن ہر ایک قطعۂ اراضی اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اچھی زمین سے اچھی فصل اُگتی ہے، خراب سے ناقص۔ اسی طرح انسان اپنی اپنی سعی و کاوش کے مطابق آسمانی راہ نمائی سے نفع یاب ہوتے ہیں ــــ (۵۸ : ۷)

(۲) بارش ہوتی ہے تو ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنے اندر پانی لے لیتے ہیں ــــ (۱۷ : ۱۳)

(۳) بارش تو ایک جیسی ہوتی ہے لیکن اس سے زمین سیراب ہوتی ہے اور خس و خاشاک بہ جاتے ہیں۔ باقی وہ رہتا ہے جو نوعِ انسانی کے لئے نفع بخش ہو ــــ (۱۷ : ۱۳)

امید و بیم مخلوط

(۱) انسانی صلاحیتوں کی نمود اور اس کی ذات کی نشو و نما ٹکراؤ سے ہوتی ہے۔ اس لئے ہجومِ مخالفت اور نامساعدتِ حالات میں ایک پہلو خیر کا بھی مضمر ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ نامساعد حالات سے مایوس نہ ہو بلکہ اس معاملہ کے خیر کے پہلو کو سامنے رکھے۔ جس بادل میں بجلی چمکتی ہے اسی سے بارانِ رحمت بھی ہوتا ہے ــــ (۱۲ : ۱۳)۔ بجلی اسی کو تباہ کرتی ہے جو اپنا آشیانہ اسکی

زدمیں بنا تا ہے ـــــ (۱۳:۱۳) ـــــ (۲۴ : ۳۰)

(۲) اسی بادل سے مینہ برستا ہے اور اسی سے اولے۔ جو اپنے لئے سامانِ حفاظت مہیا نہیں کرتا، اولے اس کو نقصان پہنچا دیتے ہیں ـــــ (۴۳ : ۲۴)

(۳) انتہائی مایوسی کے عالم میں ابر رحمت آجاتا ہے ـــــ (۲۸ : ۴۲)

ہوائیں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں

(۱) بارش سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ اسی طرح صحیح نظامِ زندگی کے حیات بخش نتائج کے محسوس طور پر سامنے آنے سے پہلے ان کے آثار نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ (۷: ۵۷)-(۲۳: ۴۶)

حیاتِ ارضی کی مثال

ہر کھیتی جو اُگتی ہے اس کی ایک میعاد ہوتی ہے۔ اس میعاد کے بعد، وہ پھل دے دیتی ہے (اور بعض اوقات ویسے ہی چُرمُر ہو جاتی ہے)۔ دونوں صورتوں میں، اُس مدت کے بعد، اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ زندگی کا ایک نظریہ یہ ہے (جو باطل ہے) کہ زندگی اِسی دنیا کی زندگی ہے۔ موت کے ساتھ انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا نظریہ (جو حق ہے) یہ ہے کہ زندگی موت کے بعد بھی مسلسل آگے جاتی ہے۔ پہلے نظریہ کے مطابق، دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت کھیل تماشے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یا اس کھیتی سے زیادہ نہیں جو ایک وقت کے بعد چُرمُر ہو جاتی ہے ـــــ (۲۴ : ۱۰)-(۴۵ : ۱۸)

نظامِ ربوبیّت

زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے، اس کے ذرائع میں، نوّے فیصد سے زیادہ خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ عطا کردہ ہوتے ہیں اور دس فیصد انسان کی محنت ہوتی ہے۔ انسان اپنی محنت کے معاوضہ کا حق دار ہے لہٰذا، وہ ان ذرائع کا مالک نہیں بن سکتا۔ انہیں خدا نے نوعِ انسان کی ربوبیت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس مقصد کے لئے انہیں کھلا رہنا چاہیئے۔

(۱) پانی خدا کی طرف سے برستا ہے۔ زمین اسے جذب کر لیتی ہے۔ خدا چاہتا تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ پانی زمین

پر ٹھہرتا ہی نہ ـــــ (۱۸ : ۲۳)

(۲) یا بارش کا پانی بھی سمندر کے پانی کی طرح کھاری ہوتا تو کسی کام بھی نہ آسکتا ـــــ (۷۰-۶۸ : ۵۶)

(۳) یا زمین میں جذب ہونے کے بعد نیچے ہی نیچے چلا جاتا تو جاری پانی کا وجود ہی نہ رہتا ـــــ (۳۰ : ۶۷)

(۴) پانی کو ایسی شکل میں برسانا کہ اس سے فصلیں اگیں، خدا ہی کا پروگرام ہے ـــــ (۲۵-۳۱ : ۸۰) سمندر کے کھاری پانی سے صاف پانی کے بخارات اوپر اٹھتے ہیں۔ وہی بادل بن کر، دوش ہوا پر اڑتے ہیں اور بارش بن کر برستے ہیں ـــــ (۲۲ : ۱۵)

(۵) ضرورت سے زیادہ پانی، پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں جمع رہتا ہے۔ اور پھر گرمیوں میں بقدر ضرورت پگھل پگھل کر میدانوں میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی خدا ہی کے پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔

(۲۲ : ۱۵)

(۶) بارش خدا کے قانونِ طبعی کے مطابق ہوتی ہے ـــــ (۵۸-۵۷ : ۷) ـــــ (۳۴ : ۳۱)۔ اسی کو علم خداوندی کہا گیا ہے ـــــ (۲ : ۳۴) ـــــ (۴ : ۵۷)

کائنات میں خدا کا قانون لیکن .....

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ خارجی کائنات میں تو خدا کا قانون جاری و ساری ہے لیکن انسان اپنی دنیا میں وحی کا محتاج نہیں۔ یہ اپنے معاملات اپنی عقل کی رُو سے حل کر سکتا ہے۔ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ مثلاً

(۱) ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان سے رزق کون دیتا ہے تو یہ کہہ دینگے کہ اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ تم اپنی زندگی میں اس کے قوانین کی نگہداشت کیوں نہیں کرتے؟ ـــــ (۳۱ : ۱۰) ـــــ (۶۳ : ۲۹)

ـــــ (۰) ـــــ

۳۔ باطل

(نیز دیکھئے۔ حق)

باطل۔ (ب۔ ط۔ ل)۔ قرآنِ کریم میں حق کے مقابلہ میں باطل آیا ہے۔ اس لئے باطل کا پورا پورا

مفہوم سمجھنے کے لئے عنوان حق کا دیکھنا ضروری ہے۔ یعنی ہر وہ نظریہ، تصور یا کام جو حق نہیں وہ باطل ہے۔ حق کے معنی ہیں۔ (۱) کسی چیز کا ٹھوس، واقعہ یا حقیقت بن کر سامنے آنا۔ اس کے مقابلہ میں باطل وہ ہے جو محض ذہن یا قیاس میں موہوم صورت میں رہے اور مبنی بر حقیقت نہ ہو۔ (۲) حق کے معنی تعمیری نتائج کے ہیں۔ اس لئے باطل کے معنی ہوں گے وہ نظریہ یا تصور جس کے نتائج تخریبی ہوں۔ یا جس کے نتائج انسان کے حسب توقع نہ نکلیں۔ اسے "اعمال کا رائیگاں جانا" کہتے ہیں۔ (۳) حق کے معنی ہیں ایسا نظریہ جو قانونِ حفظ و بقا کے مطابق ہو۔ لہٰذا، باطل وہ ہوگا جو اس قانون کے مطابق نہ ہو اور علم و عقل، عدل و انصاف اور تجربہ و مشاہدہ کے کسی اصول پر پورا نہ اترے، نہ ہی کسی صحیح تقاضے کو پورا کرے۔ (۴) حق، اٹل اور غیر متبدل محکم اور ثابت ہوتا ہے۔ باطل، ہر آن بدلنے والا اور آخر الامر مٹ جانے والا ہوتا ہے۔ (۵) ہر مستقل قدر حق ہے جو ابدی صداقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں باطل، انسانوں کی خود ساختہ اقدار و معیار ہیں جو نہ صداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور نہ بقا ان کے نصیب میں ہوتی ہے۔ دین حق ہے، مذہب باطل۔

مشہور مغربی (جرمن) مفکر، ہیگل نے یہ فلسفیانہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ایک تصور (IDEA) سامنے آتا ہے۔ وہ بڑھتا، پھولتا، پھلتا ہے۔ جب وہ انتہائے عروج تک پہنچتا ہے تو اس میں سے ایک اور تصور برآمد ہوتا ہے جو پہلے تصور کی ضد ہوتا ہے۔ اس سے پہلا تصور مٹ جاتا ہے اور یہ دوسرا تصور اسی طرح بڑھتا، پھولتا، پھلتا ہے۔ جب یہ تصور اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو اس میں سے ایک اور تصور برآمد ہوتا ہے جو ان دونوں تصورات کی خصوصیات کا حامل لیکن ان کی ضد ہوتا ہے۔ یہی کچھ پھر اس کے ساتھ ہوتا ہے کائنات میں تصورات کی یہ کشمکش جاری و ساری ہے۔ جس کی رُو سے بقا صفت تغیر کو ہے۔

مارکس نے اس نظریہ کو اپنایا اور کہا کہ یہ جدل اور کشمکش، تصورات میں نہیں۔ بلکہ نظامِ معیشت میں واقعہ ہوتی ہے۔ اور انسان کی ساری تاریخ اسی گردشِ دولابی کا نام ہے۔ (دیکھئے عنوان اضداد)

ہیگل کا اصلی فلسفہ ہو یا مارکس کا ترمیم شدہ نظریہ۔ دونوں کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں کوئی نظریہ یا تصور (یا نظام) حق پر مبنی، فلہٰذا، اٹل نہیں۔ قرآن کا دیا ہوا تصورِ حیات ان دونوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے جو اصولِ زندگی اور قوانین دیئے ہیں، وہ (اور ان پر مبنی نظامِ زندگی) حق ہیں۔ لہٰذا، اٹل اور غیر متبدل۔ ان کے مقابلہ میں انسانوں کے وضع کردہ نظریات (اور نظام ہائے حیات) باطل ہیں۔ انسانوں کی مفاد پرستیاں، حق کے تصورات کا مقابلہ کرنے کے لئے باطل کے تصورات وضع کرتی ہیں۔

ان میں کشمکش ہوتی ہے۔ لیکن آخر الامر غلبہ اور کامیابی حق کے تصور کو ہوتی ہے۔ باطل شکست کھا کر راہ فرار اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ، انسانی معاشرہ میں مبنی برحق تصورات غالب آتے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان تصورات کا مقصود، تمام نوعِ انسان کی فلاح و بہبود ہوتا ہے، اور یہی قانونِ حفظ و بقا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ خدا نے اس سلسلۂ کائنات کو بالمقصد پیدا کیا ہے۔ یونہی عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ یہ بالحق پیدا کی گئی ہے۔ باطل پیدا نہیں کی گئی کہ یونہی بے معنی جدلیات اور تغیرات کا چکر کاٹتی رہے۔

——— (۰) ———

کائنات باطل نہیں پیدا کی گئی

(۱) اربابِ عقل و بصیرت، سلسلۂ کائنات پر پورے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا نے اس سلسلہ کو باطل (بے مقصد، بیکار، تخریبی نتائج پیدا کرنے کے لئے) نہیں پیدا کیا —(۳:۱۹۰)

(۲) یہ تصور کہ کائنات باطل پیدا کی گئی ہے، انسانیت کو تباہیوں کی طرف لے جاتا ہے —(۳ : ۱۹۰)

(۳) یہ سلسلۂ کائنات کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا گیا۔ اسے ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جو تصورِ زندگی یا عملی پروگرام، اس مقصد کے راستے میں روک بنتا ہے، اس کا سر توڑ دیا جاتا ہے، اور یہ کاروانِ حیات، اسے اپنی راہ سے ہٹاتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ —— (۲۱ : ۱۶—۱۸)

(۴) یہ تصور کہ کائنات کو باطل پیدا کیا گیا ہے، کفر ہے۔ اور اس کفر کا نتیجہ تباہی اور بربادی کا جہنم۔ (۳۸:۲۷)

کشمکش حق و باطل

(۱) باطل پرست، حق کے مقابلہ میں اپنے باطل تصورات لاتے ہیں۔ عملی نتائج کے اعتبار سے دونوں میں ٹکراؤ ہوتا ہے۔ حق کا نظریہ، باطل کا دماغ توڑ دیتا ہے اور یوں اسے میدان سے بھگا دیتا ہے۔ ایسے نظریات پیش کرنے والوں کا انجام تباہی ہوتا ہے —(۲۱ : ۱۸)

(۲) باطل کو شکست اس لئے ہوتی ہے کہ اس میں استحکام اور بقا کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ اس پروگرام میں فٹ ہی نہیں بیٹھتا جو کائنات کو اس کی منزل تک لے جانے والا ہے —(۸ : ۵۶—۱۷ : ۸۱)

(۳) حفظ و بقا کا اصول یہ ہے کہ جو نظریہ، جو پروگرام، تمام نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہوگا وہ

باقی رہے گا۔ چونکہ باطل کا نظریہ اس کی نقیض ہوتا ہے، وہ حق کے سیلاب سے خس وخاشاک کی طرح بہ جاتا ہے ـــ (۱۷ : ۱۳)

(۴) باطل، حق کے سامنے نہ ہونے کا نام ہے۔ جب حق اس کے سامنے آجاتا ہے تو اس کا کوئی اثر و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ جس طرح روشنی آجانے سے تاریکی کا نشان تک مٹ جاتا ہے، کیونکہ تاریکی روشنی کے نہ ہونے کا نام ہے ـــ (۴۹-۴۸ : ۳۴)

(۵) اس کشمکش میں جب حق کے مطابق فیصلہ ہو جاتا ہے تو حق کا ابطال کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔

(۷۸ : ۴۰) ـــ (۷۵ : ۲۷)

(۶) خدا کا قانون یہ ہے کہ حق قائم رہے اور باطل مٹ جائے ـــ (۳۹ : ۱۳) ـــ (۲۴ : ۴۲)

(۷) یہ فیصلہ (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی حق کا آخر الامر کامیاب ہونا اور غالب آنا) خدا کے کائناتی قانون کی رُو سے ہوتا ہے لیکن اس میں وقت بہت زیادہ لگتا ہے (کیونکہ خدا کے کائناتی قانون کا ایک دن، ہمارے حساب وشمار سے، ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے) اس فیصلہ کو جلدی سامنے لانے کے لئے، حق کی حامل جماعتیں باطل پرستوں کے مقابلہ میں نکل آتی ہیں تو یہی نتیجہ دنوں اور مہینوں میں سامنے آجاتا ہے۔ جیسا (مثلاً بدر کے میدان) میں ہوا ـــ (۸-۷ : ۸)

(۸) یہ لوگ حق کو شکست دینے کے لئے باطل کی جنگ کرتے ہیں ـــ (۵۶ : ۱۸) ـــ (۵ : ۴۰)

(۹) مبطلون (باطل پرستوں) کا انجام ـــ (۱۷۳ : ۷) ـــ (۷۸ : ۴۰) ـــ (۲۷ : ۴۵)

باطل پرستوں کے اعمال

(۱) مفاد پرست گروہ بڑی کوشش کرتا ہے کہ ان کے نظریات کے مطابق نظامِ زندگی کامیاب رہے لیکن جب حق سامنے آجاتا ہے تو ان کی یہ تمام کوششیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ یعنی ان کے حسبِ منشا نتیجہ مرتب نہیں کرتیں۔ چنانچہ قومِ فرعون کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ یہی ہوا ـــ (۱۱۸ : ۷) ـــ (۸۲-۸۱ : ۱۰)

(۲) اصنام پرستوں کا بھی یہی انجام ہوتا ہے کیونکہ اس سے شرفِ انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے ـــ (۱۳۹ : ۷)

(۳) جو لوگ اسی دنیا کی زندگی کو زندگی کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ موت کے ساتھ انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے، ان کی صنعت کاریاں بے نتیجہ رہ جاتی ہیں اور ان کے اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ یعنی انہیں

کامیابی تک نہیں لے جاتے. کامیابی اسی کی ہے جو زندگی کی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے. اور وہ منزل بہت سے ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد آتی ہے. لہٰذا' مادی نظریہ حیات یکسر باطل ہے.

(۱۶ــ۱۵ : ۱۱)

کافر و مومن کا فرق

(۱) حق ہمیشہ وحی کی رُو سے ملتا ہے. اس کے برعکس' جو نظریہ، تصوّر، عقیدہ، رسم، نظامِ ذہنِ انسانی کا وضع کردہ ہوگا وہ باطل ہے۔ (مَا صَنَعُوْا ــــ ۱۶ : ۱۱). لہٰذا' مومن وہ ہیں جو حق کا اتباع کریں اور کافر وہ جو باطل کا اتباع کریں.
کفار' باطل کے ذریعے حق کے ساتھ جدل کرتے ہیں تاکہ حق کو زائل کر دیں. وہ قوانینِ خداوندی کو مذاق سمجھتے ہیں ــــ (۱۸ : ۵۶) ــــ (۴۰ : ۵)

(۲) کافر باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا سے انکار کرتے ہیں. یہ تباہ ہو جاتے ہیں ــ(۱۶ : ۷۲) ــ(۲۹ : ۵۲)

(۳) حق وہ ہے جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے. مومن اس کا اتباع کرتے ہیں. کافر باطل کا اتباع کرتے ہیں. لہٰذا قرآن کے خلاف جو کچھ بھی ہے باطل ہے اور اس کا اتباع کفر ــــ (۳ــ۲ : ۴۷)

(۴) یہ نظریہ کہ دنیا یونہی بیکار پیدا کر دی گئی ہے' باطل ہے. لہٰذا' دنیا سے نفرت کا عقیدہ باطل پر مبنی ہے اور کفر ہے ــــ (۱۹۲ــ۱۹۱ : ۳)

(۵) اپنی فاضلہ کمائی کو اپنے لئے مخصوص کر لینا اور اسے ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کھلا نہ رکھنا، نعمائے خداوندی سے انکار اور باطل پر ایمان ہے. لہٰذا باطل صرف غلط عقاید ہی کا نام نہیں، غلط نظام بھی اس کے اندر شامل ہیں ــــ (۷۲ــ۷۱ : ۱۶) ــ(۶۷ : ۲۹)

(۶) باطل پرست حق سے انکار کرتے ہیں ــــ (۴۸ : ۲۹) ــ(۵۸ : ۳۰)

حق' قرآن کے اندر ہے

(۱) حق صرف قرآن کے اندر ہے. غیر از قرآن جو کچھ ہے باطل ہے ــ (۳ ــ ۲ : ۴۷). یعنی جو کچھ ذہنِ انسانی نے وضع کیا (مَا صَنَعُوْا) ہو وہ باطل ہے ــــ (۱۶ : ۱۱)

(۲) قرآن محفوظ ہے اس لئے باطل اب اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا. یعنی اس میں ذہنِ انسانی کی آمیزش نہیں ہو سکتی ـــ (۴۲-۴۱ : ۴۱)

(۳) قانون صرف خدا کا ہے. اس کے علاوہ ہر دعوت باطل کی ہے ـــ (۲۲ : ۶۴)ـــ(۳۰ : ۳۱)

تلبیسِ حق و باطل

حق (وحی) کے ساتھ کسی قسم کے انسانی خیالات کی آمیزش کر دینا "تلبیسِ حق و باطل ہے" ـــ باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے ـــ یہ نہیں کہ اُس آمیزہ میں کچھ فیصد حق ہوتا ہے کچھ فیصد باطل. وہ سارا باطل ہو جاتا ہے. کیونکہ حق اس وقت تک حق ہوتا ہے جب اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو. دو اور دو چار حق ہے. دو اور دو ساڑھے تین' ۷۵ فیصد حق نہیں. یکسر باطل ہے. اس لئے تلبیسِ حق و باطل بھی کفر ہے ـــ (۴۲ : ۲)ـــ(۷۱ : ۳)

معاملات میں باطل

(۱) قرآن کے خلاف جو طریق بھی اختیار کیا جائے گا وہ ناجائز یعنی باطل ہوگا. اسی لئے کہا کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے نہ کھاؤ ـــ (۱۸۸ : ۲)

(۲) باہمی رضامندی سے تبادلۂ اشیاء (تجارت) تو جائز ہے. اس کے علاوہ کسی باطل طریق سے ایک دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے ـــ (۲۹ : ۴)

(۳) ربٰو ـــ یعنی محض سرمایہ کا معاوضہ لینا ـــ باطل ہے ـــ (۱۶۱ : ۴)

(۴) مذہبی علماء اور مشائخ جس طریق سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں ـــ یعنی بلا محنت کئے. بغیر تعمیری نتائج مرتب کئے، لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر، انہیں دھوکے سے ڈرا دھمکا کر ـــ یہ سب باطل ہے. اسی طرح سرمایہ داری بھی جس میں دولت جمع کر کے رکھ لی جاتی ہے، اور اسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے عام نہیں کیا جاتا، باطل نظام ہے. اور اس کا نتیجہ تباہی کا جہنم ـــ (۳۴ : ۹)

ـــ (۰) ـــ

۴- باطن

باطن۔ (ب۔ط۔ن)۔ ہر شے کا اندرونی حصہ۔ معاملہ کی اندرونی حالت۔ ظاہر کی ضد۔ یعنی محسوس کے مقابلہ میں غیر محسوس۔ مرئی کے مقابلہ میں غیر مرئی۔

(۰)

خدا کے متعلق

قرآن کریم میں خدا کے متعلق ہے۔ هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ــ (۳ : ۵۷)۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ کائنات میں جو کچھ محسوس طور پر ہمیں نظر آتا ہے وہ بھی خدا ہے اور جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ بھی خدا ہے۔ یہ ویدانت کا ہمہ اوست (یا وحدتِ وجود) کا عقیدہ ہے جسے قرآنِ کریم سے کچھ واسطہ نہیں۔

جب انسان کی نگہ بصیرت اشیائے کائنات (مظاہر فطرت) پر غور کرتی ہے تو وہ ان اشیاء کے خالق کے متعلق اندازہ کرسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے تخلیقی مظاہر کی رُو سے پہچانا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ الظّاہر ہے۔ لیکن اس کی ذات کی کنہ وحقیقت سے کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔ انسانی آنکھ (بصیرت) اس کا ادراک نہیں کرسکتی ــ (۶ : ۱۰۴)۔ اس اعتبار سے وہ الباطن ہے۔ (مزید تشریح ظاہر کے عنوان میں ملے گی)۔

ظاہر و باطن کی نعمتیں

خدا نے انسان کے لئے ظاہر و باطن کی نعمتیں پوری کر دی ہیں ــ (۲۰ : ۱۳)۔ ظاہر کی نعمتیں طبیعی زندگی سے متعلق ہیں، اور باطن کی نعمتوں سے مراد وہ مستقل اقدار ہیں جو وحی کی رو سے عطا ہوئی ہیں اور جن کی رُو سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔

ظاہر و باطن کے اثم

ظاہر و باطن کی غلط کاریوں کو چھوڑ دو ــ (۶ : ۱۲۱)ــ(۱۵۱ : ۶)۔

خدا نے دونوں کو حرام قرار دیا ہے — (۷ : ۳۳)۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ غلط کاموں کے محسوس طور پر ارتکاب ہی کو نہ چھوڑو، ان کے متعلق دل میں خیال تک بھی نہ آنے دو۔ اس لیے کہ خدا نگاہ کی خیانت اور دل کے ارادوں تک سے واقف ہے — (۴۰ : ۱۹) اور یا اس کے معنی یہ ہیں کہ غلط امور کی صرف ظاہری شکل ہی سے اجتناب نہ کرو بلکہ اس کی روح کو بھی سامنے رکھو اور ہر اس شے سے بھی اعراض برتو جو اس کے تابع آتی ہو۔

جنّت و دوزخ

جنت اور دوزخ میں بس ایک پردہ ہی کا فاصلہ ہے۔ پردے کے باہر (ظاہر) کی طرف جہنم ہے۔ اس کے اندر (باطن میں) جنت — (۵۷ : ۱۳)۔ تشریح اس کی جنت و جہنم کے عنوانات میں ملے گی۔

باطنی تعلیم

اسلام میں باطنی تعلیم کا کوئی تصور نہیں۔ اس کی تعلیم صاف، واضح، ظاہر، ... کھلی اور نکھری قرآن کریم کے اندر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات بینات اور قرآن۔

(٠)

۵۔ بحث و جدل

بحث۔ یہ لفظ جن معنوں میں ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے، ان معنوں میں یہ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس مفہوم کے لئے اس میں جدال کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد ہوتی ہے ایسا اندازِ گفتگو جس سے مقصد حقیقت تک پہنچنا نہ ہو بلکہ یہ مقصد ہو کہ ہم کس طرح فریقِ مقابل سے بازی لے جائیں اور اسے شکست دے کر اس پر غلبہ حاصل کر لیں۔ اس مقصد کے لئے انسان خواہ مخواہ بات بڑھاتا جاتا اور اپنے نقطہ پر اصرار کئے چلا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ اسے ہمارے ہاں کج بحثی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مذہبی دنیا میں مباحثہ اور مناظرہ سے بھی اب یہی مقصد پیش نظر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس ذہنیت کی

مذمت کی ہے اور اس سے روکا ہے۔

(۱)

کفار کی روش کج بحثی کی ہوتی تھی

(۱) کفار کی یہ حالت ہے کہ تمہاری محفل میں آتے ہیں تو اس غرض سے نہیں کہ تمہاری باتوں پر غور و فکر کیا جائے۔ بلکہ محض اس لئے کہ خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالے جائیں۔ (۶ : ۲۵)

(۲) مخالفین کے سرغنے اپنے ساتھیوں کو اکساتے رہتے ہیں کہ تم سے کج بحثی کیا کریں۔ (۶ : ۱۲۲)

(۳) منافقین بھی یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ بے معنی بحثوں میں الجھے رہو۔ (۹ : ۶۹)

(۴) حق سے انکار کرنے والے، بجائے اس کے کہ خدا کے کائناتی نظام پر غور و فکر سے صحیح نتیجہ پر پہنچیں، خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔ (۱۳ : ۱۳)

(۵) صاف اور سیدھی بات میں خواہ مخواہ ٹیڑھا پن پیدا کرنے کی کوشش کرنا، حق سے گریز کرنے والوں کی روش ہوتی ہے۔ (۱۴ : ۳)

(۶) کفار کی روش ہمیشہ کج بحثی کی ہوتی ہے۔ (۱۸ : ۵۶)۔ (۴۰ : ۵ ; ۶۹)

(۷) احکام و قوانینِ خداوندی کے خلاف کج بحثی پر وہی اترتے ہیں جنہوں نے پہلے سے فیصلہ کر رکھا ہوتا ہے کہ انہوں نے بہرحال مخالفت کرنی ہے اور دوسرے کی بات ماننی ہی نہیں۔ (۴۰ : ۴ - ۵)

(۸) اس قسم کی ذہنیت سے انسان کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی جاتی رہتی ہے۔ (۴۰ : ۳۶)

(۹) اس روش کا جذبۂ محرکہ تکبر (بڑا بننے کی خواہش) ہوتا ہے۔ (۴۰ : ۵۶)

(۱۰) قوانینِ خداوندی کے خلاف کج بحثی اور جھگڑا کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس طرح وہ اپنی غلط روش کے نتائج سے بچ نہیں سکتے۔ غلط بات کا نتیجہ تو بہرحال سامنے آکر رہے گا۔ خواہ آپ اپنے آپ کو لاکھ مطمئن کر لیں کہ ہم نے فریقِ مقابل کو اپنی باتوں سے شکست دے دی۔ غلط منطقی دلائل سے اگر سنکھیا کو شہد ثابت کر دیا جائے تو کیا وہ ممد حیات بن جائے گا؟ (۴۲ : ۳۵)

(۱۱) مخالفین محض جھگڑے اور کج بحثی سے سروکار رکھتے ہیں۔ (۴۳ : ۵۸)

(۱۲) بیکار باتیں کرتے رہنا اور صحیح کام کوئی نہ کرنا۔ اس کا نتیجہ جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔
(۷۴ : ۴۲-۴۹)

(۱۳) جو دلیل محض ظن و قیاس کی بنا پر دیجائے وہ کٹ حجتی ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے پیش کردہ دلیل، علم پر مبنی ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی اور بات کی تہ تک پہنچا دینے والی ــــ (۱۵۰ ; ۱۴۳ : ۶)ــــ(۱۶ : ۴۲)

(۱۴) ان کے مذہبی پیشواؤں سے کہا گیا کہ تم اس وقت تو اِن کی طرف سے جھگڑے کرتے ہو، لیکن اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت اِن کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑ سکے گا ــــ (۱۰۹ : ۴)

(۱۵) منافق کی باتیں بڑی خوشنما ہوتی ہیں۔ لیکن وہ سخت قسم کا جھگڑالو ہوتا ہے ــــ (۲۰۴ : ۲)

(۱۶) مومن اور کفار دو فریق ہیں جو خدا کے متعلق آپس میں بحث کرتے ہیں ــــ (۱۹ : ۲۲)

سابقہ انبیاء کے زمانے میں بھی یہی ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت صالحؑ کے وقت ــــ (۴۵ : ۲۷)

قرآنی تعلیم

بعض مقامات پر قرآن کریم نے اس قسم کی باتوں کو لغو، بیہودہ اور بے معنی گفتگو سے تعبیر کیا ہے جس میں مذاق کا پہلو پایا جائے۔ یعنی بات کرنے والا (SERIOUS) نہ ہو بلکہ اسے محض مذاق کے طور پر لے رہا ہو۔

(۱) قرآن نے کہا ہے کہ اگر کسی جگہ احکام و تعلیم قرآن سے متعلق اس قسم کی گفتگو ہو رہی ہو تو تم وہاں سے اٹھ کر چلے آؤ ــــ (۶۸ : ۶)

(۲) لوگوں تک حق کا پیغام پہنچاؤ۔ پھر وہ اگر اسے (SERIOUSLY) نہ لیں، تو انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ اس سے زیادہ تم کیا کر سکتے ہو ــــ (۹۲ : ۶)

(۳) خدا کی طرف دعوت، حکمت و موعظت کے ساتھ دو ــــ یعنی ایسے انداز سے جو دوسروں کے دل اور دماغ (جذبات و عقل) دونوں کو مطمئن کر دے۔ اور بات سمجھانے کا حسین ترین طریق اختیار کرو

(۱۲۵ : ۱۶)ــــ(۴۶ : ۲۹)

(۴) اے رسول! تمہاری قوم بڑی جھگڑالو واقع ہوتی ہے۔ لیکن تم انہیں ان کے غلط کاموں کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے جاؤ ــــ (۹۷ : ۱۹)۔ اور ان سے کہہ دو کہ تمہارے اعمال کا فیصلہ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے ہوگا ــــ (۶۸ـــ۶۹ : ۲۲)

(۵) مومن، لغو باتوں سے اعراض برتتے ہیں ــــ (۵۵ : ۲۸)

(۶) حضورؐ سے ارشاد کہ انہیں حق کی دعوت دو۔ اور اس کے بعد ان سے کہہ دو کہ ہم میں اور تم میں جھگڑے کی بات کوئی نہیں۔ تمہیں اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ ہم اپنے اعمال کے ذمے دار ہیں ——— (۴۲ : ۱۵)

(۷) ایک عورت نبی اکرمؐ کے سامنے اپنے خاوند کے خلاف شکایت پیش کر رہی تھی اور اس باب میں حضورؐ سے جھگڑ رہی تھی۔ اس کے لئے بھی قرآن نے مجادلہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن اسے معیوب قرار نہیں دیا ——— (۵۸ : ۱)

(۸) حج میں جدال نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے معنی دنگا فسادہی کے نہیں، بلکہ یہ معنی بھی ہیں کہ حج، امت کے الجھے ہوئے معاملات کے حل اور نوعِ انسان کی مشکلات کا مداوا سوچنے کے لئے اجتماع ہے۔ اس میں محض بحث وتمحیص کی خاطر وقت نہ ضائع کرو۔ بلکہ مختصر بات سے، فیصلہ کن نقاط تک پہنچتے چلے جاؤ ——— (۲ : ۱۹۷)

(۹) حضرت ابراہیمؑ نے، قومِ لوط کی تباہی کے بارے میں کچھ بحث کی۔ اسے بھی مجادلہ سے تعبیر کیا گیا ہے —

(۱۱ : ۷۴)

(۱۰) جنگِ بدر کے موقعہ پر مومنین کی ایک جماعت حضورؐ سے (جنگ کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ پر یا اس بات پر کہ حملہ کفار کے لشکر پر کیا جائے یا قافلہ پر) جھگڑتی تھی۔ یہ لوگ جنگ کے لئے تیار نہیں تھے۔

(۸ : ۶)

عام انسانی ذہنیت

(۱) عام انسانی ذہنیت کج بحثی کی ہوتی ہے۔ صحیح تعلیم وتربیت سے اس کی اصلاح ہوتی ہے — (۱۸ : ۵۴)

(۲) لوگ بلا علم وتحقیق بحث شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی بحث، جھگڑے کے سوا اور ہوتی کیا ہے؟ اس میں عقل وفکر نہیں بلکہ محض سرکش جذبات سے کام لیا جاتا ہے ——— (۲۲ : ۳) — (۲۲ : ۸-۹)

(۳۱ : ۲۰)

(۳) انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں اس کا علم محدود ہے۔ اور خواہ مخواہ کج بحثی شروع کر دیتا ہے۔ کج بحثی کے بجائے اگر وہ غور وفکر سے کام لے تو مابعد الطبیعاتی امور کے

متعلق بھی صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتے — (۷۸-۷۷ : ۳۶)

(۴) اس قسم کی ذہنیت سے انسان کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے — (۳۵ : ۴۰)۔
اس کا جذبۂ محرکہ کبر نفس (بڑا بننے کی خواہش) ہوتی ہے — (۵۶ : ۴۰)

(۵) قیامت میں ہر شخص اپنے آپ سے جھگڑتا ہوا آئے گا — (۱۱۱ : ۱۶)

اہلِ کتاب کی روش

(۱) تم خدا کو ماننے کے مدعی ہو لیکن اس کے باوجود خدا ہی کے بارے میں ہم سے جھگڑے کرتے ہو۔(۲:۱۳۹)

(۲) اگر یہ اہل کتاب اسی طرح بیکار حجتیں نکالتے رہیں تو ان سے کہہ دو کہ ہم تو دل کی پوری رضامندی سے قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکتے ہیں۔ تم جو جی میں آئے کرو۔ ہم تمہارے اعمال کے ذمہ دار نہیں۔

(۱۹ : ۳)

(۳) نصاریٰ سے خطاب کہ اگر تم اس قدر واضح حقیقت کے بعد بھی اسی طرح حجتیں نکالتے رہے، تو ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں رہے گا — (۶۰ : ۳) — (۵۸-۵۷ : ۴۳)

(۴) اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے متعلق کہتے ہو کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد آئی ہیں۔ یہ محض کٹ حجتی ہے — (۶۶-۶۴ : ۳)

انبیائے سابقہ کے ساتھ بحث وجدل

(۱) حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بادشاہِ وقت کی بحث، آمرِ مطلق کا انداز اور داعی الی الحق کا انداز (۲:۲۵۸)

(۲) حضرت ابراہیمؑ کی بحث اپنے والد کے ساتھ۔ پھر ستارہ پرستی کے سلسلہ میں ان کی قوم کے ساتھ بحث۔ حکیمانہ انداز سے انہیں ان کی غلط نگہی پر متنبہ کرنا — (۸۴-۷۵ : ۶)

اس اندازِ دلیل کو بھی قرآن نے حجت سے تعبیر کیا ہے۔ حجت کا لفظ صحیح اور معقول دلیل کے لئے بھی آتا ہے، اور ناحق جھگڑے کے لئے بھی — (۸۴ : ۶)۔ جھگڑا کرنے والوں کی دلیل محض ظن پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن خدا کی طرف سے دی ہوئی دلیل، حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے حجۃ البالغہ کہا گیا ہے — (۱۵۰ : ۶) — (۱۶ : ۴۲)

(۳) حضرت نوحؑ اپنی راہ گم کردہ قوم کو صحیح باتیں سمجھاتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ تم خواہ مخواہ جھگڑے نکالتے اور لمبی چوڑی بحثیں کرتے ہو۔ اس بحث کو ختم کرو اور جو تباہی ہم پر لانا چاہتے ہو لے آؤ۔ (۱۱:۳۲)

(۴) ہر قوم نے اپنے رسولوں کے ساتھ یہی روش اختیار کی ــــ (۵:۵) ــ (۱۸:۵۶) ــ (۴۰:۵)

(۵) حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم مجھ سے ان معبودوں کے متعلق بحث وجدل کر رہے ہو جن کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تم نے یا تمہارے آباء نے کچھ نام رکھ رکھے ہیں ــ (۷:۷۱)

متفرق

(۱) بددیانت، خائن (مجرم) کی طرف سے جھگڑنا نہیں چاہیئے۔ اس کا (CAUSE PLEAD) نہیں کرنا چاہیئے ــــ (۴:۱۰۷)

(۲) عہدِ جاہلیت کی پروردہ عورت اپنا (CAUSE) بھی اچھی طرح سے (PLEAD) نہیں کر سکتی تھی ــ (۱۸:۴۳)۔ اس کی اسی کمی کی وجہ سے کہا گیا تھا کہ گواہی میں ایک مرد کے بجائے دو عورتیں لایا کرو۔ تاکہ اگر ایک بات صاف نہ کر سکے تو دوسری اسے یاد دلا دے ــ (۲:۲۸۲)۔ لیکن تعلیم و تربیت کے بعد عورتوں کی یہ حالت نہیں رہتی۔ وہ فصیح البیان ہو جاتی ہیں ــ (۳۷:۵۶)

(۳) قیامت میں کوئی کسی کی طرف سے خدا سے جھگڑا نہیں کر سکے گا ــ (۴:۱۰۹)

ــــ (۰) ــــ

۶۔ بحر

(بحر و بر)

بحر۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو۔ اس اعتبار سے دریا کو بھی بحر کہتے ہیں اور سمندر کو بھی۔ بحر و بر، خشکی اور تری کے لئے آتا ہے۔ ان شہروں کو بھی جو پانی کے کنارے آباد ہوں بحر کہتے ہیں۔

ــــ (۰) ــــ

بحر (جمع بحار)۔ (۱) اگر سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی کلماتِ خداوندی ختم نہ ہوں۔ استعارۃً

ہے کلماتِ خداوندی کی لامتناہیت واضح کرنے کے لئے — (۱۰۹ : ۱۸) — (۲۷ : ۳۱)

(۲) خدا نے تمہارے لئے سمندروں کو اپنے قانون کی زنجیروں میں باندھ رکھا ہے۔ تم اس قانون کا علم حاصل کرلو تو سمندر سے پورا پورا کام لے سکتے ہو — (۱۴ : ۱۶) — (۱۲ : ۴۵)

(۳) سمندر میں کشتیاں، قانونِ خداوندی کے مطابق چلتی ہیں — (۱۶۴ : ۲) — (۳۲ : ۱۴) — (۶۶ : ۱۷)

(۶۵ : ۲۲) — (۳۱ : ۳۱) — (۳۳ : ۴۲) — (۱۲ : ۴۵) — (۲۴ : ۵۵)

بحر و بر میں سفر کی آسانیاں — (۲۲ : ۱۰) — (۷۰ : ۱۷)

(۴) قرآن کریم میں بعض آنے والے حوادث و تغیرات کے ضمن میں سمندروں کے احوال و کوائف کا بھی ذکر آیا ہے — (۶ : ۵۲) — (۶ : ۸۱) — (۳ : ۸۲)

(۵) قرآن نے غلط تصوراتِ حیات کو سمندر کی گہرائی میں تاریکی سے تشبیہ دی ہے — (۴۰ : ۲۴)

(۶) قرآن کریم میں بحرین (دو دریاؤں۔ یا سمندر میں متوازی بہنے والی رَووں) کا بھی ذکر آیا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ بہتی ہیں لیکن باایں ہمہ اپنا الگ الگ تشخص قائم رکھتی ہیں — (۵۳ : ۲۵) — (۶۱ : ۲۷)

(۱۲ : ۳۵) — (۱۹-۲۰ : ۵۵)

(۷) ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو بطورِ شہادت پیش کیا گیا ہے — (۶ : ۵۲)

(۸) صید البحر (سمندر کا شکار) حلال ہے۔ خواہ اسے پکڑ لیا جائے یا وہ اچھل کر باہر آجائے۔ (۹۶ : ۵) - (۱۴ : ۱۶)

نوٹ۔ حضرت موسےٰ، بنی اسرائیل۔ اور حضرت سلیمان کے قصوں کے سلسلہ میں بھی بحر کا لفظ آیا ہے۔ اسے متعلقہ عنوانات کے تحت دیکھئے۔

بر و بحر

(۱) بر و بحر کی تاریکیوں میں خدا کی طرف سے راہ نمائی — (۹۸ : ۶) — (۶۳ : ۲۷)

وہ تمہیں بر و بحر کی ظلمات سے نجات دیتا ہے — (۶۳ : ۶)

(۲) خدا کو بر و بحر کا علم ہے — (۵۹ : ۶)

(۳) خشکی اور تری میں فساد اعمالِ انسانی کی وجہ سے — (۴۱ : ۳۰)

(۴) بر و بحر میں ستارے راہ نمائی دیتے ہیں — (۹۷ : ۶)

(۵) بحر و بر میں سفر ـــ (۲۲ : ۱۰)
(۶) سمندر میں مصیبت میں پھنستے ہو تو خدا کو پکارتے ہو ـــ (۶۸ : ۱۷)
(۷) بنی آدم کو واجب التکریم بنایا اور اس کے لئے بر و بحر میں سفر کی آسانیاں پیدا کیں ـــ (۷ : ۱۷)

(٠)

بُخل

(نیز دیکھئے۔ انفاق)

بُخل ۔ (ب۔ خ۔ ل) بُخل' انفاق کی ضد ہے۔ انفاق کے معنی ہیں اپنی چیزوں کو عام ضرورت مندوں کے لئے کھلا رکھنا۔ اور بخل کے معنی ہیں ایسی چیزوں کو ان مواقع سے روک رکھنا جہاں انہیں روکنا نہیں چاہیئے۔ نیز دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین و تاکید کرنا۔ انفاق کے عنوان کے تحت آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ جذبہ ایک بلند قدر کا آئینہ دار ہے اور مومنین کا خاص شیوہ اور بنیادی مسلک۔ لہٰذا 'بخل' انفرادی مفاد پرستی، تنگ نظری اور حرص و آز کی علامت' اور انسانی سیرت و کردار کی پستی کا مظہر ہے۔

(٠)

بخل کس ذہنیت کا غمّاز ہے!

(۱) منافقین کی یہ حالت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں خدا رزق کی کشائش عطا کر دے تو ہم اس میں سے دوسروں کو دے کر صالحین میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن جب انہیں رزق کی کشائش حاصل ہوتی ہے تو وہ بخل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے ان کے نفاق کا مرض اور بڑھتا ہے ـــ (۷۶-۷۵ : ۹)
(۲) دو قسم کی ذہنیت۔ ایک ذہنیت دوسروں کو دینے کی۔ یہ ان کے دعوئے ایمان کی صداقت کی دلیل ہے۔ دوسری ذہنیت 'سب کچھ اپنے لئے سمیٹ کر رکھ لینے کی ہے۔ یہ روش' معاشرہ اور خود ان کی اپنی ذات کے حسن و اعتدال کو جھٹلاتی ہے۔ ان کا یہ مال انہیں تباہی سے نہیں بچا سکے گا۔ (۱۰—۵ : ۹۲)

بخل کا انجام

(۱) بخل کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ یہ روش ان کے لئے خیر کا موجب ہے۔ یہ ان کے لئے تباہی کا موجب ہے۔ قرآنی انقلاب کے وقت یہ مال و دولت ان کے گلے کا ہار ہو جائے گا۔ اس تاکید سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ لوگوں کے مال کا محتاج ہے۔ یہ احکام تمہارے ہی حق میں بہتری کا موجب ہیں۔ (۱۸۰-۱۷۹ : ۳)

(۲) جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی ایسی روش اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں، یا ایسے قوانین مرتب کرتے ہیں جن کی رُو سے اس قسم کی انفرادی مفاد پرستی جائز قرار پا جائے، ان کے لئے ذلت آمیز تباہی ہوگی ـــــ (۳۸-۳۷ : ۴) ـــــ (۲۴ : ۵۷)

(۳) جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ جو قوم ایسی روش کو معاشرہ کا جزو بنا لیتی ہے، تباہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے جس کی روشِ زندگی اس قسم کی نہیں ہوتی (۳۸ : ۴۷)۔ اس لئے بقاء اسی قوم یا نظام کو حاصل ہوتی ہے جو تمام نوعِ انسان کی نفع بخشی کی ضمانت دے ـــــ (۱۷ : ۱۳)

ـــــ (۰) ـــــ

۸۔ بدر (جنگ)

بدر۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ـ مدینہ سے قریب ـ ایک مقام کا نام ہے، جہاں نبی اکرمؐ اور قریش کے درمیان پہلی جنگ ہوئی تھی۔

دنیا میں حق و باطل کی کشمکش جاری ہے۔ حق اُس تصورِ حیات، اور نظامِ زندگی کا نام ہے جو خدا کی طرف سے عطا شدہ مستقل اقدار پر مبنی ہو۔ اور باطل وہ جو اس کی ضد، ذہنِ انسانی کا وضع کردہ آئین و نظام ہو۔ چونکہ خدا نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے ـ یعنی ایک مقصد کے مطابق جس کا نتیجہ تعمیری ہے ـ اس لئے اس کا قانون یہ ہے کہ حق اس کشمکش میں آخر الامر غالب رہے گا۔ اور باطل مغلوب ہوگا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات حق و باطل)۔ یہ فیصلے خدا کے کائناتی قانون کی رُو سے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی رفتار انسانی حساب و شمار

کے مطابق، بڑی سست ہوتی ہے ۔ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال، بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے ۔ لیکن اگر انسانوں کی کوئی جماعت، حق کی تائید کے لئے اٹھ کھڑی ہو تو یہ فیصلے صدیوں کے بجائے برسوں اور دنوں میں ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے رفقاء کی مکہ کی زندگی تیرہ سال تک اسی کشمکش میں گزری تا آنکہ حضورؐ نے، مکہ کو چھوڑ کر، (مدینہ کی) ایسی فضا کی طرف ہجرت کی جو نظامِ خداوندی کے قیام کیلئے زیادہ سازگار تھی ۔ لیکن قریشِ مکہ نے وہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا ۔ اور ۲ھ (رمضان کے مہینے) ایک لشکرِ جرار لے کر، مدینہ پر چڑھ آئے ۔ ان حالات میں حضورؐ اپنی مختصر سی جماعت کو لے کر میدان میں نکل آئے اور بدر کے مقام پر حق و باطل کی جماعتوں کا میدانِ کارزار میں پہلا ٹکراؤ ہوا ۔ مادی قوتوں کے اعتبار سے ان دونوں جماعتوں میں کوئی نسبت ہی نہ تھی ۔ دشمن تعداد میں بھی کثیر تھے اور سامانِ حرب و ضرب بھی ان کے پاس کہیں زیادہ تھا ۔ لیکن جماعتِ مومنین کی حق و صداقت پر ایمان کی قوت اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کافی تھی ۔ یہی وہ قوت تھی جسے قرآنِ کریم نے، ملائکہ کی مدد کہہ کر پکارا ہے ۔ ایمان سے جو نفسیاتی تبدیلی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے، قرآن نے اُسے قوموں کی زندگی میں کامیابی کا معیار قرار دیا ہے ۔ چنانچہ اس ٹکراؤ میں جماعتِ مومنین کی فتح ہوئی اور دشمن شکست کھا کر بھاگ گیا ۔ قرآنِ کریم میں اس تصادم کی تفصیل شرح و بسط سے بیان ہوئی ہے ۔ اور اس سلسلہ میں بڑے اہم اصول اور قوانین بھی سامنے لائے گئے ہیں۔

—— (۰) ——

جنگ کا مقصد

(۱) اس تصادم سے مقصد یہ تھا کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے حق کا ثابت اور مستحکم ہونا، اور باطل کا بودا اور ناپائیدار ہونا، صاف صاف طور پر سامنے آجائے اور حق کی مخالفت کرنے والوں کی جڑ کٹ جائے ــــ (۸ ــ ۷ : ۸) ۔ تاکہ کلمۃ اللہ غالب آجائے ــــ (۹ : ۴۰)

(۲) اسی لئے اسے یوم الفرقان کہا گیا ہے ۔ یعنی جب حق اور باطل اس طرح نکھر کر الگ الگ ہو جائے کہ ان کی تمیز اور تفریق میں کوئی دِقت یا شک و شبہ نہ رہے ــــ (۸/۴۱)

(۳) اس میں ایک گروہ "خدا کی راہ میں" یعنی حق و صداقت کے غلبہ کی خاطر لڑ رہا تھا۔ اور دوسرا گروہ، حق کی مخالفت کے لئے ——— (۱۲ : ۳)

(۴) میدانِ جنگ میں تلواریں، مومن مجاہدین کے ہاتھوں سے چل رہی تھیں اور تیر بھی انہی کی کمانوں سے نکل رہے تھے، لیکن چونکہ یہ کچھ خدا کے قانون کے مطابق اور اس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے ہو رہا تھا۔ اس لئے خدا نے کہا کہ تم دشمن کو قتل نہیں کر رہے تھے، ہم کر رہے تھے۔ تم تیر نہیں چلا رہے تھے ہم چلا رہے تھے۔ یہ ہے خدا اور بندے کی رفاقت جس کے نتیجے میں حق و باطل کی کشمکش کے فیصلے، خدائی حساب و شمار کے بجائے انسانوں کے حساب و شمار کے مطابق ہوتے ہیں۔

(۸ : ۱۷)

(۵) کفار کو شکست اس لئے ہوئی کہ وہ حق (نظامِ خداوندی) کی مخالفت کر رہے تھے ——— (۸ : ۱۳)

(۶) اس ٹکراؤ سے یہ مقصد بھی تھا کہ یہ واضح ہو جائے کہ یہاں ہلاکت اور کامیابی یونہی دھاندلی سے نہیں ہوتی بلکہ دلیل و برہان کے مطابق ہوتی ہے۔ جو زندہ رہتا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رُو سے زندہ رہتا ہے۔ جو ہلاک ہوتا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رُو سے ہلاک ہوتا ہے ——— (۸ : ۴۲)

منافقین کی وسوسہ اندازیاں

(۱) مخالفین کی تعداد اور قوت کو دیکھ کر، منافقین کہتے تھے کہ مومنین جو سمجھتے ہیں کہ ان کا دین حق و صداقت پر مبنی ہے اس لئے یہ ضرور غالب رہیگا، اس بات نے انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے لیکن جماعت مومنین کو اس پر کامل اعتماد اور یقین تھا اس لئے ان کے دل میں قطعاً کوئی وسوسہ نہیں پیدا ہوتا تھا ——— (۸ : ۴۹)

میدانِ جنگ کا نقشہ

(۱) جماعتِ مومنین، مدینہ منورہ کی طرف۔ مخالفین دوسری طرف کے ناکے پر، اور قریش کا قافلہ جماعتِ مومنین سے نچلی طرف کو گذر رہا تھا ——— (۸ : ۴۲)

(۲) افرادِ جماعت میں اس مسئلہ پر اختلاف کہ جنگ کی تدبیر کیسے کی جائے۔ ایک جماعت چاہتی تھی

کہ اہلِ قافلہ پر حملہ کیا جائے کیونکہ وہ غیر مسلح ہیں۔ اور ان پر غلبہ پالینا آسان ہے ــــ (۴۲ : ۸)۔
جب فیصلہ یہ ہوا کہ جنگ مسلح لشکر کے ساتھ کی جائے تو یہ لوگ گھبرائے تھے ــــ (۷-۵ : ۸)
(۳) جماعتِ مومنین، فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہی تھی ــــ (۹ : ۸)

حالات کا سازگار ہوجانا

فتح و نصرت کی خوشخبری سے، امن و سکون کی فضا طاری ہوگئی۔ بارش سے تر و تازگی پیدا ہوگئی۔ ریتلی زمین ایسی ہوگئی کہ اس پر پاؤں جمائے جاسکیں۔ اور یہ جو خطرہ تھا کہ دشمن پانی نہ بند کردے وہ بھی رفع ہوگیا ــــ (۱۱ : ۸)

خیالات کا اثر

(۱) تعداد کے لحاظ سے دشمن کی جمعیت بہت زیادہ تھی۔ لیکن جماعتِ مومنین کو برسرِحق ہونے کی وجہ سے اپنی کامیابی کا اس قدر یقین تھا کہ وہ انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے سے دُگنے دکھائی دیتے تھے۔ (کیونکہ اپنے سے دُگنی تعداد پر غالب آجانے کا انہیں یقین تھا ــــ (۶۶ : ۸)۔ اس کے برعکس دشمن اپنی قوت کے نشے میں بدمست تھے۔ اس لئے ان کی نگاہوں میں جماعتِ مومنین کی تعداد بہت قلیل دکھائی دیتی تھی ــــ (۱۲ : ۳) ــــ (۴۴ ، ۸)

(۲) کفار کا ایک شریر سرغنہ انہیں اکساتا تھا کہ تم ضرور جنگ کرو۔ تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ لیکن جب میدانِ جنگ گرم ہوا تو وہ خود ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ان سے کہہ دیا کہ میرا تمہارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ــــ (۴۸ : ۸)

ملائکہ کی امداد

خدا نے وعدہ کیا کہ وہ تمہاری مدد ایک ہزار فرشتوں سے کریگا۔ (کیونکہ دشمن کی تعداد اتنی ہی تھی) ان کی اس "امداد" کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے دل میں اطمینان پیدا ہوجائے گا ــــ (۱۰ : ۸)۔ تمہیں ثابت قدمی نصیب ہوجائے گی۔ اور دشمن کے دل میں تمہارا رعب قائم ہوجائے گا ــــ (۱۲ : ۸)

نفسیاتی تبدیلی ہی درحقیقت فتح و کامرانی کی بنیاد ہوتی ہے ــــ (۸ : ۵۳)

رسول اللہ خود قائد لشکر تھے

حضورؐ دشمن کے مقابلہ کے لئے بہ نفسِ نفیس مدینہ سے باہر نکلے تھے ــــ (۸ : ۵)

کامیابی کے اصول و قوانین

(۱) دشمن کے مقابلہ کے لئے امکان بھر سامانِ مدافعت تیار رکھو۔ اپنی سرحدوں کی پوری پوری حفاظت کرو۔ اس مقصد کے لئے جس قدر ہو سکے خرچ کرو ــــ (۸ : ۶۰)

(۲) جب نظامِ خداوندی تمہیں اس بات کی طرف دعوت دے جو تمہیں حقیقی زندگی عطا کرنے والی ہے تو اس دعوت پر لبیک کہو۔ اور دل کے خلوص اور عزمِ راسخ کے ساتھ، اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے کوشش کرو ــــ (۸ : ۲۴)۔ یاد رکھو! اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارا معاشرہ ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیگا جو صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہے گی جنہوں نے کمزوری دکھائی تھی۔ وہ سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی ــــ (۸ : ۲۵)

(۳) نظامِ خداوندی کے ساتھ خیانت مت کرو ــــ (۸ : ۲۷)

(۴) دیکھنا! مال اور اولاد کی محبت تمہارا راستہ روک کر نہ کھڑی ہو جائے ــــ (۳ : ۱۳) ــــ (۸ : ۲۸)
اگر تم اس امتحان میں پورے اتر آئے تو تمہیں ایک امتیازی زندگی مل جائے گی ــــ (۸ : ۲۹)

(۵) جب دشمن کا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور ہر مقام پر قوانینِ خداوندی کو سامنے رکھو۔ جذبات کی شدت تمہیں قانون کی پابندی سے غافل نہ کر دے ــــ (۸ : ۴۵)۔ جو کوئی پیٹھ دکھائے گا جہنم میں جھونک دیا جائے گا ــــ (۸ : ۱۶)

(۶) نظامِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرو۔ آپس میں اختلاف اور تنازعہ نہ پیدا کرو۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ــــ (۸ : ۴۶)

(۷) میدانِ جنگ میں جانے کے لئے نکلو تو اوچھا پن اختیار نہ کرو۔ نہایت بھاری بھرکم طریق سے باہر نکلو۔ اس لئے کہ تم تو ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے جنگ کے میدان میں جا رہے ہو ــــ (۸ : ۴۷)

(۸) اس عظیم کو صول کو یاد رکھو کہ فتح و کامرانی کا دار و مدار تمہارے قلب و نگاہ کی تبدیلی پر ہے۔ اگر تمہاری نگاہوں میں مستقل اقدار کی قیمت زیادہ ہو تو تم طبعی مفادات کی بڑی سے بڑی قربانی بھی کر دو گے خدا کسی قوم کو عطا کردہ نعمت نہیں چھینتا جب تک۔ وہ قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہیں پیدا کر لیتی ـــــ (۸:۵۳)

(۹) ہمیشہ عہد کی پابندی کرو۔ اگر فریق مخالف کی طرف سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو تم انہیں اطلاع دے کر معاہدہ کو فسخ کرو۔ یونہی اس کی خلاف ورزی نہ کرو ـــــ (۸:۵۸)

(۱۰) اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ ـــــ (۸:۶۱-۶۲)

(۱۱) تمہاری جماعت کے افراد کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ہونی چاہیئے ـــــ (۸:۶۳)

(۱۲) اے رسولؐ! تیرے لئے اس قسم کی جماعت اور خدا کا قانون کافی ہے ـــــ (۸:۶۴)

جنگ سے مقصد

جنگ سے مقصد یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں ہر ایک کو پوری پوری آزادی ہو کہ جو چاہے اسے بطیب خاطر اختیار کرے۔ جو چاہے اس سے انکار کر دے ـــــ (۸:۳۹)

ثابت قدمی کا نتیجہ

(۱) اگر تم میں بیس مجاہد ثابت ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے۔ سو ہوں گے تو ہزار پر غالب آجائیں گے۔ (بشرطیکہ باقی چیزیں برابر ہوں)۔ لیکن اگر سامانِ حرب وغیرہ کی کمی ہو تو اپنے سے دگنی تعداد پر تو یقیناً غالب آجائیں گے ـــــ (۸:۶۵-۶۶)

مخالفین کی شکست کی بنیادی وجہ

ان کی شکست کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ـــــ (۸:۶۵)

مالِ غنیمت اس زمانے میں جنگ کا سب سے بڑا جذبہ محرکہ مالِ غنیمت کی کشش ہوتی تھی کیونکہ

سپاہی جو کچھ لوٹ لیتا تھا وہ اسی کا حصہ ہو جاتا تھا۔ لیکن قرآن کریم نے جنگ کو بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ قرار دے کر اس جذبۂ محرکہ کو بھی ختم کر دیا۔ اس نے حکم دے دیا کہ مالِ غنیمت سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہوگا۔ یہ نظامِ مملکت کی تحویل میں رہے گا۔ وہ اسے انتظامی امور میں صرف کریگا اور مملکت کے حاجتمند افراد کی ضروریات پورا کرنے کے کام میں لائیگا ــــ (۸ : ۴۱)

جنگ کے قیدی

(۱) مالِ غنیمت کے علاوہ جنگ کا محرک جذبۂ اسیرانِ جنگ ہوتے تھے جنہیں وہ لوگ غلام اور لونڈیاں بنایا کرتے تھے۔ اس لئے ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جنگ میں ایسی شکل پیدا کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ قیدی ہاتھ آئیں۔ اس سلسلہ میں حکم دے دیا کہ تمہارے دل میں حسبِ معمول جو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ جنگ بھی متاعِ دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تو یہ بڑی غلط بات تھی۔ نبی کے شایانِ شان ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس قسم کے مقاصد کے لئے جنگ کرے ــــ (۸ : ۶۷-۶۸)

(۲) جنگ کے قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا۔ اور کہہ دیا گیا کہ اگر یہ دیکھا گیا کہ تمہارے دل میں خیرسگالی کے جذبات موجود ہیں تو تم سے جو کچھ لیا گیا ہے اس سے بہتر واپس دے دیا جائے گا۔ لیکن تمہارے دل میں عہد شکنی کے جذبات پرورش پا رہے ہیں تو اس کا انجام تمہیں معلوم ہے ــــ

(۸ : ۷۰-۷۱)

شرکائے جنگِ بدر کا بلند مقام

جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد ہجرت کی اور اپنے جان اور مال سے جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو پناہ دی (یعنی مدینہ کے انصار) یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ــــ (۸ : ۷۲) یہ سب بچے اور سچے مومن (مومن حقا) ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔ ان اصحابِ رسولؐ کے ایمان کے متعلق خدا کی شہادت موجود ہے۔ لہٰذا، انکے متعلق کسی قسم کا غلط خیال دل میں آنا قرآن کریم کی تکذیب قرار پائے گی ــــ (۸ : ۷۴-۷۵) ــــ (۹ : ۱۰۰)۔ [تفصیل ان امور کی دیگر متعلقہ عنوانات میں ملے گی]

جنگِ بدر کا نتیجہ

تم اس زمانے کو یاد کرو جب تم تعداد میں قلیل تھے۔ قوت کے لحاظ سے کمزور تھے۔ تمہیں ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ کوئی تمہیں اُچک کر نہ لے جائے۔ ایسے نا مساعد حالات میں خدا نے پہلے تمہیں پناہ کا ٹھکانہ دیا (مدینہ)۔ اور پھر اپنی تائید و نصرت سے ایسا کیا کہ تمہیں خوشگوار سامانِ زیست میسر آگیا — (۸ : ۲۶)۔ اس انقلاب کی ابتدا جنگِ بدر سے ہوئی — (۳ : ۱۲۲)

—— (۰) ——

۹۔ بدعت۔ بدیع

(نیز دیکھیے۔ فطر)

بدعت۔ (ب۔ د۔ ع)۔ وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو اور اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہ ہو۔ جب یہ لفظ، خدا کے لئے بولا جائے گا تو، اس کے معنی ہوں گے کسی چیز کو بغیر کسی سامان اور ذریعہ کے عدم سے وجود میں لانا۔

—— (۰) ——

خدا کی صفت

(۱) خدا کی صفت بدیع السمٰوٰت والارض ہے — (۲ : ۱۱۷)۔ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے مجرد امر کے ساتھ وجود میں آجاتی ہے۔

(۲) اسے بہ سلسلۂ تولید اپنے لئے اولاد پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ ساری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے — (۶ : ۱۰۲)

(۳) اسی کو فاطر السمٰوٰت والارض کہا گیا — (۶ : ۱۴)۔ نیز ابتدا کرنا — (۱۰ : ۴)

(۴) تخلیقِ کائنات کی ابتدا — (۷ : ۲۹) — (۱۰ : ۴ ; ۳۴) — (۲۱ : ۱۰۴) — (۲۷ : ۶۴)

(۲۹ : ۱۹؛۲۰) — (۳۰ : ۱۱) — (۳۰ : ۲۷) — (۳۲ : ۷) — (۸۵ : ۱۳)

(مزید تفصیل کے لئے عنوان خلق، تخلیق، ارتقاء دیکھئے)

رسولؐ اللہ

حضورؐ نے فرمایا کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ ایسا ہی رسول ہوں جیسے مجھ سے پہلے رسول آتے رہے ہیں —— (۴۶ : ۹)

رہبانیت

رہبانیت کا مسلک ایک بدعت تھی جسے عیسائیوں نے ازخود وضع کر لیا تھا۔ خدا نے اس کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی تھی —— (۵۷ : ۲۷)

بدعت

ہمارے ہاں عام طور پر بدعت، مذہب کے کسی ایسے کام کو کہتے ہیں جو زمانۂ رسولؐ اللہ میں نہ پایا جاتا ہو۔ درحقیقت —— (۵۷ : ۲۷) کے مطابق، بدعت دین سے متعلق ہر اس عقیدہ یا عمل کو کہنا چاہیئے جس کی سند قرآن سے نہ ملتی ہو۔ واضح رہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ دین کی رُو سے ایجادات بھی ممنوع ہیں۔ سائنٹیفک ایجادات تو جماعتِ مومنین کا فریضہ ہے۔

—— (۰) ——

۱۰۔ برج

بُرج۔ (ب۔ ر۔ ج)۔ اس کے معنی نمایاں اور ابھری ہوئی چیز کے ہیں۔ اسی اعتبار سے کسی شہر پناہ یا قلعہ میں حفاظت کے لئے جو کوٹھڑیاں بنائی جاتی تھیں انہیں بروج کہتے تھے نیز خود قلعہ کو بھی برج کہتے تھے۔

قدیم علم الافلاک کی رُو سے، آسمان میں بارہ برج تسلیم کئے جاتے تھے لیکن عرب ان بروجِ آسمانی کو نہیں

جانتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے جہاں آسمانی بروج کا ذکر کیا ہے تو ان سے مراد بڑے بڑے ستارے یا کرّے ہیں۔

———— (۰) ————

حفاظت کا مقام

تم خواہ کسی قلعے کے اندر بھی کیوں نہ ہو، موت وہاں بھی آجائے گی۔ (۴ : ۷۸)

بروج سماوی

(۱) یہ فضائے سماوی جس میں اتنے اتنے بڑے کرّے تیر رہے ہیں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ ....
(۸۵ : ۱)
(۲) خدا کی ذات بابرکت ہے جس نے فضائے آسمانی میں ستارے اور چاند اور سورج پیدا کئے ہیں۔ (۲۵ : ۶۱)
(۳) فضا میں ستارے پیدا کئے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے بڑا خوشنما بنایا — (۱۵ : ۱۶)
دوسری جگہ یہی الفاظ "کواکب" کے لئے آئے ہیں — (۳۷ : ۶)۔ اس سے واضح ہے کہ بروج سے مراد کواکب (ستارے) ہیں۔

متفرق

اسی مادہ سے لفظ تبرّج بنایا گیا ہے جس کے معنی حسن اور زینت کی نمود و نمائش (اظہار) کا جذبہ ہے۔ جس سے مومن عورتوں کو منع کیا گیا ہے — (۲۴ : ۶۰) — (۳۳ : ۳۳)۔ [تفصیل پردہ کے عنوان میں ملے گی]

———— (۰) ————

۱۱۔ بَرٌّ۔ بِرٌّ

بِرّ ۔ (ب۔ ر۔ ر) اس کا ترجمہ عام طور پر "نیکی" کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے اس لفظ کا صحیح مفہوم سامنے

نہیں آسکتا۔ اس مادہ کے اصلی معنی وسعت، فراخی، کشادگی اور کثرت کے ہیں۔ چنانچہ بحر کے مقابلہ میں بَرّ خشکی کے وسیع میدان کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا، قرآن کریم کی رُو سے بِرّ ان کاموں کو کہا جائے گا جن سے کشادگی راہیں کھل جائیں یعنی جن سے انفرادی طور پر نگاہ میں فراخی، قلب میں کشادگی اور انسانی ذات میں وسعت پیدا ہو جائے اور اجتماعی طور پر سامانِ زیست میں کثرت اور فراوانی حاصل ہو جائے۔

———— (٠) ————

کس قسم کے کام البِرّ میں آتے ہیں

(۱) رسمی طور پر بعض عبادات یا مناسک کو ادا کر لینا بِرّ نہیں۔ چنانچہ یہ بِرّ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ بِرّ یہ ہے کہ تم وحی کی رُو سے عطا کردہ عظیم صداقتوں پر ایمان رکھو۔ اپنے مال و دولت کو، اس کی محبت کے باوجود، ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دو۔ نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرو۔ اپنے عہد کو پورا کرو۔ مشکلات (مصائب) کے وقت ثابت قدم رہو۔ یہ لوگ ہیں جو اپنے دعوئے ایمان میں سچے اور زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچ کر چلنے والے ہیں — (۲:۱۷۷)

(۲) کشادا اور وسعت کی راہیں اس قسم کی توہم پرستانہ رسوم سے وابستہ نہیں کہ تم حج کے دنوں میں اپنے گھروں میں سامنے کے دروازے کے بجائے پچھواڑے سے آؤ۔ بِرّ یہ ہے کہ تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کس حد تک کرتے ہو — (۲ : ۱۸۹)

(۳) تم بِرّ تک نہیں پہنچ سکتے، تاوقتیکہ تم ہر اس چیز کو جو تمہیں بہت عزیز ہو، جس سے تم بڑی محبت رکھتے ہو، جو تمہارے لئے باعثِ کشش ہے، دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے کھلی نہ رکھو — (۳:۹۱)

(۴) بِرّ اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ اور اثم و عدوان کے کاموں میں تعاون مت کرو — (۵:۲)

(۵) ایسا نہ کرو کہ دوسروں کو تو وسعتِ ظرف اور کشادِ قلب کی باتوں کی تلقین کرو۔ اور اپنے آپ کو ان باتوں کی طرف سے بالکل فراموش کر دو۔ تم خود بھی اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو — (۲:۴۴)

(۶) باہمی خفیہ مشورے کرو تو ہمیشہ بِرّ و تقویٰ کے معاملات میں مشورے کرو۔ اثم و عدوان کی باتوں میں مشورے مت کرو — (۵۸:۹)

مندرجہ بالا دونوں آیات میں بِرّ اور تقویٰ کے مقابلہ میں اثم اور عدوان کے الفاظ آئے ہیں۔ اثم وہ کام ہیں جن سے اضمحلال اور افسردگی پیدا ہو۔ اور عدوان، قانون سے سرکشی کو کہتے ہیں۔ اس تقابل سے بِرّ کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

بَرٌّ

(۱) حضرت یحییٰؑ اپنے والدین کے ساتھ بَرّ کا سلوک کرتے تھے۔ یعنی وسعت اور فراخی کا سلوک۔ (۱۹:۱۴)

(۲) حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی کہ مجھے اپنی والدہ کے ساتھ وسعت اور فراخی کا سلوک کرنیوالا بنا ہو۔ (۱۹:۳۲)

(۳) کاتبینِ وحی کو کِرَامٍ بَرَرَةٍ کہا گیا ہے — (۸۰ : ۱۶)

خدا کی صفت

خدا کی صفت اَلْبَرُّ الرَّحِیْمُ بھی ہے — (۵۲ : ۲۸)۔ یعنی نہایت وسعت اور کشادہ سامانِ نشو و نما عطا کرنے والا۔ کائنات کے دسترخوان پر سامانِ نشو و نما کی فراخی سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ اس کا عطا کرنے والا کس قدر بَرّ واقع ہوا ہے۔ انسان کے اندر اسی صفتِ خداوندی کا (علیٰ حدِ بشریت) انعکاس، اس میں بِرّ کا جوہر پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ ابرار ہیں جن کا مقام جنت ہے۔ (۸۲:۱۳) [ان کے مقابلہ میں فجّار آیا ہے۔ یعنی وہ جن کی ذات میں انتشار ہو گیا ہو — ۸۲ : ۱۴)] نیز (۷۶:۵ — ۸۳ : ۱۸ ؛ ۲۲)۔ یہی وہ ابرار ہیں جنہیں خدا کی طرف سے ہر قسم کی خیر و برکت عطا ہوتی ہے — (۳:۱۹۷) اور ایسے ہی لوگوں کی معیت و رفاقت کی آرزو ہمیں سکھائی گئی ہے — (۳ : ۱۹۲)

متفرقات

(۱) اپنی قسموں کو بِر و تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے کاموں سے باز رہنے کے لئے آڑ مت بناؤ۔ ایسی قسمیں لغو ہوتی ہیں — (۲ : ۲۲۴)

(۲) بمعنی حسنِ سلوک۔ کشادہ ظرفی — (۶۰ : ۸)

ابرار۔ (بَرّ کی جمع)

(۱) مومنین کی دعائیں کہ ہمارا انجام ابرار کے ساتھ ہو (۳ : ۱۹۳)

(۲) جنت' ابرار کے لئے خدا کی مہمان نوازی ہے ___ (۱۹۸ : ۳)
(۳) ابرار جنت میں جائینگے ___ (۵ : ۷۶) ___ (۱۳ : ۸۲) ۔ کتاب ابرار علیین میں ہو گی ___ (۲۲؛۱۸ : ۸۳)
(۴) کاتبانِ وحی 'کرام بررۃ تھے ___ (۱۶ : ۸۰)
(نوٹ)۔ بّو بمعنی خشکی کے لئے عنوان بحر دیکھئے)

(۰)

۱۴- برزخ

برزخ دو چیزوں کے درمیان روک یا حد کو کہتے ہیں۔ سورۃ فرقان میں ہے کہ بعض مقامات پر مختلف ذائقوں کے پانی اکٹھے بہتے رہتے ہیں ___ ایک نہایت شیریں' دوسرا بیحد کڑوا لیکن اس اختلاط کے باوجود ان دونوں کے درمیان ایک آڑ یا روک (برزخ) رہتی ہے جو انہیں آپس میں ملنے نہیں دیتی (۵۳ : ۲۵) سورۃ الرحمٰن میں بھی اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے ___ (۲۰—۱۹ : ۵۵)

حیات برزخ

سورۃ مومنون میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے واپس لوٹا دے تو میں ضرور عملِ صالح کر دوں۔ قرآن کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی واپس نہیں آ سکتا۔ ان کے پیچھے ایک روک (برزخ) ہے یومِ بعث تک ___ (۱۰۰ : ۲۳)۔ اس مقام کے سوا یہ لفظ قرآنِ کریم میں اور کہیں نہیں آیا (سوائے اُن دو مقامات کے جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے)۔

ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے کہ دنیاوی موت اور اُخروی زندگی کے درمیان ایک عبوری دور ہے جسے برزخ کی زندگی کہتے ہیں۔ اس سے موت اور زندگی کے بین بین کی حالت مراد لی جاتی ہے۔ حیاتِ اُخروی کا مسئلہ بڑا وضاحت طلب ہے۔ اس لئے اسے اس طرح ضمناً بیان نہیں کیا جا سکتا۔ برزخ، قبر، بعث، قیامت وغیرہ متعلقہ موضوعات کی تشریح کے مناسب مقامات بھی وہی عنوان ہیں۔ اس کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے۔ بہرحال' مُردوں کے سلسلے میں برزخ کا لفظ اسی ایک مقام پر آیا ہے۔ یعنی ___ (۱۰۰ : ۲۳) میں۔

(۰)

۱۳۔ برکت

(مبارک)

برکت ۔ (ب ۔ ر ۔ ک) ۔ برکت کے معنی ہوتے ہیں ایسا ثبات اور استحکام جس کے ساتھ نشو و نما بھی ہو۔ یعنی ایک شے اپنی جگہ مستحکم بھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بڑھتی، پھولتی، پھلتی بھی رہے۔ اس اعتبار سے، ذرائع ثبات و استحکام کی فراوانی اور سامانِ نشو و نما کی کثرت کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ نیز ہر قسم کی خیر و خوبی کے لئے بھی۔

——— (۰) ———

انبیائے کرام

(۱) حضرت نوحؑ کی کشتی جب سلامتی کے ساتھ لنگر انداز ہوئی تو ان سے کہا گیا کہ اب فکر مت کرو۔ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے اس سرزمین میں ہر طرح کا سامانِ ثبات و استحکام (برکات) موجود ہے ——— (۱۱ : ۴۸) ——— (۲۳ : ۲۹)

(۲) جب حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی اور ان کی بیوی کو اس پر تعجب ہوا تو اس سے کہا گیا کہ یہ خدا کی رحمت اور برکات میں سے ہے ——— (۱۱ : ۷۳)

(۳) حضرت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ کو برکات سے نوازا ——— (۳۷ : ۱۱۳)

(۴) حضرت عیسےٰؑ نے کہا کہ خدا نے مجھے بابرکت بنایا ہے ——— (۱۹ : ۳۱)

زمین میں برکات

(۱) زمین میں سامانِ نشو و نما فراوانی سے رکھ دیا تاکہ یہ تمام ضرورت مندوں کے یکساں طور پر کام آئیں۔ (۴۱ : ۱۰)

(۲) بارش میں برکت رکھ دی گئی ہے ——— (۵۰ : ۹)

بابرکت زمین

(۱) حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں اس سرزمین کی طرف جاتی تھیں جس میں سامانِ نشو و نما کی فراوانی تھی۔ (جو بابرکت تھی) ——— (۸۱ : ۲۱)
(۲) قومِ سبا کے مضافات میں ایسی بستیاں جن میں کثرت سے پیداوار ہوتی تھی ——— (۱۸ : ۳۴)
(۳) بنی اسرائیل کو اس سرزمین کے مشرقی اور مغربی حصہ کا مالک بنا دیا جس میں سامانِ نشو و نما کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ یعنی ارضِ فلسطین ——— (۱۳۷ : ۷)
(۴) رسول اللہ ہجرت کر کے اس سرزمین کی طرف گئے جس کا ماحول بابرکت تھا یعنی مدینہ کی طرف۔ (۱:۱۷)
(۵) حضرت لوطؑ بابرکت زمین کی طرف ہجرت کر کے گئے ——— (۷۱ : ۲۱)

مبارک

(۱) آسمان سے بارش برسائی جس سے زمین میں فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں ——— (۹ : ۵۰)
(۲) وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰؑ کو پہلی مرتبہ وحی ملی تھی، بڑا بابرکت تھا ——— (۳۰ : ۲۸)۔ جو اس کے اندر تھا، وہ بھی ——— (۸ : ۲۷)
(۳) مکہ ——— جو نظامِ خداوندی کا مرکز ہے ——— بڑا مبارک ہے۔ یعنی وہ سرچشمہ جہاں سے نوعِ انسان کو وحیٔ خداوندی کے مطابق، سامانِ ثبات و استحکام اور نشو و نما ملتی تھی ——— (۹۵ : ۳)
(۴) قرآنِ کریم مبارک کتاب ہے کیونکہ اس سے نوعِ انسانی کو ثبات و استحکام حاصل ہوگا۔ اور اس کی صحیح صحیح نشو و نما ہو سکے گی ——— (۱۵۵ ; ۹۲ : ۶) ——— (۵۰ : ۲۱) ——— (۲۹ : ۳۸)
(۵) جس رات نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی (یا جس دور میں اس کا نزول ہوا) وہ بھی مبارک تھی۔ کیونکہ اس میں نوعِ انسانی، خیر و برکت کے سرچشمہ سے بہرہ یاب ہوئی ——— (۳ : ۴۴)
(۶) قرآن کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی روشنی شرق و غرب کی حدود سے ماوراء ہے اور جو تمام نوعِ انسان کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ ہے ——— (۳۴ : ۲۴)
(۷) قرآن کو اس ذاتِ خداوندی نے نازل کیا جو خیر و برکت کا سرچشمہ ہے ——— (۱ : ۲۵)

دعائے خیر و برکت

جب تم کسی کے ہاں جاؤ تو اہل خانہ سے خیر و برکت کی دعا کہو ــــ (۲۴ : ۶۱)

ایمان و تقویٰ کا نتیجہ

(۱) ایمان اور تقویٰ سے زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں ــــ (۷ : ۹۶)
(۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ خدا تجھے سرسبز و شاداب باغات عطا کرے گا۔ (۲۵ : ۱۰)

ذاتِ خداوندی

(۱) ہر قسم کے خیر و برکت کا حقیقی سرچشمہ خدا کی ذات ہے جس نے جملہ کائنات اور نوعِ انسان کی نشو و نما کا ذمہ لے رکھا ہے ــــ (۷ : ۵۴)ــــ (۴۰ : ۶۵)
(۲) خدا کی ایک بنیادی صفت "خیر و برکت کا سرچشمہ" ہے ــــ (۵۵ : ۷۸)
(۳) وہ احسن الخالقین ..... اور سرچشمۂ خیر و برکت ہے ــــ (۲۳ : ۱۴)
(۴) کائنات میں اقتدار و اختیار اسی خیر و برکت کے سرچشمہ کا ہے۔ لہٰذا اس کا کنٹرول اور اقتدار مستبد حاکم کا اقتدار نہیں۔ خیر و برکت عطا کرنے والے کا اقتدار ہے۔ (۴۳ : ۸۵)ــــ (۶۷ : ۱)
(۵) اس کی اسی صفت کا نتیجہ ہے کہ اس نے قرآن نازل کیا تاکہ اس سے نوعِ انسان کو ہر قسم کی برکات نصیب ہوں ــــ (۲۵ : ۱)
(۶) اور اسی صفت کے ماتحت کائنات کا طبعی نظام قائم کیا ــــ (۲۵ : ۶۱)۔ لہٰذا نظامِ طبعی اور آسمانی رشد و ہدایت کا مقصود اشیائے کائنات اور عالمِ انسانی کو سامانِ ثبات و نشو و نما عطا کرنا ہے۔

ــــــ (۱) ــــــ

۱۴۔ برہان

(نیز دیکھئے۔ بصیرت، علم)

برہان (ب۔ ر۔ ھ) اس کے معنی ایسی دلیل کے ہیں جو بالکل، واضح، ظاہر، صاف، سچی اور

ہمیشہ قائم رہنے والی ہو۔

قرآن کریم اپنے ہر دعویٰ کو دلیل و برہان کی رُو سے پیش کرتا اور علم و بصیرت کی رُو سے منواتا ہے۔ اس لئے کہ دین میں جبر کا سوال ہی نہیں۔ ایمان کہتے ہی دل و دماغ کے پورے اطمینان کو ہیں۔

قرآن خود بُرہان ہے

(۱) اے نوعِ انسان! تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے، ایک بُرہان آگئی یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی نازل کر دی ہے ـــــ (۴ : ۱۷۵)

(۲) عصاءِ موسےٰ اور یدِ بیضا کو بُرہان کہا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی محکم اور روشن دلائل ہی تھے جنہیں فرعون کے دعوے کی تردید کے لئے پیش کیا جانا مقصود تھا ـــــ (۲۸ : ۳۲)

بُرہان طلبی

(۱) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ یہودی یا نصرانی نہ ہو۔ ان سے کہا کہ تم اپنے اس دعویٰ کی کوئی دلیل رکھتے ہو تو اسے پیش کرو۔ اس کے بعد کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ جنت کسی گروہ کی ملکیت نہیں۔ اس کے دروازے ہر اس شخص کے لئے کھلے ہیں جو اپنے آپ کو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا دے اور حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے۔ ایسے لوگ خوف و حزن سے مامون رہیں گے ـــــ (۲ : ۱۱۱ــــ۱۱۲)

(۲) جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں کو بھی صاحبِ اقتدار مانتے ہیں، ان سے کہا کہ تم اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیل لاؤ ـــــ (۲۱ : ۲۴) ــ (۲۷ : ۶۴)

(۳) ہر اس قوم سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ جو انسانوں کے خود ساختہ تصورات اور قوانین کو واجب الاطاعت قرار دے کر، شرک کے مرتکب ہوتے ہیں ـــــ (۲۸ : ۷۵)

(۴) ان لوگوں سے برہان کا مطالبہ کرنے کے بعد کہا کہ ان کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہو سکتی ـــــ (۲۳ : ۱۱۷)۔ غور کیجئے! کتنا بڑا اعتماد ہے اپنے دعویٰ کی صداقت پر کہ اس

کے خلاف، کسی کے پاس دلیل و برہان نہیں ہو سکتی ــــ (۲۳ : ۱۱۷)

برہانِ ربیؔ

جب عزیزِ مصر کی بیوی نے وہ تمام حالات پیدا کر دیئے جن میں انسان کے پاؤں میں لغزش آجائے تو قرآنِ کریم میں ہے کہ) اگر یوسفؑ کے سامنے اپنے خدا کی برہان نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ بھی پھسل جاتا۔ (۱۲ : ۲۴) ظاہر ہے کہ یہاں برہان سے مراد وحی کی رُو سے ملی ہوئی تعلیم ہے جو اس حقیقت کی دلیل ہوتی ہے کہ اس قسم کے غلط اقدام سے انسانی ذات کا کس قدر نقصان ہوتا ہے۔ غور کیجئے! وحی کی دلیل کس قدر محکم اور واضح ہوتی ہے کہ وہ انسان کو اس قدر شدید جذبات کی رَو میں بہنے سے بھی روک سکتی ہے۔ جذبات کو دلیل سے روکنا، وحی کی تعلیم ہی سے ممکن ہے، ورنہ جذبات کی شدت میں (اور وہ بھی جنسی جذبات کی شدت!) انسان کی سمجھنے سوچنے کی قوت ہی مفلوج ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ کہا ہے کہ متقی وہ ہیں کہ جب ان کے ذہن میں کوئی غلط خیال یونہی گھومتے پھرتے بھی آجائے تو وہ وحی کی تعلیم کو سامنے لے آتے ہیں۔ تو اس سے ایسا ہوتا ہے گویا ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس طرح وہ اس غلط خیال کو جھٹک کر الگ کر دیتے ہیں ــــ (۷ : ۲۰۱)

ــــ (٭) ــــ

۱۵۔ بشارت

(نیز دیکھئے۔ انذار)

بِشَارَۃٌ۔ (ب۔ ش۔ ر)۔ اس کے بنیادی معنی کسی ایسی خبر کے ہیں جس سے سننے والے کے چہرے کی رنگت بدل جائے، خواہ وہ خوشی کی خبر ہو یا غم کی۔ لیکن عام طور پر اسے خوشی کی خبر کے لئے بولا جاتا ہے۔
ایک شخص کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ وہ اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہتا ہے کہ غنیمت ہے تم وقت پر آگئے۔ اس وقت تک مرض قابلِ علاج ہے اور تمہیں شفا ہو جائے گی۔ لیکن اگر تم نے علاج نہ کیا یا احتیاط نہ برتی تو پھر یہ مرض مہلک ثابت ہو جائے گا۔ پہلی بات کو تبشیر کہا جائے گا۔ یعنی مریض کو خوشخبری

دینا کہ مناسب علاج سے تمہیں شفا ہو جائے گی۔ اور دوسری بات کو تنذیر۔ یعنی اسے اس بات سے آگاہ کرنا کہ اگر تم نے علاج نہ کیا اور احتیاط نہ برتی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرات انبیاء کرامؑ کا منصب مبشر اور مُنذر کا ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کو ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے تھے۔ اور ان کی صحیح روش کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دیتے تھے۔ اس عنوان کا تعلق تبشیر (بشیر) سے ہے۔

———— (۰) ————

منصبِ رسالت

(۱) تمام انبیاء کرام مبشرین اور منذرین تھے — (۲:۲۱۳) — (۴:۱۶۵) — (۶:۴۸) — (۱۸:۵۶) —

(۲) تمہاری طرف بشیر اور نذیر آ گئے تھے — (۵:۱۹)

نبی اکرمؐ بہ حیثیت بشیر و نذیر

(۱) آپؐ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا — (۲:۱۱۹) — (۵:۱۹) — (۷:۱۸۸) — (۱۷:۱۰۵) — (۱۹:۹۷)
— (۲۵:۵۶) — (۳۳:۴۵) — (۳۵:۲۴) — (۴۱:۴) — (۴۸:۸)

تمام نوعِ انسان کے لئے بشیر و نذیر — (۳۴:۲۸)

(۲) حضرت عیسٰیؑ نے نبی اکرمؐ کی بعثت کی (احمدؐ کا نام لے کر) بشارت دی — (۶۱:۶)

(۳) کہو کہ میں تو صرف بشیر و نذیر ہوں — (۷:۱۸۸) — (۱۱:۲)

قرآنِ کریم — بشارات دینے والا

(۱) قرآنِ کریمؑ مومنین کے لئے ہدایت اور بشارت ہے — (۲:۹۷) — (۱۶:۸۹؛ ۱۰۲) — (۱۷:۹)
(۱۸:۲) — (۱۹:۹۷) — (۲۷:۲) — (۴۱:۳) — (۴۶:۱۲)

(۲) نزولِ وحی سے مقصد تبشیر و تنذیر ہے — (۱۰:۱-۲) — (۱۹:۹۷)

(۳) قرآنی احکام کے نزول سے مومنین کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں — (۹:۱۲۴)

مومنین کیلئے بشارات

(۱) ایمان واعمالِ صالحہ سے جنت کی بشارت — (۲ : ۲۵) — (۱۸ : ۲) — (۴۲ : ۲۳) — (۵۷ : ۱۲)
مومنین نے خدا کے ہاتھ اپنا جان ومال بیچ کر جو سودا کیا ہے اس پر انہیں خوش ہونا چاہیئے۔ (۹ : ۱۱۱)

(۲) جو لوگ حق وباطل کی کشمکش میں ثابت قدم رہتے ہیں، ان کے لئے خوشگوار نتائج کی خوشخبری ہے۔
— (۲ : ۱۵۵-۱۵۷)۔ ان پر ملائکہ کا نزول اور بشارات — (۴۱ : ۳۰-۳۱) — (۴۶ : ۱۲-۱۳)

(۳) مومنین کے لئے خوشگوار نتائج کی خوشخبری — (۲ : ۲۲۳) — (۹ : ۲۱ ; ۱۱۲ ; ۱۲۴) — (۱۰ : ۲ ; ۸۷)
— (۱۶ : ۸۹ ; ۱۰۲) — (۱۷ : ۹) — (۱۹ : ۹۷) — (۳۳ : ۴۷) — (۳۹ : ۱۷) — (۶۱ : ۱۳)

(۴) جنگِ بدر میں ملائکہ کے ذریعے امداد سے مقصد مومنین کو فتح وکامرانی کی بشارت دینا تھا —
(۳ : ۱۲۵) — (۸ : ۱۰)

(۵) مجاہدین کے لئے بشارات — (۹ : ۲۰-۲۱)
مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے حیاتِ ابدی کی بشارات — (۳ : ۱۶۹-۱۷۰)

(۶) مومنین، اولیاء اللہ ہیں۔ ان کے لئے بشارات کہ ان کی اِس دنیا کی زندگی بھی خوشگوار ہوگی اور آخرت کی زندگی بھی۔ یہ غیر متبدل قانونِ خداوندی ہے — (۱۰ : ۶۲-۶۴) — (۴۱ : ۳۰-۳۱)

(۷) محسنین۔ حسن کارانہ انداز سے ہدایتِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنیوالوں کے لئے بشارت۔
(۲۲ : ۳۴ ; ۳۷) — (۴۶ : ۱۲)

(۸) اتباعِ قرآن کرنیوالوں کو مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت — (۳۶ : ۱۱)

(۹) طاغوت کی محکومیت چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے بشارت — (۳۹ : ۱۷)

(۱۰) مخبتین کے لئے بشارت — (۲۲ : ۳۴)

مشرکین کی کیفیت

جب ان کے سامنے خدائے واحد کا نام لیا جائے تو منہ بسور لیتے ہیں لیکن جب اس کے علاوہ اوروں کا ذکر کیا جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں — (۳۹ : ۴۵) - نیز — (۱۷ : ۴۶)

متفرقات

(۱) غم کی خبر کے لئے اس لفظ کا استعمال ۔ کفار کو عذاب الیم کی "بشارت"۔ (۳ : ۲۰)—(۴ : ۱۳۸)—(۹ : ۳۴)—(۳۱ : ۷)—(۴۵ : ۸)—(۸۴ : ۲۴)

بیٹی کی پیدائش کی خبر سے چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے ۔ (۱۶ : ۵۸-۵۹)—(۴۳ : ۱۷)

(۲) حضرت زکریا کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری ——(۳ : ۳۸)

(۳) قافلہ کے پیش رس نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں دیکھ کر آواز دی کہ خوشخبری ہو ایک غلام مل گیا ۔ (۱۲ : ۱۹)

(۴) حضرت مریمؑ کو بیٹے کی پیدائش کی بشارت —— (۳ : ۴۴)

قوم لوط کے لوگ، مہمانوں کو دیکھ کر خوشیاں مناتے ہوئے آئے ۔ (۱۵ : ۶۷)

(۵) حضرت ابراہیمؑ کے لئے بیٹے کی بشارت ۔ (۱۱ : ۶۹)—(۱۵ : ۵۳-۵۵)—(۲۹ : ۳۱)—(۵۱ : ۲۸)——(۳۷ : ۱۰۱)

(۶) ہوائیں، بارش کی خوشخبری دیتی ہیں ۔ (۷ : ۵۷)—(۲۵ : ۴۸)—(۲۷ : ۶۳)—(۳۰ : ۴۶)

بارش سے لوگ خوش ہو جاتے ہیں —— (۳۰ : ۴۸)

(۷) حضرت عیسیٰؑ نے حضورؐ کی بعثت کی (احمدؐ کے نام سے) بشارت دی —— (۶۱ : ۶)

(۸) جب ملائکہ سامنے آئینگے تو مجرمین کے لئے وہ خوشخبری کا دن نہیں ہوگا ۔ (۲۵ : ۲۲)

——— (۰) ———

۱۶- بشر

(نیز دیکھئے۔ انسان۔ آدم۔ رسول)

بشر۔ آدمی یا انسان۔ قرآن کریم نے بشر اور انسان کے الفاظ کو مرادف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً سورۂ حجر میں پہلے کہا ہے کہ ہم نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ۔ (۱۵ : ۲۶)۔ اور

ایک ہی آیت کے بعد کہا کہ تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا کہ میں کھنکھناتی مٹی سے بشر پیدا کرنے والا ہوں ــــ (۱۵ : ۲۸) ــــ (۷۱ : ۳۸) ــ ابلیس کا انکار کہ میں بشر کو سجدہ کیوں کروں ــ (۱۵ : ۳۳) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ بشر اور آدم مرادف الفاظ ہیں۔ یعنی آدم کسی خاص فرد کا نام نہیں۔ ہر بشر، آدم (آدمی) ہے۔

قرآن کریم نے ذہن انسانی کی ایک بنیادی غلطی کو جو توہم پرستی پر مبنی ہے' بار بار واضح کیا ہے یہ خیال شروع سے چلا آتا ہے' اور آجکل بھی مروج ہے کہ "روحانیت والے لوگ" عام انسانوں سے الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ وہ فوق البشر ہوتے ہیں۔ اسی لئے لوگ ان سے خارقِ عادت کرامات کے متوقع ہوتے ہیں اور ان کی طرف اس قسم کی باتیں منسوب بھی کی جاتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب عام "روحانیت" کے مدعیوں کے متعلق اس قسم کا خیال ہو تو جو شخص خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کرے' اسے عام انسانوں جیسا کس طرح مان لیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم نے اپنے پیغمبروں (یا "روحانی" پیشواؤں) کو فوق البشر بنا دیا۔ انہیں ایشور (خدا) کا اوتار' بلکہ خود خدا بنا دیا۔ کہیں انہیں خدا کا بیٹا (ابن اللہ) قرار دے دیا۔ انہیں خدائی اختیارات کا مالک سمجھ لیا گیا۔ ان میں شانِ الوہیت پیدا کر دی۔ لیکن قرآنِ کریم نے بار بار اس عقیدہ کو باطل اور اس تصور کو غلط قرار دیا۔ اس نے کہا کہ پیغمبر بھی عام انسانوں جیسے انسان ہوتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ انہیں خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے۔ اس بات کو اس طرح واضح طور پر بار بار بیان کرنے اور اس پر اس قدر زور دینے کا ایک خاص مقصد تھا۔ رسول کا کام صرف وحی کا لوگوں تک پہنچا دینا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس وحی کے مطابق خود زندگی بسر کرتا تھا۔ اور انسانی معاشرہ میں ایک عظیم انقلاب لاتا تھا۔ اب اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ رسول مافوق البشر قوتوں کا حامل ہوتا ہے تو اس کے متبعین قدم قدم پر یہ کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیں گے کہ جو کچھ اس نے کر کے دکھا دیا تھا' نہ ہم وہ کچھ کر سکتے ہیں' نہ ہی ہم اس جیسی سیرت اور کیریکٹر پیدا کر سکتے ہیں ــ ہم تو کیا کوئی انسان بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ قرآن نے کہا کہ یہ تصور غلط ہے۔ رسول' جو کچھ کرتے تھے' بشر ہونے کی حیثیت سے کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے جس طرح کی سیرت پیدا کی اور جو کچھ کر کے دکھایا' وہ ہر اس انسان کے لئے ممکن ہے جو وحی کی روشنی میں چلے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے رسول کی زندگی کو دوسروں کے لئے بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) قرار دیا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ رسول فوق البشر قوتوں کا حامل ہوتا تھا تو اس کی زندگی عام انسانوں کے لئے نمونہ کس طرح بن سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ' لوگوں کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ اگر آپ خدا کے رسول ہیں تو ایسی

باتیں کرکے دکھائیے جو عام انسان نہ کرسکتے ہوں۔ اگر آپ نے ایسا کچھ دکھا دیا تو ہم مان لینگے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے۔ رسول ان سے کہتا کہ سوچو کہ ان دونوں باتوں کا باہمی تعلق کیا ہے؟ میں جو تعلیم پیش کرتا ہوں اس پر عقل و فکر کی رُو سے غور کرو اور علم و بصیرت کی بنا پر فیصلہ کرو کہ وہ سچی تعلیم ہے یا نہیں میری تعلیم کی صداقت کے پرکھنے کا یہی معیار ہے۔ اور اس کے بعد اس پر عمل کرکے دیکھو کہ اس سے وہی نتائج مرتب ہوتے ہیں یا نہیں جن کا دعویٰ یہ تعلیم کرتی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنا ہر انسان کے لئے ممکن ہے۔ اس لئے کہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں۔ جب میں اس پر عمل کرسکتا ہوں تو تم اس پر عمل کیوں نہیں کرسکتے۔

یہ ہے وہ کشمکش جسے قرآن کریم نے اس شرح و بسط سے پیش کیا ہے۔ مخالفین، رسول سے "فوق البشر" ہونے کا مطالبہ کرتے، اور وہ اپنی بشریت پر زور دیئے چلا جاتا۔ آپ نے غور کیا کہ قرآن نے کس طرح انسانوں کے صدیوں سے مروج غلط عقاید سے پردے اٹھا کر رکھ دیئے ہیں۔ اور دین کو کس طرح علم و بصیرت کی رُو سے پیش کیا ہے۔

―――― (۰) ――――

رسولوں کی بشریت پر اعتراض

جس قوم کی طرف بھی رسول آیا اس نے کہا کہ کیا ایک عام انسان ہماری راہ نمائی کریگا؟ ــ (۱۰ : ۱۴) ــ (۱۵ : ۳۶) ــ (۶ : ۶۴)

حضرت موسیٰؑ کے خلاف

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ واہ! کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ان دو بھائیوں پر ایمان لے آئیں جبکہ حالت یہ ہے کہ یہ ہمارے ہی جیسے انسان ہیں (ان میں کوئی فوق البشر بات نہیں)۔ اور اس قوم کے افراد ہیں جو ہماری محکوم ہے ــ (۲۳ : ۴۷)

نبی اکرمؐ پر اعتراض

(۱) یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے، پھر رسول کس طرح ہوا؟ ــ (۲۱ : ۳)

(۲) یہودیوں کا اعتراض کہ ایک انسان پر وحی کیسے نازل ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب کہ (حضرت) موسےٰ پر کیسے وحی نازل ہو گئی تھی۔ جبکہ وہ بھی ایک بشر ہی تھے ــ (۶ : ۹۲)

(۳) قریش کے نمائندوں نے کہا کہ یہ (قرآن) ایک بشر کا کلام ہے ——— (۲۵ : ۷۴)
(۴) اعتراض کہ اسے کوئی انسان یہ باتیں سکھا جاتا ہے اور یہ اسے وحی کہہ کر پیش کر دیتا ہے ——— (۱۶ : ۱۰۳)

حضرت نوحؑ

(۱) سردارانِ قوم نے لوگوں سے کہا کہ یہ تو تمہارے جیسا انسان ہے ——— (۱۱ : ۲۷)——— (۲۳ : ۳۳)
(۲) سردارانِ قوم نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی اطاعت اختیار کرلی تو تم بڑے نقصان میں رہوگے ——— (۲۳ : ۳۴)

اس سے واضح ہے کہ اس اعتراض میں حسد کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا تھا کہ ہمارے ہی جیسا ایک انسان ہم سے اونچا کس طرح بن سکتا ہے۔ ہم اسے اپنے سے بلند کس طرح تسلیم کرلیں؟

حضرت صالحؑ

(۱) تم تو ہمارے جیسے انسان ہو۔ اگر خدا کے رسول ہو تو اپنے دعویٰ کی صداقت کی کوئی نشانی پیش کرو۔
(۲۶ : ۱۵۴)
(۲) حسد کا جذبہ کہ ہم میں سے ہمارے ہی جیسا ایک انسان اور ہم اس کی اطاعت اختیار کرلیں؟ ——— (۵۴ : ۲۴)

حضرت شعیبؑ

(۱) تم تو ہمارے جیسے انسان ہو ——— (۲۶ : ۱۸۶)

رسولوں کا اعتراف بلکہ دعویٰ

(۱) ہر ایک رسول نے، مخالفین کے اعتراض کے جواب میں کہا کہ بیشک ہم تمہارے جیسے انسان ہیں۔ یہ خدا کی موہبت ہے کہ اس نے ہمیں وحی عطا کی ہے ——— (۱۴ : ۱۱)
(۲) خدا کی طرف سے جواب کہ ہاں! یہ رسول (نبی اکرمؐ) ایک انسان ہے۔ اس سے پہلے بھی جتنے رسول آئے وہ بھی عام انسانوں کی طرح کھاتے، پیتے اور اپنے وقت پر وفات پا جاتے تھے ——— (۲۱ : ۸)
(۳) حضورؐ سے کہا گیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے ——— (۱۸ : ۱۱۰)——— (۴۱ : ۶)
(۴) حضورؐ سے کہا گیا کہ آپ سے پہلے بھی کسی انسان کو حیاتِ جاوداں (اس دنیا میں ہمیشہ کی زندگی)

نہیں ملی۔ اس لئے آپ بھی یہاں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ آپ کی بھی ایک دن وفات ہوگی۔ ہر متنفس نے ایک دن مرنا ہے ــــ (۳۵-۳۴ : ۲۱)

(۵) کفار کا مطالبہ کہ ہمیں ایسا معجزہ دکھائیے اور ویسا معجزہ دکھائیے۔ جواب خداوندی کہ ان سے کہہ دو کہ میں تمہاری توہم پرستیوں کے تصورات سے بہت بلند ہوں۔ میں ایک انسان (بشر) ہوں۔ اور خدا کا پیامبر۔ اس لئے مجھ سے کسی فوق البشر باتوں کی توقع نہ رکھو ــــ (۹۳-۹۰ : ۱۷)

(۶) لوگوں کا ہمیشہ یہ اعتراض رہا کہ ایک بشر رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر زمین پر ملائکہ بستے تو ہم کسی ملک (فرشتے) کو رسول بناکر بھیج دیتے۔ چونکہ یہاں انسان بستے ہیں اسلئے انسانوں ہی کو رسول بناکر بھیجا گیا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ اس کا پیش کردہ نظام انسانوں کے لئے ناممکن العمل نہیں۔ کیونکہ وہ اس پر خود عمل کرکے دکھا رہا ہے ــــ (۹۵-۹۴ : ۱۷)

قرآن، انسانوں کے لئے تنذیر ہے

قرآن کی آگہی بشر کے لئے ہے ــــ (۳۶ ; ۳۱ : ۷۴)

بشر کی تخلیق

(۱) ابلیس نے کہا کہ میں بشر کو سجدہ کیسے کروں ــ (۳۳ : ۱۵)۔ ملائکہ سے ــــ (۲۸ : ۱۵) ــ (۷۱ : ۳۸)

(۲) تراب سے تخلیق کی ابتدا ــــ (۲۰ : ۳۰)۔ ماء سے ــــ (۵۴ : ۲۵)

متفرقات

(۱) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ یہ دعویٰ غلط ہے تم تو خدا کی مخلوق میں سے عام انسانوں جیسے ہو۔ پھر خدا کی اولاد کیسے ہوسکتے ہو؟ ــــ (۱۸ : ۵)

(۲) کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں، خواہ اسے خدا، کتاب اور حکومت یا نبوت بھی کیوں نہ دیدے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں بلکہ میرے محکوم اور فرماں پذیر بن جاؤ۔ اسے یہی کہنا چاہیئے کہ تم اس کتاب کی اطاعت سے، جو خدا نے تمہیں دی ہے، ربانی بن جاؤ ــــ (۷۸ : ۳)

(۳) ابلیس کا انکار کہ میں ایک بشر کے سامنے کیسے جھکوں؟ ——— (۱۵ : ۳۳)

آدم اور بشر مرادف المعنی ہیں ——— (۱۷ : ۳۸)۔ اس لئے آدم کسی خاص فرد کا نام نہیں۔ ہر آدمی یا بشر آدم ہے۔

(۴) اللہ انسانوں سے تین طریق سے بات کرتا ہے۔ رسولوں سے یا تو اس طریق سے جس سے اس نے حضرت موسےٰ سے بات کی تھی۔ یا وحی کے ذریعے۔ اور عام انسانوں سے اُس وحی کی رُو سے جو اس نے رسولوں کی طرف بھیجی تھی۔ وحی کی کنہ وحقیقت، یا اس کلام کی ماہیت جو اس نے حضرت موسےٰ سے کیا تھا کوئی غیراز نبی نہیں سمجھ سکتا۔ خدا کے ساتھ ہماری ہمکلامی صرف اس وحی (قرآن کریم) کے ذریعے ہوتی ہے جو اس کے رسول نے ہمیں دی ہے۔ ہم جب قرآن پڑھتے ہیں تو خدا ہم سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اب اس کے علاوہ خدا سے ہمکلامی کا اور کوئی طریق نہیں ——— (۴۲ : ۵۱)

(۵) خدا کی کوئی چہیتی اولاد نہیں۔ سب بشر ہیں اور مخلوق ——— (۵ : ۱۸)

———— (۰) ————

۱۷۔ بصیرت

بصیرت۔ (ب۔ ص۔ ر)۔ بَصَرٌ اُس روشنی کو کہتے ہیں جس سے آنکھ نظر آنے والی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کا اطلاق خود آنکھ پر بھی ہونے لگا۔ نیز اس کے معنی کسی بات کا دل میں اتر جانا بھی ہیں۔ اسی بناپر اس کے معنی علم بھی آتے ہیں۔ بَصِیْرٌ دیکھنے والے کو نیز عالم کو کہتے ہیں۔ بصیرت قوتِ ادراک ذہانت، حجت، دلیل، عبرت وموعظت کو کہتے ہیں۔ نیز گواہ اور شاہد کو۔

قرآن کریم اپنی دعوت کو دلیل و برہان کی بنا پر پیش کرتا ہے۔ اور اسے علم وبصیرت کی رُو سے سمجھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس لئے، انسانی زندگی میں بصیرت کا مقام بہت بلند ہے۔ لیکن جس طرح، محسوس اشیاء کو دیکھنے کے لئے انسانی آنکھ اور خارجی روشنی، دونوں کی ضرورت ہے۔ (ان میں سے ایک کی بھی کمی ہو تو کوئی چیز نظر نہیں آسکتی)، اسی طرح حقائق کو سمجھنے کے لئے انسانی بصیرت اور وحی کی راہ نمائی دونوں کی ضرورت ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی کمی ہو تو حقائق واقدار سمجھ میں نہیں آسکتے۔ لہٰذا، مومن وہ ہیں جو وحی کی روشنی میں اپنی بصیرت سے کام لے کر دنیا میں چلتے ہیں۔

بصر۔ بصارت

(۱) بصارت، آنکھ کا طبیعی فعل ہے۔ یعنی دیکھنے کی قوت۔ قرآنِ کریم میں بصارت کا لفظ تو نہیں آیا، بصر کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی جمع ابصار ہے۔
ذرا سوچو کہ اگر اللہ تمہاری سننے، دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی قوت (یا صلاحیت) کو سلب کر لے تو وہ کونسی قوت ہے جو اسے واپس دے سکتی ہے؟ ــ (۴۶ : ۶)

(۲) انسان کی سماعت و بصارت کی قوتوں پر کنٹرول خدا کا ہے۔ اسی کے قانون کے ماتحت یہ صلاحیتیں کام کرتی ہیں ــ (۳۱ : ۱۰)

(۳) جس بات کی تم تحقیق نہ کر لو، اس کے پیچھے نہ لگ جایا کرو۔ یاد رکھو! سماعت، بصارت اور قوتِ فہم و ادراک، ہر ایک کے متعلق تم سے باز پرس ہوگی کہ تم نے ان سے کام کیوں نہیں لیا تھا۔ (۳۶ : ۱۷)

(۴) ضد اور تعصب، انکار و سرکشی سے سر کی آنکھیں نہیں اندھی ہوا کرتیں۔ سینے میں دل اندھے ہوا کرتے ہیں ــ (۷ : ۲)ــ(۱۸-۲۰ : ۲)ــ(۱۷۱ : ۲)ــ(۱۱۰ : ۶)ــ(۱۰۸ : ۱۶)ــ(۴۶ : ۲۲)

(۵) خدا نے انسان کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی قوت عطا کی ہے۔ لیکن بہت کم لوگ ہیں جو ان سے صحیح صحیح کام لیتے ہیں ــ (۷۸ : ۲۳)ــ(۹ : ۳۲)ــ(۲۳ : ۶۷)

(۶) مومن مردوں اور عورتوں کو تلقین کہ باہر نکلو تو اپنی نگاہوں کو بے قابو نہ ہونے دو۔ (۳۱-۳۰ : ۲۴)

(۷) خدا آنکھ کی خیانت اور دل کے ارادوں تک سے واقف ہوتا ہے ــ (۱۹ : ۴۰)

(۸) خدا نے انسان کو دیکھنے اور سننے کی قوت عطا کی ہے ــ (۷۸ : ۱۶)ــ(۲ : ۷۶)

(۹) تم کارگہِ کائنات پر نگاہ ڈالو، تمہیں کہیں کوئی جھول، کوئی سقم دکھائی نہیں دیگا۔ بار بار نگاہ ڈالو۔ کہیں بھی کوئی نقص نظر نہیں آئے گا ــ (۴-۳ : ۶۷)۔ یہاں بصر کے معنی نگہ بصیرت بھی ہو سکتے ہیں۔

(۱۰) قیامت کے متعلق کہا کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں گے لیکن اس سے مراد، طبیعی آنکھ نہیں بلکہ سمجھنے سوچنے کی صلاحیت زیادہ موزوں ہیں ــ (۷ : ۷۵)۔ اسی طرح دوسری جگہ ہے کہ اُس دن نگاہیں اس قدر تیز ہو جائیں گی کہ وہ ٹھوس چیزوں کے بھی آر پار چلی جائینگی ــ (۴۲ : ۱۴)ــ(۹۷ : ۲۱)ــ(۲۲ : ۵۰)

(۱۱) جب انسان جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے تو دیکھنے، سننے، سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ باوجود علم رکھنے کے، سیدھے راستے پر نہیں چل سکتا ۔۔۔ (۲۲ : ۴۵)

(۱۲) ساعت کا آنا بس آنکھ جھپکنے کی بات ہے ۔۔۔ (۷۷ : ۱۶) ۔۔ (۵۰ : ۵۴)۔ (تفصیل اپنے مقام پر ملے گی)۔

(۱۳) مومن، اس وقت سے خائف رہتے ہیں جب نگاہیں اور قلوب اُلٹ جایا کرتے ہیں ۔۔۔ (۳۷ : ۲۴)

(۱۴) غلط نظامِ زندگی میں سمع، بصر اور قلب تباہیوں سے نہیں بچا سکتے۔ یعنی محض تدبر کی فسوں سازی اور مادی اسباب و ذرائع کی فراوانی سے غلط نظام کے تباہ کن نتائج رُک نہیں سکتے ۔۔۔ (۲۶ : ۴۶)

(۲۴-۲۳ : ۴۷)

(۱۵) خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے، خود انسان کی اپنی سماعت، بصارت اور قلب اسکے خلاف گواہی دیتے ہیں ۔۔۔ (۲۲ : ۴۱)

(۱۶) لیکن قرآن کریم نے بصر اور نظر میں بھی فرق کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ یہ مخالفین، اے رسول! تیری محفل میں آکر بیٹھتے ہیں تو ان کی نگاہیں بیشک تیری طرف ہوتی ہیں۔ لیکن یہ درحقیقت دیکھ نہیں رہے ہوتے۔ ان کے دل کہیں اور ہوتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ نظر سے مراد محض آنکھ کا طبعی فعل ہے۔ اور بصر میں اس کے ساتھ دل کا ارادہ بھی شامل ہوتا ہے۔ ۔۔۔ (۱۹۸ : ۷)۔ اس طرح دیکھنے اور سننے والوں کو اندھا اور بہرہ کہا گیا ہے ۔۔۔ (۴۳-۴۲ : ۱۰)۔ لہٰذا، دیکھنا اسی کا ہے جو غور و فکر سے کام لے۔ اسی لئے بصارت کے ساتھ بصیرت ضروری ہے اور بصیر صرف آنکھوں سے دیکھنے والے ہی کو نہیں کہتے بلکہ علم رکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ خدا کی ایک صفت بصیر بھی ہے۔ یہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آئی ہے۔ اس کے معنی، انسانوں کی طرح طبیعی آنکھ سے دیکھنے والا نہیں بلکہ علم رکھنے والا ہیں۔ نیز جہاں کہا گیا ہے کہ انسانی نگاہیں (ابصار) اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں تو اس کے جہاں یہ معنی ہیں کہ خدا کوئی محسوس و مرئی مادی شخصیت نہیں جسے آنکھوں سے دیکھا جا سکے، اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ انسانی علم و ادراک اس کی ذات کی کنہ و حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ انسان کا علم بہرحال محدود ہے۔ اور خدا کی ذات لامحدود۔ اور کوئی محدود، لامحدود کا احاطہ نہیں کر سکتا ۔۔۔ (۱۰۴ : ۶)

(۴) مومنین کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کبھی کوئی شیطانی وسوسہ یونہی گھومتے پھرتے ان کے دل میں آجاتا ہے تو وہ قرآنی تعلیم کو اپنے سامنے لے آتے ہیں اور اس سے ان کی نگاہیں فوراً روشن ہو جاتی ہیں ـــ (۷ : ۲۰۱)

بصیرت

چونکہ بصر میں دیکھنے کے ساتھ دل کا ارادہ شامل ہوتا ہے اس لئے غور و فکر اور فہم و ادراک کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بنشیر مقامات پر بصر سے مراد صرف دیکھنا نہیں بلکہ نگہِ بصیرت سے دیکھنا ہے۔ یعنی غور و فکر کرنا۔ مثلاً

(۱) سامری نے حضرت موسےٰ سے کہا کہ میری نگاہوں نے وہ کچھ دیکھا جو بنی اسرائیل کو نظر نہیں آتا تھا۔ (۲۰ : ۹۶)

(۲) اہل جہنم وہ ہیں جو دل رکھتے ہیں لیکن ان سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ جو کان رکھتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ جو آنکھیں رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ یہ انسان نہیں حیوان ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ـــ (۷ : ۱۷۹)

(۳) ضد اور تعصب یا اندھی تقلید سے آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں اور پھر انہیں کچھ نظر نہیں آتا ـــ (۹ : ۳۶)

(۴) کیا یہ خارجی کائنات کو نہیں دیکھتے کہ اس کا نظام کس حسن و خوبی سے چل رہا ہے ـــ (۲۷ : ۳۲)۔ وہاں کوئی سقم اور نقص دکھائی نہیں دیتا ـــ (۲۷ : ۳۲) ـــ (۳-۴ : ۶۷)

(۵) تم بھی دیکھ لوگے اور یہ بھی دیکھ لینگے کہ تم میں سے کون پاگل ہے ! ـــ (۶-۵ : ۶۸)

(۶) خارجی کائنات کے علاوہ، کیا تم خود اپنے آپ پر غور نہیں کرتے ! ـــ (۲۱ : ۵۱)

(۷) ہم انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔ لیکن تم اس حقیقت پر غور نہیں کرتے ـــ (۸۶ : ۵۶)

(۸) خارجی کائنات کا نظم و نسق انسان کے لئے تبصرہ (محلِ غور و فکر) ہے ـــ (۸ : ۵۰)

(۹) جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ـــ (۷ : ۱۹۵) ـــ (۴۲ : ۱۹)

ابصار

(۱) ـــــ حضرات انبیاء کرام قوت اور بصیرت کے مالک ہوتے تھے ـــ (۴۵ : ۳۸)

(۲) اے صاحبانِ عقل و بصیرت! ان واقعات پر غور کرو اور سوچو کہ یہ کس امر کی شہادت دیتے ہیں۔(۲:۵۹)
(۳) ان امور میں سامانِ عبرت و موعظت ہے۔ لیکن اربابِ بصیرت کے لئے ــــ (۱۲:۳)
(۴) نظامِ کائنات میں عبرت کی ہزاروں نشانیاں ہیں، لیکن صرف اربابِ بصیرت کے لئے ــ (۴۴:۲۴)
یعنی ان کے لئے جو غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کریں۔
(۵) یومِ مکافات کو نگاہیں جھکی ہوتی ہونگی ــ (۷:۵۴)ــ(۴۳:۶۸)ــ(۴۴:۷۰)ــ(۹:۷۹)
(۶) سرکشی سے نگاہوں پر پردے پڑجاتے ہیں ــ (۷:۲)ــ(۲۰:۲)ــ(۱۰:۶)۔ نگاہوں پر مہریں۔
(۱۰۸:۱۶)ــــ(۲۳:۴۷)

قرآن اور اس کی دعوت

(۱) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصائر آگئے۔ پس جو دیکھ کر چلیگا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو آنکھیں بند رکھے گا، اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ رسول، داروغہ بن کر نہیں آتا کہ لوگوں کو زبردستی صحیح راستے پر چلائے ــ (۶:۱۰۵)۔ یعنی جس طرح سورج کی روشنی سے وہی فائدہ اٹھاسکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھولے ــ جو آنکھیں بند رکھے اس کے لئے سورج کا نکلنا یا نہ نکلنا برابر ہے۔ اسی طرح وحی کی روشنی سے وہی فائدہ اٹھاسکتا ہے جو عقل و بصیرت سے کام لے۔ جو ایسا نہ کرے اسے وحی کی روشنی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔

(۲) قرآن، خدا کی طرف سے بصائر (روشنی) اور ہدایت و رحمت ہے مومنین کے لئے ــــ(۶:۱۰۴)ــ(۷:۲۰۳)
(۱۷:۱۰۲)ــــ(۲۰:۴۵)
ایمان نہ لانے والے (یعنی ضد اور تعصب سے، انکار کئے چلے جانے والے) کے لئے اس کی روشنی راستہ دکھانے کا موجب نہیں بنتی ــــ(۴۴:۴۱)
قرآن تبصرہ ہے ــــ(۵۰:۸)۔ آیات مبصرۃ ــــ (۱۳:۲۷)

(۳) حضرت موسےٰؑ نے اپنی پیش کردہ وحی کو بصائر سے تعبیر کیا ــ(۱۷:۱۰۲)ــ(۲۸:۴۳)
اس کی طرف سے پیش کردہ تعلیم اور دلائل، روشنی عطا کرنے والے تھے۔ لیکن قوم فرعون ان سے انکار کئے چلی جارہی تھی حالانکہ ان کے دل اندر سے مانتے تھے کہ اس کی بات درست ہے ــ(۱۳ــ۱۴:۲۷)

(۴) نبی اکرمؐ نے کہا کہ میں اپنی دعوت علیٰ وجہ البصیرت پیش کرتا ہوں۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور میرے متبعین بھی ایسا ہی کریں گے ــــ (۱۰۸ : ۱۲)۔ لہٰذا اگر یہ دیکھنا ہو کہ رسولؐ اللہ کا اتباع کون کرتا ہے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ دعوت الی اللہ علیٰ وجہ البصیرت ــ علم و عقل کی بنا پر ــ کون پیش کرتا ہے۔ وہی متبع سنت ہوگا اور اسی کی دعوت، رسولؐ کی روش کے مطابق ہوگی۔

بصیرت، وحی کی روشنی کے بغیر

جس طرح آنکھیں بند کر لینے سے روشنی کچھ فائدہ نہیں دیتی اسی طرح تاریکی میں انسان کی آنکھیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا، وحی اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو عقل و فکر اور بصیرت سے کام لے اسی طرح عقل و بصیرت بھی اسی کی سود مند ہو سکتی ہے جو وحی کی روشنی میں اس سے کام لے۔

(۱) قوم لوط سب کچھ دیکھتی بھالتی تھی لیکن اس کے باوجود غلط راستے پر چلی جا رہی تھی کیونکہ وہ حضرت لوطؑ کی بات نہیں مانتی تھی۔ اس لئے تباہ ہو گئی ــــ (۲۷ : ۵۴)

(۲) عاد و ثمود کی قومیں علم و بصیرت کی مالک تھیں لیکن چونکہ وحی کا اتباع نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے تباہ ہو گئیں ــــ (۳۸ : ۲۹)

یہی حالت دورِ حاضرہ کی اقوام کی ہے۔ ہم (مسلمان) وحی کی روشنی رکھتے ہیں۔ لیکن علم و بصیرت سے کام نہیں لیتے اس لئے تباہ ہو رہے ہیں۔ اقوامِ مغرب، علم و بصیرت رکھتی ہیں۔ لیکن وحی کی روشنی سے کام نہیں لیتیں۔ اس لئے جہنم کے عذاب میں مبتلا ہیں۔

(۳) قوم ثمود کو خدا نے راستہ دکھایا لیکن انہوں نے اندھا رہنا پسند کیا۔ اس لئے تباہ ہو گئی ــــ (۱۷ : ۴۱)

(۴) اس قسم کی جملہ اقوام سابقہ ــــ (۲۶ : ۴۶)

اندھا اور آنکھوں والا

(۱) اے رسولؐ! ان سے کہو کہ میں فوق البشر قوت کا مالک ہونے کا مدعی نہیں۔ میرے پاس کوئی ایسی بات نہیں۔ میں تو صرف وحیٔ خداوندی کا اتباع کرتا ہوں۔ سوچتا و کہ آنکھوں والا اور اندھا کبھی برابر ہو سکتے ہیں۔ تم اتنی سی بات پر بھی غور و فکر نہیں کرتے؟ ــــ (۶ : ۵۰)

(۲) کیا اندھا اور آنکھوں والا۔ یا تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ — (۱۶ : ۱۳)

(۳) جو جانتا ہے کہ یہ تعلیم منزّل من اللہ ہے اور جو اندھا بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ یہ دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھو! بات وہی سمجھ سکے گا جو عقل و فکر سے کام لے گا — (۱۹ : ۱۳)

(۴) اندھا اور آنکھوں والا، صحیح کام کرنے والا اور بد اعمال' دونوں برابر نہیں ہو سکتے — (۵۸ : ۴۰)

(۵) اندھا اور آنکھوں والا، تاریکی اور روشنی، دھوپ اور سایہ، زندہ اور مردہ، کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ تو اُسی کو سنا سکتا ہے جو سننا چاہے۔ مردوں کو کون سنا سکتا ہے — (۲۲-۱۹ : ۳۵)

(۶) قوم نوح اندھی تھی سو غرق ہو گئی — (۶۴ : ۷)

(۷) جو دیکھ کر نہیں چلتا، اس پر تباہی آتی ہے — (۲۰ : ۱۱) — (۱۰۱ : ۱۸)

(۸) اندھا اور بہرہ۔ اور دیکھنے والا اور سننے والا۔ یہ دو فریق ایک جیسے نہیں ہو سکتے — (۲۴ : ۱۱)

(۹) جہنم میں وہ جاتے ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے — (۱۷۹ : ۷) — (۱۰۱ : ۱۸)

(۱۰) نہ تم بہروں کو سنا سکتے ہو، نہ اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہو — (۸۱-۸۰ : ۲۷)

(۱۱) جو بصیرت سے کام لیتا ہے، اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے۔ اور جو اندھا بن جاتا ہے اس کا نقصان بھی وہی اٹھاتا ہے — (۱۰۴ : ۶)

دنیا اور آخرت دونوں میں تباہی

(۱) جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے۔ اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے۔ اور وہ قیامت کے دن بھی اندھا ہی اٹھے گا — (۱۲۴ : ۲۰)۔ وہ پوچھے گا کہ مجھے اندھا کیوں اٹھایا گیا۔ جواب ملے گا کہ تیرے پاس ہمارے قوانین پہنچے لیکن تو نے انہیں پسِ پشت ڈال دیا۔ اس لئے تمہاری دنیا بھی تباہ ہوئی اور آخرت بھی — (۱۲۶-۱۲۵ : ۲۰)

(۲) جو یہاں اندھا ہوتا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہتا ہے — (۷۲ : ۱۷)

ان آیات سے واضح ہے کہ قوانینِ خداوندی کے اتباع کا لازمی نتیجہ' دنیا کی خوشحالی اور رزق کی فراخی ہے۔ جس قوم پر رزق کی تنگی ہو، سمجھ لیجئے کہ وہ قوانینِ خداوندی کا اتباع نہیں کرتی۔ اور جس کی دنیاوی زندگی ذلت کی ہو اس کی عاقبت بھی خراب ہوتی ہے — (۱۲۵ : ۲۰)

خدا کی صفت

(۱) خدا کی ایک صفت بصیر بھی ہے (۶۱ : ۲۲)۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اس طرح دیکھنے والا نہیں جس طرح انسان آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے اور ہر شے اور انسان کا ہر عمل اس کے سامنے رہتا ہے۔ اس کے قانونِ مکافات سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ (۱۱۰ ؛ ۹۶ : ۲) کے یہی معنی ہیں۔ تفصیل ان امور کی متعلقہ عنوانات میں ملے گی۔

(۲) سب سے بہتر سننے والا، دیکھنے والا (۲۶ : ۱۸) (۳۸ : ۱۹)

بصیر بمعنی شاہد

قیامت میں انسان اپنے خلاف آپ گواہ ہوگا (۲۲ : ۴۱) (۱۴ : ۷۵)۔ (تفصیل "مکافاتِ عمل" کے عنوان میں ملے گی)۔

متفرق

(۱) اہل جہنم کہیں گے کہ اب ہم نے سب کچھ خود دیکھ لیا، سن لیا۔ اب ہمیں اگر دنیا میں واپس بھیجدیا جائے تو ہم اعمالِ صالح کریں (۱۲ : ۳۲)

(۲) علمِ خداوندی موت سے زیادہ قریب ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں سکتے (۸۵ : ۵۶)

(۳) خدا شہادت دیتا ہے اس کی جو تم دیکھ سکتے ہو اور اس کی جو تم نہیں دیکھ سکتے، کہ یہ (وحی) باعزت رسول کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہے (۳۹ : ۶۹)

(۴) اپنے اپنے پروگرام کے نتائج یہ بھی دیکھیں گے تم بھی دیکھ لوگے (۱۷۹ ؛ ۱۷۵ : ۳۷) (۵ : ۶۸)

(۵) امرالساعۃ لمحۂ بصر کی طرح ہے (۷۷ : ۱۶) (۵۰ : ۵۴)

(۶) وحی کے حقائق کو دیکھ کر رسول کی آنکھیں ٹیڑھی نہیں ہوتیں (۱۷ : ۵۳)

(۷) جنگ کا ہولناک نقشہ۔ جب نگاہیں پھر گئیں (۱۰ : ۳۳)

(۰)

۱۸۔ بعث

(نیز دیکھئے۔ آخرت۔ قیامت)

بعث: جو چیز کسی دوسری چیز کی آزادانہ نقل و حرکت کی راہ میں حائل ہو، اسے راستے سے ہٹا کر اُس شئے کی حرکت کو جاری کر دینے کو بعث کہتے ہیں۔ لہٰذا، اس دنیا میں، افراد یا اقوام کی ترقی کی راہ میں جو موانعات ہوں، ان کے دور ہو جانے کو بھی بعث کہا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد، جو شئے حیاتِ نو کے راستے میں حائل ہو سکتی ہے، اسے دور کر کے، مُردوں کو از سرِ نو زندہ کر دینا بھی بعث ہے۔ یوم بعث، یا یوم یبعثون اس وقت کو کہیں گے جب اس طرح یہ موانع دور ہو جائیں۔ مبعوث ان موانع کو بھی کہا جائے گا جو دوسروں کی راہ میں حائل ہوں، اور ان لوگوں کو بھی جن کے راستے سے یہ موانع دور کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بعث اس دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور مرنے کے بعد بھی۔

۲۔ بعث .... کسی کو بھیجنے اور اٹھا کھڑا کرنے کو بھی کہتے ہیں، اور کسی کو کسی کام کے لئے مامور کر دینے کو بھی۔ لیکن زیرِ نظر عنوان میں اس مادہ کے ان معانی کے متعلق بات نہیں ہوگی۔ مذکورہ صدر معانی ہی کو سامنے لایا جائے گا۔

بعث۔ مبعوثون

(۱) نفخِ صور کے بعد مُردے کہیں گے کہ ہماری تباہی! ہمیں کس نے ہمارے مرقدوں سے اٹھا کھڑا کیا۔ (۳۶ : ۵۲)

(۲) بنی اسرائیل کو پہاڑ پر غش آ گیا۔ اس کے بعد پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا — (۲ : ۵۶)

(۳) اصحابِ کہف کچھ عرصہ تک غار میں چھپے رہے۔ پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس دوران میں، ان پارٹیوں میں سے کس نے اس مدت سے صحیح فائدہ اٹھایا ہے — (۱۸ : ۱۲)

وہ اٹھ کر آپس میں سوال و جواب کرنے لگے — (۱۸ : ۱۹)

(۴) بنی اسرائیل کی جلاوطنی کو موت سے تعبیر کیا اور سو سال کے بعد ان کی دوبارہ آزادی کو بعث سے۔

(۲ : ۲۵۹)

(۵) یہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ خدا مُردوں کو نہیں اٹھا سکتا — (۳۸ : ۱۶)۔ خدا ایسا کر سکتا ہے — (۶ : ۲۹ ؛ ۳۶) — (۱۱ : ۷) — (۱۷ : ۴۹ — ۵۰ ؛ ۹۸) — (۲۲ : ۷) — (۲۳ : ۳۷ ؛ ۸۲) — (۳۷ : ۱۶) — (۵۶ : ۴۷) — (۶۴ : ۷)

اگر تم بعث کے متعلق شک میں ہو تو اپنی خلقت پر غور کرو — (۷ : ۱۱) — (۵ : ۲۲)

(۶) رات کو سونے کے بعد، دن کے وقت جگا دینے کو بھی بعث کہا گیا — (۶۰ : ۶)

(۷) تمہاری تخلیق اور بعث، نفسِ واحدہ کی طرح ہے — (۲۸ : ۳۱)

(۸) کیا یہ سرمایہ دار اسے نہیں سمجھتے کہ ہم انہیں ایک عظیم انقلاب کے لئے انسانیت کے راستے سے ہٹا دینگے۔ یہاں مبعوثون کے یہ معنی زیادہ مناسب نظر آتے ہیں — (۴ : ۸۳)

(۹) عذاب طاری کر دینا — (۶۵ : ۶)

یوم البعث

(۱) جس دن اللہ ان سب کو اٹھائیگا اور انہیں ان کے اعمال سے متنبہ کریگا — (۲ : ۲۳) — (۱۲ : ۳۰) — (۱۸ ؛ ۶ : ۵۸) — (۷ : ۶۴)

جس دن ہر امت سے ایک شہید (نگران) اٹھا کھڑا کریگا — (۸۹ ؛ ۸۴ : ۱۶)

(۲) حضرت عیسٰیؑ نے کہا کہ جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا، مجھ پر سلامتی ہو گی — (۳۳ : ۱۹) حضرت یحییٰ بھی — (۱۵ : ۱۹)

(۳) ابلیس کو یوم بعث تک مہلت دی گئی ہے — (۱۴ : ۷) — (۳۶ : ۱۵) — (۷۹ : ۳۸)

(۴) مُردے نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائینگے — (۲۱ : ۱۶) — (۶۵ : ۲۷)

(۵) مُردوں کے پیچھے یومِ بعث تک برزخ ہے — (۱۰۰ : ۲۳)

(۶) دعائے ابراہیمی کہ یومِ بعث کو ذلیل نہ ہوں — (۸۷ : ۲۶)

(۷) حضرت یونسؑ اگر مسبحین میں سے نہ ہوتے تو یومِ بعث تک بطنِ ماہی میں رہتے — (۱۴۳-۱۴۴ : ۳۷)
(اس سلسلہ میں قیامت کے عنوان میں "الیٰ یوم القیامۃ" کا باب بھی دیکھئے)۔

(۸) مردے یومِ بعث تک کتاب اللہ میں رہتے ہیں — (۵۶ : ۳۰)

—— (۰) ——

۱۹۔ بغاوت

(نیز دیکھئے۔ اسلامی نظام)

بغاوت (ب۔ غ۔ ی)۔ اس کے بنیادی معنی ہیں۔ اعتدال کی حد سے آگے بڑھ جانا۔ حدود شکنی کرنا۔ سرکشی اختیار کرنا۔

قرآن کریم، معاشرہ میں فتنہ فساد، سرکشی اور قانون شکنی کو روا نہیں رکھتا۔ اس سے امنِ عامہ میں خلل واقعہ ہوتا ہے اور نظم و نسق میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر قانون شکنی، انفرادی طور پر ہو تو اُسے جرم قرار دے کر، معاشرہ اس کی روک تھام کی تدبیر کرے گا۔ لیکن اگر یہ اجتماعی طور پر ہو۔ یعنی ایک جماعت کی جماعت، حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہو، تو اسے بغاوت کہا جاتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اگر کوئی شخص حکومت اور اس کے قوانین کو تو تسلیم کرتا ہے لیکن اس سے کسی خاص قانون کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔ یا وہ دانستہ خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے عام جرم کہا جائے گا۔ لیکن اگر وہ سرے سے حکومت ہی کو تسلیم نہیں کرتا اور اس کے نافذ کردہ قوانین کو قوانین ہی نہیں مانتا تو اسے بغاوت کہا جائے گا۔ خواہ یہ کسی ایک فرد کی طرف سے ہو یا کسی جماعت کی طرف سے۔

قرآن کریم کی رُو سے، حکومت وہی حق پر ہوتی ہے جو قوانینِ خداوندی کے مطابق قائم ہو اور انہی قوانین کو نافذ کرنے اور لوگوں سے ان کی اطاعت کرانے کا ذریعہ ہو۔ اس لئے کہ قرآن کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان سے اپنے احکام کی اطاعت کرائے۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی جائز ہے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ایک مومن، کسی ایسی حکومت کو برسرِ حق سمجھ ہی نہیں سکتا جو قوانینِ خداوندی کے نفاذ کا ذریعہ نہ ہو۔ (یہ نقطہ بڑا بنیادی اور اہم ہے جس کی تشریح اور بحث "نظامِ اسلامی" کے عنوان میں ملے گی۔ نیز "حکومت" کے عنوان میں۔ اس مقام پر انہی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے)۔ اس سے واضح ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں قانون شکنی یا بغاوت سے ممانعت آئی ہے۔ تو اس سے مراد قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی اور اس حکومت کے خلاف بغاوت ہے جو ان قوانین کے نفاذ کی ایجنسی ہو۔ ایسے نظام کو قرآن نے "خدا اور رسول"

سے تعبیر کیا ہے۔

—— (۰) ——

خدا بغاوت سے روکتا ہے

(۱) خدا عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور فحشاء و منکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے — (۱۶ : ۹۰)۔ ظاہر ہے کہ یہاں بغاوت سے مراد قانون شکنی ہے۔

حکومت کے خلاف بغاوت

(۱) "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ کرنیوالوں کی سزا بڑی سخت ہے۔ ہاں! اگر وہ، اپنے مغلوب ہونے سے پہلے اس سے تائب ہو جائیں تو انہیں کم سزا یا معافی دیجا سکتی ہے — (۵ : ۳۳-۳۴)

(۲) جو لوگوں پر ظلم کرے اور بغاوت بغیر الحق کرے تو اس کے لئے سخت سزا ہے — (۴۲ : ۴۲)

(۳) "خدا اور رسول" کی مخالفت کرنے والوں کی سرکوبی کرنی ضروری ہے — (۵:۵۸) — (۵۸ : ۲۰)

(۴) ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے والا بھی مجرم ہے — (۵۸ : ۲۲)

(۵) "خدا اور رسول" کی مخالفت کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے — (۹ : ۶۳)

حکومت کیخلاف خیانت مت کرو

(۱) حکومتِ خداوندی کے خلاف خیانت بھی نہ کرو۔ نہ ہی ان امانات میں خیانت کرو جو تمہارے سپرد کی گئی ہوں۔ یعنی امورِ مملکت کی ذمہ داریاں — (۸ : ۲۷)

بغاوت بغیر الحق

قرآن کریم نے حکومت کا بنیادی فریضہ عدل قرار دیا ہے۔ اجتماعی زندگی میں عدل کا ایک (اور اہم) مفہوم یہ ہے کہ ہر معاملہ کا فیصلہ قانون کی رُو سے کیا جائے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن، قانون کے احترام پر اس قدر زور دیتا ہے۔ لیکن اس کے نزدیک قانون بھی وہی واجب الاحترام اور اطاعت کا مستحق ہے،

جو حق پر مبنی ہو۔ اور حق کے معنی ہیں قرآنی احکام و اصول. چنانچہ اس نے اسلامی نظام کے متعلق یہ تصریح کر دی ہے کہ اس میں عدل، حق کے مطابق ہوگا۔(۷ : ۱۵۹)۔ لہٰذا بغاوت اسی حکومت کے خلاف ناجائز ہوگی جو حق کے مطابق قائم ہو۔ اسے قرآن نے "بغی بغیر الحق" کہا ہے. یعنی حق کے بغیر بغاوت حرام ہے۔

(۳۳ : ۷)—(۴۲ : ۴۲)

خدا اور رسول کے خلاف جنگ

قرآن کریم نے "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ کی سزا بڑی سنگین مقرر کی ہے۔(۵ : ۳۳) لیکن یہی الفاظ اس شخص کے لئے بھی آئے ہیں جو باوجود منع کرنے کے ربوٰ (سود) سے باز نہ آئے۔(۲ : ۲۷۹)۔ (اس کی علت ربوٰ کے عنوان میں ملے گی)۔ اس سے واضح ہے کہ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونا ہی بغاوت نہیں بلکہ اہم اور بنیادی قوانین کی علی الرغم مخالفت کرنا اور کھلے بندوں ان کی خلاف ورزی کرنا بھی "خدا اور رسول کے خلاف جنگ" ہے۔

بغاوت بمعنی عام سرکشی

(۱) جب مبتلائے مصیبت ہوتے ہیں تو خدا کو پکارتے ہیں. جب اس سے نجات مل جاتی ہے تو ملک میں بغاوت بغیر الحق (ناحق سرکشی اور فساد) برپا کر دیتے ہیں. حالانکہ یہ بغاوت خود ان کے اپنے خلاف جاتی ہے —(۱۰ : ۲۲-۲۳)

(۲) بنی اسرائیل نے قوانینِ خداوندی سے بغاوت (سرکشی) اختیار کی تو انہیں سزا دی گئی —(۶ : ۱۴۷)

(۳) اضطراری حالت میں حرام شے کا کھا کر جان بچا لینا جائز ہے بشرطیکہ نیت بغاوت (دانستہ قانون سے سرکشی اختیار کرنے) کی نہ ہو —(۲ : ۱۷۳)—(۶ : ۱۴۵)—(۱۶ : ۱۱۵)

—————(۰)—————

۲۰۔ بقا — فنا

بقا. کسی چیز کا اپنی اصلی حالت پر قائم رہنا، اس کا تغیر پذیر نہ ہونا. یہ فنا کی ضد ہے جس کے معنی

تغیر پذیر ہو جاتا ہے۔ بقیہ، کسی چیز کا باقیماندہ حصہ۔ یعنی وہ حصہ جو اسی حالت میں رہے۔ قرآن کریم میں ہے
کل من علیھا فانٍ۔ و یبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام ــــ (۲۷ ــــ ۲۶ : ۵۵) کائنات
کی ہر شے میں ہر آن تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔ صرف خدا کی ذات ہے جو تغیر سے ماوراء ہے۔ یہ ایک عظیم
حقیقت ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے اور سائنسی تحقیقات جس کی تصدیق کرتی ہیں۔ دوسری جگہ ہے۔
کل شیئٍ ھالك الّا وجھهٗ ــــ (۸۸ : ۲۸)۔ یعنی یہاں فانٍ کی جگہ ھالك آیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ہلاکت)

باقیات۔ ابقیٰ

انسان جو کچھ طبیعی دنیا میں حاصل کرتا ہے (یعنی مادی سامان و اسباب حیات) وہ تغیر پذیر بھی ہوتی ہیں اور ختم ہو جانے والی بھی۔ لیکن اعمالِ صالحہ کا اثر جو انسان کی ذات پر مرتب ہوتا ہے وہ تغیر ناآشنا ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ یعنی موت کے بعد آگے جاتا ہے۔ اسی کو قرآن نے باقیات الصالحات سے تعبیر کیا ہے ــــ (۴۶ : ۱۸) ــــ (۷۶ : ۱۹)۔ اسے بقیۃ اللّٰہ بھی کہا ہے ــــ (۸۶ : ۱۱) ــــ (۹۶ : ۱۶) ــــ
(۳۱ : ۷۳ : ۲۰) ــــ (۶۰ : ۲۸) ــــ (۳۶ : ۴۲) ــــ (۱۷ : ۸۷)

ایسے افراد جنہیں اس قسم کی صلاحیت حاصل ہو انہیں اولوا البقیۃ کہا گیا ہے ــــ (۱۱۶ : ۱۱)

کلمۃ باقیۃ ۔ غیر متبدل تعلیم ــــ (۲۸ : ۴۳)

ابقیٰ ۔ عذابِ آخرت کو اشدّ و ابقیٰ کہا گیا ہے ــــ (۷۱ : ۲۰) ــــ (۱۲۷ : ۲۰)

فانٍ کا لفظ صرف ــــ (۲۶ : ۵۵) میں آیا ہے۔

ــــــــ (٠) ــــــــ

۲۱۔ بنی اسرائیل

(نیز دیکھئے۔ اہل کتاب۔ موسیٰؑ۔ تورات۔ فرعون۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ عیسیٰؑ وغیرہ)

بنی اسرائیل۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ کا لقب "اسرائیل" تھا یعنی مردِ خدا۔
(۵۸ : ۱۹)۔ ان کی اولاد سے جو نسل آگے بڑھی وہ ابنی اسرائیل کہلائی۔ آپ کے چوتھے بیٹے کا نام یہودہ تھا

یہودہ اور بن یامین کی نسل کا قبیلہ فلسطین کے علاقہ جوڈا میں حکومت کرتا تھا۔ اس قبیلہ کو اسی نسبت سے یہودی کہتے تھے اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل۔ لیکن بعد میں عام طور پر یہ تفریق باقی نہ رہی اور بنی اسرائیل اور یہودی مرادف المعنی ہو گئے۔

حضرت یعقوبؑ کا وطن کنعان (فلسطین) تھا لیکن جب حضرت یوسفؑ نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اپنے قبیلہ کو مصر بلا لیا تو یہی سرزمین ان کی اولاد کا وطن بن گئی۔ قریب چار سو برس تک یہ مصر میں رہے۔ اور اس دوران میں ایک اچھی خاصی قوم بن گئے۔ لیکن فراعنۂ مصر نے انہیں اپنا محکوم بنا لیا۔ جب ان کی ذلت انتہا تک پہنچ گئی تو ان میں حضرت موسٰیؑ پیدا ہوئے جو انہیں وہاں سے نکال کر پھر فلسطین کے میدانوں کی طرف لے گئے۔ یہاں انہیں بڑا عروج حاصل ہوا لیکن رفتہ رفتہ یہ اپنی بدعنوانیوں کے باعث کمزور سے کمزور تر ہوتے گئے اور متعدد بار ان کی تباہی ہوئی۔ آخرالامر ۷۰ء میں رومیوں کے گورنر ٹائٹس نے ان پر ایسا وار کیا کہ ان کی مرکزی حیثیت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

قرآن کریم نے داستانِ بنی اسرائیل کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، یہ بتانے کے لئے کہ (۱) غیروں کی محکومی میں قومیں کس قدر تباہ حال ہوتی ہیں۔ (۲) خوئے غلامی سے ان میں کس کس قسم کی کمینہ عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔ (۳) وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے محکوم قوم کس قدر عروج حاصل کر سکتی ہے۔ اور (۴) وحی کی راہ نمائی چھوڑنے کے بعد ان کی حالت کیا ہو جاتی ہے۔

حضرات انبیاء کرامؑ کا پیغام عالمگیر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کی اولین مخاطب، لامحالہ ایک خاص قوم ہوتی ہے۔ بایں ہمہ، ان کے پیش کردہ نظام (دین) کے دروازے تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوتے ہیں۔ یہودیوں نے اپنے دین کے بنیادی تصورات تک میں اس قدر تحریف کر دی کہ اسے عالمگیر انسانیت کا دین ہونے کے بجائے بنی اسرائیل کا قومی اور نسلی مذہب بنا لیا۔ یعنی صرف وہی شخص اس مذہب میں داخل سمجھا جا سکتا تھا جو بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہو۔ غیر بنی اسرائیلی یہودیت کے دائرے میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ خود بنی اسرائیل کے دائرے کے اندر انہوں نے حضرت عیسٰیؑ سے جو کچھ کیا، تاریخ اس پر شاہد ہے۔ ان کا یہی قومی تعصب تھا جو انہیں پیغامِ محمدیؐ کے تسلیم کرنے سے روکتا رہا۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کے گھرانے کی اجارہ دار رہی ہے۔ یہ بنی اسمٰعیل کے کسی فرد (نبی اکرمؐ) کو کس طرح مل سکتی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنا دروازہ بنی اسرائیل (اور تمام نوعِ انسان) کے

لئے کھلا رکھا۔ صحیح دین کی یہی خصوصیت ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل کی داستان کو حضرت موسےٰؑ کے تذکارِ جلیلہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس سلسلہ میں حسب ذیل عنوانات کا دیکھ لینا بھی ضروری ہوگا۔ موسےٰؑ، تورات، اہل کتاب، فرعون، سلیمانؑ، داؤدؑ، عیسےٰؑ۔

قومِ فرعون کے ہاتھوں عذاب

(۱) قومِ فرعون ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان پر عذاب لایا کرتے تھے ــــ (۲ : ۴۹)

(۲) بنی اسرائیل کو فرعون نے اپنا محکوم بنا رکھا تھا ــــ (۲۶ : ۲۲)

وہ ملک میں پارٹیاں بناتا رہتا تھا اور اس طرح بنی اسرائیل کو کمزور کئے جاتا تھا ــــ (۲۸ : ۴)

(۳) ذبحِ ابناء۔ سب سے بڑا عذاب یہ کہ حاکم قوم ان کے ابناء کو ذبح کرتی تھی اور نساء کو زندہ رکھتی تھی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جاتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔ لیکن یہ مفہوم واقعات کے مطابق نظر نہیں آتا۔ اس سے تو ایک نسل میں وہ قوم ختم ہو جاتی۔ اس کا یہ مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کے ایسے افراد کو ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیتے جن میں انہیں جوہرِ مردانگی نظر آتے اور جوان جوہروں سے عاری نظر آتے انہیں آگے بڑھاتے۔ مستبد حاکم اقوام، محکوم قوموں کے ساتھ یہی کچھ کرتی ہیں ــــ (۲ : ۴۹)

(۴) فرعون کا حکم کہ جو لوگ موسےٰؑ پر ایمان لائے ہیں ان کے ابناء کو ذبح کر دو ــــ (۱۴۱ ؛ ۱۲۷ : ۷)؛ (۲۵ : ۴۰)

فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات

(۱) قومِ فرعون کے عذاب سے نجات ــــ (۲ : ۴۹)؛ (۷ : ۱۴۱)؛ (۳۰ : ۴۴)

(۲) بنی اسرائیل کا مصر سے نکل کر سینا کی وادیوں میں چلے جانا۔ ان کا سمندر پار کر جانا اور فرعون کے لشکر کا غرق ہو جانا۔ جیسا کہ دوسرے مقامات سے واضح ہے، حضرت موسےٰؑ انہیں ایسے مقام سے پار لے گئے تھے جہاں سے پانی ہٹ چکا تھا۔ حال ہی میں، امریکہ سے یہودیوں کی طرف سے تورات کا جو نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں یہ تحقیق کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل اس مقام سے پار گئے تھے جہاں

دلدل تھی اور سرکنڈا اُگ رہا تھا۔ اُسے (SEA OF REEDS) کہتے تھے۔ لیکن جب فرعون کا لشکر پیچھے سے آیا تو جوار بھاٹا (TIDE) چڑھ آیا۔ اور وہ غرق ہو گئے —(۲: ۵۰)—(۱۰: ۹۰)

(۲۰: ۷۷)—(۲۶: ۶۳—۶۶)—(۴۴: ۲۴)

(۳) حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے —(۷: ۱۰۵)—

(۲۰: ۴۷)—(۲۶: ۱۷)

غلامانہ ذہنیت کے مظاہرے

(۱) حضرت موسیٰؑ کچھ وقت کے لئے چلے گئے تو انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی —(۲: ۵۱—۵۴)

(۲: ۹۲—۹۳)—(۴: ۱۵۳)—(۷: ۱۴۸—۱۵۲)—(۲۰: ۸۵—۹۷)

(۲) حضرت موسیٰؑ سے اذیت رساں سوالات —(۲: ۱۰۸)۔ حضرت موسیٰؑ کے خلاف شکایت کہ تمہارے آنے کے بعد بھی ہم مصیبتوں میں ہی رہے —(۷: ۱۲۹)—(۶۱: ۵)—(۳۳: ۶۹)

(۳) مطالبہ کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، ایمان نہیں لائیں گے اور تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے —(۲: ۵۵)—(۴: ۱۵۳)—(۷: ۱۵۵)

(۴) ان سے کہا گیا کہ اٹھو اور فلسطین میں فاتح و منصور حیثیت سے داخل ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے بات کو بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا —(۲: ۵۸)—(۴: ۱۵۴)۔ کہا کہ جب تک وہاں کے جابر لوگ خود وہاں سے نہ نکل جائیں، ہم وہاں قدم نہیں رکھیں گے۔ تم اور تمہارا خدا (یا تمہارا بھائی) دونوں جا کر ان سے لڑو۔ چنانچہ اس پر وہ زمین چالیس سال تک ان پر حرام کر دی گئی —(۵: ۲۰—۲۶)—(۷: ۱۶۱—۱۶۲)

(۵) ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہیں کر سکتے۔ ہمیں مصالحہ دار چٹپٹی خوراک چاہیئے —(۲: ۶۱)

(۶) عہد کر کے پھر جاتے تھے —(۲: ۶۴)

(۷) سبت کی عہد شکنی —(۲: ۶۵)—(۴: ۴۷؛ ۱۵۴)۔ قردۃ خنازیر، عبد الطاغوت بنا دیئے گئے۔

—(۵: ۶۰)—(۷: ۱۶۳—۱۶۶)—(۱۲۴: ۱۶)

(۸) ذبح بقر کے سلسلہ میں کٹ حجتیاں —(۲: ۶۷)

(۹) ایک شخص کو قتل کر کے جرم سے انکار۔ انکشافِ حقیقت —(۲: ۷۲—۷۳)

(۱۰) تعداد میں ہزاروں لیکن دشمن کو سامنے دیکھ کر بھاگ اُٹھے ـــ (۲۴۳ : ۲)
(۱۱) حضرت طالوت کے انتخاب پر اعتراض کہ وہ امیر آدمی نہیں۔ پھر اتنا نظم بھی نہیں کہ پیاس پر کچھ وقت کے لئے ضبط کر سکیں ـــ (۲۵۲-۲۴۶ : ۲)
(۱۲) رسول اللہؐ کے زمانے میں بھی نہایت پست ذہنیت کا ثبوت دیتے تھے ـــ (۴۶ : ۴)۔ غداری (خیانت) پر اُتر آتے تھے ـــ (۱۳ : ۵)
(۱۳) اندھے، بہرے بن جاتے تھے۔ تکذیب انبیاء کرتے تھے ـــ (۷۱-۷۰ : ۵)
(۱۴) موت کے تصوّر سے ان کی جان جاتی تھی ـــ (۷-۵ : ۶۲)
(۱۵) سینا کی وادیوں میں پہنچ کر حضرت موسےٰؑ سے کہنے لگے کہ ہمیں بھی ایک بُت بنا دیجئے کہ ہم اس کی پرستش کریں ـــ (۱۳۸ : ۷)

نعمائے خداوندی

(۱) ان کی ہمعصر اقوام پر ان کی افضلیت ـــ (۴۷ : ۲) ـــ (۱۲۳ : ۲)۔ ان میں انبیاء کی بعثت۔ حکومت، اور وہ کچھ دیا جو ان کی ہمعصر اقوام کے حصہ میں نہیں آیا تھا ـــ (۲۰ : ۵) ـــ (۳۲ : ۴۴) ـــ (۱۶ : ۴۵)
(۲) صحرائے سینا میں بادل سایہ فگن۔ اور من وسلویٰ کھانے کو ـــ (۵۷ : ۲) ـــ (۱۶۰ : ۷)
(۳) تازہ پانی کے چشمے ـــ (۶۰ : ۲) ـــ (۱۶۰ : ۷)
(۴) پیچھے حفاظت کے لئے پہاڑ کی دیوار ـــ (۶۳ : ۲) ـــ (۱۵۴ : ۴) ـــ (۱۷۱ : ۷)
(۵) بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی۔ خوشگوار سامانِ زیست دیا۔ اقوام عالم پر افضلیت دی ـــ (۱۶ : ۴۵)

ان کا عُروج

(۱) یہود کے عروج وزوال کی مثال۔ قریب سو سال تک (اہلِ بابل کی) غلامی کی موت کے بعد دوبارہ زندگی ـــ (۲۵۹ : ۲)
(۲) عمدہ سرزمین میں متمکن کر دیا۔ خوشگوار سامانِ زیست دیا ـــ (۹۳ : ۱۰)

(۳) انہیں فلسطین کی بابرکت زمین کے مشرقی و مغربی علاقوں کا مالک بنا دیا —— (۷ : ۱۲۹ ; ۱۳۶)

(۱۷ : ۱۰۴) — (۲۶ : ۵۷ — ۵۹) — (۲۸ : ۵ — ۶)

(۴) کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی —— (۴۵ : ۱۶)

ان کے اچھے لوگ

(۱) حق کی طرف دعوت دینے والے —— (۷ : ۱۵۹) — (۳۲ : ۲۴)

جرائم کی فہرست

(۱) احکامِ خداوندی کو دنیاوی مفاد کی خاطر بیچ ڈالتے تھے۔ یہ ان کے مذہبی پیشواؤں کی حالت تھی ——

(۲ : ۴۱ ; ۷۹ ; ۸۶ ; ۹۰ ; ۱۰۳) — (۳ : ۱۸۶) — (۵ : ۴۴) — (۷ : ۱۶۹)

اپنی کتابوں میں تحریف کرتے تھے —— (۲ : ۷۵ ; ۷۸ — ۷۹) — (۴ : ۴۶) — (۵ : ۱۳ ; ۴۱)

ایک حصہ فراموش ہی کر دیا —— (۵ : ۱۳)

(۲) حق و باطل کو مخلوط کر دیتے تھے۔ حق کو چھپاتے تھے —— (۲ : ۴۲) — (۳ : ۷۰ ; ۱۸۶)

(۳) ہدایت مل جانے کے بعد، خدا کی نعمتوں کو بدل دیتے تھے —— (۲ : ۲۱۱)

احکامِ خداوندی سے انکار اور سرکشی —— (۳ : ۱۱۱)

(۴) نظامِ صلوٰۃ کو (جو دین کا بنیادی ستون ہے) ضائع کر دیا —— (۱۹ : ۵۹)

(۵) لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اس کے خلاف کرتے تھے —— (۲ : ۴۴)

(۶) قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں رہا تھا۔ کفارہ اور شفاعت کے باطل عقاید میں الجھ گئے تھے۔

(۲ : ۴۸ ; ۸۰ ; ۹۴ — ۹۵)

ہمارے سوا کوئی جنت میں نہیں جا سکتا —— (۲ : ۱۱۱ ; ۱۲۳)

ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں —— (۵ : ۱۸)

(۷) ناحق قتلِ انبیاء —— (۲ : ۶۱ ; ۸۷ ; ۹۱) — (۳ : ۱۱۱) — (۴ : ۱۵۵) — (۵ : ۷۰)

(۸) ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے —— (۲ : ۷۴)۔ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں

ہیں ہیں ــــ (۸۸ : ۲) ــ (۱۵۵ : ۴)

(۹) پہلے اپنے لوگوں کو گھروں سے نکال دیتے تھے۔ پھر جب انہیں لوگ پکڑ لیتے تو خیرات کے طور پر ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں چھڑاتے۔ یعنی کتاب کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے سے انکار ــ (۸۵-۸۴ : ۲)

(۱۰) سحر اور کہانت پر ایمان۔ افسانے اور توہم پرستیاں۔ بابل کے فرشتے ــــ (۱۰۲ : ۲)

(۱۱) یہود کہتے ہیں نصاریٰ باطل پر ہیں۔ نصاریٰ کہتے ہیں یہود باطل پر ہیں۔ اور دونوں کتاب اللہ کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں ــــ (۱۱۳ : ۲)

(۱۲) حضرت عیسٰیؑ کے خلاف خفیہ تدبیریں اور سازشیں ــ (۵۴-۵۲ : ۳)۔ یہ دعویٰ کہ ہم نے حضرت عیسٰیؑ کو قتل کیا تھا ــــ (۱۵۷ : ۴)۔ حضرت مریمؑ کے خلاف بہتان ــــ (۱۵۶ : ۴)

اللہ نے حضرت عیسٰیؑ کو بنی اسرائیل کی دست برد سے بچا لیا ــــ (۱۱۰ : ۵)

(۱۳) ان کے جرائم کی وجہ سے ان پر حلال چیزیں حرام کر دیں ــــ (۱۶۰ : ۴)

(۱۴) لوگوں کو خدا کے راستے پر چلنے سے روکتے تھے ــ (۱۶۰ : ۴)۔ لیکن انہیں بُری باتوں سے نہیں روکتے تھے ــــ (۷۹ ; ۶۳ : ۵)۔ یہ ان کے مذہبی پیشواؤں کی حالت تھی۔

(۱۵) سود خوار تھے ــــ (۱۶۱ : ۴)۔ حرام کا مال کھاتے تھے ــــ (۶۳ــ۶۲ ; ۴۲ : ۵)

(۱۶) رسول اللہ کے زمانے میں جھوٹ بولتے تھے۔ جاسوسی کرتے تھے۔ لوگوں کو ورغلاتے تھے۔ ناجائز مال کھاتے تھے۔ اس لئے ان پر ذلت وخواری کا عذاب طاری کیا گیا ــــ (۴۲ــ۴۱ ، ۵)

(۱۷) منافق تھے۔ جرائم میں آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ سرکش تھے۔ ناحق مال کھاتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا ان کو ان باتوں سے روکتے نہیں تھے ــــ (۶۳ــ۶۰ : ۵)

(۱۸) مسلمانوں کو طعن دیتے تھے کہ تمہارا خدا محتاج ہو گیا ہے جو لوگوں سے قرضے مانگتا ہے ــ (۶۴ : ۵)

(۱۹) سرکشی اختیار کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو بُرے کاموں سے روکتے نہیں تھے ــــ (۷۹ : ۵)

(۲۰) کفار کو دوست رکھتے تھے ــــ (۸۰ : ۵)

(۲۱) اندھے بہرے بن جاتے۔ تکذیبِ انبیاء کرتے ــــ (۷۱ــ۷۰ : ۵)

(۲۲) وحی کی تعلیم کے باوجود، باہمی ضد سے اختلافات پیدا کر لئے ــــ (۹۳ : ۱۰) ــــ (۱۷ : ۴۵)

(۲۳) اپنی شریعت کی کتابوں کو لادے لادے پھرتے تھے، لیکن ان پر عمل نہیں کرتے تھے ــ (۵ : ۶۲)

(۲۴) اپنے احبار و رہبان (علماء اور مشائخ) کو خدا کا ہمسر بنالیا تھا۔ (۹ : ۳۱)۔ اور یہ احبار و رہبان لوگوں کی کمائی ناحق کھاجاتے تھے ۔ (۹ : ۳۴)

(۲۵) چاہتے تھے کہ جو کام وہ نہ کریں، ان کی بنا پر ان کی تعریف کی جائے ۔ (۳ : ۱۸۷)

(۲۶) ان کا دعویٰ تھا کہ جنت کے یہ واحد مالک ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔ یہ کبھی اس کی تمنا نہیں کرینگے ۔ (۲ : ۹۴-۹۶)۔ (۶۲ : ۶-۷)

زوال

(۱) ان کے جرائم کی وجہ سے ذلت و خواری کا عذاب ۔ (۲ : ۶۱)۔ (۵ : ۱۳ ; ۴۱)۔ (۷ : ۱۵۲) یہ خدا سے اپنا رشتہ استوار کرلیں، تب بچ سکتے ہیں۔ یا کسی قوم نے انہیں سہارا دے دیا تب کچھ وقت کے لئے محفوظ رہیں گے۔ ورنہ ذلت و خواری ان کے پیچھے لگی رہے گی ۔ (۳ : ۱۱۱)

(۲) سبت کی عہد شکنی سے ذلت و خواری ۔ (۲ : ۶۵)۔ (۵ : ۶۰)۔ (۷ : ۱۶۳-۱۶۶)

(۳) کتاب کے ایک حصے پر ایمان، دوسرے حصے سے انکار۔ اس کا نتیجہ دنیاوی زندگی میں ذلت ۔ (۲ : ۸۵)

(۴) حضرت عیسیٰؑ کے متبعین ان پر ہمیشہ غالب رہیں گے ۔ (۳ : ۵۴)

(۵) ان کے نقضِ عہد کی وجہ سے وہ نعمائے خداوندی سے محروم کر دیئے گئے ۔ (۵ : ۱۳)

(۶) ان میں باہمی عداوت پیدا ہوگئی ۔ (۵ : ۶۴)

(۷) اگر یہ لوگ قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتے تو انہیں رزق کی فراوانی حاصل رہتی ۔ (۵ : ۶۵-۶۶)

(۸) حضرت عیسیٰؑ اور داؤدؑ نے انہیں ملعون قرار دیا ۔ (۵ : ۷۸)

(۹) ان کے ظلم کی وجہ سے عذاب آیا ۔ (۵ : ۱۶۰-۱۶۲)

(۱۰) ایسے لوگ ان پر مسلط کر دیئے جو انہیں ہمیشہ عذاب دیتے رہیں ۔ (۷ : ۱۶۷)

(۱۱) ان کی مرکزیت فنا ہوگئی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین میں بکھر گئے ۔ (۷ : ۱۶۸)

(۱۲) ان سے کہہ دیا گیا کہ تم پر دو دفعہ سخت تباہی آئے گی۔ ان تباہیوں کی تفصیل۔ پہلی بخت نصر کے ہاتھوں (۵۹۹ ق۔م میں) اور دوسری طاٹس رومی کے ہاتھوں (۷۰ء عیسوی میں) ۔ (۱۷ : ۴-۸)

(۱۳) مسلمانوں کے ہاتھوں عرب میں تباہی ۔ (۳ : ۱۱۰)۔ (۵۹ : ۲)

بنی اسرائیل اور دعوتِ اسلام

(۱) قرآن پر ایمان لانے کی دعوت ۔۔۔ (۲ : ۴۱)

(۲) علمائے بنی اسرائیل جانتے تھے کہ قرآن من جانب اللہ ہے ۔۔۔ (۲۶ : ۱۹۷)
قرآن ان کی اختلافی باتوں کو واضح کرتا ہے ۔۔۔ (۲۷ : ۷۶)

(۳) یہود، نصاریٰ، مجوس۔ سب کو ایمان کی دعوت ۔۔۔ (۲ : ۶۲) ۔۔۔ (۵ : ۶۸ ; ۶۹)

(۴) ان کا قرآن پر لانے سے انکار ۔۔۔ (۲ : ۸۹-۹۱)۔ محض ضد اور تعصب کی وجہ سے۔ جبرئیل کے ساتھ عداوت
کہ وہ وحی کو بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کی طرف کیوں لے آیا ۔۔۔ (۲ : ۹۷-۹۹) ۔۔۔ (۲ : ۱۰۰-۱۰۱) ۔۔۔
(۲ : ۱۰۵) ۔۔۔ (۲ : ۱۰۹)

(۵) حضرت عیسیٰؑ نے انہیں نبی اکرمؐ کی بعثت کی خوشخبری دی تھی ۔۔۔ (۶۱ : ۶)
حضرت موسیٰؑ سے بھی کہا گیا تھا کہ یہ اگر رسالتِ محمدیہ پر ایمان لے آتے تو ذلت سے نکل جائیں گے۔
(۲ : ۴۰) ۔۔۔ (۵ : ۱۲) ۔۔۔ (۷ : ۱۵۶-۱۵۷)

(۶) یہ لوگ تجھ سے راضی نہیں ہوں گے جب تک تو ان کا مذہب اختیار نہ کر لے ۔۔۔ (۲ : ۱۲۰ ; ۱۳۵ ; ۱۴۵)

(۷) یہودیوں کا اعتراض کہ مسلمانوں نے اُن کے قبلہ (بیت المقدس) کی جگہ کعبہ کو اپنا قبلہ کیوں بنا لیا۔
اس لئے کہ ان کا قبلہ ان کا قومی مرکز تھا۔ اور اسلام نوعِ انسان کا عالمگیر دین ہے۔ اس کے قبلہ کو
بین الاقوامی ہونا چاہیئے ۔۔۔ (۲ : ۱۴۲)

(۸) ان کا اعتراض کہ (مثلاً) قرآن میں اونٹ کیوں حلال ہے حالانکہ وہ یہودیوں کے ہاں حرام ہے۔ جواب؛
کہ اونٹ یہودیوں کے ہاں بھی حلال تھا۔ حضرت یعقوب نے کسی ذاتی تقاضے کی بنا پر اسے کھانا
چھوڑ دیا تھا ۔۔۔ (۳ : ۹۲-۹۳)۔ نیز ان کے بعض جرائم کی بنا پر بعض چیزیں ان پر حرام قرار دے دی
گئی تھیں ۔۔۔ (۴ : ۱۶۰) ۔۔۔ (۶ : ۱۴۷) ۔۔۔ (۱۶ : ۱۱۸)

(۹) ان کے راسخون فی العلم رسالتِ محمدیہ پر ایمان لائے تھے ۔۔۔ (۳ : ۱۱۲-۱۱۳) ۔۔۔ (۴ : ۱۶۲) ۔۔۔
(۲۶ : ۱۹۷) ۔۔۔ (۴۶ : ۱۰)

(۱۰) دعوتِ اسلام کی بدترین مخالفت۔ سازشیں۔ خفیہ تدبیریں۔ دنائت۔ بایں ہمہ اگر یہ لوگ (اے رسولؐ)

تیرے پاس اپنے معاملات فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو تیری مرضی ہے خواہ ان کا مقدمہ سن لے، خواہ جواب دیدے۔ جیسے حالات کا تقاضا ہو، ویسا کرو۔ لیکن جب مقدمہ سنو تو فیصلہ عدل کے ساتھ کرو

(۵ : ۴۱—۴۲)

(۱۱) مسلمانوں کو حکم کہ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ یہ تمہاری مخالفت میں ایکدوسرے کے دوست ہیں —(۵۱ : ۵)

(۱۲) یہ مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو ورغلاتے تھے —(۵۲ : ۵)

(۱۳) جنگ کی آگ بڑھکاتے رہتے تھے —(۶۴ : ۵)

(۱۴) اگر یہ ایمان لاتے تو کفار کے دوست نہ بنتے —(۸۱ : ۵)

(۱۵) مسلمانوں کے بدترین دشمن یہود تھے۔ نصاریٰ پھر بھی خوشگوار تعلقات رکھتے تھے۔ کیونکہ ان میں فقر منش لوگ زیادہ تھے جو عجز و انکسار سے رہتے تھے —(۸۲ : ۵)

تعلیم و تربیت

(۱) خدا نے ان سے کہا کہ تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کرونگا —(۴۰ : ۲)

(۲) حضرت موسیٰؑ کو کتاب دی تاکہ یہ لوگ ہدایت پائیں —(۵۳ : ۲)—(۳ : ۳)—(۲ : ۱۷)—

(۴۹ : ۲۳)—(۳۵ : ۲۵)—(۲۳ : ۳۲)—(۵۳ : ۴۰)

(۳) تاکید کہ ان احکام پر مضبوطی سے کاربند رہو —(۶۳ : ۲)

(۴) مختلف معاشرتی احکام۔ اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو۔ انہیں گھروں سے نہ نکالو —(۸۴-۸۳ : ۲)

(۵) واضح ہدایت ملنے کے بعد، خدا کی نعمتوں کو بدل دینے تھے —(۲۱۱ : ۲)

(۶) حضرت عیسیٰؑ بھی بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے —(۴۸ : ۳)—(۶ : ۶۱)

(۷) اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، ایمان بالرسل، تائید و تقویتِ رسل، انفاق فی سبیل اللہ۔ ان سب امور کا ان سے عہد لیا گیا تھا۔ اور ان پر بارہ نقیب مقرر کئے گئے تھے —(۱۲ : ۵)

(۸) یہ کہا گیا تھا کہ جو شخص کسی ایک جان کو ناحق تلف کریگا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری انسانیت کو ذبح کر دیا۔ اور جو شخص کسی ایک جان کو بچا لیگا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری نوع انسانی کو بچا لیا۔

(۵ : ۳۲)

(۹) تورات دی جس میں نور و ہدایت تھی۔ ان کے انبیاء اور احبار و ربّی اس کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ صرف خدا سے ڈرو۔ کسی اور سے نہ ڈرو۔ احکامِ خداوندی کو متاعِ دنیا کے عوض مت بیچو۔ نیز ان کے لئے قصاص کا حکم بھی تھا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ کان کے بدلے کان وغیرہ۔ (۴۵-۴۴: ۵)

(۱۰) حضرت عیسےٰ نے انہیں توحید کی تعلیم دی تھی ـــــ (۷۲ : ۵)

(۱۱) ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حق کے ساتھ معاملات کا فیصلہ کرتے اور لوگوں کو ہدایت دیتے تھے ـــ

(۱۶۸ ؛ ۱۵۹ : ۷) ـــ (۲۴ : ۳۲)

(۱۲) لیکن اس تعلیم کے بعد انہوں نے شرک اختیار کر لیا۔ عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا لیا ـــ (۳۰ : ۹)

(۱۳) ان کا ایک گروہ حضرت عیسےٰؑ پر ایمان لایا تھا۔ ایک گروہ نے انکار کیا تھا ـــ (۱۴ : ۶۱)

(۱۴) کتاب و حکومت و نبوت دی ـــ (۱۶ : ۴۵)

(۱۵) میثاقِ بنی اسرائیل یعنی انہیں آسمانی ہدایت دی گئی۔ اور ان سے عہد لیا گیا کہ وہ اسی تعلیم پر کاربند رہیں گے ـــ (۸۴-۸۳ : ۲) ـــ (۹۳ ؛ ۲) ـــ (۱۸۶ ؛ ۳) ـــ (۱۵۴ ؛ ۴) ـــ (۱۳-۱۲ : ۵)

یہودی

بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا گیا ہے۔

(۱) یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس صحیح دین نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کچھ نہیں (۲:۱۱۳)

(۲) اے رسول! یہود تجھ سے کبھی راضی نہیں ہونگے جب تک تم ان کا قبلہ اختیار نہیں کرو گے ـــ (۱۲۰ : ۲)

(۳) یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں ـــ (۱۸ : ۵)

(۴) یہودی طعن دیتے ہیں کہ تمہارے خدا کا ہاتھ تنگ ہوگیا ہے ـــ (۶۴ : ۵)

(۵) یہود، عزیرؑ کو ابن اللہ مانتے ہیں ـــ (۳۰ : ۹)۔ (عزیرؑ سے مراد مصری دیوتا OSIRIS ہے)

(۶) یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ ـــ (۵۱ : ۵)۔ یہود مخالفت میں زیادہ متشدد ہیں ـــ (۸۲ : ۵)

(۷) (حضرت) ابراہیمؑ نہ یہودی تھے، نہ نصرانی ـــ (۶۶ : ۳)

(۸) بعض آیات میں انہیں الذین ھادو بھی کہا گیا ہے۔

(i) یہ کتاب اللہ میں تحریف کر دیتے ہیں ـــ (۴۶ : ۴) ـــ (۴۱ : ۵)

ب۔ ان کے نبی تورات کی رُو سے ان کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔ (۴۴ : ۵۰)

ج۔ یہود، نصاریٰ، صابئین، کسے باشد، ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہے۔ (۶۹ : ۵)۔(۱۷ : ۲۲)

د۔ ان کے جرائم کی وجہ سے بعض جانوروں کا گوشت ان کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔ (۱۴۷ : ۶)۔(۱۱۸ : ۱۶)

ہ۔ اگر تم اپنے آپ کو خدا کا دوست سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔ (۶ : ۶۲)

(۰)

۲۲۔ بنیادی حقوقِ انسانیت

قرآن کی رو سے، ایک فرد جو ذمہ داری پورا کرتا ہے، اس سے اس کا ایک حق مسلّم ہو جاتا ہے۔ یعنی انسانی حقوق، ذمہ داریاں پوری کرنے کا فطری نتیجہ ہیں۔ لیکن بعض حقوق ایسے ہیں جنہیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں بنیادی حقوقِ انسانیت کہا جاتا ہے۔ مثلاً:۔

(۱) ہر انسان محض انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے۔ (۷۰ : ۱۷)

(۲) معاشرہ میں مدارج کے تعین کا مدار، جوہرِ ذاتی اور حسنِ سیرت و کردار ہے۔ (۱۳ : ۴۹)

(۳) کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان کو اپنا مطیع و فرمانبردار اور غلام بنالے۔ (۷۸ : ۳)

(۴) کوئی شخص کسی کی محنت کو سلب نہیں کر سکتا۔ (۳۹ : ۵۳)

(۵) ہر ایک کے ساتھ عدل ہوگا۔ (۹۰ : ۱۶)۔ عدل ہی نہیں بلکہ احسان بھی۔ (۹۰ : ۱۶)۔ یعنی جس میں اس کے کسی قصور یا کوتاہی کے بغیر کوئی کمی واقع ہو گئی ہو، اس کی کمی کا پورا کئے جانا۔ (۹۰ : ۱۶)۔ اسی لئے کہا کہ زیادہ کمانے والوں کی دولت میں ان لوگوں کا حق ہے۔ جو کسی وجہ سے محنت سے معذور ہو گئے ہوں (۲۴ : ۷۰)۔ اس طرح حقِ رزق ہر انسان کو حاصل ہو جاتا ہے۔ (۱۵۲ : ۶)

(۶) حفاظتِ جان (بجز ایسی صورت کے جس کی تصریح قرآن نے کر دی ہو) (۱۵۲ : ۶)

(۷) اسی طرح مال کی حفاظت۔ (۲۹ : ۴)۔ سکونت کی حفاظت۔ (۸۵ : ۲)

لیکن یہ تحفظات قوانین سے مشروط ہیں۔

(۸) عصمت کی حفاظت۔ (۲ : ۲۴)

(۹) حسن ذوق کا حق۔قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ـــ (۳۲ ؛ ۲۶ : ۷) ـــ (۳۱ : ۱۸) ـــ (۱۵-۱۳ : ۷۶)

(۱۰) مظلوم کو فریاد کا حق ـــ (۱۴۸ : ۴)

(۱۱) کوئی کسی دوسرے کی ذمہ داری نہیں اٹھائے گا ـــ (۱۶۵ : ۶)

ہم نے ان حقوق کو یہاں محض بطور مثال درج کر دیا ہے۔ان کی تفصیل کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھنے چاہئیں۔نیز عنوان "مستقل اقدار"

ـــ (۱) ـــ

۲۳۔ بُہتان

(نیز دیکھئے۔اِفک)

بُہتان۔ (ب۔ ہ۔ ت)۔کسی پر ایسا الزام لگا دینا کہ وہ اسے سن کر حیران و ششدر رہ جائے۔تہمت تراشی۔بہتان بافی اور جھوٹے الزام لگانے کو قرآن کریم نے بدترین جرم اور نہایت کمینہ خصلت بتایا ہے۔جو الزام لگانے والے کی پست ذہنیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔جو شخص کسی کے خلاف جھوٹا الزام لگاتا ہے وہ خود تو معتبر بن جاتا ہے اور فریق مقابل' بلا جرم وخطا' مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اپنی برأت اور مدافعت پیش کرنے لگتا ہے۔کوئی اس کے بیان کو صحیح تسلیم کرتا ہے،کوئی خواہ مخواہ شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔یہ بات معاشرہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔اور وہ ناکردہ گنہگار مفت میں بدنام ہو جاتا ہے۔کوئی آگے بڑھ کر جج کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور بلا تحقیق وکاوش فیصلہ صادر کر دیتا ہے کہ غلطی دونوں کی ہے۔پھر کچھ اور معتبر قسم کے لوگ آگے بڑھتے ہیں اور ان میں مفاہمت اور صلح کی کوشش کرتے ہیں۔یہ چونکہ بے گناہ ہوتا ہے اس لئے اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے مقام سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔اس پر اسے ضدی اور جھگڑالو قرار دے دیا جاتا ہے۔آپ نے غور کیا کہ غلط الزام کے ایک شرارے سے اس بیچارے کا امن وسکون اور عزت واحترام کس طرح راکھ بن کر رہ جاتا ہے۔یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اسے اس قدر گھناؤنا جرم قرار دیا ہے۔

ـــ (۱) ـــ

بہتان تراشی سنگین جرم ہے

(۱) جس شخص سے کوئی جرم یا خطا سرزد ہو جائے اور وہ اس کا الزام کسی اور پر دھرے تو اس سے وہ دُہرے مواخذہ کا مستحق ہو گیا۔ ایک تو اپنے جرم کی سزا کا اور دوسرے اس بہتان کی پاداش کا۔ (۱۱۲ : ۴)

(۲) جو لوگ پاک دامن عورتوں کے خلاف ناحق الزام لگائیں اور پھر اپنے قول کی شہادت میں چار گواہ نہ لا سکیں تو اس جرم کی سزا یہ ہے کہ ایسے شخص کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور اس کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ اسے معاشرہ میں ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے ــــ (۵-۴ : ۲۴)

(۳) لوگ خود اپنی بیویوں کے خلاف الزام عاید کریں۔ اور اس الزام کا گواہ کوئی نہ ہو تو وہ چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچ کہتا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو لیکن اگر دوسری طرف، عورت اسی طریق سے یہ کہہ دے کہ وہ بری الذمہ ہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا ــــ (۸ ــ ۶ : ۲۴)

(۴) یہ ناحق اذیت دہی ہے اس لئے بہت بڑا جرم ــــ (۵۸ : ۳۳)

(۵) رسول اللہ عورتوں سے اس امر کا اقرار لیتے تھے کہ وہ بہتان تراشی نہیں کرینگی ــــ (۱۲ : ۶۰)

(۶) بیوی کے خلاف بہتان لگا کر اس کے مہر میں سے کچھ لینے کی کوشش مت کرو ــــ (۲۰ : ۴)

مدینہ کا واقعۂ اِفک

مدینہ میں کچھ لوگوں نے کسی پاکدامن عورت کے خلاف جھوٹا الزام لگا دیا تھا۔ قرآنِ کریم نے اس پر جماعت مومنین کو چند ضروری ہدایات دیں۔ یعنی

(۱) جس کے خلاف الزام لگایا گیا تھا، اس کے متعلق جماعت مومنین کا پہلا ردِ عمل نیک ہونا چاہیے تھا۔ اس سے واضح ہے کہ کسی ملزم کے خلاف جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے اُسے معصوم سمجھنا چاہیئے۔ آپس میں ہمیشہ ظن نیک رکھنا چاہیئے۔ ــــ (۱۲-۱۱ : ۲۴)

(۲) الزام لگانیوالوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ چار گواہ پیش کرتے ــــ (۱۳ : ۲۴)

(۳) لوگوں کو چاہیئے کہ جب کوئی ایسی بات سنیں تو اُسے آگے نہ پھیلائیں۔ اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، یہ

کہہ دیں کہ یہ بہتان تراشی ہے ۔ ــــــ (۱۶ : ۲۴)

(۴) اس قسم کی باتوں کا چرچا کرنیوالے بھی مجرم ہیں ــــ (۱۹ : ۲۴)

عام طور پر مشہور ہے کہ یہ الزام حضرت عائشہ رضؓ کے خلاف لگایا گیا تھا۔ قرآن کریم نے یہ کہیں نہیں کہا۔ اس لئے اس کا کسی خاص عورت کی طرف منسوب کرنا خود الزام تراشی ہے اور قرآن کی رُو سے جُرم۔ باقی رہا یہ کہ ہماری کتبِ تاریخ و روایات میں ایسا لکھا ہے، تو ان کتابوں میں کیا کچھ لکھا ہوا نہیں ملتا؟ ان کتابوں کی ہر بات یقینی اور قابلِ تسلیم تھوڑی ہے۔

صحیح اقدام

(۱) جب کوئی فاسق اس قسم کی خبر تمہارے پاس لائے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ یہ حکم انفرادی باتوں کے متعلق بھی ہے اور اجتماعی امور سے متعلق بھی ــــ (۶ : ۴۹)

(۲) اہم اور اجتماعی امور میں خود تحقیق کرنے کے بجائے، معاملہ اربابِ نظم و نسق تک پہنچا دینا چاہیے تاکہ وہ تحقیق کر کے کسی نتیجے پر پہنچیں ــــ (۸۳ : ۴)

(۱) **مظلوم کا حق** خدا اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی بات کی بے جا تشہیر کی جائے۔ ہاں، اگر مظلوم دادرسی کے لئے ایسا کرے تو اس کا مضائقہ نہیں ــــ (۱۴۸ : ۴)

(۱) **یہودیوں کا جُرم** یہود نے حضرت مریمؑ کے خلاف بہت بڑا بہتان باندھا تھا۔ (۴:۱۵۶)

ــــ (۰) ــــ

۲۴۔ بَیع

(نیز دیکھئے۔ تجارت)

بَیع (ب۔ ی۔ ع) کسی چیز کو فروخت کر دینا۔ لیکن بعض اوقات یہ لفظ خرید لینے اور فروخت کرنے

دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نیز اس کے معنی باہمی معاہدہ کے بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں بیع اور تجارت الگ الگ معنوں میں آتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ بیع روزمرہ کی خرید و فروخت کو کہیں گے، اور تجارت باقاعدہ سوداگری کو۔

(۰)

بیع سے متعلق احکام

(۱) عام طور پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں (یا دانستہ ایسا کہتے ہیں) کہ بیع (خرید و فروخت) اور ربٰو (سود) ایک ہی جیسے ہیں۔ کیونکہ دونوں میں اصل زر سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ بیع اور ربٰو میں فرق ہے۔ اس لئے بیع کو خدا نے حلال قرار دیا ہے اور ربٰو کو حرام۔ (۲:۲۷۵) بیع اور ربٰو کے فرق کے لئے ربٰو کا عنوان دیکھئے۔ یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ بیع میں سرمایہ لگا کر ساتھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ بیچنے والا جو منافع لیتا ہے وہ اس کی محنت کا معاوضہ ہوتا ہے۔ نہ کہ سرمایہ کا معاوضہ۔ ربٰو میں محنت کے بغیر فقط سرمایہ کا معاوضہ لیا جاتا ہے۔ یہ حرام ہے۔

(۲) نقد تجارت کے معاملہ کو تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں — (۲ : ۲۸۲)

(۳) خرید و فروخت کے معاملہ میں گواہ رکھ لیا کرو — (۲ : ۲۸۲)

(۴) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ البتہ باہمی رضامندی سے خرید و فروخت (تجارت) میں کوئی ہرج نہیں — (۴ : ۲۹)۔ تفصیل ان امور کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔

فکرِ معاش اور بلند اقدار کا تقابل

(۱) جب نظامِ خداوندی کی طرف سے اجتماعی امور کے لئے بلایا جائے تو کاروبار چھوڑ کر فوراً اس کی طرف آجاؤ۔ جب یہاں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تلاشِ معاش کے لئے نکل جاؤ — (۶۲ : ۹-۱۰)

(۲) مومن کو خرید و فروخت یا تجارتی کاروبار، نظامِ خداوندی اور مستقل اقدار کی طرف سے غافل نہیں کر سکتے۔ (۲۴ : ۳۷)۔ کاروبار، مستقل اقدار کے حصول و تحفظ کا ذریعہ ہونا چاہیئے نہ کہ مقصود بالذات۔

(۳) ایامِ جاہلیت سے نئے نئے نکلے ہوئے اعراب کی یہ حالت تھی کہ وہ دین کے اجتماع میں بیٹھے ہیں

کہ اُدھر سے تجارت کا کوئی قافلہ آگیا۔ تو وہ فوراً اس کی طرف اُٹھ بھاگتے تھے۔ انہیں اس سے روکا گیا۔ اور کہا گیا کہ جو کچھ تمہیں یہاں سے ملیگا وہ تمہاری تجارت سے کہیں بہتر ہے ـــــ (۱۱ : ۶۲)

(۴) ان سے کہدو کہ اگر دنیا کا کوئی رشتہ یا مفاد، کاروبار جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز، نظامِ خداوندی کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہوگئی، تو تم اسلام کے راستے پر نہ رہے۔ پھر تم انتظار کرو کہ تمہاری غلط روش کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے ـــــ (۹ : ۲۴)

(۵) خدا ایک ایسی تجارت کا پتہ نشان دیتا ہے جو عذابِ الیم سے نجات دلادے یعنی نظامِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے تگ و تاز کرنا اور ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا ـــــ (۶۱ : ۱۰-۱۱)

(۶) یہی وہ تجارت ہے جو کبھی تباہ نہیں ہوتی ـــــ (۳۵ : ۲۹-۳۰)

(۷) ایک تجارت منافقین کی ہے جس میں وہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں۔ ان کی یہ تجارت انہیں کبھی نفع نہیں دے سکتی۔ ـــــ (۲ : ۱۶)

قانونِ مکافاتِ عمل

(۱) قانونِ مکافاتِ عمل میں یہ نہیں ہوسکتا کہ تم روپیہ دیکر اپنی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے بچ جاؤ۔ اس میں اس قسم کی خرید و فروخت نہیں ہوسکتی۔ ـــــ (۲ : ۲۵۴) ـــ (۱۴ : ۳۲)

بیعت

(۱) ایمان کے معنی یہ ہیں کہ مومن خدا سے ایک سودا کرتا ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ اپنا جان اور مال بیچ دیتا ہے اور خدا اسے اس کے عوض جنت عطا کر دیتا ہے ـــــ (۹ : ۱۱۱)۔ یہ سودا بڑا نفع کا ہوتا ہے اس لئے مومن اس پر بہت خوش ہوتا ہے ـــــ (۲ : ۲۰۷) ـــ (۹ : ۱۱۱)

(۲) لیکن یہ خرید و فروخت محض ذہنی اور اعتقادی نہیں ہوتی کہ اپنے جی میں ایسا خیال کر لیا اور یہ چیزیں بدستور اپنے پاس رکھ لیں۔ یہ فروخت، عملاً نظامِ خداوندی کے نمائندہ سے ہوتی ہے۔ اسی کو بیعت کہتے ہیں ـــ یعنی اپنا جان و مال، نظامِ خداوندی کے ہاتھ بیچ دینا، اس کے سپرد کر دینا۔

(۱۰ : ۴۸)

(۳) یہی وہ بیعت تھی جس کی تجدید مکہ سے باہر حدیبیہ کے مقام پر جماعتِ مومنین نے اس وقت کی تھی جب جان دینے کا وقت آگیا تھا ــــ (۱۸ : ۴۸)

(۴) یہ بیعت (اقرار نامہ) عورتوں سے بھی لی جاتی تھی ــــ (۱۲ : ۶۰)

[پیری مریدی کی بیعت کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں۔ قرآن کی رُو سے پیری مریدی کا سلسلہ ہی نہیں تو اس کی بیعت کا ذکر اس میں کیسے آجاتا۔ یہ تمام باتیں ہمارے ہاں باہر سے آگئی ہیں۔]

ــــ (۰) ــــ

۲۵۔ بیّنات (بیان۔ تبیان۔ مُبین)

(نیز دیکھئے۔ قرآن)

بیّنا (ب۔ ی۔ ن) یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں، ظاہر ہو جانا، واضح ہو جانا۔ مستور حقائق یا اشیاء کا کھل کر سامنے آجانا۔ اظہارِ خیال۔ وغیرہ (بیّنات جمع ہے بیّنہ کی)

کائنات کے حقائق جو انسانی نگاہوں سے مستور، اور مستقل اقدارِ حیات جو علمِ انسانی کی حدود سے ماوراء تھے، خدا نے انہیں وحی کے ذریعے ظاہر کیا۔ اس اعتبار سے وحیِ خداوندی کو بیّنات کہا جاتا ہے۔

وحی کو خدا کا رسول اپنے تک ہی نہیں رکھتا بلکہ اسے دوسروں پر بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے رسول کا یہ عمل یا فریضہ تبیان کہلاتا ہے۔

وحی کو دلائل و براہین کی رُو سے پیش کیا جاتا اور علم و بصیرت کی رُو سے منوایا جاتا ہے۔ اسلئے بیّنات، دلیل و برہان اور علم و بصیرت کو بھی کہتے ہیں۔ نیز، ہر اُس شے کو جو کسی حقیقتِ مستور کو سمجھنے یا پہچاننے کی نشانی (آیت) بنے۔

وحی چونکہ تمام حقائق، اصول، قوانین، اقدار وغیرہ کو ظاہر اور واضح کرتی ہے، اسی لئے وہ تبیان لکلّ شیءٍ ــــ (۸۹ : ۱۶)۔ یا مبین ــــ (۱۵ : ۵) ہوتی ہے۔ یعنی، خود بھی واضح اور ظاہر اور دوسری چیزوں کو بھی واضح اور ظاہر کرنے والی۔

خدا نے انسان کو اظہارِ خیالات کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اسے بیان کہتے ہیں ــــ (۵۵ : ۴)

ان تشریحات سے ظاہر ہے کہ وحی کوئی باطنی علم، کوئی سرّ مستور، کوئی "گپت ودّیا" کوئی سینہ بسینہ منتقل ہونے والا راز نہیں۔ وہ خدا کی طرف سے نبی کو ملتا ہے تو نبی اسے ساری دنیا کے سامنے آشکارا کر دیتا ہے۔

نیز یہ بھی کہ وحی (قرآن کریم) ایسی کتاب نہیں جو مبہم یا پیچیدہ ہو جسے سمجھنے کے لئے کسی باطنی ذریعۂ علم یا آسمان سے آنے والے مامور کی ضرورت ہو۔ وہ نہایت واضح تعلیم ہے جسے علم و بصیرت کی رُو سے سمجھا جاتا اور دلائل و براہین کی رُو سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ وہ ہر حقیقت کو واضح کرتی ہے اسلئے اپنی وضاحت کے لئے کسی خارجی ذریعہ کی محتاج نہیں۔ وہ نور یعنی روشنی ہے ــ (۵ : ۱۵)۔ روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ خود روشن ہوتی ہے اور ہر اُس شخص پر جو آنکھوں سے کام لے، دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہے۔

ــــــــــــ (۲) ــــــــــــ

ہر رسول کو بیّنات دیئے گئے تھے

(۱) تمام رسول اپنی اپنی قوم کی طرف بیّنات لے کر آتے تھے ــــ (۷ : ۱۰۱) ــ (۹ : ۷۰) ــ (۱۰ : ۱۳) ــ (۳۰ : ۴۷) ــ (۳۵ : ۲۵)

(۲) حضرت موسےٰ بیّنات لے کر فرعون کی طرف گئے ــــ (۲ : ۹۲) ــ (۷ : ۱۰۵) ــ (۱۱ : ۹۶) ــ (۱۷ : ۱۰۱) ــ (۲۸ : ۳۶) ــ (۲۹ : ۳۹) ــ (۴۰ : ۲۸)

(۳) تمام رسول، بیّنات، زُبر، کتابِ منیر لے کر آتے۔ لیکن لوگوں نے ان کی تکذیب کی ــ (۳ : ۱۸۳) ــ (۱۰ : ۷۴) ــ (۱۶ : ۴۴) ــ (۴۰ : ۲۲)

(۴) بنی اسرائیل کی طرف خدا کے رسول، بیّنات لے کر آتے تھے ــــ (۲ : ۲۱۱) ــ (۵ : ۳۲)

(۵) رسول بیّنات لے کر آتے اور لوگوں نے ان کی آواز کو دبانا چاہا ــ (۱۴ : ۹)

(۶) رسول بیّنات لے کر آتے، لیکن لوگ ایمان نہ لاتے ــــ (۳ : ۱۸۴) ــ (۱۰ : ۷۴) ــ (۱۴ : ۹) ــ (۱۶ : ۴۴) ــ (۳۰ : ۹) ــ (۴۰ : ۸۳) ــ (۵۷ : ۲۵) ــ (۶۴ : ۶)

(۷) اہلِ جہنم اعتراف کریں گے کہ رسول ان کے پاس بیّنات لے کر آئے تھے ۔۔ (۵۰ : ۴۰)

(۸) ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں وحی دی گئی تاکہ وہ لوگوں پر تعلیمِ خداوندی کو واضح کر دے۔ (۱۴ : ۴)

(۹) ساحرین نے بیّنات دیکھ لئے اور ایمان لے آئے ۔۔ (۷۲ : ۲۰)

بنی اسرائیل کی طرف واضح احکام آئے ۔۔ (۲۱۱ : ۲)

(۱۰) حضرت عیسیٰؑ بیّنات لے کر آئے تھے ۔۔ (۸۷ : ۲)۔(۲۵۳ : ۲)۔(۱۱۰ : ۵)۔(۶۳ : ۴۳)

(۱۱) حضرت نوحؑ بیّنہ پر تھے ۔۔ (۲۸ : ۱۱)

(۱۲) حضرت یوسفؑ بیّنات لے کر آئے تھے ۔۔ (۳۴ : ۴۰)

(۱۳) حضرت صالحؑ بیّنہ لیکر آئے تھے ۔۔ (۷۳ : ۷)۔(۶۳ : ۱۱)

(۱۴) حضرت شعیبؑ بیّنہ لے کر آئے تھے ۔۔ (۸۵ : ۷)۔(۸۸ : ۱۱)

(۱۵) قوم نے حضرت ہودؑ سے کہا کہ تم ہماری طرف بیّنہ لے کر نہیں آئے ۔۔ (۵۳ : ۱۱)

(۱۶) نبی اکرمؐ بیّنات لے کر آئے تھے۔ حضورؐ کو حکم دیا گیا کہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اُسے لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کیونکہ وحی کا علم صرف تیرے لئے نہیں۔ یہ تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے ہے ۔۔ (۱۵ : ۵)۔(۱۹ : ۵)۔(۱۰۵ : ۶)۔(۴۴ : ۱۶)

حضورؐ بیّنات لے کر آئے تو لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جھوٹ ہے ۔۔ (۶ : ۶۱)

حضورؐ نے کہا کہ میں بیّنات آجانے کے بعد شرک کیسے کروں ۔۔ (۶۶ : ۴۰)

حضورؐ نے کہا کہ میں خدا کی طرف سے بَیِّنَۃ پر ہوں ۔۔ (۵۷ : ۶)۔ بیّنہ لے کر آیا ہوں ۔۔ (۱۵۷ : ۶)۔(۱۷ : ۱۱)۔(۱۴ : ۴۷)

یہ کوئی محسوس نشانی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان سے کہو کہ یہ قرآن کتبِ سابقہ کی سچی تعلیم کی واضح شہادت ہے ۔۔ (۱۳۳ : ۲۰)

رسول بیّنہ لے کر آیا ہے ۔۔ (۴-۱ : ۹۸)

رسول کا فریضہ یہ ہے کہ جو کچھ اس پر نازل کیا جائے اسے اپنے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ لوگوں پر بھی ظاہر کرے۔ کیونکہ اس سے مقصد نوعِ انسان کی ہدایت ہے ۔۔ (۴۴ : ۱۶)

اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ لوگ کن امور میں اختلاف کرتے ہیں — (۱۶ : ۶۴)
یہ فریضہ اُس امت کا بھی ہے جسے کتاب دی جائے یعنی اُسے چھپا کر نہ رکھیں بلکہ لوگوں پر ظاہر کریں — (۳ : ۱۸۶)

بیّنات آجانے کے بعد اختلاف

(۱) بنی اسرائیل نے واضح تعلیم مل جانے کے بعد، باہمی ضد کی بنا پر اختلاف کیا — (۴۵ : ۱۷)
(۲) تمام قوموں نے ایسا ہی کیا — (۲ : ۲۱۳)
(۳) بیّنات آجانے کے بعد لغزش — (۲ : ۲۰۹)
(۴) مسلمانو! تم ان لوگوں جیسا نہ ہو جانا جنہوں نے بیّنات ملنے کے بعد اختلاف کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے — (۳ : ۱۰۴)
(۵) حق واضح ہو جانے کے بعد محض حسد کی بنا پر انکار و اختلاف — (۲ : ۱۰۹)
(۶) جو ہدایت واضح ہو جانے کے بعد، رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسری راہ پر چلے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا — (۴ : ۱۱۵) — (۴۷ : ۳۲)
(۷) حق کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑے نکالنا — (۸ : ۶)
(۸) جب بات واضح ہو جائے (کہ مشرکین اہل جہنم میں سے ہیں)، تو پھر ان کے لئے دعائے مغفرت نہیں مانگی جا سکتی — (۹ : ۱۱۳)

قرآن کریم کی خصوصیت

(۱) قرآن بیانٌ للناس ہے — (۳ : ۱۳۷)۔ یعنی تمام نوعِ انسان کے لئے واضح ضابطہ ہدایت۔
(۲) وحی کا نازل کرنا، جمع کرنا، حفاظت سے رکھنا اور اس کی ہر بات کی وضاحت کرنا، سب خدا نے اپنے ذمہ لیا تھا — (۷۵ : ۱۷–۱۹)۔ اسی لئے اسے آہستہ آہستہ بتدریج نازل کیا گیا تھا (۲۵ : ۳۲)
(۳) خدا نے اپنے احکام کو واضح کر دیا ہے — (۲ : ۱۰۹) — (۲ : ۱۱۸) — (۲ : ۱۵۹) — (۲ : ۱۸۷)

(۲ : ۲۱۹)—(۲ : ۲۲۱)—(۲ : ۲۳۰)—(۲ : ۲۴۲ ؛ ۲۵۶ ؛ ۲۶۶)—(۳ : ۱۰۳)--(۳ : ۱۱۷)

(۴ : ۲۶)—(۴ : ۱۱۵)—(۴ : ۱۷۶)—(۵ : ۷۵)—(۵ : ۸۹)—(۸ : ۶)—(۹ : ۱۱۵)-(۲۴ : ۱۷)

(۲۴ : ۵۸ ؛ ۵۹ ؛ ۶۱)—(۴۷ : ۲۵)—(۴۷ : ۳۲)

یہ کتاب، دین سے متعلق ہر بات کو واضح کر دیتی ہے —(۱۶ : ۸۹)

(۴) قرآن کے احکام و قوانین، واضح (آیاتِ بیّنات) ہیں —(۲ : ۹۹)—(۲ : ۲۰۹)—(۱۰ : ۱۵)—
(۱۹ : ۷۳)-(۲۲ : ۱۶)-(۲۲ : ۷۲)—(۲۴ : ۱)—(۲۹ : ۴۹)-(۳۴ : ۴۳)—(۴۵ : ۲۵)
(۵۸ : ۶)۔ بیّنات من الھدیٰ —(۲ : ۱۵۹)—(۲ : ۱۸۵)
قرآن ہے ہی بیّنات —(۳ : ۸۵)۔ یہی بیّنہ ہے —(۳ : ۸۶)—(۲۴ : ۳۴ ؛ ۴۶)—(۴۵ : ۱۷)
(۴۶ : ۷)-(۵۷ : ۹)—(۵۸ : ۵)—(۶۱ : ۶)—(۶۵ : ۱۱)—(۹۸ : ۱—۲)
بیان للناس —(۳ : ۱۳۸)۔ تبیاناً لکل شیءٍ —(۱۶ : ۸۹)۔ یہ خدا کے ذمہ تھا —(۷۵ : ۱۹)

(۵) ایسی واضح تعلیم جو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے —(۵۷ : ۹)

(۶) جو شخص خدا کی طرف سے عطا شدہ بیّنہ پر ہو، اس کے برابر وہ شخص کیسے ہو سکتا ہے جس کے پاس ایسی واضح ہدایت نہ ہو —(۱۱ : ۱۷)—(۴۷ : ۱۴)

(۷) اس کتاب سے ہدایت اور گمراہی کی راہیں واضح طور پر سامنے آگئیں۔ لہٰذا، دین میں اکراہ کا کوئی کام نہ رہا۔
(۲ : ۲۵۶)

(۸) اے رسول! ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ تو اسے اپنے تک ہی محدود رکھے۔ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے کیونکہ اس سے انہیں ہدایت دینا مقصود ہے —(۱۶ : ۴۴)۔ اس سے وہ باتیں بھی واضح ہو جائیں گی جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں —(۳ : ۱۸۷)—(۱۶ : ۶۴)—(۴۳ : ۶۳)

(۹) ہم عالمِ انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں گے تاآنکہ یہ بات ظاہر ہو جائے (حتّیٰ یتبیّن لھم) کہ قرآن واقعی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے —(۴۱ : ۵۳)

مُبِین

(۱) رسول کو مبین کہا گیا ہے۔ یعنی واضح پیغامات پہنچانے والا —(۲ : ۱۸۴)—(۴۹ : ۳۲)

(۵۰ : ۲۹)—(۲۹ : ۴۳)—(۱۳ : ۴۴)—(۹ : ۴۶)—(۵۱—۵۰ : ۵۱)—(۲۶ : ۶۷)

حضرت نوحؑ — (۲۵ : ۱۱)—(۱۱۵ : ۲۶)—(۲ : ۷۱)

رسول کے ذمے واضح طور پر پیغام پہنچا دینا ہے —(۹۲ : ۵)۔ (تفصیل بلاغ کے عنوان میں دیکھئے)۔

(۲) قرآن کریم کو نور اور کتابِ مبین کہا گیا ہے تاکہ یہ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔

(۱۶—۱۵ : ۵)—(۶۹ : ۳۶)

یہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے — (۱۰۳ : ۱۶)

یہ کتابِ مبین ہے —(۶۱ : ۱۰)—(۲ : ۱۱)—(۱ : ۱۲)—(۱ : ۱۵)—(۳۴ : ۲۴)—

(۴۶ : ۲۴)—(۲ : ۲۶)—(۱ : ۲۷)—(۲ : ۲۸)—(۲ : ۴۳)—(۲۹ : ۴۳)—(۲ : ۴۴)

قرآن نورِ مبین ہے — (۱۷۵ : ۴)

رسول لوگوں کے سامنے آیات مبینات پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے آئے — (۱۱ : ۶۵)

اس کتابِ مبین میں خشک و تر سب کچھ ہے — (۵۹ : ۶)

تبیاناً لکل شیٔ —(۸۹ : ۱۶) بیان للناس —(۱۳۸ : ۳)

قرآن کا بیان (واضح کرنا) خدا کے ذمہ تھا — (۱۹ : ۷۵)

(۳) رسول کا فریضہ البلاغ المبین ہوتا ہے۔ یعنی وحی کے پیغام کو بالکل ظاہر اور واضح طور پر پہنچا دینا —

(۹۲ : ۵)—(۳۵ : ۱۶)—(۸۲ : ۱۶)—(۵۴ : ۲۴)—(۱۸ : ۲۹)—(۱۷ : ۳۶)—

(۱۲ : ۶۴)

(۴) قرآن عربی مبین میں نازل ہوا ہے —(۱۰۳ : ۱۶)—(۱۹۵ : ۲۶)—(۲ : ۴۳)

(۵) قانونِ مکافاتِ عمل کا "ریکارڈ" امام مبین ہے —(۱۲ : ۳۶)۔ شاہراہ کو بھی امامِ مبین کہا گیا ہے —(۷۹ : ۱۵)۔ علمِ خداوندی کو کتابِ مبین کہا گیا ہے — (۷۵ : ۲۷)

(۶) وحی سلطان مبین ہے۔ حضرت موسیٰؑ اسی کے ساتھ اہلِ فرعون کی طرف گئے تھے —(۳۸ : ۵۱)

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو کتاب المستبین دی گئی — (۱۱۷ : ۳۷)

(۷) مخالفین، رسولوں سے کہتے تھے کہ ہمیں "سلطان مبین" دکھاؤ۔ اس سے ان کی مراد محسوس معجزہ

ہوتی تھی ——— (۱۰ : ۱۴)

(۷) خدا الحق المبین ہے ——— (۲۵ : ۲۴)

وحی کی راہ نمائی بھی حق المبین ہے ——— (۷۹ : ۲۷)

نوٹ :۔ قرآن کریم میں مبین کا لفظ اور بھی بہت سی چیزوں کے لئے آیا ہے۔ وہ حوالے متعلقہ عنوانات کے تحت ملیں گے۔ مثلاً سحرٌ مبین۔ افکٌ مبین۔ الفوز المبین البلاغ المبین۔ وغیرہ۔

متفرقات

(۱) کعبہ میں، جو نظامِ خداوندی کا محسوس مرکز ہے، حقائق کی واضح نشانیاں ہیں ——— (۹۶ : ۳)

(۲) قومِ لوط کی تباہی، خدا کے قانونِ مکافات کی واضح نشانی تھی ——— (۳۵ : ۲۹)

(۳) مشرکین کو خدا کی طرف سے وحی کی تعلیم نہیں ملی ——— (۴۰ : ۳۵)

(۴) کشمکشِ حق و باطل اس لئے ہے کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی علیٰ بیّنہ ہلاک ہو، اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی علیٰ بیّنہ زندہ رہے ——— (۴۲ : ۸)

(۵) تبیان کے معنی بات کا ظاہر اور واضح ہو جانا ہیں ——— (۲۵۹ : ۲) ——— (۱۱۴ : ۹)

(۶) خدا نے واضح طور پر بتا دیا کہ غلط راستوں پر چلنے والی قوموں کا حشر کیا ہوتا ہے ——— (۴۵ : ۱۴)

(۷) اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ وہ کتاب کی تعلیم کو چھپائیں نہیں بلکہ اسے ظاہر کریں۔ یہاں تبیان بمقابلہ کتمان آیا ہے ——— (۱۸۶ : ۳)

(۸) خدا حق مبین ہے ——— (۲۵ : ۲۴)

——— (۰) ———

پ

پردہ

قرآنِ کریم، حفاظتِ عصمت کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ (اس کے لئے عورت اور زنا کے عنوانات دیکھئے) لیکن وہ اس کی حفاظت کا طریقہ یہ نہیں بتاتا کہ عورتوں کو گھر کے اندر محبوس (بند) رکھا جائے اور اگر وہ کبھی باہر نکلیں تو لپٹی لپٹائی ہوئی ہوں۔ اس اندازِ معاشرت سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اس سے ایک طرف، عورت، احساسِ کمتری کا مجسمہ بن کر رہ جاتی ہے اور دوسری طرف نوعِ انسانی کی آدھی آبادی نہ صرف عضوِ معطل بن کر رہ جاتی ہے، بلکہ دوسرے نصف حصہ (مردوں) کے لئے بوجھ بن جاتی ہے۔ (جیسا کہ عورت کے عنوان میں بتایا گیا ہے) ان خصوصی طبیعی وظائفِ حیات کے علاوہ جو طبقۂ اناث سے مختص ہیں، قرآن، زندگی کے ہر شعبے میں مرد اور عورت کو دوش بدوش چلتے دیکھنا چاہتا ہے۔

بدقسمتی سے، مردوں کی طرف سے پیدا کردہ احساسِ کمتری کی وجہ سے، عورت کے دل میں یہ خیال راسخ ہو چکا ہے کہ اس کی تخلیق کا مقصد، مرد کے لئے سامانِ جاذبیت مہیا کرنا ہے۔ اس لئے اس کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح، مرد کے لئے وجہ کشش رہے۔ قرآن عورت کے دل سے

اس احساسِ کمتری کو دور کرنا چاہتا ہے اور اُسے بنانا چاہتا ہے کہ وہ مرد کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ نہیں۔ اس کی ہستی (مرد کی طرح) مقصود بالذات ہے۔ یہ وجہ ہے کہ وہ (بے جا) نمودِ حسن و زیبائش کے جذبہ کی حوصلہ شکنی کرتا اور اس سے روکتا ہے۔ پردہ سے یہی مقصود ہے۔ یعنی وہ تبرجِ جاہلیہ سے روکتا ہے۔

(۰)

حفاظتِ عصمت

(۱) حفاظتِ عصمت کا تقاضا مردوں اور عورتوں (دونوں) سے یکساں ہے ———

(۳۱—۳۰ : ۲۴) —(۳۵ : ۳۳)

(۲) زنا کی سزا مرد اور عورت کے لئے یکساں ہے —(۲ : ۲۴)

(۳) عورت کو گھر کی چار دیواری میں بند رکھنا صرف سزا کے طور پر ہو سکتا ہے —(۱۵ : ۴)

(۴) تقسیم کار کی رُو سے، مرد کا میدانِ عمل بالعموم گھر سے باہر ہوتا ہے اور عورت کا گھر کے اندر۔ اس لئے عورتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ باوقار طریقے سے گھر میں رہا کریں —(۳۳ : ۳۳)۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ گھر میں بند رہا کریں۔

پرائیویسی

(۱) تمدنی زندگی میں، پرائیویسی نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے کہا گیا ہے کہ کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے اجازت لو۔ پھر اندر جاؤ ——(۲۸-۲۷ : ۲۴)

(۲) گھر والوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو باہر سے آواز دو ——(۵۳ : ۳۳)

(۳) باہر سے کوئی مرد آواز دے تو عورت کو چاہیئے کہ باوقار طریقہ سے اس کا جواب دے۔ وہ اپنی آواز میں لوچ اور جاذبیت نہ پیدا کرے ——(۳۲ : ۳۳)

(۴) وہ گھر کے اندر اس انداز سے نہ چلے پھرے کہ اس کے زیورات کی جھنکار باہر تک سنائی دے۔

(۳۱ : ۲۴)

(۵) بچے اور ملازمین، پرائیویٹ کمروں میں، بے وقت نہ آیا جایا کریں ——(۵۸ : ۲۴)

زینت کی نمائش

(۱) زینت و زیبائش کی چیزیں ممنوع نہیں۔ لیکن ان کی نمود و نمائش غیروں کے سامنے نہیں کرنی چاہیئے۔

(۲۴ : ۳۱)

گھر سے باہر

(۱) مرد اور عورتیں، باہر چلیں پھریں تو اپنی نگاہوں کو نیچی رکھا کریں (انہیں بے باک نہ ہونے دیں۔) اوباشوں کی طرح ایک دوسرے کو تکتے اور گھورتے نہ پھریں۔۔۔ (۳۱-۳۰ : ۲۴)

(۲) عورتیں اپنی زیبائش کی چیزوں کی نمود نہ کریں۔ ہاں جو چیزیں چلتے پھرتے وقت خود بخود سامنے آجائیں اس کا مضائقہ نہیں۔۔۔۔ (۲۴ : ۳۱)

(۳) اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی چادریں اس طرح اوڑھیں کہ سر اور سینہ ڈھکا رہے ۔۔۔ (۲۴ : ۳۱) یا اوپر سے جلباب پہن لیں ۔۔۔ (۳۳ : ۵۹)۔ جلباب اس قسم کا (OVER - ALL) سمجھیئے جس طرح آج کل ڈاکٹر یا نرسیں اپنے کپڑوں کے اوپر بڑا سا کوٹ پہن لیتی ہیں۔ واضح رہے کہ چادر یا جلباب سے مراد یہ نہیں کہ ہر زمانے میں چادریں یا جلباب ایک خاص وضع کے ہونے چاہئیں۔ لباس کی تراش خراش اور وضع قطع بدلتی رہتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ یہ چیزیں اس مقصد کو پورا کریں جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ جلباب کا ایک فائدہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے فتنہ پردازوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہمیں معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ کوئی آوارہ عورت ہے یا شریف زادی ۔۔۔ (۳۳ : ۵۹)

(۴) اصل مقصد یہ ہے کہ عورت، عہد جاہلیت کی طرح، اپنے حسن کی نمود اور زینت کی نمائش نہ کرتی پھرے تمام انسانوں کی طرح رہے ۔۔۔ (۳۳ : ۳۳)

(۵) شادی کے لئے پسندیدگی ضروری ہے ۔۔۔ (۴ : ۳)۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ ہی نہ سکیں تو (سیرت کی رو سے پسندیدگی تو ایک طرف) شکل و صورت کے اعتبار سے بھی پسندیدگی کا امکان نہیں ہوسکتا۔ خود نبی اکرمؐ سے بھی کہا گیا ہے کہ اب آپؐ کسی اور عورت

سے شادی نہیں کر سکتے خواہ اس کا حسن تمہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے۔ (۳۳ : ۵۲) کسی عورت کا (حسن کے اعتبار سے) اچھا یا بُرا لگنا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس عورت کو دیکھا جائے۔

(۲) جو لوگ شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ کریں، ان کے خلاف معاشرہ کو سخت ترین اقدامات کرنے چاہئیں۔ تاکہ خواتین کے باہر نکلنے کی آزادی میں خلل واقع نہ ہو — (۳۳ : ۶۰)

——— (۰) ———

ت

۱۔ تاویل (مآل)

(نیز دیکھئے "خواب")

تاویل (ا۔ و۔ ل) کسی بات کو اس کے صحیح رُخ کی طرف پھیرنا۔ بات کا مآل اور انجام معلوم کر لینا۔ اس کی حقیقت تک پہنچ جانا۔ ہمارے ہاں "تاویل" کا لفظ کچھ اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس کا بالعموم مفہوم لیا جاتا ہے، قرآن کی آیت کا مفہوم اپنے مطلب کے مطابق متعین کرنا یعنی اس آیت کا حقیقی مفہوم تو کچھ اور ہو لیکن اسے کھینچ تان کر، ایسا مفہوم بیان کرنا جو اپنے مطلب اور مقصد کے مطابق ہو۔ ایسا کرنا کھلی ہوئی تحریف ہے لیکن اس مادہ کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان چند اشارات سے بات کی تہ تک پہنچ جائے۔ اس کے لئے گہری فراست کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواب کی تعبیر کے لئے بھی یہ لفظ اسی لئے استعمال ہوتا ہے کہ اس سے انسان ..... مبہم اشارات سے، اس کے مآل اور انجام یا حقیقت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ (تفصیل اس کی خواب کے عنوان میں ملے گی)

(۱) **مآل۔ حقیقت** قرآن کریم کا ایک حصہ تو وہ ہے جس کا تعلق احکام، قوانین اور مستقل اقدار سے

ہے۔ انہیں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر لفظ اپنے متعین معانی سامنے لے آتا ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ان حقائق پر مشتمل ہے جو مادی کائنات سے ماوراء ہیں (مثلاً ذاتِ خداوندی یا حیاتِ اُخروی وغیرہ)۔ ان حقائق کو تشبیہات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ حق کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں وہ محض فتنہ پیدا کرنے کے لئے ان حقائق کی کنہ وحقیقت اپنے قیاسات کی رُو سے متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ روش ٹھیک نہیں۔ ان میں سے بعض امور تو ایسے ہیں جن کی کنہ وحقیقت ذہنِ انسانی میں آ ہی نہیں سکتی۔ اسے صرف خدا جانتا ہے۔ اور بعض حقائق ایسے ہیں جن کے متعلق انسان، علم کی پختگی اور بصیرت کی وسعت سے صحیح تصور تک پہنچ سکتا ہے۔ ایسی کوشش کرنا مومنین کا شیوہ ہے۔ انہیں ان حقائق کے صحیح ہونے پر پورا پورا ایمان ہوتا ہے۔ اور وہ علم وبصیرت کی رو سے انہیں (علیٰ حدِ بشریت) سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ــــ

(۶ : ۳)

(۲) قرآن سمجھنے کے تین طریقے۔ (i) انسان کی علمی سطح اتنی بلند ہو کہ وہ اس کے حقائق کا احاطہ کر سکے (ii) تاریخی شواہد سے اس کے دعاوی کی صحت کا یقین کرلے۔ اور (iii) قرآنی نظام کے آخری نتائج (تاویل) سے اس کے دعاوی کے سچے ہونے کا ثبوت سامنے آجائے ــــ (۱۰ : ۳۹)

دوسری جگہ کفار کی غلط روش کے مآل کو بھی تاویل کہہ کر پکارا گیا ہے ــــ (۷ : ۵۳)

(۳) مومنین سے کہا گیا کہ تم خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اولی الامر کی اطاعت۔ یہ روش بہت بہتر اور مآل ونتائج (تاویل) کے لحاظ سے احسن ہے ــــ (۴ : ۵۹)۔ یہی الفاظ ماپ تول کے پیمانوں کو صحیح رکھنے کے سلسلہ میں آئے ہیں ــــ (۱۷ : ۳۵)

(۴) حضرت موسٰےؑ جس مردِ بزرگ سے ملے تھے' انہوں نے ان واقعات کی تاویل حضرت موسٰےؑ کو بتائی یہاں تاویل کے معنی اصلی مفہوم یا حقیقت کے ہیں ــــ (۱۸ : ۷۸ ; ۸۲)

(۵) حضرت یوسفؑ کو تاویل الاحادیث کا علم دیا گیا تھا۔ یعنی ایسی فراست جس سے انسان مختصر سے اشارات سے معاملہ کی اصل وحقیقت یا مآل وانجام تک پہنچ جاتے ــــ (۱۲ : ۶)

اس مقصد کے لئے انہیں کنعان کی بدوی زندگی سے مصر کی تمدنی زندگی میں پہنچا دیا گیا ــــ

(۱۲ : ۲۱)

اور اس پر حضرت یوسفؑ نے شکرانہ خداوندی ادا کیا ـــ (۱۰۱ : ۱۲) ۔ اور کہا کہ یہ میرے خواب کی تاویل ہے ـــ (۱۰۰ : ۱۲)

(۶) حضرت یوسفؑ سے قیدی نے کہا کہ مجھے میرے خواب کی تاویل (تعبیر) بتا دیں ـــ (۳۶ : ۱۲) حضرت یوسفؑ نے جو تعبیر بتائی اسے اپنا ظن کہا ـــ (۴۲ : ۱۲) ۔ فرعون کے درباریوں نے بھی تعبیرِ خواب کے لئے تاویل کا لفظ استعمال کیا ـــ (۴۴ : ۱۲) لیکن فرعون نے لفظ تعبیر ہی استعمال کیا ـــ (۴۳ : ۱۲)

۲۔ تبلیغ

(نیز دیکھئے۔ دعوت۔ انذار۔ ذکر)

تبلیغ۔ (ب۔ ل۔ غ) کسی چیز کی آخری حد تک پہنچ جانا۔ کسی شے کا اتنا کافی ہونا کہ انسان اس کے ذریعے اپنے مقصد کی انتہا تک پہنچ جائے اور اسے کسی اور ذریعے یا سامان کی ضرورت نہ رہے۔

کسی بات کو دوسرے تک پہنچا دینا۔ نیز خود پیغام کو بھی کہتے ہیں۔

تبلیغ کا لفظ قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی بات کے سمجھنے کے لئے جس قدر کمی کسی میں ہو، اس کی اس کمی کو پورا کر دینا تا کہ وہ اپنے مقصد تک پہنچ جائے۔

ـــ (۰) ـــ

رسول کے ذمّے بلاغ ہے

(۱) اے رسول! اگر یہ لوگ اس قدر سمجھانے کے باوجود حق سے روگردانی کرتے ہیں، تو تمہارے ذمے تو بات کا ان تک پہنچا دینا ہے۔ انہیں راستے پر لے آنا تمہاری ذمہ داری نہیں ـــ (۱۹ : ۳)

(۲) حق و باطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ کب سامنے آئے گا، اس کا فیصلہ خدا کے قانونِ مکافات اور مہلت کے مطابق ہوگا۔ اے رسول! تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچا دینا ہے۔ تم اپنا فریضہ

ادا کئے جاؤ۔ تمہارا منصب یہی ہے ـــــ (۱۳ : ۴۰)

(۳) رسول کے ذمے بلاغ ہے۔ یعنی واضح طور پر ..... پیغام کا پہنچا دینا ـــ (۵ : ۶۷)ـــ(۵ : ۹۲)ـــ(۵ : ۹۹)ـــ(۱۶ : ۳۵)ـــ(۱۶ : ۸۲)ـــ(۲۴ : ۵۴)ـــ(۲۹ : ۱۸)ـــ(۳۳ : ۳۹)ـــ(۳۶ : ۱۷)ـــ(۴۲ : ۴۸)ـــ(۶۴ : ۱۲)

(۴) ان سے کہہ دو کہ میرے ذمے خدا کے احکام اور پیغامات کا تم تک پہنچا دینا ہے ـــ (۷۲ : ۲۳)

(۵) خدا اس کا اہتمام کرتا تھا کہ رسول اپنا پیغام بحفاظت لوگوں تک پہنچا دیں ـــ (۷۲ : ۲۸)

(۶) حضرت ہودؑ نے کہا کہ میں نے تم تک خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے ـــ (۷ : ۶۸)ـــ(۱۱ : ۵۷)ـــ(۴۶ : ۲۳)

(۷) یہی حضرت صالحؑ نے کہا ـــ (۷ : ۷۹)۔ نیز حضرت شعیبؑ نے ـــ (۷ : ۹۳)

(۸) حضورؐ کو حکم کہ جو کچھ تم پر نازل کیا جاتا ہے اسے لوگوں تک پہنچاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم فریضۂ رسالت کی سرانجامدہی سے قاصر رہ جاؤ گے ـــ (۵ : ۶۷)

(۹) آپؐ نے اپنے مخاطبین سے کہا کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور جن تک یہ قرآن پہنچے انہیں ان کے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کروں ـــ (۶ : ۱۹)

(۱۰) حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے تم تک خدا کا پیغام پہنچا دیا ـــ (۷ : ۶۲)

(۱۱) رسول اللہ سے کہا گیا کہ منافقین سے اعراض برتو لیکن ان تک پیغامِ خداوندی نہایت مؤثر طریق سے پہنچاتے جاؤ ـــ (۴ : ۶۳) ـــ (۶ : ۷۰) تاکہ کوئی شخص اس لئے ہلاک نہ ہو جائے کہ اس تک پیغامِ خداوندی پہنچا نہ تھا۔

قرآن، بلاغ ہے

(۱) قانونِ مکافات کے مختلف گوشے بیان کرنے کے بعد کہا ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ـــ (۱۴ : ۵۲)۔ یہ لوگوں کے لئے ایسا پیغام ہے جس کے ذریعے وہ چاہیں تو انسانیت کی صحیح منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ نیز ـــ (۴۶ : ۳۵)

(۲) ہم نے زبور میں یہ اصول بیان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث ہمارے وہ بندے ہوں گے جو اس کی صلاحیت رکھیں گے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو ہمارے قوانین کی اطاعت کرنا چاہیں بلاغ

(عظیم اصول) یا مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ) ہے — (۱۰۶–۱۰۵ : ۲۱)

(۳) حجۃ اللہ البالغہ خدا کے ذمہ ہے — (۱۴۹ : ۶) - اور حکمۃ بالغہ — (۵ : ۵۴)

بلاغ بمعنی پیغام

(۱) پیغامِ خداوندی کہ ہلاکت صرف فاسق قوم کی ہوتی ہے — (۳۵ : ۴۶)

(۲) اللہ اور رسول کی طرف سے بلاغ — (۲۳ : ۷۲)

تبلیغ

(۱) منافقین سے اعراض برتو لیکن ان تک پیغامِ خداوندی پہنچاتے رہو — (۶۳ : ۴) - تاکہ کوئی نفس اس کی وجہ سے (کہ ان تک بات نہیں پہنچی) تباہ نہ ہو جائے — (۷۰ : ۶)

(۲) پہلے اپنے اہلِ خاندان تک پیغام پہنچاؤ — (۲۱۴ : ۲۶) - پھر مکہ اور اس کے مضافات کے لوگوں تک — (۹۳ : ۶) — (۷ : ۴۲) - پھر جملہ اہلِ عرب تک — (۱۵۸–۱۵۶ : ۶) — (۴۶ : ۲۸) — (۳ : ۳۲) — (۲۶ : ۳۶) - پھر عالمگیر انسانیت تک — (۳ : ۶۲)

(۳) دعوتِ خداوندی کو حکمت اور موعظت کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتے جاؤ — (۱۲۵ : ۱۶) - دعوت، علیٰ وجہ البصیرت ہونی چاہیئے — (۱۰۸ : ۱۲) — (۴۶ : ۲۹) - اور بلا خوف و خطر — (۳۹ : ۳۳)

(۴) پہلے، سرکشوں کے ساتھ بھی نرمی سے بات کرنی چاہیئے۔ شاید اس طرح وہ بات پر غور کرنے لگ جائیں — (۴۴ : ۲۰)

(۵) تبلیغ کے لئے سینے کی کشاد، زبان کی طلاقت اور ایسا اسلوبِ بیان کہ جس سے بات دوسروں کی سمجھ میں بات آجائے، ضروری ہے — (۲۸–۲۵ : ۲۰)

(۶) ان سے جھگڑو نہیں۔ اپنی دعوت کو عام کرتے جاؤ — (۶۷ : ۲۲) — (۸۷ : ۲۸) — (۱۵ : ۴۲)

(۷) پہلے مشترک اقدار کی دعوت دو — (۶۳ : ۳) — (۴۶ : ۲۹)

(۸) حضورؐ داعی الی اللہ تھے — (۴۶ : ۳۳)

(۹) مُردوں اور اندھوں تک، (جو سُننا، سمجھنا اور دیکھنا ہی نہ چاہیں) پیغام پہنچانے سے کیا حاصل ـــ (۲۳-۱۹: ۳۵)
یہ زندہ انسانوں کے لئے ہے ـــ (۷۰ : ۳۶)

(۱۰) جو خدا کی طرف دعوت دے، خود قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا ہوا ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں، اس سے بہتر بات کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے ـــ (۳۳ : ۴۱)

(۱۱) حضورؐ لوگوں کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے ـــ (۸ : ۵۷)

(۱۲) مسلمانوں کو یہ روشنی دی گئی ہے (یعنی قرآن) جسے کر انہیں لوگوں میں چلنا ہوگا ـــ (۲۸ : ۵۷)

(۱۳) تبلیغ پرائیویٹ طور پر اور پبلک طریق پر، سرًا اور علانیہ، ہر مناسب طریق سے کرنی چاہیئے ـــ (۹-۸ : ۷۱)

(۱۴) تبلیغ میں غربت اور امارت کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ کون زیادہ شوق سے اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف زیادہ رجوع کرنا چاہیئے خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو ـــ (۸-۱ : ۸۰)

(۱۵) دشمن کا کوئی آدمی پناہ لینے کے لئے آئے تو اسے کلام اللہ سناؤ۔ پھر اگر وہ جانا چاہے تو اسے اس کے مامن تک بحفاظت پہنچا دو ـــ (۶ : ۹)

ـــ (۰) ـــ

۳۔ تبوک (جنگ)

جنگِ تبوک تبوک کا لفظ تو قرآن کریم میں نہیں آیا لیکن سورۃ توبہ میں، ایک جنگ کے متعلق بڑی شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تفاصیل، جنگِ تبوک سے متعلق ہیں۔ یہ جنگ، ۹ھ میں رومیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ یہ جنگ بڑی سخت تھی اور حالات بڑے نامساعد۔ سخت گرمی کا موسم، مسافت بہت لمبی۔ فصل کے پکنے کا موسم۔ رومیوں کی فوجی طاقت اور تنظیم کی دھاک۔ اس کے باوجود، مجاہدین کا قریب تیس ہزار کا لشکر اس مہم کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن دوسری طرف، ایسے منافقین بھی تھے جو طرح طرح کی بہانہ سازیوں سے پیچھے رہ جانے اور جنگ میں شریک نہ ہونے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ سورۃ توبہ کی آیات (۳۸ : ۹) سے آگے اسی سلسلہ کا بیان ہے۔

(۱) مسلمانوں کو جہاد کی تلقین ـــ (۴۱-۳۸ : ۹)

(۲) منافقین کی عذر تراشیاں — (۵۷—۴۲ : ۹) — (۷۰—۶۱ : ۹)

(۳) منافقین کی الزام تراشیاں ۔ حتےٰ کہ رسول اللہ کے خلاف صدقات کی تقسیم کے سلسلہ میں بھی طعن آمیز باتیں کی گئیں — (۵۸ : ۹)

(۴) منافقین کے خلاف جنگ کا حکم — (۷۳ : ۹)

(۵) منافقین کی مزید حرکات وخصائص کا بیان — (۸۳—۷۴ : ۹) — (۱۰۶—۸۵ : ۹)

(۶) منافقین سے معاشرتی تعلقات منقطع کرنے کا حکم — (۸۴ : ۹)

(۷) مسجد ضرار کا بیان — (۱۱۰-۱۰۷ : ۹)

(۸) مومنین کے لئے سخت آزمائش کا وقت — (۱۱۷ : ۹)

(۹) وہ تین مومن جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے — (۱۱۸ : ۹)

(۱۰) اس جہاد میں شرکت کا اجرِ عظیم — (۱۲۰ : ۹)

(۰)

۴۔ تجارت

(نیز دیکھو۔ بیع ۔ شریٰ)

تجارت بیع کا عنوان پہلے گذر چکا ہے۔ اگرچہ اس کے معنی "بیچنے" کے ہیں لیکن وہ بھی کبھی تجارت کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے ۔ لیکن تجارت، درحقیقت بیع وشریٰ (خرید وفروخت) کے معاملہ کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کو بعض اوقات، خریدنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ بیع (بیچنے) کے لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اسے عام کاروبار کا معاملہ سمجھنا چاہیئے۔ تجارت میں نفع کس قدر لینا چاہیئے، اس کے متعلق بیع کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے کہ یہ صرف محنت کا معاوضہ ہونا چاہیئے۔ سرمایہ کا نہیں۔ سرمایہ پر نفع ربٰو ہوتا ہے۔

(۰)

(۱) عام تجارت قرض کے معاملات کو لکھ لینا چاہیئے۔ لیکن اگر روزمرہ کی دست بدست تجارت کا معاملہ

ہو تو اسے نہ لکھنے میں بھی ہرج نہیں ——— (۲ : ۲۸۲)

(۲) ابتدائے اسلام میں لوگوں کی حالت یہ بھی کہ مجمع میں بیٹھے ہیں۔ حضورؐ کچھ ارشاد فرما رہے ہیں۔ لیکن باہر کوئی تجارتی قافلہ آیا۔ یا یونہی کوئی کھیل تماشے کی بات۔ تو یہ اُٹھ بھاگے ——— (۶۲ : ۱۱)۔ عام طور پر اسے نماز جمعہ سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ واقعات عام اجتماعی معاملات میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ جو کچھ انہیں منجانب اللہ دیا جاتا ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے کہیں بہتر ہے ——— (۶۲ : ۱۱)

اچھی تجارت

(۱) مومن کی تجارت اور کاروبار، اسے قانونِ خداوندی کی نگہداشت سے غافل نہیں ہونے دیتے۔ وہ کاروبار میں، قوانینِ خداوندی کی عاید کردہ قیود و حدود کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ ——— (۲۴ : ۳۷)

(۲) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ تجارت میں بھی یہ روش اختیار نہ کرو کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ۔ اس میں باہمی رضامندی سے معاملہ کرو۔ رضامندی کے معنی ہیں کہ دوسرے کی کسی مجبوری یا ضرورت مندی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ ——— (۴ : ۲۹)

(۳) انفاق فی سبیل اللہ ایسی تجارت ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوتا ——— (۳۵ : ۲۹)

(۴) آؤ! تمہیں ایسی تجارت کا پتہ نشان بتایا جائے جو تمہیں تباہی سے بچالے۔ اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد ——— (۶۱ : ۱۰)

بُری تجارت

(۱) منافقین، ہدایت بیچ کر گمراہی خریدتے ہیں۔ ان کی یہ تجارت کبھی نفع بخش نہیں ہو سکتی ——— (۲ : ۱۶)

ایک سخت تنبیہ

(۱) اے رسول! مومنین سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بچے، عزیز و اقارب، مال و دولت، کاروبار، جس کے مندا پڑ جانے سے تم اس قدر خائف ہوتے ہو، تمہارے مکانات، غرضیکہ دنیا کی کوئی شے بھی، نظامِ خداوندی سے زیادہ عزیز ہو گئی، تو تم مٹ جاؤ گے ——— (۹ : ۲۴)

——— (۰) ———

۵۔ تجرباتی دلیل

قرآنِ کریم، زندگی کے صحیح نظریات ہی نہیں دیتا، ایک عملی نظام پیش کرتا ہے۔ اس نظام کی صداقت کے ثبوت میں وہ یہ کہتا ہے کہ تمہارے زمانے میں علمِ انسانی جس سطح تک پہنچ چکا ہے، اس کی رُو سے جانچ کر دیکھو کہ یہ کیسا نظر آتا ہے۔ یا یہ دیکھو کہ سابقہ اقوام میں جس جس نے اس کے خلاف نظام قائم کیا ان کا انجام کیا ہوا۔ اور تیسرا ثبوت یہ پیش کرتا ہے کہ تم اس نظام کو عملاً متشکل کر کے دیکھو۔ اس کے نتائج تمہیں خود بتا دینگے کہ اس کے دعاوی سچے ہیں یا جھوٹے۔ اس طریق کو تجرباتی دلیل یا (PRAGMATIC TEST) کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طریق سب سے زیادہ مؤثر اور قابلِ اعتماد ہوتا ہے کیونکہ اس میں نظری دعاوی کا ثبوت محسوس نتائج سے سامنے آتا ہے۔ اگر کوئی طبیب یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ اس کی دوائی سے بخار فوراً اتر جاتا ہے تو اس کے پرکھنے کا ناقابلِ تردید طریق یہ ہے کہ دوائی استعمال کر کے دیکھ لی جائے۔ یہ وہ طریقِ شہادت وثبوت تھا جسے حضرات انبیاء کرام اپنے دعوےٰ کے لئے پیش کرتے تھے۔ نبی اکرمؐ نے جس انداز سے اس نظام کو متشکل کیا، اس کے درخشندہ نتائج، اب تک اُس نظام کی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں جس کا اعتراف اپنے اور بیگانے سب کرتے ہیں۔

(۰)

تجرباتی دلیل

(۱) ان سے کہو کہ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرو۔ مجھے میرے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو۔ بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ انجام کس کا اچھا ہے۔ اور یہ انجام اِسی دنیا میں سامنے آ جلئے گا۔ جس سے یہ حقیقت محسوس طور پر بے نقاب ہو جائے گی کہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ظالم کبھی پنپ نہیں سکتا ——— (۶: ۱۳۶)

(۲) حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا۔ اور وضاحت کی تھی کہ اس کا نتیجہ یہ بتا دیگا کہ کس کے حصے میں دنیا کی ذلت اور رسوائی آتی ہے ——— (۱۱: ۹۳)

(۳) رسول اللہ سے کہا گیا کہ ان مخالفین سے کہہ دو کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرو، مجھے اپنے پروگرام

کے مطابق کام کرنے دو۔ اس کے بعد تم بھی نتائج کا انتظار کرو۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں۔ نتیجہ خود بخود بتا دیگا کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے ـــ (۱۲۲ـ۱۲۱ : ۱۱)۔ اور کس پر ذلت آمیز تباہی آتی ہے ـــ (۳۹ : ۳۹)۔

(۴) جو لوگ کسی غلط کام سے تائب ہوتے تھے ان سے کہا جاتا تھا کہ اس وقت تو ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ تمہارا عمل بھی اس کی شہادت دیتا ہے یا نہیں ـــ (۱۰۵ : ۹)

(۵) مخالفین کہتے تھے کہ رسولؐ اللہ کو جنون ہو گیا ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تھوڑا سا توقف کرو۔ تم بھی دیکھ لوگے اور ہم بھی کہ پاگل اور دیوانہ کون ہے ـــ (۶ـ۵ : ۶۸)

(۶) ان مخالفت کرنے والوں کو ہمارے قانونِ مکافات کے حوالے کر دو۔ ہم انہیں بتدریج ایسی تباہی کی طرف لئے جارہے ہیں جو ان کے عقل و شعور میں بھی نہیں آسکتی۔ تھوڑی سی مہلت کے بعد وہ تباہی ان کے سامنے محسوس شکل میں آجائے گی ـــ (۴۵ـ۴۴ : ۶۸) ـــ (۱۱ : ۷۳) ـــ (۱۱ : ۷۴)

(۷) یہ بھی ایک تدبیر کر رہے ہیں اور ہم بھی ایک تدبیر کر رہے ہیں۔ انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔ یہ خود دیکھ لیں گے کہ کس کی تدبیر کیسی تھی ـــ (۱۶ـ۱۵ : ۸۶)۔ یہ بھی اپنے حمایتیوں کو ساتھ بلا لیں ہم بھی اپنے اہلِ لشکر کو بلا لیں گے۔ نتیجہ سامنے آجائے گا ـــ (۱۸ـ۱۵ : ۹۶)

ـــــــ (٥) ـــــــ

۶۔ تحریف

(نیز دیکھئے کتبِ سابقہ)

تحریف (ح۔ ر۔ ف)۔ تغیر و تبدل کر دینا ـ خواہ لفظی ہو یا معنوی کسی چیز کو اس کے صحیح رُخ سے پھیر دینا۔ اَلْمُحَرَّفُ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مال جاتا رہا ہو۔ اس لئے تحریف کے بنیادی معنی اس قسم کا تغیر و تبدل یا توجیہہ و تاویل کرنا ہے جس سے اس کی اصل باقی نہ رہے۔

قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے ہر قوم کی طرف اپنے رسول بھیجے۔ اور انہوں نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ یہ ان کی طرف بھیجی ہوئی کتاب تھی۔ لیکن ان کے متبعین نے ان کی کتابوں میں ردّ و بدل کر دیا۔ بعض اوقات اس کے الفاظ بدل دیئے۔ اس میں اپنی طرف سے حک و اضافہ کر دیا۔ کبھی اس کا مفہوم بدل کر کچھ سے کچھ

کر دیا۔ الفاظ بدل دینے یا اس میں اپنی طرف سے حک و اضافہ کر دینے سے وہ کتاب اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہتی تھی۔ نبی اکرمؐ کے وقت، تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی یہی حالت ہو چکی تھی۔ خدا نے انبیاء سابقہ کا دیا ہوا اصلی پیغام بھی قرآن میں دے دیا اور اس کے علاوہ، انسانوں کو مستقل طور پر جس مزید تعلیم کی ضرورت تھی وہ بھی اس میں شامل کر دی۔ اور اس کے بعد اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود (خدا نے) لے لیا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ایک حرف کا رد و بدل یا حک و اضافہ نہ آج تک ہوا ہے، نہ کبھی ہوگا۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن، ساری دنیا کے لئے آسمانی کتاب ہے۔ اور جو قومیں اس کی مدعی ہیں کہ انہیں آسمانی کتاب ملی تھی، انہیں بھی کہا گیا ہے کہ وہ اب قرآن ہی کو اپنے لئے ضابطۂ ہدایت سمجھیں۔

خدا کی کتاب میں اپنی طرف سے رد و بدل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رد و بدل کرنے والا، خدا کا مقام لے لیتا ہے۔ چونکہ ایسا کچھ ہمیشہ مذہبی پیشوا کرتے ہیں، اس لئے قرآن نے، یہود و نصاریٰ کے متعلق کہا کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کو خدا کا ہمسر اور شریک بنا لیا تھا۔ وہ (احبار و رہبان) تو خدا کے شریک بنے ہی تھے، ان کے متبعین کے متعلق جو کہا کہ انہوں نے انہیں خدا کا شریک تسلیم کر لیا تو یہ اس طرح کہ انہوں نے ان احبار و رہبان کو دین میں سند و حجت قرار دے لیا اور ان کی بات، خدا کی بات سمجھ لی گئی۔ لہٰذا دین میں کسی غیر اللہ کی بات کو خدا کی سند قرار دینا بھی دین میں تحریف اور شرک ہے۔

———— (۰) ————

یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں تحریف

(۱) یہود و نصاریٰ کی کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ وہ جانتے بوجھتے، سوچتے سمجھتے، خدا کے کلام میں تحریف کرتے تھے ——— (۲ : ۷۵)

(۲) یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے احکام لکھتے ہیں اور ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ یہ محض ذاتی مفاد کی خاطر ایسا کرتے ہیں ——— (۲ : ۷۹)

(۳) اہلِ کتاب حق اور باطل کو آپس میں ملا کر گڈمڈ کر دیتے تھے اور حق کو چھپا بھی دیتے تھے۔ یعنی خدا کے کلام میں اپنی باتیں شامل کر دیں (یہ تلبیسِ حق و باطل ہے) یا سرے سے خدا کے کلام کو غائب ہی کر دیا ——— (۳ : ۷۰)

(۴) اہل کتاب کا ایک گروہ (ان کے مذہبی پیشوا) خدا کی کتاب میں اس طرح آمیزش کرتے تھے کہ اسے کچھ کا کچھ بنا دیتے تھے اور اپنی طرف سے آمیزش کے متعلق کہتے تھے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور یہ کچھ جانتے بوجھتے کرتے تھے ___ (۳ : ۷۷)

(۵) خدا کی کتاب کو لوگوں کے سامنے کھلے بندوں پیش کرنے کے بجائے اسے چھپا لیتے تھے۔ اور یوں اُسے پس پشت ڈال کر، لوگوں کے حسبِ منشاء اپنی طرف سے باتیں وضع کر دیتے تھے اور اس طرح اپنے مفاد حاصل کرتے رہتے تھے ___ (۳ : ۱۸۶)

(۶) یہودی، کلام کو اس کے مقام سے ہٹانے کے عادی ہو چکے تھے۔ اور ان کی یہ عادت اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ وہ عام گفتگو میں بھی الفاظ میں ایر پھیر کرتے رہتے تھے ___ (۴ : ۴۶)

(۷) یہودیوں نے خدا کی کلام کے الفاظ میں ایر پھیر کر دیا تھا۔ انہیں ان کے مقام سے بدل دیا تھا ___ (۵ : ۱۳) اور اپنی کتاب کے اکثر حصوں کو چھپا دیا تھا ___ (۵ : ۱۵)

(۸) یہودیوں میں، الفاظ کے ایر پھیر کرنے کی عادت راسخ ہو چکی تھی ___ (۵ : ۴۱)

(۹) یہودیوں نے کتابِ موسیٰ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ کچھ حصے کو ظاہر کرتے تھے، کچھ کو چھپاتے تھے ___ (۶ : ۹۲)

(۱۰) کتابِ موسیٰ میں اختلاف پیدا کر دیا گیا تھا ___ (۴۱ : ۴۵)

(۱۱) ہر رسول کے ساتھ یہ ہوتا رہا کہ اس کے بعد، اس کی کتاب میں مفاد پرست لوگ (شیاطین) اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے تھے۔ اس کے بعد، خدا ایک اور رسول بھیج کر، اس آمیزش کو الگ کر دیتا تھا۔ یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ آخر میں قرآن نے آکر، خدا کے دین کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر دیا ___ (۲۲ : ۵۲)

(۱۲) یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو خدا بنا رکھا تھا ___ (۹ : ۳۱)

(-)

تحقیق

(نیز دیکھئے ظن۔ علم و عقل)

تحقیق۔ کسی بات کی حقیقت تک پہنچنا۔ اصل بات معلوم کرنا۔

بادنیٰ تعمق یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ معاشرہ کی بیشتر خرابیوں کا باعث یہ بنیادی نقص ہے کہ لوگ بے بنیاد افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ (تفصیل اس کی افواہوں کے عنوان میں گزر چکی ہے) اگر یہ افواہیں کسی فرد کیخلاف ہیں تو ان سے اُسے جو نقصان پہنچ سکتا ہے وہ واضح ہے۔ اور اگر یہ اجتماعی معاشرہ کے متعلق ہیں، تو ان کے تباہ کن نتائج بڑے دوررس ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس خرابی کے رفع کرنے کے لئے افواہیں پھیلانے والوں کے خلاف سخت اقدامات کی تاکید کی۔ اور دوسری طرف افواہیں سننے والوں سے کہا کہ اس خرابی کا مؤثر علاج یہ ہے کہ تم کسی بات پر یقین نہ کرو، نہ اس سے اثر لو، جب تک اس کی خود تحقیق نہ کر لو۔ آپ غور کیجئے کہ اگر افرادِ معاشرہ، اس کی پابندی اختیار کرلیں تو افراد اور معاشرہ کتنے بڑے نقصان سے بچ سکتے ہیں۔

——— (٠) ———

تحقیق کرنے کی تاکید

(۱) جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو! تم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے بات کی تہ تک پہنچنے کے لئے اپنی سماعت، بصارت اور سوچ سمجھ سے کام لیا تھا — (۱۷ : ۳۶)

(۲) ظن اور قیاس کا اتباع مت کیا کرو۔ یاد رکھو! ظن و قیاس، حقیقت کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

(۴ : ۱۵۷) — (۶ : ۱۱۶) — (۱۰ : ۳۶) — (۱۰ : ۶۶) — (۵۳ : ۲۳) — (۵۳ : ۲۸)

(۳) جب مفسد، کوئی خبر تم تک لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں تمہیں نقصان پہنچ جائے اور بعد میں تمہیں ندامت اٹھانی پڑے — (۴۹ : ۶)

(۴) جب اجتماعی امور کے متعلق تم تک کوئی خبر پہنچے تو اسے فوراً اربابِ حل و عقد تک پہنچاؤ۔ تاکہ وہ تحقیق کے بعد صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں — (۴ : ۸۳)

(۵) کسی کے خلاف کوئی بات سنو تو جب تک تحقیق کے بعد، اس کا سچا ہونا ثابت نہ ہو جائے، اس کے متعلق دل میں بدظنی پیدا نہ ہونے دو۔ تمہارا پہلا ردِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ یہ محض بہتان تراشی ہے —

(۲۴ : ۱۲ و ۱۶) — (۴۹ : ۱۲)

(۶) خدا کے متعلق (یعنی امورِ دین کی بابت) کوئی بات ایسی نہ کہو جو علم پر مبنی نہ ہو — (۱۰ : ۶۸)

ظن و قیاس پر مبنی باتیں مت کرو — (۳ : ۱۵۴) — (۲۴ : ۴۵) — (۶ : ۴۸)

۸۔ تخلیق

(نیز دیکھئے۔ امر)

تخلیق۔ (خ۔ ل۔ ق) اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو بنانے یا کاٹنے کے لئے اسے ماپنا۔ اس کا اندازہ لگانا۔ اس کے تناسب اور توازن کو دیکھنا۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے بنانا۔

بَدَعَ اور فَطَرَ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ پہلی بار پیدا کرنا۔ اس اعتبار سے خلق کے معنی ہوں گے مختلف عناصر کو نئی نئی ترکیبیں دے کر ان سے اور چیزیں پیدا کرتے چلے جانا جیسے ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایک خاص تناسب کے ساتھ ملنے سے پانی بن جاتا ہے۔ یا جیسے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

(۴ : ۱۶)

خدا فاطر السموٰت والارض بھی ہے اور خالق بھی۔ لیکن قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر خلق کے لفظ کو پہلی بار پیدا کرنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی فاطر السموٰت والارض اور خالق السموٰت والارض مرادف معنوں میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔

فاطر (یا ان معنوں میں) خالق تو خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ خدا کے بنائے ہوئے عناصر کو نئی نئی تراکیب دے کر ان سے اور چیزیں بنانے میں انسان بھی عملِ تخلیق میں شریک ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو احسن الخالقین کہا ہے — (۲۳ : ۱۴) یعنی عملِ تخلیق کرنے والوں میں سب سے بہتر۔ اس سے واضح ہے کہ قرآن (ان معنوں میں) خدا کے علاوہ اور خالقوں کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ انسان کا یہی وہ عملِ تخلیق ہے جو اسے حیوانات سے ممتاز کرتا اور خدا کا رفیق (لیکن رفیقِ ادنیٰ) بنا دیتا ہے۔ حیوانات میں صرف عملِ تولید ہوتا ہے۔ انسان میں ایک طرف عملِ تولید ہوتا ہے (یعنی بچے پیدا کرنا جس میں تخلیق کو کوئی دخل نہیں) اور دوسری طرف عملِ تخلیق۔ خدا میں صرف عملِ تخلیق ہوتا ہے۔ لہٰذا جس انسان میں تخلیق (CREATION) کی صلاحیت نہیں یعنی وہ اپنی اس مضمر صلاحیت کو عمل میں نہیں لاتا، وہ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتا ہے۔ انسانی سطح پر نہیں۔ تخلیق صفتِ خداوندی ہے۔ اور جوں جوں انسان اس صفت کی نمود اپنے اندر کرتا جاتا ہے، حیوانی سطح سے بلند ہوتا جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ تخلیق میں محض تکرار (DUPLICATION) نہیں۔ یعنی ایک ہی چیز کو اسی طرح

بار بار پیدا کرتے چلے جانا۔ اس میں نت نئے اضافے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ یزید فی الخلق ما یشاء — (۱:۳۵) "وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق خلق میں اضافے کرتا رہتا ہے" اس لئے انسانوں کے عملِ تخلیق کا بھی یہی انداز ہونا چاہیئے۔

—— (۰) ——

خدا خالق کائنات

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، خدا کے لئے خالق کا لفظ فاطر کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ (یعنی کائنات کو عدم سے وجود میں لانے والا) اور خالق کے معنوں میں بھی (یعنی پیدا کردہ اشیاء میں نئی نئی تراکیب سے، اور چیزیں بنانے والا)۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ خالق اس کے سوا کوئی نہیں۔ یا لوگوں کے معبودانِ باطل کسی شے کی تخلیق نہیں کر سکتے، وہاں اس سے مراد فاطر ہونا ہے۔ اس فرق کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) اے نوعِ انسان! تم اس خدا کی محکومیت اختیار کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلی نسلوں کو بھی پھر تمہارے لئے سامانِ رزق پیدا کیا۔ سو اس کا ہمسر کسی کو نہ بناؤ —— (۲۱ : ۲)

(۲) زمین، آسمان، ستارے، انسان، سامانِ رزق سب اس کے پیدا کردہ ہیں —— (۱۰۰-۹۶ : ۶)

حمد اللہ کے لئے ہے جس نے ارض و سمٰوٰت کو پیدا کیا —— (۱ : ۶)

اس نے کائنات کو پیدا کیا اور اس پر قادر ہے کہ اس کی مثل اور بھی بنا دے —— (۹۹ : ۱۷)—(۸۱ : ۳۶)

(۳) اس میں خدا کا کوئی شریک نہیں —— (۳۴ : ۱۰)—(۱۶ : ۱۳)—(۳ : ۱۶)۔ جو خود مخلوق ہو وہ خالق کا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے —— (۱۹۱ : ۷)—(۲۰ و ۱۷ : ۱۶)—(۷۳ : ۲۲)—(۳ : ۲۵)—(۴۴-۴۰ : ۲۷)

(۴۰ : ۳۰)—(۱۱-۱۰ : ۳۱)—(۳ : ۳۵)—(۴۰ : ۳۵)—(۴ : ۴۶)—(۳۶-۳۵ : ۵۲)

(۵۹ : ۵۶)

کوئی شریک ہوتا تو ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کو لے بھاگتا —— (۹۱ : ۲۳)

(۴) پیدا بھی اس نے کیا ہے اور زندگی کے سرچشمہ (پانی) پر کنٹرول بھی اسی کا ہے —— (۷ : ۱۱)—(۴۵ : ۲۴)

انسان کو پانی سے پیدا کیا —— (۵۴ : ۲۵)

(۵) وہ اپنے قانون کے مطابق باقی رہنے والوں کو باقی رکھتا ہے۔ مٹ جانے والوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس قانون

کی اصل اُس کے پاس ہے ـــ (۳۹ : ۱۳) ۔[نوٹ: اس میں اساساً تو اقوام کے محو و ثبات کا ذکر ہے لیکن تبعاً اشیائے کائنات بھی اس میں آسکتی ہیں جن کے لئے انتخابِ طبیعی کا قانون جاری وساری ہے]ـــ

(۲۸ : ۶۸)

(۶) خدا خلاق و علیم ہے ـــ (۸۶ : ۱۵)ـــ (۷۹ : ۳۶)ـــ (۸۱ : ۳۶)

(۷) وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ہوتا ـــ (۸ : ۱۶)ـــ (۳۶ : ۳۶)

(۸) وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادے کے ساتھ ہی اس کی ابتدا ہو جاتی ہے ـــ (۱۱۷ : ۲)ـــ(۴۷: ۳)

(۷۳ : ۶)ـــ(۴۰ : ۱۶)ـــ(۸۲ : ۳۶)ـــ(۶۸ : ۴۰)

خلق و امر اسی کے لئے ہے ـــ (۵۴ : ۷)

(۹) تخلیقِ کائنات کے وقت کوئی شاہد نہیں تھا۔ نہ ہی خدا نے کسی کی مدد لی تھی ـــ (۵۱ : ۱۸)

(۱۰) ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اس کی راہ نمائی کی ـــ (۵۰ : ۲۰)ـــ(۷۸ : ۲۶)ـــ(۳ـــ۲ : ۸۷)

ہر شے کو بہترین تناسب کے ساتھ پیدا کیا ـــ (۷ : ۳۲)

(۱۱) وہ تخلیق سے غافل نہیں ـــ (۱۷ : ۲۳)

(۱۲) وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تخلیق کرتا رہتا ہے ـــ (۴۹ : ۳)ـــ(۱۷ : ۵)ـــ(۴۵ : ۲۴)ـــ (۵۴ : ۳۰)ـــ(۴۹ : ۴۲)۔ اور پھر ان کا انتخاب بھی اسی قانون کی رُو سے عمل میں آتا ہے۔ ـــ

(۲۸ : ۶۸)

(۱۳) خدا نے ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے پیمانہ (قانون) مقرر کر دیا ـــ (۲ : ۲۵)۔ ہر شے کو ایک پیمانے کے مطابق بنایا ـــ (۴۹ : ۵۴)

(۱۴) مخالفین کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ خالقِ کائنات خدا ہی ہے ـــ (۶۱ : ۲۹)ـــ (۲۵ : ۳۱)ـــ(۳۸ : ۳۹)

(۹ : ۴۳)ـــ(۸۷ : ۴۳)

(۱۵) ہر شے کو احسن انداز سے پیدا کیا ـــ (۷ : ۳۲)

(۱۶) اپنی مشیت کے قانون کے مطابق وہ، مخلوق میں اضافے کرتا رہتا ہے ـــ (۱ : ۳۵)

(۱۷) چاند، سورج، ستارے، سب خدا کی مخلوق ہیں۔ اس لئے خدا کے سامنے جھکو نہ کہ ان مظاہرِ فطرت کے سامنے ـــ (۳۷ : ۴۱)

(۱۸) کیا خدا پہلی بار کی تخلیق سے تھک گیا ہے جو دوسری بار کی تخلیق کے متعلق تمہیں شک ہو رہا ہے — (۳۳ : ۴۶)

(۱۵ : ۵۰) — (۳۸ : ۵۰)

وہ اسی قسم کی کائنات اور بھی پیدا کر سکتا ہے — (۹۹ : ۱۷) — (۸۱ : ۳۶)

(۱۹) خالق جانتا ہے کہ مخلوق (انسان) کے دل میں کیا ہے — (۱۴-۱۳ : ۶۷)

وہ مخلوق سے غافل نہیں — (۱۷ : ۲۳)

(۲۰) مخلوق، خالق کے سامنے کیسے اکڑ سکتی ہے؟ — (۱۴-۱۱ : ۷۴)

(۲۱) خدا احسن الخالقین ہے — (۱۴ : ۲۳) — (۱۲۵ : ۳۷)

(۲۲) خالق البارئ المصور — (۱۱ : ۷) — (۲۴ : ۵۹)

(۲۳) خدا کے قانونِ تخلیق میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی — (۳۰ : ۳۰)

(۲۴) قرآن اس خدا نے نازل کیا ہے جو ارض وسمٰوٰت کا خالق ہے — (۳ : ۲۰)

(۲۵) یہ ملائکہ کو مؤنث (دیویاں) بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے — (۱۹ : ۴۳)

اسی طرح جنات کو بھی اس کا شریک قرار دیتے ہیں حالانکہ اس نے انہیں (کائنات کی مخفی قوتوں کو) پیدا کیا — (۱۰۱ : ۶)

(۲۶) کائنات کو انسانوں کے فائدے کے لئے (خلق لکم) پیدا کیا — (۲۹ : ۲) — (۵ : ۱۶) — (۷۱ : ۳۶)

(۲۷) تخلیقِ کائنات، انسانی تخلیق سے بھی زیادہ مشکل (اشد) تھی — (۱۱ : ۳۷)

انسان کی تخلیق

انسان کی تخلیق کی وضاحت اور تفصیل، انسان اور ارتقا کے عنوانوں میں ملے گی۔ یہاں صرف اشارات پر اکتفا کیا جائے گا۔

(۱) خدا نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہاری پہلی نسلوں کو بھی — (۲۱ : ۲) — (۱۸۴ : ۲۶)۔ جو تم سے زیادہ مضبوط تھیں — (۱۵ : ۴۱)

(۲) انسان کو نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے آخری آرام گاہ زمین کو بنا لیا — (۱ : ۴) — (۹۹ : ۶) — (۱۸۹ : ۷) — (۶ : ۳۹)

تمہیں پیدا کیا۔ پھر سامانِ رزق دیا۔ پھر موت کے بعد زندگی عطا کرے گا — (۳۰ : ۴۰)

(۳) تمہیں زمین سے اٹھایا (یعنی زندگی کی ابتدا غیر ذی حیات مادہ سے کی)۔ اور اسی میں بسایا — (۱۱ : ۶۱) — (۳۰ : ۲۰)

(۴) کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے۔ اگر اُس کے قانونِ مشیت کا تقاضا ہو تو وہ انسانوں کی جگہ یہاں کوئی اور مخلوق لے آئے — (۱۴ : ۱۹—۲۰) — (۳۵ : ۱۶)۔ یا تمہاری ہیئت بدل دے — (۵۶ : ۶۱) — (۷۶ : ۲۸)

(۵) انسانوں کی تخلیق کی ابتداء بے جان مادہ سے کی۔ (ان سے پہلے ایک ایسی مخلوق تھی جس میں زیادہ حرارت کے برداشت کرنے کا مادہ تھا۔ وہ اب پوشیدہ ہو چکی ہے) — (۳ : ۵۸) — (۶ : ۲) — (۱۵ : ۲۶—۲۸) — (۲۰ : ۵۵) — (۳۲ : ۷) — (۳۸ : ۷۱) — (۵۵ : ۱۴—۱۵)

(۶) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا — (۱۶ : ۴)۔ پانی سے پیدا کیا — (۲۵ : ۵۴) — (۳۶ : ۷۷)

اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا — (۴ : ۱) — (۲۶ : ۱۶۶) — (۵۳ : ۴۵) — (۵۶ : ۵۷—۶۹) — (۹۲ : ۲—۳)

لوتھڑے سے بنایا — (۹۶ : ۲)

(۷) بے جان مادہ سے تخلیقِ انسانی کی ابتدا کی۔ جسمِ انسانی کے اجزا موت کے بعد پھر بے جان مادہ میں مل جائینگے اس کے بعد پھر حیاتِ نو ہوگی — (۲۰ : ۵۵)۔ انسان کو پہلی بار پیدا کیا — (۶ : ۹۴) — (۱۸ : ۴۸) — (۴۱ : ۲۱)

(۸) انسان کو عبث (بے مقصد) پیدا نہیں کیا گیا۔ قانونِ مکافاتِ عمل ضروری ہے — (۲۳ : ۱۱۵) — (۳۰ : ۸)

اس نے موت اور زندگی کا قانون بنایا تاکہ انسان کو حسنِ عمل کے مواقع مہیا ہوں — (۶۷ : ۲)

(۹) انسان کو پیدا کیا، سنوارا، اور پھر اس کی ہدایت کا سامان کیا — (۲۰ : ۵۰) — (۲۶ : ۷۸) — (۸۰ : ۱۹) — (۸۲ : ۶—۸) — (۸۷ : ۲—۳)

(۱۰) بے جان مادہ سے تخلیقِ انسان کی ابتدا۔ پھر اس کا جوڑا بنایا — (۳۰ : ۲۱) — (۳۵ : ۱۱)۔ طینِ لازب سے بنایا — (۳۷ : ۱۱)

(۱۱) انسانی زندگی کے مختلف مراحل کا ذکر — (۳۰ : ۵۴)۔ انسان کو مختلف مراحل سے گزار کر بنایا — (۱۸ : ۳۷) — (۲۳ : ۱۲—۱۵) — (۷۱ : ۱۴)

(۱۲) تمام انسانوں کا پیدا کرنا اور بعث، نفسِ واحدہ کی طرح ہے — (۳۱ : ۲۸)

(۱۳) انسانوں کو بنایا اور ایسی مخلوق کو جس کی تخلیق، انسان سے بھی زیادہ سخت تھی — (۳۷ : ۱۱) — (۴۰ : ۵۷) — (۷۹ : ۲۷)

(۱۴) انسان کو بھی پیدا کیا اور جن پتھروں کو تراش کر یہ اپنا معبود بنا لیتا ہے، انہیں بھی اُسی نے بنایا ــــ (۹۶ : ۳۷)

(۱۵) ہم نے انسان کو پیدا کیا. ہم اس کے دل میں گزرنے والے وسوسوں تک سے واقف ہیں. ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں ــــ (۱۶ : ۵۰) ــــ (۱۴-۱۳ : ۶۷)

(۱۶) انسان کو پیدا کیا اور اُسے بولنے کی استعداد دی ــــ (۴-۳ : ۵۵). اختیار و ارادہ عطا کیا کہ جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے ــــ (۲ : ۶۴) ــــ (۳-۲ : ۷۶)

(۱۷) انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ــــ (۳ : ۶۴) ــــ (۴ : ۹۵). پیدا کیا اور ایک شکل دی ــــ (۱۱ : ۷) اکثر مخلوق پر افضلیت دی ــــ (۷۰ : ۱۷)

(۱۸) انسان اپنے مقصدِ تخلیق کو جانتا ہے (یعنی وحی نے اُسے اس کا علم دے دیا ہے) ــــ (۳۹ : ۷۰)

(۱۹) رحمِ مادر میں جنین خدا نے پیدا کیا ــــ (۲۲۸ : ۲) ــــ (۶ : ۳۹)

(۲۰) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی اولاد ہیں. کہا کہ یہ غلط ہے. تم بھی خدا کی مخلوق انسان ہو ــــ (۱۸ : ۵)

(۲۱) انسان جلد باز واقع ہوا ہے ــــ (۳۷ : ۲۱). بے صبرا بھی ــــ (۱۹ : ۷۰). ضعیف بھی ــــ (۲۸ : ۴). اس قابل ہے کہ سختیاں برداشت کرے ــــ (۴ : ۹۰)

(۲۲) جیسے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ گردش دینگے (یا لوٹائینگے) ــــ (۹۵ : ۶) ــــ (۴۸ : ۱۸) ــــ (۲۱ : ۱۰۴) ــــ (۲۱ : ۴۱)

(۲۳) انسان کو خدا نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ــــ (۷۵ : ۳۸). لیکن مویشیوں کو بھی ایسے ہی بنایا ہے۔ (۳۶ : ۷۱)

(۲۴) جن و انس کو اس لئے بنایا کہ وہ صرف قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کریں ــــ (۵۶ : ۵۱)

(۲۵) انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ پہلے کوئی شے نہیں تھا ــــ (۹ : ۱۹) ــــ (۶۷ : ۱۹) ــــ (۱ : ۷۶)

(۲۶) ابلیس کا اعتراض کہ انسان کو طین سے پیدا کیا ہے اور مجھے نار سے. اس لئے میں اس کے سامنے کیوں جھکوں.
(۱۲ : ۷) ــــ (۳۳ : ۱۵)
(تفصیل ان امور کی انسان اور ابلیس کے عنوانوں میں ملے گی)

(۲۷) انسان کی پیدائش کے بعد عمر کے مختلف حصوں کا بیان ــــ (۷۰ : ۱۶) ــــ (۵ : ۲۲) ــــ (۶۷ : ۴۰)

(۲۸) نر اور مادہ کے اختلاط سے انسان کی پیدائش ــــ (۱۳ : ۴۹)

(۲۹) انسان کو جوڑا بنایا ــــ (۸ : ۷۸)

(۳۰) انسان کو پیدا اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ سب امتِ واحدہ بن کر رہیں. اختلاف نہ کریں ــــ (۱۱۹-۱۱۸ : ۱۱)

(۳۱) انسانی تخلیق کی ابتدا نفسِ واحدہ سے ہوتی. پھر بذریعہ تولید یہ سلسلہ آگے چلا ــــ (۱ : ۴) ــــ (۱۸۹ : ۷)

(۶ : ۳۹)

(۳۲) تخلیقِ کائنات انسانی تخلیق سے زیادہ بڑی (اکبر) تھی ــــ (۱۱ : ۳۷) ــــ (۵۷ : ۴۰) ــــ (۲۷ : ۷۹) ــــ

تخلیق ارض و سما و اشیائے کائنات

(۱) اس نے تمہارے لئے سامانِ رزق پیدا کیا ــــ (۲۲ : ۲) ــــ (۲۹ : ۲)

(۲) ارض و سمٰوٰت کو چھ مختلف مدارج میں بنایا چاند سورج کو پیدا کیا ــــ (۵۴ : ۷) ــــ (۶-۳ : ۱۰) ــــ (۷ : ۱۱)

(۵۹ : ۲۵) ــــ (۴ : ۳۲) ــــ (۳۸ : ۵۰) ــــ (۴ : ۵۷)

(۳) خدا تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس شے کو گردشیں دیتا ہے (تا آنکہ وہ اپنی آخری شکل اختیار کرلے ــــ

(۴ : ۱۰) [اس میں اس کا کوئی شریک نہیں] ــــ (۴ : ۱۰) ــــ (۳۴ : ۱۰) ــــ (۶۴ : ۲۷) ــــ

(۲۰-۱۹ : ۲۹) ــــ (۲۷ ؛ ۱۱ : ۳۰)

ارض کو دو مراحل میں پیدا کیا ــــ (۹ : ۴۱)

(۴) اس نے مویشیوں کو انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے ــــ (۸-۵ : ۱۶) ــــ (۷۹ : ۲۵) ــــ

(۴۲ : ۳۶)۔ انہیں اپنے دستِ قدرت سے بنایا ــــ (۷۱ : ۳۶)

اور انسان کو بھی ــــ (۷۵ : ۳۸)

(۵) کائنات کے مختلف گوشوں کی تخلیق کا ذکر ــــ (۱۵-۱۰ : ۱۶) ــــ (۵۴-۵۳ : ۲۰) ــــ (۱۱-۱۰ : ۳۱)

اس نے تمہارے لئے سایہ یا پناہ گاہیں بنائیں ــــ (۸۱ : ۱۶)

(۶) فضائی کرّوں کی تخلیق ــــ (۱۷ : ۲۳)

(۷) ہر جاندار شے کو پانی سے پیدا کیا ــــ (۴۵ : ۲۴)۔ زندگی کے اس سرچشمہ پر کنٹرول بھی اسی کا ہے ــــ (۷ : ۱۱)

(۸) ہر شے کو نہایت محکم، متوازن، ٹھیک ٹھیک بنایا ــــ (۸۸ : ۲۷)۔ ہر شے کی ازواج بنائیں ــــ (۳۶ : ۳۶)

(۱۲ : ۴۳) ــــ (۴۹ : ۵۱)

بطریقِ احسن پیدا کیا ـــ (۳۲ : ۷)

(۹) ہر شے کا خالق خدا ہے ـــ (۱۰۳—۱۰۲ : ۶) ـــ (۱۶ : ۱۳) ـــ (۲ : ۲۵) ـــ (۶۲ : ۳۹) ـــ (۶۲ : ۴۰)

(۱۰) پیدا کیا (خلق)۔ سنوارا (فسوّٰی)۔ پیمانے مقرر کئے (قدّر)۔ منزل کی طرف جانے کی راہ نمائی دی (فھدٰی)۔

ـــ (۳—۲ : ۸۷)۔ نیز ـــ (۵۰ : ۲۰) ـــ (۲ : ۲۵) ـــ (۷۸ : ۲۶)

ہر شے کو ایک خاص پیمانے کے مطابق بنایا ـــ (۴۹ : ۵۴)

(۱۱) اشیائے کائنات کو جس طرح استعمال کرو اس کے مطابق وہ خیر یا شر ہو جاتی ہیں۔ انہیں اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ شر بن جائیں ـــ (۲ : ۱۱۳)

(۱۲) تخلیقِ کائنات کے وقت سے گردشِ لیل و نہار اور زمین کا سورج کے گرد ایک سال میں چکر پورے کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی سے بارہ مہینوں کی گنتی عمل میں آتی ہے ـــ (۳۶ : ۹)

(۱۳) اس نے ارض و سمٰوٰت کو پیدا کیا۔ اور وہ اس جیسی اور کائنات پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ـــ (۹۹ : ۱۷) ـــ (۸۱ : ۳۶)

(۱۴) متعدد آسمانی کُرّے پیدا کئے اور ان کی مثل ارض۔ یعنی ہر بلند کرّے کے نیچے والا کرہ اس کی ارض ہے ـــ

(۳۳ : ۲۱) ـــ (۱۷ : ۲۳) ـــ (۱۲ : ۶۵)

(۱۵) ارض اور سمٰوٰت دونوں میں ذی حیات پیدا کئے ہیں ـــ (۲۹ : ۴۲)

کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے

خدا کے خالق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کائنات یونہی اتفاقیہ طور پر وجود میں نہیں آگئی۔ اس کا ایک عظیم پروگرام ہے اور سلسلۂ کائنات اس پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ یہ ایک متعین اسکیم کے ماتحت عمل میں آیا ہے اس لئے اس کا ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھ رہا ہے۔ انسان بھی خدا کے تخلیقی پروگرام کی ایک کڑی ـــ اور بڑی اہم کڑی ہے۔ اس لئے اس کی تخلیق بھی یونہی اتفاقیہ طور پر عمل میں نہیں آگئی۔ یہ ایک مقصد کے لئے عمل میں آئی ہے۔ اگر انسان وحی کی راہ نمائی میں زندگی بسر کرتا ہے تو یہ اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔ (یہ مقصد کیا ہے، انسان اسے کس طرح پورا کرتا ہے۔ اس کی منزل کونسی ہے۔ ان امور کی وضاحت دیگر متعلقہ عنوانوں میں ملے گی۔ زیرِ نظر عنوان کا تعلق صرف تخلیق سے ہے۔ انسانی تخلیق کی تفصیل "انسان" کے عنوان میں ملے گی۔ نیز "ارتقاء" کے عنوان میں۔ اس جگہ محض اشارات سے کام لیا جائے گا)

(۱) کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے ـــ(۳ : ۷۳)ــــ(۵ : ۱۰)ــــ(۱۹ : ۱۴)ــــ(۳ : ۱۶)ــــ(۴۴ : ۲۹)ــــ(۸ : ۳۰)

(۵ : ۳۹)ــــ(۳۹ : ۴۴)ــــ(۳ : ۴۶)ــــ(۳ : ۶۴)

یہ باطل نہیں پیدا کی گئی ـــ(۲۷ : ۳۸)۔ ایسا سمجھنا کفار کا ظن ہے۔ یہ بطور کھیل تماشا پیدا نہیں کی گئی ـــ

(۲۱ : ۱۶)ــــ(۳۹ ــ ۳۸ : ۴۴)۔ اربابِ فکر و نظر تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں ـــ(۱۹۱ : ۳)

(۲) کائنات کے بالحق پیدا کرنے سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کے اعمال کے نتائج، خدا کے کائناتی قانون کے مطابق ٹھیک ٹھیک مرتب ہوتے رہیں ـــ(۴ : ۱۰)۔ اور اس طرح تمہیں حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچائے جائیں

(۷ : ۱۱)ــــ(۲ : ۱۳)ــــ(۲۸ ــ ۲۷ : ۳۸)ــــ(۲۲ : ۴۵)

(۳) کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے اور وہ انقلابِ عظیم آکر رہیگا ـــ(۸۵ : ۱۵)

(۴) انسان کو بھی عبث، بلا مقصد پیدا نہیں کیا ـــ(۱۱۵ : ۲۳)

خدا کی مخلوق میں غور و فکر کی دعوت

مخلوق میں غور و فکر سے ایک تو اس کے خالقِ حقیقی کی عظمت کا احساس ہو جاتا ہے اور دوسرا انسان، اس قانونِ فطرت کا راز پا لیتا ہے۔ جس کے مطابق، مختلف عناصر کے امتزاج سے نئی چیزیں مخلوق ہو سکتی ہیں۔ اسی کو علم الاشیاء یا علمِ فطرت کہا جاتا ہے۔ اس علم کی استعداد انسان کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا ـــ(۲:۳۱) جن قوموں نے ان قوانینِ فطرت کا مطالعہ کر لیا، وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کئے جا رہی ہیں اور نت نئی چیزیں ایجاد کرتی چلی جاتی ہیں۔ اسی کا نام خدا کے عملِ تخلیق میں حصہ لینا ہے۔

(۱) تخلیقِ انسانی میں دعوتِ فکر و نظر۔ سامانِ زیست کی پیدائش میں مومنین کے لئے آیات ـــ(۱۶۴ : ۲)ــــ

(۱۹۰ : ۳)ــــ(۱۰۰ : ۶)ــــ(۶ ــ ۵ : ۱۰)ــــ(۴ : ۴۵)

(۲) ملکوتِ ارض و سما اور ہر شے کی تخلیق میں دعوتِ غور و فکر۔ ایمان لانے کے لئے یہی کافی ہے ـــ(۱۸۵ : ۷) مومنین کا یہی شیوہ ہے۔ وہ فکر و تدبر کے بعد پکار اٹھتے ہیں کہ خدا نے کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا ـــ

(۱۹۱ ــ ۱۸۹ : ۳)

(۳) کائنات کے نظم و ضبط اور پروگرام میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے آیات ہیں۔ [تاکہ انہیں اپنے رب (کے قانونِ مکافات) کا سامنا کرنے پر یقین آجائے] ـــ(۱۶۴ : ۲)ــــ(۱۹۰ ــ ۱۸۹ : ۳)ــــ(۴ ــ ۲ : ۱۳)

(۱۶ : ۱۱—۱۲)—(۴۸ : ۱۶)—(۲۰ : ۵۴)—(۲۹ : ۲۰)—(۲۹ : ۴۴)—(۳۰ : ۲۰—۲۴)—(۴۶:۳۳)

(۴) اجرامِ فلکی کی تخلیق پر دعوتِ غور و فکر — (۱۵ : ۷۱)

(۵) کائنات کے بالحق پیدا کرنے پر دعوتِ فکر — (۱۹ : ۱۴)

(۶) کائنات میں کہیں جھول یا سقم نظر نہیں آئے گا — (۴—۳ : ۶۷)

(۷) خدا کی آیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض اور سماوات میں ذی حیات پیدا کئے ہیں — (۲۹ : ۴۲)

(۸) کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ابل (بادلوں) کو کیسے بنایا ہے — (۱۷ : ۸۸)۔ اور ارض و سماء کو کیسے۔

(۹) غور کرو کہ خدا اسی قسم کی کائنات اور بھی بنا سکتا ہے — (۹۹ : ۱۷)

ابتدائے خلق اور پھر گردشیں دے کر تکمیل تک پہنچایا

(۱) یہ مکافاتِ عمل کے لئے ہے — (۴ : ۱۰)

(۲) اس باب میں اس کا کوئی شریک نہیں — (۳۴ : ۱۰)—(۶۴ : ۲۷)

(۳) جس طرح پہلی بار تخلیق کی اسی طرح اسے گردشیں دے کر لوٹاتا ہے — (۱۰۴ : ۲۱)—(۱۱ : ۳۰)

(۴) غور کرو کہ کس طرح یہ کچھ ہوتا ہے — (۱۹ : ۲۹)—(۲۰ : ۲۹)

(۵) یہ اس کے لئے بہت آسان ہے — (۲۷ : ۳۰)

خلقِ جدید

(۱) وہ خلقِ جدید میں لا سکتا ہے — (۵ : ۱۳)—(۱۹ : ۱۴)—(۴۹ : ۱۷)—(۹۸ : ۱۷)—(۱۴ : ۲۳)

(۱۰ : ۳۲)—(۷ : ۳۴)—(۱۶ : ۳۵)—(۱۵ : ۵۰)

(۲) تمہاری تخلیق اور بعثت نفسِ واحدہ کی طرح — (۲۸ : ۳۱)

(۳) انسان اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے جو حیاتِ آخرت سے انکار کر بیٹھتا ہے — (۷۸ : ۳۶)—(۳۳ : ۴۶)

خالق

(۱) ہر شے کا خالق — (۱۰۲ : ۶)—(۱۶ : ۱۳)—(۶۲ : ۳۹)—(۶۲ : ۴۰)—(۲۴ : ۵۹)

(۲) اس کے سوا کوئی خالق نہیں ——(۳ : ۳۵)——(۳۵ : ۵۲)——(۵۹ : ۵۶)

(۳) وہ احسن الخالقین ہے ——(۲۳ : ۱۴)——(۳۷ : ۱۲۵)

(۴) وہ خلاق ہے ——(۱۵ : ۸۶)——(۳۶ : ۸۱)

متفرقات

(۱) توہم پرست، خدا کی مخلوق میں تبدیلی کر دیتے ہیں ——(۴ : ۱۱۹)

(۲) اگر اللہ نے کسی کو بیٹا بنانا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا ——(۳۹ : ۴)

(۳) مخالفین کا اعتراض کہ کیا ہم مرنے کے بعد ایک نئی مخلوق کی طرح پیدا کئے جائینگے ——(۱۳ : ۵)——(۱۷ : ۴۹-۵۱)——(۳۲ : ۱۰)——(۳۴ : ۷)——(۵۰ : ۱۵)

(۴) خلق اور امر دونوں خدا کے لئے ہیں ————————(۷ : ۵۴)

(۵) آغازِ تخلیقِ کائنات سے مہینوں کی گنتی بارہ ہے ——(۹ : ۳۶)

(۶) خدا نے موت اور حیات پیدا کی تاکہ تمہارے لئے نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچائے ——(۶۷ : ۲)

(۷) ما خلق کے شر سے حفاظت کی آرزو ——(۱۱۳ : ۲)

(۸) خدا نے انسان پیدا کئے۔ پھر یہ کافر اور مومن دو گروہوں میں بٹ گئے ——(۶۴ : ۲)

(۹) ہر شے کے جوڑے بنائے ——(۵۱ : ۴۹)

——— (۰) ———

۹۔ ترکہ (وصیّت۔ وراثت)

جب اسلامی مملکت میں قرآن کا معاشی نظام قائم ہو تو اس میں ذاتی جائیدادیں بنانے اور دولت کے انبار جمع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ نظام ہنوز قائم نہ ہوا ہو (یا اس کے قیام کے بعد جن چیزوں کو افراد کی ملکیت میں چھوڑ دیا گیا ہو) تو اس کے متعلق قرآن کریم نے وصیّت اور تقسیم ترکہ کے احکام دیئے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن کی رو سے وصیت پورے مال میں کی جا سکتی ہے۔ اور جس کے حق میں کوئی چاہے وصیت کر

سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسی حالت میں فوت ہو جائے کہ وہ وصیت نہ کر سکا ہو یا اس کی وصیت پورے ترکہ کو محیط نہ ہو اور کچھ مال باقی بچ جائے تو تقسیم ترکہ کے احکام اُس وقت نافذ ہوں گے اور اس مال کے متعلق ہونگے جس کے متعلق وصیت موجود نہ ہو۔

———— (۰) ————

وصیّت

(۱) ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں، اپنے والدین اور اقربین کے حق میں قاعدے اور قانون کے مطابق وصیت کر جائے۔ یہ متقین پر فریضہ ہے۔ (۲ : ۱۸۰)

(۲) جو شخص وصیت سن لینے کے بعد اُسے بدل ڈالے تو وہ مجرم قرار پائے گا۔ (۲ : ۱۸۱)

(۳) لیکن جو شخص محسوس کرے کہ وصیت میں حق اور انصاف سے کام نہیں لیا گیا تو وہ متعلقین میں باہمی صلح کرا دے تو یہ کوئی ہرج کی بات نہیں۔ (۲ : ۱۸۲)

(۴) مرنے والا اپنی بیوی کے متعلق وصیت کر جائے کہ اسے ایک سال کے لئے ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائی جائیں۔ اور اسے گھر سے بھی نہ نکالا جائے۔ ہاں اگر وہ خود ہی گھر سے چلی جائے تو اور بات ہے۔ (۲ : ۲۴۰)

(۵) وصیت کے لئے گواہوں کی ضرورت، شہادت کا طریقہ، شبہ کی صورت میں طریق کار۔ (یہ اس صورت میں ہوگا جب وصیت زبانی کی گئی ہو۔ شہادت کی ضرورت تو تحریری وصیت میں بھی ہو گی۔ لیکن اس میں گواہوں کی طرف سے کسی بدعنوانی کا خدشہ نہیں ہوگا)۔ (۵ : ۱۰۶—۱۰۸)

وراثت کے احکام

(۱) ترکہ میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ (۴ : ۷)

(۲) اگر تقسیم ترکہ کے وقت ایسے لوگ بھی سامنے ہوں جن کا ترکہ میں کوئی حصہ نہ ہو لیکن وہ مستحق امداد — یتیم و مساکین ہوں، تو انہیں بھی ان کی دل جوئی کے لئے کچھ دے دینا چاہیئے۔ اور سمجھا دینا چاہیئے کہ ترکہ کی تقسیم تو قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ ان کی دل جوئی کی خاطر کچھ دے دیا گیا ہے۔ ان سے بات اچھے طریقے سے کی جائے۔ (۴ : ۸)

(۳) ترکہ کی تقسیم پورے پورے انصاف سے کرنی چاہیئے۔ یہ خیال سامنے رکھنا چاہیئے کہ کل کو تم وفات پا جاؤ اور تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے رہ جائیں تو ان سے کس قسم کا سلوک ہونا چاہیئے۔ بس اسی قسم کا انداز تم دوسروں کے لئے بھی اختیار کرو ــــــ (۴ : ۹)

(۴) ترکہ میں وارثوں کے حصے حسب ذیل ہیں لیکن یہ تقسیم، متوفی کا قرضہ ادا کرنے اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی۔ اس کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ۔ یعنی لڑکی $\frac{1}{3}$ اور لڑکا $\frac{2}{3}$ - (اس لئے کہ کنبے کے اخراجات کا کفیل مرد ہوتا ہے) ــــــ (۴ : ۱۱)

۲۔ اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا $\frac{2}{3}$ حصہ ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو، نصف ــــــ (۴ : ۱۱)

۳۔ متوفی کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے بشرطیکہ متوفی کی اولاد بھی ہو۔ لیکن اگر اس کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا حصہ تیسرا ہے ($\frac{1}{3}$)۔ [اور باپ کا ($\frac{2}{3}$)]۔ اور اگر اس کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہے ــــــ (۴ : ۱۱)

۴۔ عقدی رشتوں میں

بیوی کے ترکہ میں، خاوند کا حصہ $\frac{1}{2}$ ہے بشرطیکہ بیوی کی اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر اس کی اولاد ہو تو پھر خاوند کا حصہ $\frac{1}{4}$ ہے ــــــ (۴ : ۱۲)

خاوند کے ترکہ میں بیوی کا حصہ $\frac{1}{4}$ ہے اگر خاوند کی اولاد نہ ہو۔ اگر اس کی اولاد ہو تو بیوی کا حصہ $\frac{1}{8}$ ہے ــــــ (۴ : ۱۲)

(تقسیم کے سلسلہ میں قاعدہ یہ ٹھہرا کہ پہلے قرضہ اور وصیت کو دیکھ لیا جائے۔ اس کے بعد اگر کچھ بچے تو پہلے عقدی رشتوں کے حصوں کی تقسیم کر دی جائے ــــــ (۴ : ۳۴)۔ اور باقیماندہ نسبی رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے۔ (اولاد میں اولاد در اولاد، اور والدین میں دادا، نانا، دادی، نانی سب شامل ہیں۔ یتیم پوتے (پوتے) یا پوتی (پوتیاں) اپنے مرحوم باپ کے حصے کے وارث ہونگے)

۵۔ اگر متوفی لاولد ہو اور اس کے بہن بھائی بھی ہوں[1] اور ماں باپ بھی۔ تو

[1] ایسا متوفی جس کی اولاد نہ ہو لیکن اس کے بھائی بہن ہوں، اسے کلالہ کہتے ہیں۔ اگر اس کے ماں باپ بھی ہوں تو ترکہ کی تقسیم (i) اور (ii) کے مطابق ہوگی اور اگر ماں باپ نہ ہوں تو (iii) کے مطابق۔

(i) ایک بھائی یا ایک بہن ہو، تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ۔

(ii) اور اگر بھائی بہنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ (۴:۱۲)

(iii) اگر ایسے متوفی کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد تو اس کے ترکہ کی تقسیم یوں ہوگی:۔

اگر متوفی مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کا نصف ہوگا۔

اگر متوفیہ عورت ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا بھائی ہوگا۔

اگر ایک بہن کے بجائے دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہوگا۔ دو سے زیادہ بہنوں کے لئے بھی یہی اصول ہوگا۔

اور اگر بھائی بہن ملے جلے ہوں تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصے کا اصول کارفرما ہوگا۔

(۴ : ۱۷۶)

یہ تمام احکامات (۴ : ۱۱-۱۲) اور (۴ : ۱۷۶) میں دیئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر متوفی کا کوئی وارث نہ ہو، یا مندرجہ بالا حصوں کے مطابق تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے، تو وہ اسلامی مملکت کی تحویل میں چلا جائے گا۔

اسے پھر سن رکھنا چاہیئے کہ تقسیم وراثت، متوفی کے قرضہ کی ادائیگی اور وصیت پوری کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس پر ہوگی۔ یہ حدود اللہ ہیں جن کی نگہداشت ضروری ہے (۴ : ۱۳)۔ ان کی خلاف ورزی موجب عذاب ہے (۴ : ۱۴)

(۶) عقدی یا عہدی رشتہ داروں کا حصہ پہلے نکال کر پھر نسبی رشتہ داروں کے حصوں کی تقسیم ہوگی۔ (میاں بیوی کا رشتہ عقدی یا عہدی ہوتا ہے۔ ان رشتوں میں وہ معاہدات بھی شامل ہو سکتے ہیں جن کا ذکر وصیت میں کیا گیا ہو۔ یعنی جو رشتے دار نہ ہوں لیکن متوفی نے انہیں کچھ دینے کی وصیت کر دی ہو۔ بلکہ انہیں تو سب سے پہلے ملے گا) (۴ : ۳۳)

(۷) تقسیم کا صحیح طریق یہ ہے کہ جن کے حصے قرآن نے مقرر کر دیئے ہیں انہیں پہلے دے کر جو باقی بچے، اسے ان میں تقسیم کرنا چاہیئے جن کے حصے متعین نہیں۔

(۸) یہ حدود اللہ ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے جزئی قوانین اسلامی مملکت خود مرتب کرے گی (۴ : ۱۳)

(۰)

چونکہ ترکہ (یا وراثت) کی تقسیم کا مسئلہ معاشرہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

جو کچھ (قرآن کریم کی رو سے) اوپر بتایا گیا ہے، اسے ترتیب سے دوبارہ لکھ دیا جاتا ہے تاکہ بات واضح ہو جائے۔ یہ تقسیم متوفی کا قرضہ ادا کرنے اور وصیت پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچے، اس پر ہوگی۔

(۱) **میاں بیوی**

بیوی کے ترکہ میں سے خاوند کا حصہ:۔

۱۔ اگر بیوی کی اولاد ہو　($\frac{1}{4}$)

۲۔ اگر بیوی کی اولاد نہ ہو　($\frac{1}{2}$)

خاوند کے ترکہ میں سے بیوی کا حصہ:۔

(۱) اگر خاوند کی اولاد ہو　($\frac{1}{8}$)

۲۔ اگر خاوند کی اولاد نہ ہو　($\frac{1}{4}$)

(۲) **ماں باپ کا حصہ**

۱۔ متوفی صاحبِ اولاد ہو تو —

ماں اور باپ ہر ایک کو ($\frac{1}{6}$)۔ (باقی اولاد کو)

۲۔ متوفی لاولد ہو اور وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کو ($\frac{1}{3}$)۔ اور باپ کو ($\frac{2}{3}$)

(۳۔ اگر لاولد متوفی کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہوگا۔

(۳) **اولاد**

[اوپر کے حصے نکال لینے کے بعد جو کچھ بچے اس میں سے]

۱۔ ایک لڑکا یا زیادہ لڑکے (جب لڑکی کوئی نہ ہو) تو یہ سب برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔

۲۔ لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی تو ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔ طریقہ یہ ہے کہ لڑکوں کی تعداد کو دگنا کر کے اس میں لڑکیوں کی تعداد جمع کر لو۔ یہ کل حصے ہو جائیں گے۔ ان میں اکہرا حصہ لڑکی کا۔ دوہرا حصہ لڑکے کا۔ مثلاً دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے اور ترکہ پانچ ہزار روپیہ ہے۔

طریقہ:۔ $4 + 1 = 5$ ، $\frac{5000}{5} = (1000)$

$$\left.\begin{array}{ll} \text{ہر لڑکا} = 2000 \text{ (کل} & = 4000 \\ \text{لڑکی} = 1000 & = 1000 \end{array}\right\} = 5000$$

۳۔ اگر صرف لڑکیاں ہوں۔

۱۔ صرف ایک لڑکی ہو تو۔ ($\frac{1}{2}$)

۲۔ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ($\frac{2}{3}$) میں سب شریک جو باقی بچے وہ حکومت کی طرف منتقل ہو جائیگا۔

۴۔ یتیم پوتا یا پوتی اپنے مرحوم باپ کے حصے کے وارث ہوں گے۔

(۴) **کلالہ** (لاولد متوفی)۔ بیوی یا خاوند کا حصہ نکالنے کے بعد: اگر اس کے ماں باپ اور بہن بھائی سب ہوں۔

(۱) صرف ایک بھائی اور ایک بہن۔ ہر ایک کو ($\frac{1}{6}$)

(۲) جب بھائی بہن زیادہ ہوں تو $\frac{1}{3}$ میں سب شریک۔

(۳) بقایا ماں باپ کو۔ اس طرح کہ ماں کو ($\frac{1}{6}$) باقی باپ کو۔

۴۔ اگر صرف ماں باپ وارث ہوں تو ماں کو (⅓) باپ کو (⅔)

۲۔ کلالہ کے ماں باپ نہ ہوں۔ صرف بہن بھائی ہوں۔

(۱) متوفیٰ مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو اُسے (½)

(۲) ایک سے زیادہ بہنیں (⅔) میں سب شریک۔

(۳) ملے جلے بہن بھائی سارے کا سارا لے جائیں گے بھائی کے دو، بہن کا ایک کے حساب سے۔

(۴) متوفیہ عورت ہو تو اس کا وارث بھائی ہوگا۔

———— بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب مساوی تقسیم کریں گے۔

[کلالہ:۔ لیس لہٗ ولد۔ ولہٗ اخٌ او اختٌ او اخوۃٌ (۴:۱۲)—(۴:۱۷۷)

ماں باپ ہونے یا نہ ہونے کی شرط نہیں۔

[اخوۃً کے معنی بھائی بہن ملے جلے ہیں۔ (۴:۱۲)— (۴:۱۷۷)

—— (۰) ——

۱۰۔ تزکیہ

(نیز دیکھئے زکوٰۃ)

تزکیہ:۔ (ز۔ک۔و)۔ پھلنا، پھولنا، بڑھنا، نشو ونما پانا۔ (اس مادہ کی پوری تشریح زکوٰۃ کے عنوان میں ملے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ) ہمارے ہاں "تزکیۂ نفس" تصوف کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مختلف ریاضتوں اور مراقبوں سے انسانی خواہشات اور جذبات کو فنا کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں "روحانی ترقی" کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ "روحانی ترقی" بھی تصوف ہی کی اصطلاح ہے۔ اس کی رو سے عقیدہ یہ ہے کہ نفسِ انسانی (انسانی ذات) درحقیقت، ذاتِ خداوندی کا ایک جزو تھی۔ جو کسی طرح اپنی اصل سے الگ ہو کر مادہ کی دلدل میں آن پھنسی ہے۔ اسے مادی آلائشوں سے پاک و صاف کر دیا جائے تاکہ یہ پھر اپنی اصل کے ساتھ جا کر مل جائے۔ یہ انسان کی روحانی ترقی کا منتہیٰ ہے۔ اور انسانی ذات کو اس طرح مادی آلائشوں سے پاک اور صاف کرنا، تزکیۂ نفس یا نفس کشی کہلاتا ہے۔ یہ تمام تصورات غیر قرآنی ہیں۔ تصوف کا تو لفظ تک بھی قرآن کریم میں نہیں آیا۔ قرآنی تصور یہ ہے کہ خدا کی طرف سے انسان کو ایک خاص جوہر عطا ہوا ہے جسے نفسِ انسانی یا انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ (تفصیل اس کی نفس کے عنوان میں ملے گی) یہ جوہر اپنے اندر عظیم ممکنات رکھتا ہے۔

لیکن انسان کو ملتا ہے غیر نشوونما یافتہ شکل میں۔ اگر اس کی مناسب نشوونما ہو جائے تو موجودہ زندگی میں اس کا مظاہرہ بلندیٔ سیرت اور پاکیزگیٔ کردار کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور اس سے انسان، اس زندگی سے اگلی زندگی میں مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما، ان مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے جو قرآنِ کریم میں دی گئی ہیں۔ اور ایسا کچھ قرآنی معاشرہ میں ہی ہو سکتا ہے۔ انسانی ذات کے اس طرح نشوونما پا جانے کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔ اسے تصوف کی تجرد گاہوں کے زہد و انزوا کے سلوک و مراسم سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ سیدھے سادے الفاظ میں ایک مومن و متقی کی زندگی کا نام ہے۔ اور چونکہ اس اندازِ زندگی سے انسانی ذات کو نشوونما حاصل ہوتی ہے اس لئے اسے تزکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ حاصل ہوتا ہے قرآنی معاشرہ کے اندر زندگی بسر کرنے سے جسے سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے قائم کیا تھا اس لئے اسے فریضۂ رسالت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی رسولؐ کا فریضہ، محض خدا کے پیغامات کو انسانوں تک پہنچا دینا نہیں بلکہ عملاً ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جس میں افراد کا تزکیۂ نفس ہو جائے۔

———— (٥) ————

تزکیہ فریضۂ رسالت ہے

۱۔ دعائے ابراہیمی کہ ان کی ذریت میں ایسا رسول پیدا کر جو تعلیمِ کتاب و حکمت سے افرادِ مومنین کا تزکیہ کرے —— (۲ : ۱۲۹)۔ ایسا رسول مبعوث کر دیا گیا —— (۲ : ۱۵۱)۔ یہ خدا کا مومنین پر احسان ہے —— (۳ : ۱۶۳)

(۶۲ : ۲) —— (۱۷ : ۷۹)

۲۔ اُس اندھے کے متعلق جو تعلیم حاصل کرنے کے لئے دوڑتا ہوا آیا تھا، کہا کہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس طرح تزکیہ حاصل کر لیتا —— (۸۰ : ۳)۔ اعراض برتنے والے اگر تزکیہ حاصل نہیں کر سکتے تو اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔

(۸۰ : ۷)

۳۔ لیکن رسول کا کام ایسا نظام قائم کر دینا ہوتا ہے جس میں انسانوں کا تزکیہ ہوتا جائے۔ اس کا فریضہ یہ نہیں کہ ہر ایک کا تزکیہ خود کر دے۔ یہ تو انسان کے اپنے اعمال ہی سے ہوگا۔ جو ایسا کرنا چاہے اس کا تزکیہ ہوگا —— (۸۰ : ۷)

۴۔ مومنین سے صدقات وصول کرو۔ اور اس طرح ان کا تزکیہ کرو —— (۹ : ۱۰۳)

(۵) حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ فرعون سے کہو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا تزکیہ ہو جائے ــــ (۷۹ : ۱۸)

تزکیہ کیسے حاصل ہوتا ہے

(۱) یونہی اپنے آپ کو مزکّیٰ (تزکیہ یافتہ) ٹھہرا لینے سے انسان مزکّیٰ نہیں بن جاتا۔ یہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے، قانونِ مکافات کی رو سے ہوتا ہے ــــ (۴۹ : ۴) ــــ (۳۲ : ۵۳)

(۲) شیطان کے اتباع سے رُک جانے سے تزکیہ ہوتا ہے ــــ (۲۱ : ۲۴)

(۳) تقویٰ اور تزکیہ ایک ہی بات ہے۔ یعنی تزکیہ، تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے ــــ (۳۲ : ۵۳)

(۴) اپنی محنت کی کمائی کو حاجتمندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دیدینے سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے یعنی انسانی جسم کی نشو ونما اس سے ہوتی ہے جسے انسان اپنے صرف میں لاتا ہے (کھانے پینے سے) لیکن انسان کی نشو ونما اس سے ہوتی ہے جسے وہ دوسروں کو دیتا ہے ــــ (۹۲ : ۱۸)

(۵) اجتماعی زندگی میں اس طرح مال دینے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے رسول سے کہا گیا کہ ان سے صدقات لے کر، ان کا تزکیہ کرو ــــ (۹ : ۱۰۳)

(۶) معاشرہ کے چھوٹے چھوٹے امور میں حدودِ خداوندی کو ملحوظ رکھنے سے بھی تزکیہ میں مدد ملتی ہے ــــ

(۲ : ۲۳۲) ــــ (۳۰ : ۲۸ ؛ ۲۴)

(۷) ذاتی منفعت کی خاطر کتمانِ حقیقت کرنے سے تزکیہ نصیب نہیں ہوتا۔ (مذہبی پیشوا اور روحانی مقتدا کرتے ہی یہ ہیں) ــــ (۲ : ۱۷۴) ۔ عہدِ خداوندی توڑ کر ذاتی مفاد حاصل کرنے سے بھی یہی کچھ ہوتا ہے ــــ (۳ : ۷۶)

(۸) حفاظتِ عصمت سے ــــ (۲۴ : ۳۰)

تزکیہ سے کیا ہوتا ہے؟

(۱) تزکیہ کا نتیجہ جنت کی زندگی ہوتا ہے ــــ (۲۰ : ۷۶)

(۲) تزکیہ سے انسانی عمل کی کھیتی پروان چڑھ جاتی ہے۔ اس سے مقصدِ زندگی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے انسان فلاح پا جاتا ہے ــــ (۸۷ : ۱۴)

(۳) جس نے اپنی ذات کی نشو ونما کر لی وہ کامیاب (فلاح یافتہ) ہو گیا۔ جس نے اسے دبائے رکھا۔ (ابھرنے

پھولنے ، پھلنے نہ دیا) وہ تباہ ہوگیا — (۱۰ — ۹ : ۹۱) یہاں تزکیہ کے مقابلہ میں تدسیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تدسیہ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو دبا دینا۔ اس تقابل سے تزکیہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ تصوف میں انسانی ذات کا تدسیہ (نفس کشی) مقصود ہوتا ہے۔ قرآنی پروگرام میں مقصود' انسانی ذات کا تزکیہ ہے۔

(۴) تزکیہ سے انسان' زندگی کی ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یعنی جس شخص نے اِس زندگی میں اپنی ذات کی نشو ونما کرلی' وہ اگلی منزل میں پہنچ گیا۔ جس نے یہاں ایسا نہ کیا' اس کی نشو ونما رک گئی (اسے جہنم کی زندگی کہا جاتا ہے) اس لئے موت کے بعد اُس نشو ونما کا سوال نہیں پیدا ہوتا جو اِس زندگی میں حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہا کہ اہلِ جہنم کا تزکیہ نہیں ہو سکتا — (۲ : ۱۷۴) — (۳ : ۷۶)

(۵) جس کا تزکیہ ذات ہوتا ہے اس کا فائدہ صرف اسی کو پہنچ سکتا ہے۔ کسی دوسرے کو نہیں۔ کوئی اپنے تزکیہ سے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں بٹا سکتا — (۱۸ : ۳۵)۔ اس سے " روحانی پیشوائیت " کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے۔ پیر کا تزکیہ (اگر اسے واقعی حاصل ہے) مرید کے کسی کام نہیں آ سکتا۔ باقی رہا یہ کہ پیر اُسے تزکیہ کا راستہ بتاتا ہے، تو یہ راستہ قرآن کریم نے خود بتا دیا ہے جسے ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے۔ نیز یہ دو افراد (پیر اور مرید) کی انفرادی چیز نہیں۔ یہ تو قرآن کے مطابق اجتماعی زندگی سے حاصل ہوتا ہے۔

متفرقات

(۱) جوان' نشو ونما یافتہ لڑکے کے لئے نفسِ زکیہ کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ وہ لڑکا صائب نہیں تھا۔ اس سے مراد جسمانی نشو ونما ہے — (۷۴ : ۱۸)

(۲) حضرت مریم سے کہا گیا کہ انہیں " غلامًا زکیا " ملے گا۔ یعنی تندرست و توانا بچہ — (۱۹ : ۱۹)

(۳) حضرت موسےٰ سے کہا گیا کہ فرعون کی طرف جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا تزکیہ ہو جائے — (۱۸ : ۷۹)

(۴) ازکیٰ اور اطہر کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں — (۲۳۲ : ۲)۔ اطہر' منفی صفت ہے۔ جس سے مراد' غلط باتوں سے دور رہنا ہے۔ اور ازکیٰ' مثبت صفت ہے جس سے مراد نشو ونما حاصل کرنا ہے۔

(۵) طعام کے لئے بھی ازکیٰ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ایسا کھانا ہے جو نشو ونما دے سکے — (۱۹ : ۱۸)

۱۱۔ تسبیح

تسبیح (س۔ب۔ح) اس کے معنی ہیں کسی کام کے سرانجام دینے کے لئے پوری پوری جدوجہد اور تگ و تاز کرنا۔ نہایت تیزی سے بھاگ دوڑ کرنا۔ سرگرم عمل رہنا۔ حصولِ مقصد کے لئے دور دور نکل جانا۔ سَبْحٌ کے معنی تیرنے کے ہوتے ہیں جس میں تیراک پورے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اَلسَّبَّاحُ اچھے پیراک کو کہتے ہیں۔ نیز تیز رفتار گھوڑے کو۔

ان معانی کی رو سے، تسبیح سے مفہوم ہے اُس پروگرام کی تکمیل کے لئے انتہائی جدوجہد کرنا جسے خدا نے مقرر کیا ہے۔ اس اعتبار سے جب کہیں گے کہ کائنات میں ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شے اپنے اپنے فریضہ کی سرانجام دہی میں سرگرمِ عمل ہے۔ جیسے سجدہ سے مراد یہ ہے کہ ہر شے قانونِ خداوندی کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔

یہ جو ہمارے ہاں تسبیح کے دانوں پر خدا کا نام پڑھا جاتا ہے (جسے تسبیح پھیرنا کہتے ہیں) تو یہ چیز عیسائی راہبوں کے ہاں مروج تھی جسے انہوں نے بدھ مت والوں سے لیا تھا (عرب بہرحال اس سے ناآشنا تھے) بعد میں مسلمانوں نے اسے وہیں سے مستعار لے لیا۔ قرآن کریم میں "تسبیح پھیرنے" کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں خدا کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل میں انتہائی جدوجہد کرنے کا نام تسبیح ہے۔

سبحان اللہ کے معنی ہیں خدا ان تصورات سے بہت دور ہے جو انسان اپنے ذہن سے اس کے متعلق قائم کرتا ہے۔ نیز اس لفظ کو تعجب اور حیرت کے اظہار کے لئے بھی بولتے ہیں۔ سُبْحَانٌ کے معنی سرگرمِ عمل رہنے کے بھی ہیں۔

(۰)

اشیائے کائنات کی تسبیح

(۱) کائنات کی ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ یعنی ان فرائض کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہے جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر رکھے ہیں — (۵۷ : ۱) — (۵۹ : ۱) — (۵۹ : ۲۴) — (۶۱ : ۱) — (۶۲ : ۱) — (۶۴ : ۱)

(۲) ملائکہ نے خدا سے کہا کہ ہم تیرے پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ جدوجہد رہتے ہیں — (۲ : ۳۰)

(۳) کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ کائنات کی ہر شئے کس طرح خدا کے پروگرام کی تکمیل میں سرگرداں ہے اور پرندے کس طرح فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ کائنات کی ہر شئے اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ سے واقف ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس کے فرائض کیا ہیں۔ اور ان کی بجا آوری میں اسے کس طرح تگ و تاز کرنی ہے — (۲۴ : ۴۱)

(۴) کائنات کی کونسی شئے ہے جو تسبیح خداوندی میں مصروف نہیں۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے — (۱۷ : ۴۴)

(۵) رعد (بجلی کی کڑک) حمدیتِ خداوندی کے لئے مصروفِ جدوجہد رہتی ہے — (۱۳ : ۱۳)

(۶) تمام مظاہرِ فطرت خدائی پروگرام کی تکمیل میں سرگرداں رہتے ہیں — (۷ : ۲۰۶) — (۲۰-۱۹ : ۲۱)

"حاملینِ عرش" (ملائکہ) کی بھی یہی کیفیت ہے۔ (دیکھئے عنوان عرش) — (۷ : ۲۰۶) — (۲۱ : ۱۹) — (۳۹ : ۷۵) — (۴۰ : ۷) — (۴۱ : ۳۸) — (۴۲ : ۵)

انسانوں کی تسبیح

(۱) حضرت زکریا کو بیٹے کی بشارت دینے کے بعد کہا کہ تم صبح و شام اپنے پروگرام کی تکمیل کیلئے مصروفِ سعی و عمل رہو — (۳ : ۴۰)

(۲) حضرت زکریا نے لوگوں کو اشارہ کر کے کہا کہ تم اپنے مقررہ پروگرام میں صبح و شام مصروف رہو — (۱۹ : ۱۱)

(۳) حضرت موسیٰ کو جب فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے بھائی کو ساتھ لے جانے کے لئے کہا اور تقویت کی دعا مانگی۔ اور کہا کہ میں یہ کچھ اس لئے مانگ رہا ہوں تاکہ اس پروگرام کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کی جاسکے — (۲۰ : ۳۳)

(۴) داؤد کے ساتھ بڑے بڑے اکابر (جبال) اور قبیلہ طیر کے سردار، سب خدائی پروگرام کی تکمیل میں جدوجہد کرتے رہتے تھے — (۲۱ : ۷۹) — (۳۸ : ۱۸)

(۵) باغ والوں کی مثال میں کہا کہ ان میں سے ایک نے جو بہت اچھا آدمی تھا کہا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم فرائضِ خداوندی کی انجام دہی کے لئے جدوجہد کرو — (۶۸ : ۲۸)

رسول اللہ اور مومنین کو تسبیح کا حکم

(۱) قوانینِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرو اور اس کے

پروگرام کو وجہ حمد و ستائش بنانے کے لئے کامل جد و جہد کرو ——(۹۸ : ۱۵)——(۵۸ : ۲۵)

(۲) جب فتح و نصرت آجائے تو اس وقت اپنے فرائضِ منصبی کی بجا آوری میں اور زیادہ جد و جہد کرو ——(۱۱۰:۳)

(۳) صبح شام، دن رات، اس کے لئے جد و جہد کرتے رہو ——(۲۰: ۱۳۰) —(۴۰ : ۵۵)—(۴۰-۳۹ : ۵۰)

(۴۹-۴۸ : ۵۲)—(۲۶-۲۵ : ۷۶)

(۴) خدا کی صفتِ ربوبیت کو عام کرنے کے لئے انتہائی جد و جہد کرو ——(۵۶ : ۷۴)—(۹۶ : ۵۶)

(۵۲ : ۶۹)——(۱ : ۸۷)

(۵) حضورؐ سے کہا گیا کہ تمہارے لئے دن بھر جد و جہد کا بہت بڑا پروگرام ہوتا ہے۔ اس لئے رات کو زیادہ نہ جاگا کرو ——(۷ : ۷۳)

(۶) مومن وہ ہیں جو قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں (سجدہ) اور اس کے پروگرام کو وجہ حمد و ستائش بنانے میں مصروفِ جد و جہد رہتے ہیں ——(۳۲:۱۵)

(۷) اے جماعتِ مومنین! صبح شام، خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ کار رہو ——(۴۲ : ۳۳)

(۸) جماعتِ مومنین، دن رات خدائی پروگرام کی تکمیل میں مصروفِ جد و جہد رہتی ہے ——(۳۶ : ۲۴)

(۹) مومن، رسول اللہ کے لئے وجہ تقویت ہیں اور خداوندی پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔

(۹ : ۴۸)

(۱۰) مومنین کہتے ہیں کہ ہم مسبحین ہیں۔ یعنی خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے جد و جہد کرنیوالے ——(۱۶۶ : ۳۷)

سبحان اللہ

(۱) کتنی دور رس اسکیمیں ہیں اس خدا کی جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجدِ حرام (مکہ) سے مسجدِ اقصیٰ (مدینہ) کی طرف لے گیا ——(۱ : ۱۷)

(۲) رسول اللہ سے مخالفین معجزات طلب کرتے تھے۔ جواب میں کہا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ میرا رب اس سے بہت بلند اور دور ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبات پورے کرے ——(۹۳ : ۱۷)

(۳) مومنین کہتے ہیں کہ ہمارا رب اس سے بہت دور ہے کہ اس کے وعدے پورے نہ ہوں ——

(۱۰۸ : ۱۷)

(۴) خدا شرک سے بالاتر ہے — (۱۰۱ ؛ ۶) — (۳۱ ؛ ۹) — (۱۸ : ۱۰) — (۱۰۸ : ۱۲) — (۱ : ۱۶) — (۶۸ ؛ ۲۸) — (۳۰ : ۴۰) — (۳۹ ، ۶۷) — (۵۲ ؛ ۴۳) — (۵۹ : ۲۳)

(۵) مختلف اشیائے کائنات کی تخلیق اور نظم و نسق کے سلسلہ میں "سبحان الذی" کہا — (۳۶ ؛ ۳۶)
ارباب تحقیق پکار اٹھتے ہیں کہ "تو اس سے بہت بلند ہے کہ کائنات کو باطل پیدا کرتا" — (۱۹۱ : ۳)

(۶) لوگ جو کچھ اپنے خیالات کے مطابق خدا کے متعلق باتیں کرتے ہیں، وہ ان سے بہت بلند اور دور ہے۔
(۶ : ۱۰۱) — (۱۷ : ۴۳) — (۲۱ : ۲۲) — (۲۳ : ۹۱) — (۳۷ ؛ ۱۵۹) — (۳۷ : ۱۸۰) — (۴۳ : ۸۲)

(۷) کس قدر بلند و بالا ہے وہ ذات جس نے اشیائے کائنات کو انسانی خدمات کے لئے مسخر کر دیا — (۱۳ : ۴۳)

(۸) باغ والوں کی مثال میں کہا کہ ان لوگوں نے بالآخر اعتراف کیا کہ ہم ظالم تھے۔ اس کے ساتھ سبحان ربنا کہا۔ کہ ہم جو کچھ سمجھے بیٹھے تھے، خدا اس سے بلند و بالا ہے — (۲۹ : ۶۸)

(۹) صبح و شام، خدائی فرائض کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہنا ہوگا۔ یہاں سبحان کا لفظ مصدری معنوں میں استعمال ہوا ہے — (۱۷ ؛ ۳۰)

(۱۰) وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں سارا اقتدار و اختیار ہے، کس قدر بلند و بالا ہے — (۸۳ : ۳۶)

(۱۱) سبحان اللہ رب العالمین — (۸ : ۲۷)

(۱۲) خدا اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کائنات کو بے مقصد پیدا کرتا — (۱۹۰ : ۳)

(۱۳) حضرت موسےٰؑ نے جب دیدارِ خداوندی کے لئے استدعا کی تو اس کے بعد کہا کہ بارالہا! تو اس سے بہت بلند ہے کہ تجھے کوئی انسان دیکھ سکے — (۱۴۳ : ۷)

(۱۴) جنت میں اہلِ ایمان کی پکار کہ خدا بہت بلند و بالا ہے — (۱۰ : ۱۰)

(۱۵) حضرت یونسؑ کی پکار کہ اے خدا! تو بہت بلند و بالا ہے — (۸۷ : ۲۱)

(۱۶) واقعہ افکؔ کے متعلق کہا کہ تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ سبحانک! یہ بالکل بہتان ہے — (۱۶ : ۲۴)

(۱۷) حضرت عیسےٰؑ سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ تمہاری اور تمہاری والدہ کی پرستش کریں! وہ کہیں گے کہ سبحانک! میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں — (۱۱۶ : ۵)

(۱۸) قصۂ آدم میں ملائکہ نے کہا — سبحانک — ہمارا تو اتنا ہی علم ہے جتنا کچھ تو نے ہمیں علم دیا ہے — (۳۲ : ۲)

(۱۹) قیامت کے دن سچے پیشوایانِ دین کہیں گے کہ ہم نے لوگوں کو اس کی تعلیم نہیں دی تھی۔ یہاں بھی سبحانک

آیا ہے — (۱۸ : ۲۵)

(۲۰) نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا کا بیٹا بھی ہے۔ خدا اس سے بہت بلند ہے — (۱۱۶ : ۲) — (۱۷۱ : ۴) — (۶۸ : ۱۰)

(۱۹ : ۳۵) — (۲۶ : ۲۱) — (۴ : ۳۹)

(۲۱) مشرکینِ عرب خدا کی بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے تھے۔ خدا اس سے بلند ہے — (۵۷ : ۱۶)

(۲۲) صبح اور شام، سبحان اللہ — (۱۷ : ۳۰)

(۲۳) جنہیں لوگ اپنا معبود بنا لیتے ہیں ان کا قیامت میں اعتراف کہ سبحانک، ہمیں اس کی جرأت کیسے ہو سکتی تھی کہ خدا بن بیٹھتے — (۱۸ : ۲۵)۔ ملائکہ بھی یہی کہیں گے — (۴۱ — ۴۰ : ۳۴)

(۰)

متفرقات

(۱) آسمانی کرّے اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں — کل فی فلک یسبحون — (۳۳ : ۲۱) — (۴۰ : ۳۶)

(۲) حضرت یونسؑ کو جب مچھلی نے منہ میں لے لیا تو کہا گیا کہ اگر وہ پیراک نہ ہوتا اور اس قدر ہاتھ پاؤں مار کر اس سے چھٹکارا حاصل نہ کر لیتا تو وہ اسے نگل جاتی — (۱۴۳ : ۳۷)

(۳) خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے تگ و تاز کرنے والوں کو السابحات کہا گیا — (۳ : ۷۹)

(۰)

۱۲- تسخیرِ فطرت

تسخیر (مادہ۔ س۔ خ۔ ر) کسی کو مجبور کر کے کسی کام پر لگا دینا۔ اسے تابع فرمان کر لینا۔ اپنے حکم کے مطابق چلانا۔

نزولِ قرآن سے پہلے انسان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ فطرت کی قوتوں سے ڈرتا تھا۔ اسی بنا پر اس نے انہیں دیوی دیوتا بنا رکھا تھا۔ وہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا۔ قرآنِ کریم نے انسان کو اس کے مقام سے آگاہ کیا۔ اور کہا کہ یہ ملائکہ "تیرے سامنے جھکنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ انہیں خدا نے اپنے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ یہ ان کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ آدم (نوعِ انسان) میں اس امر کا امکان رکھ دیا گیا

ہے۔کہ وہ ان قوانین کا علم حاصل کرسکے۔جوں جوں یہ ان کا علم حاصل کرتا جائے گا، یہ قوتیں اس کے سامنے جھکتی جائیں گی۔ اسی کو تسخیرِ فطرت کہتے ہیں۔جو قوم ان قوتوں کو اپنے سامنے جھکا کر ان سے کام لے گی۔ وہ ان کی تخلیق و تسخیر کے منشاء کو پورا کریگی۔اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں۔فرق اس سے آگے جاکر سامنے آتا ہے۔کہ مومن ان قوتوں کو مسخر کرکے ان کے ماحصل کو'اقدارِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسانی کے مفادِ کلی کے لئے صرف کرتا ہے اور کافر اسے اپنی مفاد پرستی اور استحصال کے کام میں لاتا ہے۔

غور کیجئے کہ قرآنِ کریم نے چاند، سورج اور دیگر اجرامِ فلکی کی تسخیر کا ذکر اس زمانے میں کیا جب انسان کو اس بات کا تصور تک نہیں آسکتا تھا۔آج ان کی تسخیر کا عملی مفہوم سامنے آرہا ہے۔انسان چاند تک تو جا ہی پہنچا ہے — اور — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات "فطرت" اور "ملائکہ")

—— (۰) ——

تسخیرِ اشیائے فطرت

(۱) آدم (یعنی آدمی) کو اسماء کا علم دے دیا گیا۔اور اس وجہ سے ملائکہ اس کے سامنے جھک گئے —(۳۴-۳۱ : ۲)

(۲) خدا وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے کہ اس میں سے تمہارا سامانِ رزق (مچھلی) نکلتی ہے۔ نیز موتی۔اور کشتیاں اس پر چلتی ہیں—(۳۲ : ۱۴)—(۱۴ : ۱۶)—(۱۲ : ۴۵)

(۳) جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔اور کشتیاں جو سمندر میں چلتی ہیں۔اور آسمانی کرّوں کو فضا میں تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر نہ گریں —(۱۲ : ۱۴)—(۶۵ : ۲۲)

(۴) سمٰوٰت اور ارض میں جو کچھ ہے سب تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے۔اس طرح اس نے اپنی ظاہر و باطن کی نعمتوں کو تمہارے لئے عام کر دیا ہے —(۲۰ : ۳۱)—(۱۳ : ۴۵)۔ جمیعًا منہ۔

(۵) خدا نے چاند اور سورج کو مسخر کر رکھا ہے۔یہ سب ایک میعادِ مقررہ تک کے لئے چلے جا رہے ہیں۔ وہ تدبیرِ امور کرتا ہے۔اور اپنی آیات (قوانین) نکھار کر تمہارے سامنے لاتا ہے تاکہ تم "لقاءِ رب" پر یقین لے آؤ —(۵۴ : ۷)—(۲ : ۱۳)—(۳۳ : ۱۴)—(۲۹ : ۳۱)—(۱۳ : ۳۵)—(۵ : ۳۹)

اور نجوم کو —(۱۲ : ۱۶)

(۶) اگر تم ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا۔ اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو یہ کہیں گے کہ خدا نے — (۶۱ : ۲۹)

(۷) انہار تمہارے لئے مسخر کر دیں — (۳۲ : ۱۴)

(۸) لیل و نہار کو تمہارے لئے مسخر کر دیا — (۳۳ : ۱۴) — (۱۲ : ۱۶)

(۹) کشتیاں۔ اور سواری کے جانور تمہارے لئے مسخر کر دیئے — (۳۲ : ۱۴) — (۸ : ۱۶) — (۲۲ : ۲۳) (۱۳ : ۴۳)

(۱۰) اس نے زمین کو تمہارے لئے مہد بنایا۔ اور اس میں راستے بنائے — (۱۰ : ۴۳)

(۱۱) حضرت داؤد کے لئے پہاڑوں (یا پہاڑی قبائل کے سرکش سرداروں) کو مسخر کر دیا — (۷۹ : ۲۱) — (۱۸ : ۳۸) وہ زرہیں بھی بنایا کرتے تھے — (۸۰ : ۲۱)

(۱۲) حضرت سلیمان کے لئے ہواؤں کو مسخر کر دیا۔ اور سرکش انسانوں کو بھی جو اس کے لئے طرح طرح کی چیزیں بناتے تھے — (۸۱ : ۲۱) — (۳۶-۳۷ : ۳۸)

(۱۳) مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ تم انہیں ذبح کر کے کھاؤ — (۳۶-۳۷ : ۲۲)

(۱۴) ارض و سمٰوٰت میں جو کچھ ہے خدا نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے — (۲۹ : ۲)

(۱۵) بادل ارض و سما کے درمیان فضا میں مسخر ہوتے ہیں — (۱۶۴ : ۲)

(۱۶) پرندے کس طرح ہوا میں اڑتے ہیں۔ وہ بھی مسخر ہیں — (۷۹ : ۱۶)

مقصدِ تسخیر

(۱) ان تمام اشیاء کو اس لئے تمہارے لئے پیدا اور مسخر کیا تاکہ تم بھی قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو۔ یہ ہے مقامِ مومن۔ اشیائے کائنات اس کے سامنے جھکی ہوئی اور یہ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا ہوا — (۸۱-۷۹ : ۱۶)

(۲) اس سے مقصد یہ ہے کہ تم اس حقیقت کو سامنے رکھو کہ خود انسان کے لئے بھی خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل جاری و ساری ہے۔ اور یہ اس سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا — (۲ : ۱۳)

(۳) یہ حقیقت تمہیں دعوتِ غور و فکر دیتی ہے — (۳ : ۱۳)۔ اور عقل و بصیرت سے کام لینے کی تاکید

کرتی ہے ۔ (۱۹۰-۱۸۹ : ۳) ۔ (۴ : ۱۳) ۔ (۱۲-۱۱ : ۱۶)

(۴) مومنین اس پر خدا کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں ۔ (۱۳ : ۴۳)

(۵) مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ تم خدا کی کبریائی کو زمین پر مسلط کرو ۔ (۳۷ : ۲۲)

متفرّق

(۱) بادل فضا میں مسخر ہیں ۔ (۱۶۴ : ۲)

(۲) پرندے جو سماوی میں مسخر رہتے ہیں ۔ (۷۹ : ۱۶)

(۳) مختلف افراد میں صلاحیتوں کا فرق معاشرہ میں تقسیم کار کے لئے ہے۔ انسانوں میں طبقات پیدا کرنے کے لئے نہیں ۔ (۳۲ : ۴۳)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "معاشی نظام"۔

(۰)

۱۳۔ تصدیق

صدق (ص ۔ د ۔ ق) یہ مادہ کذب کے مقابلہ میں آتا ہے۔ کذب کے بنیادی معنی ہوتے ہیں دل اور زبان میں موافقت نہ ہونا۔ لہٰذا صدق کے بنیادی معنی ہوں گے دل اور زبان کی ہم آہنگی۔ اسی کو سچ کہتے ہیں۔ لیکن اس کی ایک شکل اور بھی ہے۔ ایک شخص کو کسی واقعہ کے متعلق جو کچھ معلوم ہے وہ غلط ہے۔ لیکن جو کچھ اسے معلوم ہے اسے وہ بیان کر رہا ہے ٹھیک ٹھیک۔ اس طرح اس کے دل اور دماغ میں تو ہم آہنگی ہوگی لیکن جو بات وہ کہے گا وہ غلط ہوگی۔ اُسے ہم جھوٹا نہیں کہیں گے۔ البتہ اس کی بات کو غلط کہیں گے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی قوت کے ہیں۔ یعنی سچ میں ہمیشہ قوت ہوتی ہے۔ شرف اور فضیلت کا مفہوم بھی اس کے اندر آتا ہے کہ حقیقی شرف اور فضیلت وابستۂ صداقت ہے۔

صَدِیْقٌ دوست کو کہتے ہیں۔ اور صِدِّیْقٌ اُسے جو بہت زیادہ سچا ہو۔ جو اپنے دعویٰ کی تصدیق اپنے عمل سے کرے۔ مُصَدِّقٌ کے معنی ہیں سچ کر دکھانے والا۔ قرآن کریم کو مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (یا لِمَا مَعَكُمْ) اکثر مقامات میں کہا گیا ہے۔ اس کے معنی کئے جاتے ہیں کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والا۔ اس کا

یہ مفہوم صحیح نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ کتبِ سابقہ میں تحریف ہو چکی تھی۔ سو جن کتابوں کو وہ محرف کہتا ہے ان کی تصدیق وہ کس طرح کرے گا؟ اس کے معنی ہیں "سچ کر دکھانے والا"۔ یعنی کتبِ سابقہ میں خدا نے جو وعدے کئے تھے، قرآن انہیں سچ کر کے دکھا دے گا۔ مثلاً یہ وعدہ کہ ظالم پنپ نہیں سکتا۔ یا زمین پر آسمان کی بادشاہت قائم ہوگی ... یا راستباز انسان کامیاب ہوں گے۔ تو قرآن، اس تمام تعلیم کو عملاً سچ کر دکھلائے گا۔ اس کی رو سے ایسا نظام قائم ہو گا جس میں یہ تمام دعاوی عملاً سچ ہو کر سامنے آجائیں نیز اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ کتبِ سابقہ میں جس ظہور کے آنے کی خبریں دی گئیں تھیں، وہ اب (قرآن اور نبی اکرمؐ کی ذات میں) سچ ہو کر سامنے آگیا ہے۔ اس طرح قرآن نے اُن خبروں کو سچ کر دکھایا ہے۔

صدقہ کے معنی ہمارے ہاں کسی مصیبت کو رفع کرنے کے لئے کچھ بطور خیرات دے دینا، کئے جاتے ہیں۔ یہ قرآنی مفہوم نہیں۔ صدقہ درحقیقت ہر وہ شے ہے جسے فرد اپنی ملکیت میں نہ رکھے بلکہ اُسے لوگوں کے مشترکہ فائدے کے لئے دیدے۔ حکومت کے واجبات کے علاوہ، جو کچھ کوئی بطور عطیہ دے، اسے بھی صدقہ کہا جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں خیرات کا تصور نہیں۔ لیکن جب تک وہ نظام قائم نہ ہو، اس وقت تک محتاجوں اور غریبوں کی امداد، انفرادی طور پر کی جائے گی۔ اس قسم کی امداد کو بھی صدقہ کہا گیا ہے۔

تَصَدَّقَ کے معنی ہیں جو کچھ تمہارا کسی کے ذمے واجب ہو، اسے نہ لینا۔ اُسے چھوڑ دینا۔ ایسے کرنیوالے کو **مُتَصَدِّق** کہتے ہیں۔

اس مادہ کی کوئی شکل ہو۔ اس کے معانی میں دو بنیادی خصوصیات ضرور ہوں گی۔ ایک یہ کہ اس میں دل کی پوری پوری رضامندی اور خوشنودی ہو۔ دعویٰ اور عمل میں ہم آہنگی ہو۔ جبر و اکراہ کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے نتیجہ میں قوت و توانائی اور شرف و فضیلت حاصل ہو۔

(٥)

صِدْقٌ - صَدَاقَت

(۱) ہم نے بنی اسرائیل کو مُبَوَّأَ صِدْقٍ دیا ــــ (۱۰ : ۹۳) یعنی ایسا ٹھکانہ جو ان کے لئے قوت اور فضیلت کا موجب تھا۔

(۲) اہلِ ایمان کے لئے خدا کی طرف سے قَدَمَ صِدْقٍ ہوگی ــــ (۱۰ : ۲) یعنی ایسی سابقت جو

شرف و تقویت کا موجب ہو۔ نیز مقعد صدق ——— (۵۵ : ۵۴)

(۳) دعائے ابراہیمی کہ مجھے لسان صدق فی الآخرین عطا ہو ——— (۸۴ : ۲۶)۔ یعنی ایسی زندگی کہ آنے والے مجھے نوعِ انسان کا سچا غمخوار کہہ کر یاد کریں اور اس طرح شرفِ انسانیت کی بنا پر میرا تذکرہ باقی رہے۔ نیز ——— (۵۰ : ۱۹)

(۴) دعا یہ مانگو کہ تمہیں مدخل صدق اور مخرج صدق ملے ——— (۸۰ : ۱۷)۔ یعنی تم جہاں داخل ہو وہاں شرف و فضیلت کے ساتھ داخل ہو اور جہاں سے نکلو وہاں سے بھی شرف و تکریم کے ساتھ نکلو۔

(۵) اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اُس صدق کی تکذیب کی جو خدا کی طرف سے اس کے پاس آیا ——— (۳۲ : ۳۹)

(۶) متقی وہ ہے جو سچ (صدق) کے ساتھ آئے۔ اور جو اس سچ کو قبول کرلے یا اپنے اعمال سے اس کے سچا ہونے کی تصدیق کرے ——— (۳۳ : ۳۹)

(۷) وعد الصدق۔ سچا وعدہ جو خدا نے کیا تھا ——— (۱۶ : ۴۶) وہ مومنوں کے حق میں پورا ہو کر رہیگا۔

(۸) خدا کے قوانین، قرآن کریم میں صدق اور عدل کے ساتھ تکمیل تک پہنچ گئے ——— (۱۱۶ : ۶)

(۹) مومنین نے اپنے دعوائے ایمان کو سچ کر دکھایا (جنگِ احزاب میں) اور خدا نے ان صادقین کو ان کے صدق کا بدلہ دیا ——— (۲۴-۲۳ : ۳۳)

(۱۰) قیامت میں صادقین کا صدق انہیں فائدہ دیگا ——— (۱۱۹ : ۵)

(۱۱) انبیاء سے میثاق کیا گیا تاکہ صادقین سے ان کے صدق کے متعلق پوچھا جا سکے ——— (۸ : ۳۳)

صادق (اصدق)

(۱) خدا سے زیادہ سچی بات کرنے والا (اصدق) کون ہو سکتا ہے ——— (۸۷ : ۴)

(۲) مومنین کے لئے جنت کا ذکر کر کے کہا کہ خدا کے وعدے سچے ہیں۔ اور اس سے زیادہ سچی بات کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے ——— (۱۲۲ : ۴)

(۳) حضرت اسمٰعیلؑ صادق الوعد تھے ——— (۵۴ : ۱۹)

(۴) خدا نے کہا ہے کہ جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ صادق (سچا) ہے ——— (۵ : ۵۱)

(۵) صادق۔ بمقابلہ۔ کاذب ——— (۲۸ : ۴۰)

(۶) یہودیوں سے کہا گیا کہ تم پر تمہارے جرائم کی وجہ سے بعض چیزیں حرام قرار دی گئی تھیں۔ اس کے بعد کہا کہ ہم صادقین میں سے ہیں۔ یعنی یہ بات بالکل سچی ہے —— (۶:۱۴۷)

(۷) حضرت لوطؑ کے پاس خدا کے فرستادگان آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم صادقین میں سے ہیں —— (۱۵:۶۴)

(۸) حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے باہمی مشورہ کیا کہ بن یامین کی بابت باپ سے جا کر ساری بات بیان کریں اور کہیں کہ ہم صادقین میں سے ہیں —— (۱۲:۸۲)

(۹) <u>صادق کون ہیں؟ - انہیں کیا ملے گا؟</u>

جو مومن مال وجان سے جہاد کرتے ہیں —— (۴۹:۱۵)۔ قیامت میں صادقین کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ (۵:۱۱۹)۔ جو جنگ میں پورے اُترتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں کامیابی ان کا صلہ ہے —— (۳۳:۲۴)

کونوا مع الصادقین —— (۹:۱۱۹) مومن صادق ہوتے ہیں —— (۳:۱۶) مرد اور عورتیں دونوں —— (۳۳:۳۵) مہاجرینِ مکہ صادقین تھے —— (۵۹:۸)

(۱۰) <u>ان کنتم صادقین</u> - (اگر تم سچے ہو تو ....)

ملائکہ سے کہا کہ تم اِن اشیاء کے نام بتاؤ .... —— (۲:۳۱)

یہودیوں سے کہا کہ حلت و حرمت کے جو احکام ہم نے بیان کئے ہیں اگر تمہیں اس میں شک ہے تو تورات لاکر پیش کرو ..... —— (۳:۹۲) —— (۳:۱۸۲) —— (۳۷:۱۵۷) —— (۶:۴۲)

منافقین سے کہا کہ تم موت سے بچ کر بتاؤ ..... —— (۳:۱۶۷)

مشرکین سے کہا کہ اپنے معبودوں سے کہو کہ خدا کے عذاب کو ٹال کر دکھائیں .... (۶:۴۰)۔ یا جو مشرکانہ رسومات تم اختیار کئے ہو ان کے لئے کوئی خدائی سند دکھاؤ .... (۶:۱۴۴) یا جنہیں تم پکارتے ہو، دکھاؤ کہ وہ کس طرح تمہاری پکار کا جواب دیتے ہیں ..... —— (۷:۱۹۴) —— (۳۷:۱۵۷) —— (۴۶:۴) (۴۸:۴۱)۔ مخالفین سے کہا کہ اگر قرآن، خدا کی طرف سے نہیں ہے تو اس جیسی ایک سورۃ بنا کر دکھاؤ ...... (۲:۲۳) —— (۱۰:۳۸) —— (۱۱:۱۳) —— (۲۸:۴۹) —— (۵۲:۳۴)۔ مخالفین، رسول اللہؐ سے کہتے تھے کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس تباہی سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے، وہ کب آئے گی، اسے لا کر دکھاؤ

(۷:۱۰۶) —— (۱۰:۴۸) —— (۲۱:۳۸) —— (۲۷:۷۱) —— (۳۲:۲۸) —— (۳۴:۳۰) —— (۳۶:۴۹) —— (۶۷:۲۵)

انبیاء سابقہ سے مطالبہ —— (۷:۷۰) —— (۱۱:۳۲) —— (۱۵:۷) —— (۲۶:۱۸۷) —— (۲۹:۲۹) —— (۴۶:۲۲)

مخالفین کا مطالبہ کہ اگر تم سچے ہو کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی تو ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے دکھاؤ ——— (۳۶-۳۵ : ۴۴)—(۲۵ : ۴۵)

اعراب سے کہا کہ تم اپنے اسلام سے رسولؐ پر احسان نہ دھرو۔ اگر تم اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہو تو اس حقیقت کو سمجھ لوگے کہ اسلام عطا کر کے خدا نے تم پر احسان کیا ہے —(۱۷ : ۴۹)

مخالفین سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کے عذاب کو لوٹا کر دکھاؤ — (۸۸-۸۷ : ۵۶)

یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کے ثبوت میں دلائل پیش کرو یعنی قرآن اپنے ہر دعویٰ کو دلیل سے منواتا ہے۔ اور اسی کا تقاضا اپنے مخالفین سے کرتا ہے — (۱۱۱ : ۲)

مشرکین سے بھی یہی کہا —(۶۴ : ۲۷)

یہودیوں سے کہا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے انبیاء کو قتل کیوں کیا تھا—(۱۸۳ : ۳)

یہودیوں سے کہا کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جنت تمہارے لئے ریزرو ہے تو تم موت کی تمنا کر کے بتاؤ —(۹۴ : ۲)—(۶ : ۶۲)

فرعون نے حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ جس بات کا تم دعویٰ کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اسے پیش کر کے دکھاؤ (۳۱ : ۲۶)۔ قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے بھی یہی کہا — (۱۵۴ : ۲۶)

صَدَقَ

(۱) خدا نے سچی بات کہی ہے —— (۹۴ : ۳)

(۲) جنگِ احزاب کے ضمن میں کہا کہ جب جماعتِ مومنین نے دشمن کے لشکروں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ وہی (فتح و ظفر کی علامات) ہیں جس کا وعدہ خدا اور رسولؐ نے کیا تھا اور اب اس نے اسے سچ کر دکھایا ہے۔ یا یہ کہ خدا اور رسول نے سچا وعدہ کیا تھا (یہاں صَدَقَ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں) —(۲۲ : ۳۳)
ان مومنین نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اسے اپنے عمل سے سچ کر دکھایا۔ اور خدا نے ان صادقین کو ان کے صدق کا بدلہ دیا — (۲۴-۲۳ : ۳۳)

(۳) بعث بعد الموت کے متعلق ہے کہ کفار کہیں گے کہ یہ وہ ہے جس کا وعدہ خدا نے کیا تھا اور (صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ) اس کے رسولوں نے اس کی تصدیق کی تھی —— (۵۲ : ۳۶)

(۴) کذب کے مقابلہ میں صدق — (۲۷ : ۲۷)۔ ہُدہُد اور حضرت سلیمانؑ کا واقعہ۔ (ii) حضرت یوسفؑ اور عزیز کی بیوی کا واقعہ — (۲۷ – ۲۶ : ۱۲)

(۵) حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے کہا کہ ہمارے لئے "خدا کے ہاں سے رزق" کا سامان کیجئے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ جو تعلیم پیش کر رہے ہیں وہ صداقت پر مبنی ہے — (۱۱۳ : ۵) یا آپ جو ہم سے وعدے کرتے ہیں وہ سچے ہیں۔ (تفصیل حضرت عیسیٰؑ کے عنوان میں ملے گی)

(۶) مومنین کا اعلان کہ خدا نے ہم سے جو وعدے کئے تھے، وہ اس نے سچ کر دکھائے۔ وہ سچ ثابت ہوئے (۷۴ : ۳۹) اور ہمیں ملک میں اقتدار حاصل ہو گیا۔

(۷) خدا نے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر کے، اپنے وعدے سچ کر دکھائے — (۱۵۱ : ۳)

(۸) خدا نے انبیاء کرامؑ سے جو وعدے بھی کئے تھے انہیں سچ کر دکھایا۔ اور ان کے مخالفین کو تباہ کر دیا — (۹ : ۲۱)

(۹) جماعتِ مومنین کو مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کون اپنے دعوئے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا — (۳ : ۲۹)

(۱۰) میدانِ جنگ میں پتہ چلتا ہے کہ کون اپنے دعوئے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا — (۴۳ : ۹)۔ اسی کو "خدا کے ساتھ سچا ہونے" سے تعبیر کیا گیا ہے — (۲۱ : ۴۷)

(۱۱) خدا اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھلائے گا — (۲۷ : ۴۸)

(۱۲) مومن اپنے دعوئے ایمان کی صداقت کا ثبوت اپنے اعمال سے پیش کرتے ہیں — (۱۷۷ : ۲)

صِدّیق۔ صَدِیْق

(۱) اہلِ جہنم کا کوئی صَدِیق (دوست) نہیں ہوگا — (۱۰۱ : ۲۶)

(۲) دوست (صدیق) کے ہاں سے کھا لینے میں مضائقہ نہیں — (۶۱ : ۲۴)

(۳) حضرت ادریسؑ — صدیق نبی تھے — (۵۶ : ۱۹)

(۴) حضرت ابراہیمؑ بھی صدیق نبی تھے — (۴۱ : ۱۹)

(۵) حضرت عیسیٰؑ کی والدہ صدیقہ تھیں — (۷۵ : ۵)

(۶) خدا اور رسول پر ایمان لانے والے صدیق اور شہداء ہیں ـــــ (۱۹ : ۵۷)

(۷) اطاعتِ خدا و رسول کرنے والوں کو انبیاء، صدیق، شہداء، صالحین کی معیت نصیب ہوگی۔ یہ بہترین رفیق ہیں ـــــ (۶۹ : ۴)۔ آیت کے آخری حصے (وحسن اولٰٓئِك رفيقا) نے اس کی وضاحت کر دی کہ انہیں ان کی رفاقت نصیب ہوگی۔

صَدَّقَ (و صَدَقَ بمعنی صَدَّقَ)

(۱) خدا' اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھائے گا۔ (یہاں صَدَقَ بمعنی صَدَّقَ استعمال ہوا ہے۔ یعنی سچ کر دکھانا) ـــــ (۲۷ : ۴۸)۔ نیز ـــــ (۲۲ : ۳۳) میں بھی۔ اور ـــــ (۲۳ : ۳۳) میں بھی۔ جہاں کہا کہ جماعتِ مومنین نے اپنے عہد کو سچ کر دکھایا

(۲) اہلِ سبا کے متعلق کہا کہ ابلیس نے ان کے متعلق جو خیال قائم کیا تھا، انہوں نے اسے سچ کر دکھایا۔ ابلیس نے اپنے خیال کو سچا پایا ـــــ (۲۰ : ۳۴)

(۳) غلط راستے پر چلنے والا، نہ تو اپنے دعاوی کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاتا ہے۔ نہ ہی اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کرنے کے لیے قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتا ہے۔ لا صَدَّقَ و لا صَلّٰی ـــــ (۳۱ : ۷۵)

(۴) یہ رسول حق کے ساتھ آیا ہے۔ اور تمام سابقہ رسولوں کے سچا ہونے کا اعلان کرتا ہے ـــــ (۳۷ : ۳۷)

(۵) متقی وہ ہے جو سچ لے کر آئے۔ یا جو اس سچ کو قبول کرے اور اپنے اعمال سے اس کی تصدیق کرے۔ اپنے عمل سے ثابت کر دے کہ وہ واقعی سچ ہے ـــــ (۳۳ : ۳۹)

(۶) جو اپنے مال کو دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دے دے اور اس طرح حسن کارانہ انداز سے اپنے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھائے وہ صحیح راستہ پر ہے ـــــ (۶-۵ : ۹۲)۔ وہ متقی ہے۔

(۷) حضرت ابراہیمؑ سے (ذبحِ حضرتِ اسمٰعیلؑ کے سلسلہ میں) کہا کہ تمہیں یونہی ایک خواب آیا تھا۔ تم نے اسے سچ پر محمول کر کے، اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ تم نے اپنے خواب کو سچ مچ کا واقعہ بنا دیا۔ وہ تو محض خواب تھا ـــــ (۱۰۵ : ۳۷)

(۸) حضرت مریمؑ نے قانونِ خداوندی کو سچ کر دکھایا ـــــ (۱۲ : ۶۶)

(۹) انسانوں سے کہا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ سو تم حقیقت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ـــــ (۵۷ : ۵۶)

(۱۰) مومن، یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں — (۲۶ : ۷۰)۔ اہل جہنم نے ایسا نہیں کیا تھا — (۳۷ : ۵۲)

مُصَدِّقٌ۔ تصدیق

قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ اُس تعلیم کو سچ کر دکھانے والا ہے جو اس سے پہلے انبیاء کرامؑ کی وساطت سے دی گئی تھی۔ لیکن جو پھر اپنی اصلی شکل میں اُن کے متبعین کے پاس نہ رہی۔ اس کے لئے کہیں "مصدق لما معھم" اور کہیں "مصدق لما بین یدیہ" کے الفاظ آتے ہیں۔ ان آیات میں یا تو اہل کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے اور یا ان کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) جب ان (اہل کتاب) کی طرف وہ رسول آیا جو "مصدق لما معھم" ہے، ان میں سے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا — (۲ : ۸۹) — (۲ : ۱۰۱)

(۲) انبیاء کرامؑ سے جب یہ عہد لیا گیا تھا کہ جب وہ رسول آئے جو "مصدق لما معکم" ہوگا، تو (تم اپنی امتوں سے کہہ دو کہ) وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں — (۳ : ۸۰)

(۳) رسول اللہ تمام سابقہ رسولوں کی تصدیق کرتے تھے — (۳۷ : ۳۷)

(۴) قرآن "مصدق لما بین یدیہ" ہے — (۶ : ۹۳) — (۴۶ : ۱۲)۔ ان دونوں آیات میں کہا گیا ہے کہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ میں ہدایت ورحمت تھی — (۲ : ۹۷) — (۳ : ۳)

[اس آیت میں تورات و انجیل دونوں کے متعلق کہا ہے کہ اس سے پہلے ان میں ہدایت تھی] — (۳۵ : ۳۱) — (۴۶ : ۳۰)۔ اسی کے لئے لفظ تصدیق بھی آیا ہے — (۱۰ : ۳۷) — (۱۲ : ۱۱۱)

(۵) بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری تعلیم کی مصدق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر ان کے پاس ان کی اصلی تعلیم موجود ہوتی اور قرآن اس تعلیم کے سچے ہونے کی تصدیق کرتا تو انہیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت کیوں دی جاتی — (۲ : ۴۰) — (۲ : ۹۱) — (۴ : ۴۷)

(۶) حضرت یحییٰؑ کلمۃ اللہ کے مصدق تھے — (۳ : ۳۸)

(۷) حضرت عیسیٰؑ تورات کے مصدق تھے — (۳ : ۴۹) — (۵ : ۴۶) — (۶۱ : ۶)۔ اور قرآن تورات اور انجیل دونوں کا مصدق ہے — (۵ : ۴۸)۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ تم ان (یہود و نصاریٰ) کے معاملات کا فیصلہ اس قرآن کی رو سے کرو۔

(۸) حضرت عیسٰیؑ، تورات کے مصدق اور رسول اللہؐ کے مبشر تھے ـــ (۶ : ۶۱)
(۹) مُصَدِّق کے معنی کسی بات کو قبول کر لینے والا بھی ہیں ـــ (۵۲ : ۳۷)

تصدّق۔ متصدقین

(۱) قانونِ قصاص (ادلے کا بدلہ) کے بعد کہا کہ جو معاف کر دے (اپنے واجب کو چھوڑ دے) تو یہ مجرم کی سزا کا کفارہ ہو جائیگا ـــ (۴۵ : ۵)
(۲) حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس پونجی تو تھوڑی ہے لیکن غلّہ ہم ضرورت کے مطابق پورا لینا چاہتے ہیں۔ اس لئے جو ہم پر زاید واجب الادا ہوا سے چھوڑ دیجئے ـــ (۸۸ : ۱۲)
خدا متصدقین کو بدلہ دیتا ہے ـــ (۸۸ : ۱۲)
(۳) اگر مقروض غریب ہو تو اُسے مہلت دو۔ اور اگر بالکل نادار ہو تو قرضہ چھوڑ دو ـــ (۲۸۰ : ۲)
(۴) اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم تُصَدِّقُوْنَ کیوں نہ ہوتے ـــ (۵۷ : ۵۶)۔ اس کے معنی حق کو قبول کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور دوسروں کے ساتھ تصدق کا سلوک کرنے والے بھی۔ دوسری جگہ اس کے لئے اَصَّدَّقَ کا لفظ بھی آیا ہے ـــ (۱۰ : ۶۳)۔ منافقین کی کرتوت ـــ (۷۵ : ۹)
(۵) مومن مردوں اور عورتوں کی صفات متصدقین اور متصدقات ہیں ـــ (۳۵ : ۳۳)
نیز مُصَّدِّقِین اور مُصَّدِّقَات ـــ (۱۸ : ۵۷)
(۶) قتلِ خطا کے لئے دیت (خون بہا) دینی ہوگی۔ بجز اس کے کہ مقتول کا وارث اسے معاف کر دے۔ (۹۲ : ۴)

صدقہ۔ (صدقات)

(۱) رسول سے کسی بات میں مشورہ لینے سے پہلے کچھ (ضرورت مندوں کے لئے) دیدیا کرو۔ جو ایسا نہ کرے تو اس پر جبر نہیں ـــ (۱۳ ـــ ۱۲ : ۵۸)۔ یہ اسلام کے ابتدائی دور کا ذکر ہے جب غریبوں کی امداد کیلئے اس قسم کے عطیات کی ضرورت تھی۔
(۲) صدقات کے مصارف کی تفصیل ـــ (۶۰ : ۹)۔ یہ ایسے عطیات کے متعلق ہے جو ہنگامی ضروریات کے لئے دیئے جائیں۔ (اس کی تشریح زکوٰۃ کے عنوان میں ملے گی)

(۳) رسول سے کہا گیا کہ ان کے اموال سے صدقہ لے لیا کرو۔ اور اس طرح ان کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچاؤ۔

(۹ : ۱۰۳)

(۴) صدقات کو (حسبِ موقعہ) تم اعلانیہ بھی دے سکتے ہو اور خفیہ طور پر بھی ــــ (۲ : ۲۷۱)

(۵) ربٰو کو خدا مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے ــــ (۲ : ۲۷۶)

(۶) منافقین، نبی اکرمؐ کے خلاف، صدقات کی تقسیم کے متعلق الزامات عاید کرتے تھے ــــ (۹ : ۵۸)
اور عام مومنین پر طعنہ زنی کرتے تھے ــــ (۹ : ۷۹)

(۷) احسان جتا کر اور اس طرح دوسروں کو اذیت پہنچا کر، اپنے صدقات کے مقصد کو باطل نہ کرو۔ جس صدقہ کے بعد دوسروں کو اذیت پہنچائی جائے، اس سے بہتر ہے کہ ضرورت مندوں کو عمدگی سے جواب دے دیا جائے ــــ (۲ : ۲۶۳-۲۶۴)

(۸) صَدُقَۃ (دؔ کے پیش کے ساتھ) مَہر کے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی وہ تحفہ جو بیوی کو اپنی محبت و اخلاص کے دعوے کی صداقت کے ثبوت میں دیا جائے۔ مَہر کی یہی پوزیشن ہے ــــ (۴ : ۴)

(۹) مناسکِ حج میں سے اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے کوئی ادا نہ ہو سکے تو اس کے بدلے میں صدقہ دے دیا جائے۔

(۲ : ۱۹۶)

(۱۰) خفیہ مشورے ان کے اچھے ہیں جو دوسروں کی ضروریات کے حل کے لئے صدقات کے سلسلہ میں کئے جائیں ــــ (۴ : ۱۱۴)

ــــ (۰) ــــ

۱۴۔ تعزیری احکام

(نیز دیکھئے جرم)

قرآن کریم نے جو احکام دیئے ہیں انہیں دو اصولی شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی ہے۔ یعنی ان کی خلاف ورزی، معاشرہ کے خلاف جرم نہیں۔ اس لئے ان کی سزا بھی نہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ اکڑ کر نہ چلو۔ دوسری قسم ان احکام کی ہے جو معاشرتی جرم ہیں اور ان کی خلاف ورزی کی سزا دی جا سکتی

ہے۔ انہی احکام کو ہم نے تعزیری احکام سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی سزا کا حکم بھی قرآن کریم نے کر دیا ہے۔ اور دوسرے وہ جن کی سزا کا ذکر نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اصولی نکتہ کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ قرآن کریم نے جن امور کا ذکر بطور اصول کیا ہے اور ان کی جزئیات کا تعین نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جزئیات کا تعین اسلامی معاشرہ (قرآنی حکومت) اپنے اپنے حالات کے مطابق خود کرے۔ لہٰذا ان احکام کے متعلق قرآنی مملکت طے کرے گی کہ ان کی سزا کیا مقرر کی جائے۔ اور وہ کن حالات میں دی جائے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن احکام کو قرآن کریم نے بطور اخلاقی نصائح بیان کیا ہے' ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ان میں سے بھی معاشرہ کسی کو معاشرتی جرائم کی فہرست میں شامل کرلے۔

ان تمام احکام کا تفصیلی ذکر' ان سے متعلق عنوانات میں آئے گا۔ زیرِ نظر عنوان کے تابع ہم نے ان احکام کا اجمالی سا ذکر کر دیا ہے تاکہ ان کی فہرست بیک نظر سامنے آجائے۔ واضح رہے کہ جن احکام کو قرآن کریم نے متعین طور پر تعزیری نہیں کہا، انہیں حتمی طور پر تعزیری احکام کی شق میں لے آنے کا حق کسی فرد کو نہیں پہنچتا۔ یہ فریضہ اسلامی مملکت کا ہے۔ لہٰذا، ہماری یہ فہرست انفرادی بصیرت پر مبنی ہے۔ نہ یہ حتمی اور یقینی قرار دی جاسکتی ہے، نہ جامع اور مانع۔ اس قسم کی فہرست' قرآنی مملکت ہی مرتب کرسکتی ہے۔

جن جرائم کی سزا کا قرآن کریم میں ذکر ہے' ان کے متعلق اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ وہ انتہائی سزائیں ہیں۔ نیز وہ سزائیں ان حالات میں دی جائیں گی جو ایک خالص اسلامی معاشرہ کے ہوتے ہیں۔ قرآن نے سزائیں بھی بدنی مقرر کی ہیں۔ یہی سزائیں مؤثر بھی ہوتی ہیں۔ بعض حالات میں نظر بندی کے علاوہ' قید کی سزا قرآن نے تجویز نہیں کی۔

سزا کے سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کا پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ زنا کے جرم کی سزا لونڈیوں کے لئے' آزاد عورتوں کی سزا کے مقابلہ میں نصف ہوگی ـــــ (۲۵ : ۴)۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ لونڈیوں کی تربیت بڑی ناقص ہوتی تھی۔ وہ جس ماحول میں زندگی بسر کرتی تھیں وہ بڑا پست اور تکدر آمیز ہوتا تھا۔ ان حالات میں اُن سے بلند اخلاقی کردار کی توقع رکھنا صحیح نہیں تھا۔ دوسری طرف، رسولؐ کی عورتوں کے متعلق کہا گیا، کہ ان کی سزا عام عورتوں کے مقابلہ میں دُگنی ہوگی ـــــ (۳۰ : ۳۳)۔ لہٰذا' جرم کی سزا میں اسے ملحوظ رکھا گیا۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ سزا تجویز کرتے وقت ملزم کی تربیت، ماحول، ذہنی کیفیت وغیرہ کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ عدل' آنکھیں بند کر کے نہیں کرنا چاہیئے۔ سب کچھ دیکھ کر کرنا چاہیئے۔

وہ جرائم جن کی سزا قرآن میں آئی ہے

۱۔ قتل۔ یعنی اتلافِ جان

(۱) جرمِ قتل کے مواخذہ کا تاکیدی حکم (قصاص)۔ اس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں۔ جو جرم کا مرتکب ہوگا وہی سزا پائے گا ـــــ (۲ : ۱۷۸)۔ البتہ اس میں معافی کی گنجائش ہے جس کی تشریح نیچے آئے گی۔

(۲) قتلِ خطا (نادانستہ۔ سہواً قتل) کے جرم میں (i) ایک مومن غلام کا آزاد کرنا۔ اور (ii) قتل کا خون بہا (دیت) دینا ہوگا۔ مقتول کے وارث، خون بہا کو معاف بھی کر سکتے ہیں ـــــ (۴ : ۹۲)

(۳) قتلِ خطا میں اگر مقتول، دشمن کی قوم میں رہتا ہو، لیکن ہو مومن، تو پھر صرف غلام آزاد کرنا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسی قوم میں رہتا ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر غلام آزاد کرنا اور دیت دینا، دونوں ہوں گے۔ لیکن اگر غلام نہ مل سکے (یا اس کے خریدنے کی استطاعت نہ ہو) تو پھر دو مہینے کے متواتر روزے رکھے ـــــ (۴ : ۹۲)

(۴) مومن کے قتلِ عمد (بالارادہ) سے خدا کا غضب اور لعنت (یعنی سنگین سزا) اور جہنم ـــــ (۴ : ۹۳)۔ اسکے لئے دیت نہیں۔

(۵) انسانی زندگی کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے۔ اس لئے اسے، بجز قرآنی قانون کے مطابق، تلف کرنا جرم ہے۔ (ایسا بالحق کیا جا سکتا ہے۔ یعنی قانونِ قرآنی کے مطابق۔ مثلاً قتلِ عمد کی سزا یا بغاوت کی سزا کے طور پر)۔ اسلامی نظام، مقتول کے وارثوں کا پشت پناہ ہوگا۔ وہ قاتل سے مواخذہ کریگا۔ لیکن قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ـــــ (۱۷ : ۳۳)

(۶) جس جان کا تلف کرنا خدا نے حرام قرار دیا ہے اسے، قانونی تقاضے کے بغیر، تلف مت کرو ـــــ (۶ : ۱۵۲)

(۷) بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ـــــ جس نے کسی ایک جان کو ناحق تلف کر دیا (یعنی جرمِ قتل یا فساد فی الارض کی سزا کے بغیر)، تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی ایک جان کو بچا لیا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری نوعِ انسان کو بچا لیا۔ ـــــ (۵ : ۳۲)

(۸) بنی اسرائیل کی طرف حکم بھیجا گیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، نیز زخموں کا قصاص۔ لیکن اس میں معافی اور کفارہ کی

گنجائش تھی ـــ (۵ : ۴۵)

(۹) مومن قتلِ ناحق نہیں کرتے ـــ (۲۵ : ۶۸)۔ اس کی ممانعت ہے ـــ (۴ : ۲۹)

(۱۰) قتلِ اولاد سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے مراد (قتل کے علاوہ) انہیں تعلیم و تربیت سے محروم رکھنا بھی ہے ـــ (۶ : ۱۴۱) ـــ (۶ : ۱۵۲) ـــ (۱۷ : ۳۱) ـــ (۶۰ : ۱۲)

۲۔ بغاوت

(۱) جو لوگ "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ کے لئے اٹھیں اور اس طرح ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے، یا صلیب پر لٹکا دیا جائے، یا ہاتھ اور پاؤں الٹی اطراف کے قطع کر دیئے جائیں۔ یا انہیں نظر بند (یا جلاوطن) کر دیا جائے ـــ (۵ : ۳۳)۔ لیکن اگر وہ مغلوب ہونے سے پہلے ہتھیار رکھ دیں اور اپنے کئے پر نادم ہوں (توبہ کریں) تو پھر ان کے لئے معافی کی گنجائش ہے ـــ (۵ : ۳۴) ـــ (۹ : ۶۳) ـــ (۴۲ : ۴۲) ـــ (۵ : ۵۸) ـــ (۵۸ : ۲۰)

یہاں "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ سے مراد ہے اسلامی مملکت کے خلاف بغاوت۔ "فساد فی الارض" سے مراد ہے اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کرنا۔ "قطعِ ید ....." سے مراد الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈالنا بھی ہو سکتے ہیں۔ (اس کی وضاحت متعلقہ عنوان میں ملے گی)

(۲) بغاوت کرنے والوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات رکھنا بھی جرم ہے ـــ (۵۸ : ۲۲)

[نوٹ:۔ خدا اور رسول (اسلامی مملکت) کے خلاف جنگ، مملکت سے باہر غیر مسلم طاقتوں کی طرف سے بھی ہو گی، اور خود مملکت کے اندر بعض گروہوں کی طرف سے بھی۔ "بغاوت" ثانی الذکر کو کہا جائے گا۔]

۳۔ زنا و مبادیاتِ زنا

(۱) جو عورت کسی ایسی حرکت کی مرتکب ہو جو زنا کی طرف لے جانے والی ہو (یعنی زنا نہیں بلکہ عام بے حیائی کی باتیں جو رفتہ رفتہ زنا کی طرف لے جاتی ہیں)۔ تو اس کے لئے چار گواہ ہونے چاہئیں۔ اگر اس طرح جرم ثابت ہو جائے تو اسے باہر آنے جانے سے روک دیا جائے ـــ (۴ : ۱۵)۔ یہ ایک قسم کی نظر بندی ہو گی۔

(۲) شادی شدہ عورت سے کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب ہو تو اس کے مہر میں سے کچھ وضع کیا جا سکتا ہے (۴ : ۱۹)

(۳) زانی مرد اور عورت کی سزا سو سو کوڑے ہے جو ایک جماعتِ مومنین کی موجودگی میں دی جائے گی۔ اور

اس میں نرمی نہیں برتی جائے گی ــــ (۲ : ۲۴)۔ اگر لونڈی سے یہ جرم سرزد ہو تو اس کی سزا نصف (پچاس کوڑے) ہوگی۔ (یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب عربوں کے ہاں لونڈیاں اور غلام ہوا کرتے تھے۔ قرآن نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا) ــــ (۲۵ : ۴)۔ (اگر بفرضِ محال نبی کی بیویوں سے یہ جرم سرزد ہو تو ان کی سزا دگنی مقرر کی گئی تھی ــــ (۳۰ : ۳۳)

زنا سے مراد زنا بالجبر نہیں بلکہ وہ غیر قانونی جنسی اختلاط ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کی رضامندی شامل ہو ــــ (۳ : ۲۴)۔ زنا بالجبر میں مجرم صرف مرد ہوگا۔ اور وہ دوہرے جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ یعنی خود زناکاری کا۔ اور ایک عفت مآب خاتون کی جبراً عصمت دری کا۔

۴۔ تہمت

(۱) پاک دامن عورتوں کے خلاف تہمت لگانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چار گواہ لائے۔ اگر جرم ثابت نہ ہو تو تہمت لگانے والے کی سزا اسّی کوڑے ہے۔ اس کے بعد ایسے شخص کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ ہاں اگر یہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو معافی دی جا سکتی ہے ــــ (۵ ــ ۴ : ۲۴) ــــ (۲۳ : ۲۴)

(۲) جو شخص خود اپنی بیوی کے خلاف تہمت لگائے اور گواہ نہ لا سکے تو وہ چار مرتبہ قسم اٹھائے اور پانچویں مرتبہ اپنے اوپر لعنت وارد کرے۔ لیکن اگر بیوی بھی اسی طرح اپنی بے گناہی کی قسم اٹھالے تو پھر اسے مجرم نہیں سمجھا جائے گا ــــ (۹ ــ ۶ : ۲۴)

(۳) کسی کے خلاف غلط افواہیں پھیلانا جس سے اس کی شرافت داغدار ہو سنگین جرم ہے۔ اور اس کی سزا شہریت کے حقوق سے محرومی سے لے کر قتل تک ہے ــــ (۶۰ ــ ۵۹ : ۳۳)، (۱۲۱ : ۶۰)

(۴) جرم خود کرے اور تہمت دوسروں کے سر باندھے ــــ (۱۱۲ : ۴)

۵۔ چوری

سارق عورت یا مرد کی سزا "قطعِ ید" ہے۔ لیکن توبہ و اصلاح سے معافی کی گنجائش بھی ہے ــــ (۳۸ : ۵)

"قطع ید" سے مراد ایسے اقدامات بھی ہیں جن سے خود چور کے ہاتھ چوری کرنے سے رُک جائیں اور وہ دوسروں کے لئے بھی روک کا باعث بن جائے۔ لیکن اگر یہ جرم معاشرہ میں عام ہو جائے اور اس کے رُکنے کی کوئی اور صورت نہ رہے تو مجرموں کو ہاتھ کاٹنے کی انتہائی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

۶۔ شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ

شریف زادیوں کو تنگ کرنا۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا، ان کے خلاف افواہیں پھیلانا سنگین ترین جرم ہے جس کی سزا حقوقِ شہریت سے محرومی سے لے کر قتل تک ہوسکتی ہے ۔۔۔ (۶۰–۵۹ : ۳۳)

وہ جرائم جن کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں

۱۔ خمر اور میسرہ ۔۔۔ (۱) ان میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی۔ لیکن ان کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہے ۔۔۔ (۲۱۹ : ۲)۔ یہ رجس من عمل الشیطان ہیں۔ ان سے اجتناب کرو۔ ان سے باز رہو ۔۔۔

(۹۱–۹۰ : ۵)

خمر۔ ہر وہ شے جس سے انسان کی عقل پر پردہ پڑ جائے۔ اس لئے اس میں تمام نشہ آور اشیاء شامل ہوں گی۔ اور میسرہ کے معنی ہیں آسانی سے ہاتھ آجانے والی دولت۔ اس کا اطلاق جوا پر کیا جاتا ہے لیکن اس میں اور بہت سی چیزیں بھی شامل ہوسکتی ہیں۔

(حالتِ سکر میں نماز کے قریب نہ جاؤ ۔۔۔ (۴۳ : ۴)

۲۔ صحبت ہم جنس

جب دو مرد (یا دو عورتیں) ایسی حرکات کے مرتکب ہوں جو جنسی اختلاط تک لے جائیں تو انہیں سزا دو۔ ۔۔۔ (۱۶ : ۴) ۔۔۔ (۸۱ : ۷)، یہ فحش میں داخل ہے ۔۔۔ (۵۴ : ۲۷)۔ اگر ان میں اصلاح کا امکان ہو تو پھر اعراض برتو ۔۔۔ (۱۶ : ۴)

۳۔ ناجائز طریق سے دوسروں کا مال کھا جانا

ایسا مت کرو ۔۔۔ (۱۸۸ : ۲) ۔۔۔ (۲۹ : ۴) ۔۔۔ (۶۳–۶۲ : ۵)

یتیموں کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ ۔۔۔ (۶ : ۴) ۔۔۔ (۱۵۳ : ۶) ۔۔۔ (۳۴ : ۱۷)

۴۔ رشوت

حکام کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلے مت لو ۔۔۔ (۱۸۸ : ۲)

۵۔ خیانت۔ اور خیانت کرنیوالوں کی وکالت۔

خیانت کرنے والوں کی وکالت مت کرو ۔۔۔ (۱۰۷–۱۰۵ : ۴)۔ امانات میں خیانت نہ کرو ۔۔۔ (۲۷ : ۸)

امانات ان کے مالکوں کو واپس کرو۔ (۴: ۵۸)

نظامِ مملکت سے خیانت نہ کرو (۸: ۲۷)

مومن اپنی امانات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں (۸: ۲۳)۔(۳۲: ۷۰)

۶۔ تشہیر

کسی کے خلاف بُری باتوں کی تشہیر نہ کرو۔ بجز اس کے کہ کسی پر ظلم ہُوا ہو (۴: ۱۴۸)

۷۔ لغو قسم

لغو قسم بیہودہ بات ہے۔ لیکن جو قسم دل کے ارادے سے کھا کر اسے توڑا جاتے تو اس کا کفارہ دینا ہوگا۔

(۵: ۸۹)

۸۔ قرعہ اندازی

یہ بھی خمر اور میسرہ کی طرح ہے۔ لاٹری وغیرہ اس کے اندر آجائے گی (۵: ۳)۔(۵: ۹۰)

۹۔ قوانینِ خداوندی سے مذاق کرنا

جو لوگ آیات اللہ (قوانینِ خداوندی) کے متعلق لغو اور بیکار باتیں کریں اور انہیں محض کھیل تماشا سمجھیں ان سے اعراض برتو (۶: ۶۸-۷۰)۔(۹: ۶۵)

۱۰۔ فواحش

فواحش کے قریب نہ جاؤ۔ خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی (۶: ۱۵۲)۔(۷: ۳۳)

فواحش کی اشاعت مت کرو (۲۴: ۱۹) ایسے حالات نہ پیدا کرو کہ تمہاری لونڈیاں بدکاری پر مجبور ہو جائیں (۲۴: ۳۳)۔ ان جرائم میں معافی کی گنجائش ہے (۳: ۱۳۴)

۱۱۔ ماپ تول

ماپ تول پورا رکھو (۶: ۱۵۳)۔(۷: ۸۵)۔(۱۷: ۳۵)۔(۸۳: ۱-۳)

۱۲۔ شہادت

بات ہمیشہ انصاف کی کرو خواہ اس کی زد تمہارے اقرباء پر بھی کیوں نہ پڑے (۶: ۱۵۳)

خواہ یہ شہادت تمہارے اپنے خلاف بھی کیوں نہ جائے (۴: ۱۳۵)

(مزید تفصیل "شہادت" کے عنوان میں ملے گی)

۱۳۔ رہزنی ـــــ (۸۶ : ۷)

۱۴۔ مداخلتِ بےجا

کسی کے گھر کے اندر بلا اجازت داخل نہ ہو ـــــ (۲۹-۲۷ : ۲۴)

۱۵۔ اذیت رسانی

ناحق اذیت رسانی جرم ہے ـــــ (۵۸ : ۳۳)۔ ظاہر ہے کہ اذیت صرف جسمانی نہیں ہوتی۔ ذہنی اذیت جسمانی اذیت سے بھی زیادہ الم انگیز ہوتی ہے ـــــ (۱۰ : ۸۵)

۱۶۔ کسی پر ظلم کرنا

سنگین جرم ہے ـــــ (۴۲ : ۴۲)۔ مظلوم (بذریعہ عدالت) بدلہ لے سکتا ہے ـــــ (۳۳ : ۱۷)-(۴۱ : ۴۲)

۱۷۔ عائلی زندگی

اگر عورتیں سرکشی پر اتر آئیں تو عدالت انہیں بدنی سزا بھی دے سکتی ہے ـــــ (۳۴ : ۴) تفصیل اس کی "عورت" اور "عائلی قوانین" کے عنوان میں ملے گی۔ اسی طرح مردوں کی طرف سے سرکشی کا بھی معاملہ ہے ـــــ (۱۲۸ : ۴)

۱۸۔ ربٰو (سود)

اس کی بحث ربٰو کے عنوان میں ملے گی۔ اسے "خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ" کہا گیا ہے ـــــ

(۲۷۹ : ۲)

۱۹۔ افواہیں

افواہیں مت پھیلاؤ۔ جب ایسی بات سنو تو اسے اربابِ حکومت تک پہنچاؤ ـــــ (۸۳ : ۴)۔ اور اچھی طرح تحقیق کرو ـــــ (۶ : ۴۹)۔ (دیکھئے عنوان تحقیق)

۲۰۔ معاشرتی احکام

ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے لئے تمسخر نہ کرو۔ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ۔ نہ برے برے نام رکھو۔ غیبت نہ کرو۔ یونہی دوسروں کی باتوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو ـــــ (۱۲-۱۱ : ۴۹)

۲۱۔ کھانے پینے کی حرام چیزیں

لحم خنزیر، مردار، بہتا ہوا لہو، اور ہر وہ شے جسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ اضطراری حالت

میں بقدرِ ضرورت استعمال کی اجازت ——— (۲ : ۱۷۳)——(۵ : ۳)——(۶ : ۱۴۶)——(۱۶ : ۱۱۵)

جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھاؤ۔ جس پر نہ لیا گیا ہو اسے مت کھاؤ ——— (۶ : ۱۲۰ - ۱۲۲)

۲۲۔ رشتوں ناطوں میں حرمت

——— (۴ : ۲۳)

۲۳۔ سازش

اثم، عدوان اور معصیتِ رسولؐ کے لئے خفیہ مشورے مت کرو ——— (۵۸ : ۹)

۲۴۔ عہد

عہد کی پابندی ضروری ہے ——— (۵ : ۱)——(۱۷ : ۳۴)

۲۵۔ ہلاکتِ حرث و نسل

بہت بڑا جرم ہے ——— (۲ : ۲۰۵)

جرائم کے متعلق اصولی احکام

قصاص۔ قصاص کے معنی یہ ہیں کہ مجرم کا اس طرح پیچھا کیا جائے کہ اس کا جرم بلا مؤاخذہ نہ رہے۔ یہ اسلامی مملکت کا فریضہ ہے۔ اور اس میں قوم کی حیاتِ اجتماعیہ کا راز مضمر ہے۔ جس معاشرہ میں جرائم بلا مؤاخذہ رہ جائیں اس میں کسی کو امن و سکون میسر نہیں آسکتا۔ نہ ہی کسی کا کچھ محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لئے قصاص (نظامِ عدل کے مؤثر ہونے) میں حیات ہے ——— (۲ : ۱۷۹)۔ اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہو گی ——— (۲ : ۱۷۸)

(۲) جرم کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہو گی۔ اس سے زیادہ نہیں ——— (۲ : ۱۹۴)——(۱۰ : ۲۷)——(۱۶ : ۱۲۶)

(۶۰ : ۲۲)——(۴۰ : ۴۰)——(۴۲ : ۴۰)

اس کے لئے پہلے دیکھا جائے گا کہ مجرم میں اصلاح کا امکان ہے۔ اگر ایسا ہو تو اسے معاف کر کے اس کی اصلاح کی صورت پیدا کی جائے گی ——— (۴۲ : ۴۰)

(۳) جرم ثابت ہونے سے پہلے ملزم کو بے گناہ سمجھا جائے گا اور اس کے متعلق نیک ظن رکھا جائے گا ———

(۲۴ : ۱۲ — ۱۴)

(۴) کسی فعل کو قانوناً جرم قرار دینے سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہو، اس پر مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ یعنی تعزیری قوانین

کوکسی سابقہ تاریخ سے نافذ نہیں کیا جا سکتا ــــ (۲:۲۷۵) ــ (۴ : ۲۳) ــ (۵ : ۹۵) ــ (۸ : ۳۸)

(۵) سزا سے مقصد مجرم کی اصلاح اور معاشرہ میں قیامِ امن ہے نہ کہ انتقام۔ اسی لئے قرآن میں سزا کے ساتھ معافی کی گنجائش رکھی گئی ہے (یعنی اگر مجرم کی اصلاح سزا کے بجائے اور طریق سے ہو جاتے تو وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے۔

(۶) مقصد صرف مجرم کو سزا دینا نہیں بلکہ مظلوم کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی بھی ہے۔ اسی لئے کہا ہے کہ نظامِ عدل درحقیقت مظلوم کی امداد کرنے کے لئے ہے ــــ (۱۷ : ۳۳)۔ لہٰذا مظلوم کے نقصان کی تلافی کی ذمہ داری نظامِ مملکت پر ہوگی۔ کیونکہ اس کا فریضہ یہ ہے کہ اس کی حدود میں بسنے والوں کی ہر شے محفوظ رہے۔ عدل کے ساتھ احسان کے حکم کا ایک مفہوم یہ بھی ہے ــ (۱۶ : ۹۰)

(۷) جرم میں ارادہ کا شامل ہونا ضروری ہے ــ (۴ : ۹۲) ــ (۵ : ۳۳)۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ انسان لاپرواہ ہو کر غلط کام کرتا پھرے۔ قتلِ خطا کی سزا کے یہی معنی ہیں کہ لاپرواہی کو بھی روکا جائے۔

(۸) جرم کرنے میں بظاہر دوسرے پر زیادتی ہوتی ہے۔ لیکن وہ جرم درحقیقت خود تمہاری اپنی ذات کیخلاف ہوتا ہے۔ اس سے تم اپنی ذات کا نقصان کرتے ہو ــــ (۴ : ۱۱۱)

(۹) جرم کی سزا مجرم خود بھگتے گا۔ کوئی دوسرا نہیں ــــ (۶ : ۱۶۵)

(۱۰) جو کسی کو غلط راستے پر ڈالتا ہے، اس کے جرائم میں وہ بھی شریک ہوتا ہے ــ (۱۶ : ۲۵) ــ (۲۹ : ۱۳)
اسی طرح جو خود جرم کر کے اسے دوسرے کے سر تھوپتا ہے، وہ دوہرے جرم کا مرتکب ہوتا ہے ــ (۴ : ۱۱۲)

(۱۱) جس سے جبراً کچھ کرایا جائے وہ جرم قابلِ مواخذہ نہیں ــــ (۱۶ : ۱۰۶)

(۱۲) سیّات کو حسنات سے دور کر دو۔ جرم کے ضمن میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حالات اور فضا ایسی پیدا کرو جس میں جرائم کا ارتکاب نہ ہو ــــ (۲۳ : ۹۶) ــ (۲۸ : ۵۴)

(۱۳) کبائر الاثم سے بچنے والوں کی معمولی سی لغزشیں قابلِ عفو ہوتی ہیں ــ (۴۲ : ۳۷) ــ (۵۳ : ۳۲)

(۱۴) لونڈیوں سے زنا کے جرم کا ارتکاب ہو جائے تو ان کی سزا آزاد عورتوں سے نصف ہے ــ (۴ : ۲۵)۔
اور رسول کی بیویوں سے (بفرضِ محال) اگر فحش کا ارتکاب ہو تو اس کی سزا دگنی ہے ــ (۳۳ : ۳۰)
اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ سزا دیتے وقت مجرم کے ماحول، تعلیم، تربیت وغیرہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱۵) نظامِ عدل ایسا ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص کسی مجرم کی مدد نہ کر سکے۔ نہ ہی کسی کی سفارش قبول کی جائے۔ نہ ہی رشوت چل سکے۔ نہ ہی کوئی کسی اور طرح مجرم کے کام آسکے ــــ (۲ : ۴۸)

(۱۶) حفاظتِ خود اختیاری کے لئے کچھ کیا جائے تو وہ جرم نہیں ہوگا ــــ (۴۲ : ۴۱)

ــــــ (۰) ــــــ

۱۵۔ تفصیل

(نیز دیکھئے بیان)

تفصیل۔ (ف۔ ص۔ ل) دو چیزوں کو اس طرح الگ الگ کر دینا کہ ان کے درمیان فاصلہ ہو جائے۔ اور اس طرح وہ ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیں۔ ان میں کوئی ابہام نہ رہے۔ اس لئے تفصیل کے معنی ہوں گے۔ کسی بات کی وضاحت کر دینا۔ اسے بالکل نکھار اور اُبھار کر سامنے لے آنا۔ قرآن کریم نے اپنے تمام مطالب کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ یعنی (DISTINCTLY) بیان کیا ہے۔

ہمارے ہاں تفصیل کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کی جزئیات (DETAILS) دے دینا۔ اور مفصّل کے معنی ہوتے ہیں جس کی تمام جزئیات (تفاصیل) دے دی گئی ہوں۔ قرآن کریم نے اپنے آپ کو مفصل کتاب کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس میں تمام چیزوں کی تفصیل دے دی گئی ہے۔ اس سے یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ اس میں تمام احکام کی تفاصیل اور جزئیات بھی دے دی گئی ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآنِ کریم میں دین سے متعلق بعض احکام اس طرح دیئے گئے ہیں کہ ان کی جزئیات (تفاصیل) بھی دے دی گئی ہیں لیکن بیشتر احکام و قوانین محض اصولی طور پر دیئے گئے ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ان اصولوں کی جزئیات، اسلامی نظام (مملکت) اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق خود مرتب کرے۔ یہ اصولی احکام و قوانین ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ لیکن ان کی جزئیات زمانے کے تقاضے کے مطابق، عندالضرورت بدلتی رہیں گی۔ اس طرح ثبات اور تغیر کے امتزاج سے اسلامی نظام آگے بڑھتا جائے گا۔ لہٰذا جب قرآن کو مفصل کتاب کہا جائیگا یا یہ کہا جائے گا کہ اس میں تمام باتوں کی تفصیل بھی دے دی گئی ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ اس میں ہر بات کو نہایت وضاحت سے کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ (اس سلسلہ میں عنوان "بیان" بھی دیکھئے)۔

قول الفصل کے معنی ہیں، فیصلہ کن بات۔ دوٹوک بات۔

قرآن مفصّل کتاب ہے

یعنی قرآن کریم میں ہر بات کو نہایت وضاحت، الگ الگ کر کے، نکھار اور ابھار کر بیان کیا گیا ہے۔ کسی بات میں ابہام نہیں۔ اس کے مطالب واضح ہیں۔

(۱) قرآن ایک فیصلہ کن حقیقت ہے۔ یونہی مذاق نہیں۔ اس کی ہر بات اور ہر دعوے فیصلہ کن (قولِ فیصل) ہے ــــ (۱۴-۱۳ : ۸۶)

(۲) خدا نے جو کچھ حرام کیا ہے اسے قرآن میں واضح طور پر بتا دیا ہے ــــ (۱۲۰ : ۶)

(۳) وہ کتاب جس کی آیات محکم اور مفصل (واضح) ہیں ــــ (۱۱:۱) ــ (۱:۱۱) ــ (۳ : ۴۱)

(۴) اگر یہ قرآن، عربی زبان کے بجائے عجمی زبان میں ہوتا تو یہ اعتراض کر دیتے کہ اس کے احکام واضح طور پر بیان کیوں نہیں کئے گئے۔ ــــ (۴۴ : ۴۱)

(۵) قرآن کو خدا نے علم کی بنا پر واضح کتاب بنایا ہے ــــ (۵۲ : ۷)

(۶) ماہ و سال کے حساب و شمار، اور دن رات کے تغیر کے سلسلہ میں کہا کہ ہم نے ہر بات کو نہایت وضاحت سے (نکھار کر) بیان کر دیا ہے ــــ (۶ : ۱۰) ــ (۱۲ : ۱۷)

(۷) قرآن، مفصل کتاب ہے یعنی نہایت واضح ــــ (۱۱۵ : ۶)

(۸) قرآن، تفصیل الکتاب ہے یعنی احکام کو نہایت وضاحت سے بیان کرنے والی کتاب ــــ (۳۷ : ۱۰)

(۹) قرآن، تفصیل کل شی ہے۔ یعنی دین سے متعلق ہر بات کی وضاحت کرنے والی کتاب ــــ (۱۱۱ : ۱۲)
ہم نے کتاب میں کسی بات کو چھوڑا نہیں۔ یہاں کتاب سے مراد صحیفۂ فطرت بھی ہو سکتا ہے ــــ
(۶ : ۳۸) ــ (۶ : ۵۹)

(۱۰) کتابِ موسےٰ کی بھی یہی کیفیت تھی ــــ (۶ : ۱۵۵) ــ (۷ : ۱۴۵)

(۱۱) اس طرح ہم احکام کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں ــــ (۶ : ۵۵) ــ (۶ : ۹۷) ــ (۶ : ۹۸) ــ (۶ : ۱۲۶)
(۷ : ۳۲) ــ (۷ : ۱۷۴) ــ (۹ : ۱۱) ــ (۱۰ : ۵) ــ (۱۰ : ۲۴) ــ (۳۰ : ۲۸)

(۱۲) خارجی کائنات کے نظام کے سلسلہ میں کہا کہ خدا آیات کی وضاحت کرتا ہے ــــ (۲ : ۳)

متفرقات

(۱) فصال۔ بچے کے دودھ چھڑانے کو کہتے ہیں۔ جس عورت کو طلاق دیدی جائے، اس کے بچے کی رضاعت (دودھ پلانے اور چھڑانے) کی بابت احکام —— (۲۳۳ : ۲)۔ یہ مدت بالعموم دو برس کی ہوتی ہے۔ (۱۴ : ۳۱)۔ حمل اور رضاعت کی مدت تیس مہینے بھی کہی گئی ہے —— (۱۵ : ۴۶)

(۲) حضرت داؤدؑ کو نہایت عمدگی سے معاملات کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا ہوئی تھی —— (۲۰ : ۳۸)

(۳) ظہورِ نتائج کے وقت کو یوم الفصل کہا گیا ہے۔ یعنی جب مجرمین، دوسروں سے الگ ہو جائینگے۔ یا ان کے معاملات کا آخری فیصلہ ہو جائے گا —— (۱۷ : ۲۲) —— (۲۵ : ۳۲) —— (۲۱ : ۳۷) —— (۴۰ : ۴۴) —— (۳ : ۴۰) (۱۴-۱۳ : ۷۷) —— (۳۸ : ۷۷) —— (۱۷ : ۷۸)

(۴) کلمۃ الفصل۔ فیصلہ کن بات —— (۲۱ : ۴۲)۔ قول الفصل —— (۱۳ : ۸۶)

(۵) قومِ فرعون پر جو عذاب بھیجا گیا تو وہ آیات مفصلات تھے۔ یعنی نہایت واضح علامات اس امر کی کہ وہ قوم تباہی کی طرف جا رہی ہے —— (۱۳۳ : ۷)

(۶) خدا خیر الفاصلین ہے —— (۵۷ : ۶)

—— (۰) ——

۱۶۔ تقدیر

اس میں جو مختلف موضوعات آگئے ہیں انہیں اپنے اپنے مقام میں بھی دیکھئے

تقدیر۔ (ق۔ د۔ ر)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی اندازہ اور پیمانہ کے ہیں۔ قَدَرْتُ الشَّیْئَ کے معنی ہیں میں نے اس چیز کو ماپا۔ اس کا اندازہ کیا۔ اس کی لمبائی چوڑائی اور جسامت وغیرہ کو متعین کیا۔ بتایا کہ وہ کیسی ہے، کتنی ہے۔ اس کا تناسب کیا ہے۔ قَدَرْتُ عَلَیْہِ الثَّوْبَ کے معنی ہیں میں نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے۔ لہٰذا، قدر اور تقدیر کے معنی ہیں اندازہ اور پیمانہ۔ یا کسی چیز کو اندازے اور پیمانے کے مطابق

بنا دینا۔ انہی پیمانوں کو قواعد وضوابط یا قوانین کہا جاتا ہے۔ جب کہا جائے گا کہ خدا نے ہر شے کی تقدیر مقرر کر دی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا نے قوانین وضوابط متعین کر دیئے۔ ہیں جن کے مطابق وہ چیز قائم رہتی اور کام کرتی ہے۔ مثلاً آگ کی تقدیر حرارت پہنچانا ہے۔ پانی کی تقدیر اس کا سیّال ہونا ہے۔ چونکہ خدا کا قانون ہر شے پر حاوی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ خدا کی قدرت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا قانون ہر شے پر حاوی ہے اور کوئی شے متعلقہ قانون کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتی انہی قوانینِ خداوندی کو خدا کی مشیت بھی کہا جاتا ہے۔

مشیتِ خداوندی کے تین گوشے ہیں۔ ایک گوشہ وہ ہے جہاں امرالٰہی کے مطابق ہر شے وجود میں آتی ہے۔ اور اس کے لئے قواعد وضوابط اور قوانین وخواص متعین ہوتے ہیں۔ اس گوشے میں کہا جائے گا کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس قسم کا قانون چاہتا ہے بناتا ہے۔

جب خدا نے یہ قوانین متعین کر دیئے تو ہر شے ان قوانین کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ ان قوانین میں خدا تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لئے اس گوشے میں مشیتِ خداوندی کے معنی ہوں گے خدا کے قوانینِ فطرت۔ یہاں "ما یشاء" کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ وہ جیسا چاہے کرے۔ یہاں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کائنات میں سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی اس قانون کے مطابق جسے اس نے گوشۂ اول میں متعین کیا تھا۔ اشیائے کائنات ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ان کی خلاف ورزی کر نہیں سکتیں۔

تیسرا گوشہ انسانی دنیا سے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک کا تعلق اس کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اس کے لئے طبیعی قوانین مقرر ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا دارومدار سانس لینے پر ہے یا سنکھیا موجبِ ہلاکت ہے۔ دوسرا حصہ اس کی انسانی زندگی کا ہے۔ اس کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں۔ مثلاً یہ کہ ظلم کا نتیجہ تباہی وبربادی ہے۔ اور عدل واحسان کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں۔ یہ قوانین بھی اٹل ہیں لیکن انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے۔ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی تو کر سکتا ہے لیکن ان کے نتائج کو بدل نہیں سکتا۔ یعنی اسے اس کا تو اختیار ہے کہ وہ سنکھیا کھا لے لیکن اس کا اختیار نہیں کہ سنکھیا کھانے سے جو نتیجہ پیدا ہونا قانونِ خداوندی کی رو سے متعین ہے اُسے بدل دے۔ یا مثلاً اسے اس کا اختیار ہے کہ وہ ظلم کی روش اختیار کر لے۔ لیکن یہ اختیار نہیں کہ وہ ظلم کی روش کے نتیجہ کو بدل دے

لہٰذا، اس گوشے میں خدا کی قدرت یا اقتدار کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کا ہر قانون متعینہ نتیجہ پیدا کر کے رہتا ہے۔ اسے انسان بدل نہیں سکتا۔ انسان اپنے عمل میں تو آزاد اور با اختیار ہے لیکن اس عمل کے نتیجہ کو تبدیل کر دینے کا اسے اختیار نہیں۔ عمل کی آزادی اور اختیار، انسان کو اس کے ہر فیصلے کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اسی پر قانونِ مکافاتِ عمل کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ یعنی اسے اس کے کئے کا پھل ملتا ہے۔ خدا نے جب انسان کو اس کا اختیار دیا ہے تو وہ نہ اس اختیار کو سلب کرتا ہے، نہ انسانی اختیار کے دائرے میں دخل دیتا ہے۔ اگر وہ دخل دے تو انسان اپنے فیصلہ اور عمل کا ذمہ دار نہ رہے۔ اور اگر ذمہ دار نہ رہے تو پھر اس کی جزا اور سزا کیسی؟

ان تینوں گوشوں کو سامنے رکھ لیا جائے تو تقدیر اور مشیت کا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ ان گوشوں میں تفریق اور تمیز نہ کرنے سے ساری الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم "ما یشاء" (جو وہ چاہتا ہے) کے معنی ہر جگہ ایک ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ مختلف گوشوں میں اس کا مفہوم مختلف ہوتا ہے۔ پھر سن لیجئے کہ کائنات میں ہر بات خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔ اور خدا نے انسان کو جس حد تک صاحبِ اختیار بنایا ہے، اس حد کے اندر، خدا انسانی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ البتہ انسان کا ہر عمل — حتیٰ کہ اس کے دل میں گزرنے والا خیال بھی — خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ ان نتائج کو بدلنے پر انسان کا اختیار نہیں۔ مشیت کے معنی ہیں خدا کے مقرر کردہ قوانین، اور تقدیر کے معنی ہیں وہ (اندازہ یا پیمانہ جس کے مطابق کسی شے کو بنایا گیا ہے۔ اسی کو اس شے کے خواص کہا جائے گا۔ یا وہ حد جس تک وہ جا سکتی ہے۔ انسان کی قسمت یا تقدیر (عام عقیدہ کے مطابق) پہلے سے لکھی ہوئی نہیں۔ یہ اپنی تقدیر خود اپنے ہاتھوں سے لکھتا ہے۔ یعنی جس قسم کے اعمال اس سے سرزد ہوں، اسی قسم کا یہ بن جاتا ہے۔

تقدیر کے معنی اندازہ یا پیمانہ

(۱) چاند اور سورج سے دنوں اور مہینوں کا حساب رکھا جا سکتا ہے۔ یہ خدا کی مقرر کردہ تقدیر ہے — (۶:۹۷)
(۵:۱۰) — (۳۶:۳۸—۴۰) — (۴۱:۱۲)

(۲) رحمِ مادر میں جنین جن کیفیات سے گزرتا ہے اسے "مقدار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی قوانینِ طبیعی — (۱۳:۸)
(۲۲:۲۰—۲۳) — (۸۰:۱۹—۲۰)

(۳) ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے ایک اندازہ (تقدیر) مقرر کر دیا ——— (۲ : ۲۵)

(۴) خدا کا امر، دوسرے گوشے میں آکر، مقررہ پیمانوں میں محدود ہو گیا ——— (۳۹ : ۳۳)

(۵) زرہیں   اندازے کے مطابق بناؤ ——— (۱۱ : ۳۴)

(۶) زمین کی چار فصلوں (موسموں) کا اندازہ مقرر کر دیا ——— (۱۰ : ۴۱)

(۷) سامانِ رزق کے پیدا ہونے کے اندازے مقرر ہیں ——— (۲۱ : ۱۵) ——— (۲۷ : ۴۲)

(۸) بارش اندازے کے مطابق نازل ہوتی ہے ——— (۱۸ : ۲۳) ——— (۱۱ : ۴۳)

(۹) ہر شے کو ایک پیمانے کے مطابق پیدا کیا ——— (۴۹ : ۵۴)

(۱۰) طوفانِ نوح کے وقت بارش کا پانی خدا کے مقرر کردہ پیمانے کے مطابق جمع ہو گیا۔ یعنی پانی کے لئے قانونِ فطرت یہ ہے کہ وہ نشیب کی طرف چلا آتا ہے اور آگے راستہ نہ ہو تو اس کی سطح اونچی ہوتی چلی جاتی ہے۔

(۱۲ : ۵۴)

(۱۱) رسول اللہ کے ایک مخالف نے غور کرنے کے بعد ایک اندازہ کیا۔ کیسا بُرا تھا اس کا اندازہ ——— (۲۰-۱۸ : ۷۴)

(۱۲) برتنوں کو پیمانے کے مطابق بنایا ہے ——— (۱۶ : ۷۶)

(۱۳) انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے پیمانے مقرر کر دیئے ——— (۲۰-۱۹ : ۸۰)

(۱۴) تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت ——— (۳-۲ : ۸۷)

(۱۵) طلاق وغیرہ کے متعلق معاشرتی قوانین کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے لئے قدر مقرر کر دی ہے۔ یہاں قدر کے معنی واضح طور پر قوانین ہیں ——— (۳ : ۶۵)

(۱۶) موت کے متعلق، جو قانونِ طبعی کے مطابق واقع ہوتی ہے، کہا کہ ہم نے اسے مقدر کر دیا ہے۔ یعنی اس کے لئے پیمانہ (قانون) مقرر کر دیا ہے ——— (۶۰ : ۵۶)

(۱۷) زمین کی مسافت ماپنے کے لئے جو اندازے (میل وغیرہ) ہوتے ہیں، اس کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔

(۱۸ : ۳۴)

(۱۸) مطلقہ عورتوں کے نان و نفقہ کے سلسلہ میں کہا کہ وسعت والا اپنی قدر (حیثیت) کے مطابق دے اور غریب اپنی قدر کے مطابق ——— (۲ : ۲۳۶)

(۱۹) فقدر علیه رزقه ——— (۱۶ : ۸۹)۔ رزق کا ناپ تول کر ملنا۔ تنگ ہو جانا۔

(۲۰) بارش ہوتی ہے تو ندی نالے اپنی اپنی بساط (قدر) کے مطابق بھر جاتے ہیں ــــ (۱۷ : ۱۳)
(۲۱) قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ یعنی اس سے دنیا کو نئی اقدار ملیں ــــ (۴–۱ : ۹۷)
(۲۲) قادر کے معنی اندازہ مقرر کرنے والا ــــ (۲۳ : ۷۷)

مشیّتِ خداوندی کا پہلا گوشہ

یہ وہ گوشہ ہے جس میں خدا، اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے اقتدارِ مطلق کی رُو سے اشیاء اور انسانوں کے لئے قوانین متعین کرتا ہے۔ اس گوشے میں کہا جائیگا کہ وہ "جو جی میں آتا ہے کرتا ہے"۔

(۱) اس نے سامانِ رزق کے پیدا ہونے کے پیمانے اپنی مشیت کے مطابق مقرر کئے ہیں ــــ (۲۷ : ۴۲)
(۲) قوموں کا محو و ثبات خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس قانون کی اصل و بنیاد اس کے پاس ہے ــــ (۴۰–۳۹ : ۱۳) – (۲۷ : ۱۴)
(۳) اس کے "امر" کی یہ کیفیت ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہی وجود میں آ جاتی ہے۔ (یعنی اس کا آغاز ہو جاتا ہے) ــــ (۸۲ : ۳۶)
(۴) یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ــــ (۱۸ : ۲۲)۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے قوانینِ مشیت مرتب کرتا ہے۔
(۵) یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ــــ (۱۴ : ۲۲) وہ اپنے اختیار و ارادہ کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ــــ (۱۰۷ : ۱۱)
(۶) یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ــــ (۱ : ۵)۔ وہ جیسے چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔
(۷) لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ــــ (۲۳ : ۲۱)۔ اس سے نہیں پوچھا جاسکتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ باقی سب سے پوچھا جاسکتا ہے۔
(۸) یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ــــ (۴۵ : ۲۴) ــــ (۶۸ : ۲۸)

مشیّتِ خداوندی کا دوسرا گوشہ

خارجی کائنات جس میں ہر چیز قانونِ خداوندی کے مطابق عمل کرتی ہے کسی کو اس کی خلاف ورزی کا

اختیار نہیں۔ اس گوشے میں "مایشاء" کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر بات خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے۔

(۱) خدا کا امر، کائنات میں آکر، مقررہ پیمانوں کے اندر آگیا۔ یعنی ہر شے اس قانون کے تابع آگئی جو اس کے لئے امرِ الٰہی نے مقرر کیا تھا ——— (۳۹ : ۳۳)

(۲) ہر ذی حیات خدا کے قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کے بال، اس قانون کے ہاتھ میں ہیں۔ (۱۱ : ۵۶)

(۳) خدا نے ہر شے کے لئے پیمانے (قوانین) مقرر کر دیئے ہیں ——— (۳ : ۶۵)

(۴) ان قوانینِ خداوندی (سنت اللہ) میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی ——— (۷۷ : ۱۷)——(۶۲ : ۳۳)——(۴۳ : ۳۵) (۴۵ : ۴۰)——(۲۳ : ۴۸)

(۵) اسی حقیقت کو کبھی اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ "خدا نے اپنے اوپر اس بات کو لازم قرار دے لیا ہے کہ ....." اس کا مطلب یہی ہے کہ اس نے یہ قانون بنا دیا ہے اور وہ ہمیشہ اس قانون کی پابندی کرتا ہے۔

خدا نے یہ لازم قرار دے دیا ہے کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے ——— (۲۱ : ۵۸)

خدا نے اپنے اوپر رحمت (سامانِ نشوونما کی بہم رسانی) کو فرض قرار دے لیا ہے ——— (۵۴ ; ۱۲ : ۶)

مومنین کو ہر قسم کی تباہی سے محفوظ رکھنا خدا نے اپنے اوپر فرض قرار دے لیا ہے۔ (حقاً علینا ننجی المؤمنین ——— (۱۰۳ : ۱۰)

مومنین کی مدد کرنا خدا نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھا ہے ——— (۴۷ : ۳۰)

(۶) اسی کو کہیں "خدا کا وعدہ" کہا گیا ہے جس کی خلاف ورزی کبھی نہیں ہوتی۔

خدا کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے ——— (۱۲۲ : ۴)——(۴ : ۱۰)——(۹۸ : ۱۸)

خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا ——— (۸ : ۳)——(۱۹۳ : ۳)——(۳۱ : ۱۳)——(۲۰ : ۳۹)

(۷) یہی وہ قوانینِ خداوندی (قوانینِ فطرت) ہیں جن کی اطاعت تمام اشیائے فطرت کرتی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو ان سے مجالِ سرتابی نہیں ——— (۵۰-۴۹ : ۱۶)——(۶ : ۶۶)

ہر شے اس کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے ——— (۴۹ : ۱۶)۔ ہر شے اس کے "امر" کی

زنجیروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے ـــــ (۴۱-۱۲:۱۶)

(۸) اس گوشے میں کیف یشاء کے معنی ہوں گے کہ خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ایسا کرتا ہے یا جس طرح اس کے قانونِ مشیت کا تقاضا ہوتا ہے، ویسا ہوتا ہے. مثلاً اللہ رحمِ مادر میں جنین کو صورت عطا کرتا ہے کیف یشاء ـــــ (۵:۳)

(۹) خدا کی مشیت کے مطابق سمندر کی ہوائیں ساکن ہو جاتی ہیں. ظاہر ہے کہ یہاں مشیت سے مراد خدا کا قانونِ فطرت ہے ـــــ (۳۳:۴۲)

(۱۰) زمین سے رزق مشیتِ خداوندی کے اندازے کے مطابق پیدا ہوتا ہے ـــــ (۲۷:۴۲)

مشیتِ خداوندی کا تیسرا گوشہ

انسانی دنیا. اس میں انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس قسم کا جی چاہے کام کرے. لیکن اس کے ہر کام کا نتیجہ، خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق مرتب ہوتا ہے. اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ. اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ـــــ (۴۰:۴۱). تم جو چاہو کرو. یہ تمہارے اختیار کی بات ہے لیکن تمہارے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوگا.

(۱) جو فسق کی راہ اختیار کرے، اسے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی نہیں مل سکتی ـــــ (۲۵:۲)

(۲) انسان کفر کی روش اختیار کرے تو سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے ـــــ (۸۸:۲)

(۳) انسان اپنے لئے مصیبت خود لاتا ہے ـــــ (۱۶۴:۳) ـــــ (۶۲:۴). یہ اس وقت آتی ہے جب انسان خدا کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے ـــــ (۷۸-۷۹:۴) ـــــ (۴۷:۲۸) ـــــ (۳۶:۳۰)

(۳۰:۴۲) ـــــ (۴۸:۴۲)

(۴) انسان اپنے اعمال کی وجہ سے راہِ حق سے پھرتا ہے ـــــ (۸۸:۴). اور سعادتوں سے محروم رہتا ہے ـــــ (۷۰:۶)

جو خدا کے قوانین سے روگردانی کرتا ہے اس پر تباہی آجاتی ہے ـــــ (۱۵۸:۶). اس پر رزق کی تنگی آجاتی ہے ـــــ (۱۲۴:۲۰)

(۵) خدا کی طرف سے بصائر آگئے. جو دیکھ کر چلے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا. جو آنکھیں بند رکھے گا وہ نقصان

اٹھائے گا — (۶ : ۱۰۵)—(۱۰ : ۱۰۸)—(۱۷ : ۱۵)—(۲۵ : ۴۲)—(۲۷ : ۹۲)—(۳۹ : ۴۱)

(۶) بستیاں ظلم سے ہلاک ہوتی ہیں — (۶ : ۱۳۲)

(۷) ہرایک کے مدارج کا تعین اس کے اعمال کی رو سے ہوتا ہے — (۶ : ۱۳۳)

(۸) خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا. لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں — (۱۰ : ۴۴)—(۱۶ : ۳۳)

(۹) کہہ دو کہ تمہارے اعمال تمہارے لئے اور میرے اعمال میرے لئے — (۱۰ : ۴۱)

(۱۰) جب تک کوئی قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہیں کرتی خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا — (۸ : ۵۳)—
(۱۳ : ۱۱)

(۱۱) قیامت میں شیطان کہے گا کہ تم لوگوں نے خود ہی میری دعوت کو قبول کیا تھا. اس لئے اپنے آپ کو الزام دو. مجھے کیوں الزام دیتے ہو — (۱۴ : ۲۲)

(۱۲) لوگ رسولوں سے استہزا کرتے ہیں تو ان کی ذہنیت مجرمین جیسی ہوجاتی ہے — (۱۵ : ۱۱-۱۲)

(۱۳) انسان کو صاحبِ اختیار بنایا تاکہ اسے اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے — (۱۶ : ۹۳)

(۱۴) اگر تم وہی کام پھر کروگے تو ہم اسی قسم کا سلوک پھر کرینگے — (۱۷ : ۸)

(۱۵) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا — (۱۷ : ۱۵)—(۵۳ : ۳۸)

(۱۶) حق خدا کی طرف سے آگیا. جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے — (۱۸ : ۲۹)
(۲۵ : ۵۷)—(۷۳ : ۱۹)

(۱۷) نہ آنکھیں بند رکھنے والوں کو سیدھا راستہ دکھایا جاسکتا ہے، نہ بہروں کو سنایا جاسکتا ہے. سنایا انہیں ہی جاسکتا ہے جو خدا کی صداقتوں پر ایمان لائیں — (۲۷ : ۸۰-۸۱)—(۳۰ : ۵۲)

(۱۸) قیامت میں لیڈروں اور سرغنوں کا بیان کہ جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ہم نے اپنے متبعین کو گمراہ کیا تھا — (۲۸ : ۶۳)—(۵۰ : ۲۷-۲۹)

(۱۹) جو کوشش کرتا ہے ہم اسے اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں — (۲۹ : ۶۹)

(۲۰) یہ تعلیم اس کے لئے ہے جو زندہ ہو — (۳۶ : ۷۰)

(۲۱) قرآن نازل کرنے سے مطلب یہ ہے کہ لوگ اس میں غور وفکر کریں اور عقل وفکر سے کام لے کر سیدھا راستہ اختیار کریں — (۳۸ : ۲۹). جو ایسا نہیں کرتے ان کے دل سخت ہوجاتے ہیں — (۳۹ : ۲۱-۲۲)

(۲۲) خدا بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا ـــــ (۳۹ : ۷)

(۲۳) جو اپنی خواہشات ہی کو اپنا خدا بنالے اور یوں اس پر جذبات غالب آجائیں تو اس کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔ خدا کے اس قانون کے علی الرغم ایسے شخص کو کون سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے ـــــ (۴۵ : ۲۳)

(۲۴) لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں میں تالے پڑے ہوتے ہیں؟ ـــــ (۴۷ : ۲۴)

(۲۵) انسان کے لئے صرف وہ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے ـــــ (۵۳ : ۳۹)

(۲۶) انسان کے اندر بننے اور بگڑنے کی۔ دونوں۔ صلاحیتیں موجود ہیں۔ جو جس قسم کی صلاحیت کو بروئے کار لائیگا، اسی قسم کا نتیجہ سامنے آجائے گا ـــــ (۹۱ : ۷ ــ ۱۰)

(۲۷) ہر قوم کی مدتِ حیات خدا کے قانون کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ اسی قانون کے مطابق کسی قوم کا مٹ جانا اور کسی کا باقی رہنا طے پاتا ہے۔ اس قانون کی اصل و بنیاد خدا کے پاس ہے ـــــ (۱۳ : ۳۹ ــ ۴۰)

(۲۸) قرآن ایک ضابطۂ ہدایت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے ـــــ (۸۰ : ۱۱ ــ ۱۲)

تقدیر کے عام تصوّر یا عقیدہ کی تردید۔ انسان کا صاحبِ اختیار و ارادہ ہونا

(۱) انسان اپنے لئے مصیبت آپ لاتا ہے ـــــ (۴ : ۱۶۴)

(۲) مشرک کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے اسلاف۔ یہ ایسی غلط بات ہے جو پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے اور ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر عذاب آجایا کرتا تھا۔ یہ محض انسان کی خام خیالی ہے جبر کا عقیدہ علم پر مبنی نہیں۔ ـــــ (۶ : ۱۴۹) ـــ (۱۶ : ۳۵) ـــ (۳۶ : ۴۷) ـــ (۴۳ : ۲۰)

(۳) دل ان کے پھیرے جاتے ہیں جو خود اپنے دلوں کو پھیر لیتے ہیں۔ ـــــ (۶ : ۱۵۸) ـــ (۷ : ۱۴۶) ـــ (۹ : ۱۲۷) ـــ (۹ : ۵۱) ـــ (۵ : ۶۱)

(۴) انسان کو صاحبِ اختیار بنایا تاکہ اس سے اس کے اعمال کی باز پرس ہوسکے ـــ (۱۶ : ۹۳)

(۵) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم انہیں کیسے کھلائیں جن کا بھوکا رہنا خدا کی مشیت میں ہے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے ـــــ (۳۶ : ۴۷)

(۶) قرآن اس لئے نازل کیا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ اگر خدا مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی متقیوں میں سے ہو

جاتا — (۵۷ : ۳۹) یعنی خدا کا ہدایت دینا، کتاب نازل کر دینا ہے۔ اس کے بعد اُسے ماننا یا نہ ماننا انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے۔

(۷) ہم نے انسان کو ذرائع علم دیئے۔ پھر صحیح راستہ دکھا دیا۔ اب اس کا جی چاہے تو اسے اختیار کر لے اور جی چاہے تو اس سے انکار کر دے۔ وہ جونسی روش اختیار کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سامنے آجائے گا۔ (۵—۲ : ۷۶)

(۸) انسان کو آنکھیں دیں اور دونوں راستے دکھا دیئے — (۱۱—۹ : ۹۰)

(۹) بارش ہر جگہ یکساں ہوتی ہے۔ اچھی زمین سے نہایت عمدہ پیداوار ہوتی ہے۔ خراب زمین سے کچھ نہیں پیدا ہوتا — (۵۸—۵۷ : ۷)۔ سورج کی روشنی ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ خدا کی ہدایت قرآن میں موجود ہے۔ اس سے ہر شخص اپنی اپنی سعی و کاوش کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۱۰) منافقین نے خدا کے قوانین کو بھلا دیا۔ خدا نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا — (۶۷ : ۹)

(۱۱) اگر خدا چاہتا تو تمام لوگ ایمان والے ہوتے۔ لیکن خدا نے انہیں مجبور پیدا نہیں کیا۔ تو اے رسول! کیا تو انہیں مجبور کر کے مومن بنانا چاہتا ہے۔ یہ مشیت کے پروگرام کے خلاف ہے۔ یہ اپنی عقل و فکر سے بطیب خاطر ایمان لائیں تو وہ ایمان ہو گا — (۹۹ : ۱۰)—(۱۱۹—۱۱۸ : ۱۱)

(۱۲) انسان کو صاحب اختیار بنایا اور کھلا میدان دے دیا کہ جس کا جی چاہے آگے بڑھ جائے۔ جس کا جی چاہے پیچھے رہ جائے۔ انسان پر اس کے اپنے اعمال کے سوا کوئی بندھن نہیں — (۳۸—۳۷ : ۷۴)

(۱۳) تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا — (۴۰ : ۲)۔ تم میرے قوانین کو سامنے رکھو، میں تمہارا شرف و عظمت زیادہ کروں گا — (۱۵۲ : ۲)۔ اس سے ظاہر ہے کہ پہلا قدم انسان کی طرف سے اٹھتا ہے۔ جس سمت کو وہ قدم اٹھائے، اسی قسم کی منزل تک وہ پہنچ جاتا ہے۔ جس قسم کا وہ خود بن جائے اسی قسم کا خدا کا قانون اس پر منطبق ہو جاتا ہے۔

(۱۴) پہلے کہا کہ طالوت کو اقتدار اس لئے دیا گیا کہ وہ جسم اور علم دونوں میں بڑی استعداد رکھتا تھا۔ اس کے بعد کہا کہ واللہ یؤتی ملکہ من یشاء۔ اس سے من یشاء کا مفہوم واضح ہے یعنی جو اقتدار لینا چاہے وہ اپنے اندر وہ خصوصیات پیدا کر لے — (۲۴۷ : ۲)

(۱۵) آدمؑ سے لغزش ہوئی۔ اور جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ـــــ (۷ : ۲۳) "ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی"۔ یعنی اس نے اپنی خطا کا ذمہ دار اپنے آپ کو ٹھہرایا تو اس کے لئے بازآفرینی کے دروازے کھل گئے۔

ابلیس نے معصیت کی۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ "اے میرے رب! تو نے مجھے گمراہ کر کے سعادتوں سے محروم کر دیا ہے"۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو مجبور بتایا۔ اس سے وہ ہمیشہ کے لئے سعادت سے محروم ہوگیا ـــــ (۱۵ : ۳۹)

اس سے جبر و قدر کا مسئلہ حل ہوگیا۔

(۱۶) اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ۔ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ـــــ (۴۱ : ۴۰)۔ تم جو کرنا چاہو کرو۔ اس پر تمہیں اختیار ہے۔ لیکن تمہارے ہر کام کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوگا۔ اس کے بدلنے پر تمہیں اختیار نہیں ـــــ

(۱۷) اگر تم خدا کی مدد کرو گے (یعنی اس کے قانون کے مطابق معاشرہ قائم کرو گے) تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثبات عطا کرے گا ـــــ (۴۷ : ۷)

(۱۸) اس باب میں سورۃ والنجم کی وہ آیات قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ انسان کو وہی کچھ مل سکتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ انسانی سعی و کاوش اور انفرادی ذمہ داری کا اصولِ محکم ـــــ (۵۳ : ۳۸-۳۹)

بظاہر جبر کا پہلو

جب ان تین گوشوں کا فرق نگاہوں کے سامنے نہ رہے تو بعض آیاتِ قرآنی سے ایسا مترشح ہونے لگتا ہے گویا انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ اور سب کچھ خدا ہی کرتا ہے۔ لیکن جب ان گوشوں کا تصور سامنے آجائے تو پھر یہ الجھنیں باقی نہیں رہتیں۔

۱۔ دلوں پر مہریں لگ جانا

(۱) جو لوگ یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم نے کوئی بات ماننی ہی نہیں، ہر بات کا انکار ہی کئے جانا ہے، تو ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ اسے خدا کے قانونِ مشیت

کی رو سے، دلوں پر مہریں لگ جانا کہتے ہیں۔ جب تک وہ اس روش پر قائم رہیں گے اور اپنی ذہنیت نہیں بدلیں گے، انہیں کوئی تنذیر فائدہ نہیں دے سکے گی ــــ (۷ــ۶ : ۲)

(۲) یہ انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے ــــ (۱۵۵ : ۴)۔ اس سے دل سخت ہو جاتے ہیں ــــ (۱۳ : ۵)ــــ(۳۹ : ۲۲)

(۳) پہلے مشرکین اور مکذبین کی حرکتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ہے کہ یہ تمہاری محفل میں آتے ہیں تو یوں نظر آتا ہے جیسے تمہاری باتیں بڑی توجہ سے سن رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا دل کہیں اور ہوتا ہے۔ (یہ بات قرآن کے متعدد مقامات میں آئی ہے) اس طرح قانونِ خداوندی کی رو سے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں اور دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں ــــ (۲۵ــ۲۴ : ۶)ــــ(۴۴ــ۴۲ : ۱۰)

(۴) لوگوں کے جرائم کی وجہ سے دلوں پر مہریں لگتی ہیں ــــ (۱۰۰ : ۷)ــــ(۲۰۰ : ۲۶)

(۵) منافقت سے دل پر مہر لگ جاتی ہے ــــ (۸۷ : ۹)ــــ(۳ : ۶۳)

(۶) جس بات سے ایک دفعہ انکار کر دی، اس پر اڑ گئے۔ یوں دلوں پر مہریں لگتی ہیں ــــ (۷۴ : ۱۰)

(۷) زندگی کو محض طبیعی زندگی سمجھنے والوں کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ــــ (۱۰۸ــ۱۰۷ : ۱۶)ــــ(۴۶ــ۴۵ : ۱۷)

(۸) آیاتِ خداوندی سے اعراض برتنے اور اپنے اعمال کے نتائج کی طرف سے لاپرواہ ہو جانے سے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ــــ (۵۷ : ۱۸)

(۹) علم سے کام نہ لینے والوں کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ــــ (۵۹ : ۳۰)

(۱۰) متکبر و جبّار کے قلب پر مہریں لگتی ہیں ــــ (۳۵ : ۴۰)

(۱۱) ان (مخالفین) کا اعتراف ہے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں۔ اور تمہارے اور ہمارے درمیان پردہ حائل ہے ــــ (۵ــ۴ : ۴۱)

(۱۲) جس پر اس کے جذبات غالب آجائیں، باوجود علم رکھنے کے اس کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے ــــ (۲۳ : ۴۵)

(۱۳) جن کی کیفیت یہ ہو کہ وہ بظاہر کان تمہاری طرف لگائے ہوں لیکن دھیان کہیں اور ہو تو ایسے لوگوں کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔ ان کے دلوں پر جذبات سے مغلوب ہونے کی وجہ سے مہریں لگ جاتی ہیں ــــ (۱۷ : ۴۷)

(۱۴) جو لوگ فساد انگیزی شروع کر دیں تو ان کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں ــــ (۲۳-۲۲ : ۴۷)

(۱۵) یہ قرآن پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں! ــــ (۲۴ : ۴۷)

(۱۶) دل اُن کے ٹیڑھے ہوتے ہیں جو انہیں خود ٹیڑھا کرتے ہیں ــــ (۵ : ۶۱)

(۱۷) قلوب پر زنگ انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے لگتا ہے ــــ (۱۴ : ۸۳)

۲۔ منافقت سے انسان ایک نفسیاتی مرض کا شکار ہو جاتا ہے اور جوں جوں وہ منافقت میں آگے بڑھتا ہے، خدا کے قانونِ مشیت کی رو سے، یہ مرض زیادہ ہوتا جاتا ہے ــــ (۱۰ : ۲)ــــ (۸۷ : ۹)۔

جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے ان کے شکوک و اضطراب بڑھتے جاتے ہیں ــــ (۱۲۵ : ۹)

۳۔ خدا کے اِذن کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا ــــ (۱۰۲ : ۲) اِذن کے معنی خدا کا قانونِ مشیت ہے۔ دیکھئے عنوان "اذن"۔ مصیبت تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ یہ خدا کے اِذن سے آتی ہے ــــ (۱۶۵ : ۳)

بات واضح ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کا نتیجہ خدا کے قانون کے مطابق نکلتا ہے ــــ (۶۲ : ۴)

اگر تم خدا کے قانون کے مطابق چلو گے تو نتیجہ ہمیشہ خوشگوار ہو گا۔ اگر اس کے خلاف چلو گے تو نقصان ہو گا۔ یعنی مصیبت اس وقت آتی ہے جب تم اپنی من مانی کرتے ہو ــــ (۷۹-۷۸ : ۴)۔ یہ دونوں نتائج خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہا کہ "سب خدا کی طرف سے ہوتا ہے"۔

مصیبت قوموں کے اپنے جرائم کی وجہ سے آتی ہے ــــ (۱۰۰ : ۷)ــــ (۷۰ : ۹)

ہر واقعہ (یا مصیبت) قانونِ خداوندی کے مطابق (ما کتب اللہ لنا) نمودار ہوتی ہے ــــ (۵۱ : ۹)

خدا کے اذن کے بغیر کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ اور وہ اذن (قانون) یہ ہے کہ جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتا۔ اس پر بات مشتبہ رہ جاتی ہے ــــ (۱۰۰ : ۱۰)

نحوست (بُرے دن) قانونِ خداوندی کے مطابق آتے ہیں ــــ (۴۷ : ۲۷)۔ یعنی انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

۴۔ **موت**۔ خدا کے اذن (قانونِ طبیعی) کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ زندگی کی میعاد اسی قانون کے مطابق گھٹتی یا بڑھتی ہے ــــ (۱۴۴ : ۳)

موت اور حیات خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق ہوتی ہے ـــــ (۳ : ۱۵۵) تم کہیں بھی چلے جاؤ، اس قانون کے احاطے سے باہر نہیں جا سکتے ـــــ (۴ : ۷۸)

موت کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں۔ (یعنی قانونِ فطرت) ـــــ (۵۶ : ۶۰)

۵۔ کتب علیھم، کے معنی یہ نہیں کہ ان کے لئے پہلے سے یہ بات لکھ دی گئی تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے لئے ایسا کرنا فرض قرار دے دیا گیا تھا۔ مثلاً جماعتِ مومنین پر قتال فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ایسا کرتے ہیں ـــــ (۳ : ۱۵۳)

"ماکتب اللہ لنا" قانونِ خداوندی کے مطابق ـــــ (۹ : ۵۱)

یہ لکھ دیا گیا ہے (قانون بنا دیا گیا ہے) کہ جو شیطان کو دوست بناتا ہے وہ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ (۲۲ : ۴)

۶۔ ہدایت اور گمراہی

(۱) انسان اپنے اعمال کی وجہ سے حق کی راہ سے پھرتا ہے۔ چونکہ یہ نتیجہ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق مرتب ہوتا ہے اس لئے اسے خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے ـــــ (۴ : ۸۸)ـــــ(۴ : ۱۴۳)

(۲) لوگ اندھے اور بہرے اپنے اعمال کی وجہ سے ہو جاتے ہیں ـــــ (۵ : ۷۱)

جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے وہ بدترین مخلوق ہیں۔ جو عقل و فکر سے کام لے کر توجہ کریں، ان کی سمجھ میں بات آجاتی ہے۔ لیکن اگر کسی پر یونہی بات ٹھونس دی جائے تو اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا ـــــ (۸ : ۲۲ــ۲۳)

(۳) جو لوگ عقل و فکر سے کام لے کر صداقتوں کو تسلیم نہیں کرتے ان پر حقائق واضح نہیں ہو سکتے اور یوں خدا کے قانون کے مطابق ان کے سینے میں کشاد نہیں پیدا ہو سکتی ـــــ (۶ : ۱۲۶ــ۱۲۷)ـ(۱۰ : ۱۰۰) (۳۹ : ۲۱ــ۲۲)

(۴) جو لوگ اپنے سرکش جذبات کے تابع چلتے ہیں، ان پر، خدا کے قانون کے مطابق گمراہی مسلط ہو جاتی ہے ـــــ (۷ : ۳۰)

(۵) آیاتِ خداوندی سے وہ لوگ پھیرے جاتے ہیں جو (i) حق کے بغیر سرکشی اختیار کرتے ہیں (ii) صداقت کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے۔ (iii) سیدھا راستہ نظر آجانے کے بعد بھی اسے

اختیار نہیں کرتے۔ اور (۷) غلط راستے کو جان بوجھ کر اختیار کرتے ہیں ۔۔۔ (۱۴۶ : ۷)

(۶) تکذیبِ آیات۔ اور ملکوت السموٰت والارض پر غور و فکر نہ کرنے سے ایمان کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو کون راہِ راست پر لا سکتا ہے؟ ۔۔۔ (۱۸۶ ۔۔ ۱۸۲ : ۷)

(۷) لوگوں پر سیدھی راہ واضح کر دی جاتی ہے۔ پھر جو اس راہ کو اختیار نہیں کرتا تو اس پر کشاد کے دروازے نہیں کھلتے ۔۔۔ (۱۱۵ : ۹)

(۸) دل ان کے پھیرے جاتے ہیں جو خود اپنے دل کو پھیر لیتے ہیں۔ یعنی جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ۔۔۔ (۱۲۷ : ۹) ۔۔۔ (۵ : ۶۱)

(۹) خدا نے جو قانون مقرر کر دیا ہے (کہ ایمان کس طرح لایا جا سکتا ہے) جو اس کے مطابق روش اختیار نہیں کرتا وہ ایمان نہیں لا سکتا۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ ایمان وہی لا سکتا ہے جو عقل و فکر سے کام لے ۔۔۔ (۱۰۰ ؛ ۹۹ : ۱۰)

(۱۰) شرک کرنے والوں پر ہدایت کی راہ کشادہ نہیں ہوتی۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ ایسے لوگوں کو کون ہدایت دے سکتا ہے (جو اپنی آنکھیں بند کر لے اسے روشنی کون دکھا سکتا ہے) ۔۔۔ (۳۳ : ۱۳)

(۱۱) جو ایمان نہیں لاتا خدا اسے (جبراً) سیدھے راستے پر نہیں چلاتا ۔۔۔ (۱۰۴ : ۱۶)

(۱۲) ہدایت اسے ہی مل سکتی ہے جسے خدا کے قانون کے مطابق ہدایت ملے۔ اس کا اور کوئی طریقہ نہیں ۔۔۔ (۹۷ : ۱۷)

(۱۳) پہلے کہا کہ جس کا دل ہم نے ذکر سے غافل کر دیا۔ اس کے بعد ہے جس کا جی چاہے ایمان لے آئے، جس کا جی چاہے انکار کر دے ۔۔۔ (۲۹ ۔۔ ۲۸ : ۱۸)

(۱۴) گمراہ شیطان کرتا ہے ۔۔۔ (۴ : ۲۲) یعنی انسان کے اپنے سرکش جذبات۔

(۱۵) گمراہی اپنے غلط جذبات کے اتباع سے ہوتی ہے۔ یہی خدا کا قانون ہے۔ جو اس طرح قانونِ خداوندی کے مطابق گمراہ ہو جائے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے ۔۔۔ (۲۹ : ۳۰)

(۱۶) قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو عقل و فکر سے کام نہ لے اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ جس پر یہ قانون منطبق ہو جائے وہ سیدھے راستے پر کیسے آ سکتا ہے۔ اس کے لئے برابر ہے چاہے اسے اس کے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا جائے یا نہ کیا جائے ۔۔۔ (۱۱ ۔۔ ۷ : ۳۶)

(۱۷) مشرک کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اسے جو خود جہنم میں پہنچنے والا ہو ——— (۱۶۳ : ۳۷)

(۱۸) پہلے کہا کہ انسان کے حسنِ عمل کا نتیجہ خوشگواریاں ہیں۔ پھر کہا کہ جسے خدا کے قانون کے مطابق سیدھا راستہ مل جائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جو اس کے مطابق راہ گم کر دے اسے کوئی سیدھی راہ دکھا نہیں سکتا ——— (۳۶—۳۷ : ۳۹)

(۱۹) پہلے کہا کہ "جسے خدا گمراہ کر دے اسے کون ھدایت دے سکتا ہے"۔ اس کے بعد کہا کہ اللہ اسے ہی گمراہی میں چھوڑتا ہے جو مسرف و کذاب ہو۔ قوانینِ خداوندی سے ناحق جھگڑا کرے۔ اس طرح ہر متکبر و جبار کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ (یہ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر ہے)۔ اس سے واضح ہے کہ جب خدا گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس سے مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ انسان کی اپنی روش کا وہ نتیجہ ہے جو خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتا ہے ——— (۳۳—۳۵ : ۴۰)

(۲۰) ہدایت اسے ملتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرے ——— (۲۸ : ۱۳) — (۱۳ : ۴۲)

(۲۱) جس پر جذبات غالب آجائیں اور یوں اس کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو جائیں تو ایسے شخص کو کون سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے ——— (۲۳ : ۴۵)

(۲۲) جن پر جذبات غالب ہیں وہ صحیح راستہ نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن جو لوگ عقل و فکر سے کام لے کر ہدایت اختیار کرلیں تو جوں جوں وہ آگے بڑھتے ہیں، ان کے سامنے زندگی کی راہیں اور کشادہ ہوتی جاتی ہیں ———

(۱۷ : ۴۷)

(۲۳) صحیح راستہ سامنے آجانے کے بعد بھی جن لوگوں پر جذبات غالب آجائیں وہ اس سے پھر جاتے ہیں ———

(۲۵ : ۴۷)

(۲۴) قرآن پر غور نہ کرنے سے دلوں پر تالے پڑ جاتے ہیں ——— (۲۴ : ۴۷)

(۲۵) قرآن ایک نصیحت کی کتاب ہے۔ سو جس کا جی چاہے صحیح راستہ اختیار کرلے ——— (۱۹ : ۷۳)

(۲۶) "جو لوگ تکذیبِ آیات کرتے ہیں وہ گونگے بہرے بن کر تاریکیوں میں رہتے ہیں"۔ اس کے بعد کہا کہ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۖ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ——— (۳۹ : ۶)۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ ہدایت اور ضلالت قانونِ خداوندی کے مطابق ملتی ہے۔ جو جونسا راستہ اختیار کرنا چاہے کرلے۔

(۲۷) کفار کا اعتراض کہ اگر خدا ہمیں ہدایت دینا چاہتا تو فرشتے کیوں نہ بھیجدیتا۔ اسکی تردید — (۱۴۱ : ۱۴)

۷۔ نفع۔ نقصان

(۱) رسولؐ اللہ کی زبانی کہلایا گیا کہ اگر میں بھی قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کروں تو مجھے عذابِ عظیم مل جائیگا۔ اس کے بعد ہے کہ اگر اللہ تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی اسے ہٹا نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جو نقصان تجھے قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی سے پہنچے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس سے بچا نہیں سکتی۔ خدا کا قانون سب پر غالب ہوتا ہے — (۱۸ - ۱۵ : ۶)

(۲) اگر تم نے قوانینِ خداوندی کے مطابق اپنے آپ کو عذابِ خداوندی کا مستحق بنالیا تو پھر کسی پیغمبر کی نصیحت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکے گی — (۳۴ : ۱۱)

(۳) خدا کے قانون (اذن) کے خلاف کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا — (۱۰ : ۵۸)

۸۔ مُجرمین

لوگ خدا کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو تاریکی میں رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ جرائم پر اُتر آتے ہیں اور نظامِ خداوندی کے خلاف سازشیں اور تدبیریں کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا وبال خود ان کے اپنے اوپر ہی پڑتا ہے — (۱۲۴-۱۲۳ : ۶)

۹۔ مصائب

جو واقعہ بھی نمودار ہو — خارجی کائنات میں یا انسانی دنیا میں — اس کے لئے ایک قانون مقرر ہوتا ہے۔ (فی کتاب)۔ یہ قانون، واقعات و حوادث کے نمودار ہونے سے پہلے ہی متعین کر دیا گیا ہے مقصد اس سے یہ ہے کہ اگر کوئی نقصان رساں واقعہ ہو جائے تو تم اس کے اسباب و علل پر غور کرو۔ یہ سمجھ کر مایوس نہ ہو جاؤ کہ ہم بے بس اور مجبور ہیں۔ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں! نہ ہی ایسا ہو کہ جب کوئی اچھی بات ظہور میں آئے تو تم اس پر اتراتے پھرو کہ میں خدا کا منظورِ نظر ہوں۔ مجھے اس لئے یہ کچھ مل گیا۔ یہ سب قانونِ خداوندی کے مطابق ملتا ہے۔ جو بھی اسے لینا چاہے، لے سکتا ہے۔ اس میں تمہاری یا کسی اور کی کوئی خصوصیت نہیں — (۲۳-۲۲ : ۵۷)

ہر مصیبت (یا واقعہ) خدا کے اذن (قانون کے مطابق) رونما ہوتا ہے۔ جو اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے اس کے دل کو اس کی راہ نمائی مل جاتی ہے کہ فلاں بات کیوں ہوئی ہے اور مجھے اب کیا

کرنا چاہیے　(۱۱ : ۶۴)

جو ہمارے قوانین سے روگردانی کر لیتا ہے، اس پر تباہی آجاتی ہے　(۶ : ۱۵۸)

من یشاء

"من یشاء" قرآن کریم میں اکثر و بیشتر مقامات میں آیا ہے۔ ان مقامات کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے سے انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ انسان مجبور محض ہے۔ کرتا سب کچھ خدا ہی ہے۔ پھر خدا بھی جو کچھ کرتا ہے کسی قاعدے اور قانون کے مطابق نہیں کرتا بلکہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس مفہوم سے قرآنِ کریم کی تعلیم کی ساری عمارت نیچے آگرتی ہے۔ لہٰذا ان آیات کا صحیح مفہوم واضح ہونا ضروری ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے .... ولکن اللہ یھدی من یشاء — (۲۸ : ۵۶) اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے "اللہ جسے چاہے اُسے ہدایت دیتا ہے" یعنی صحیح راستے پر وہی چل سکتا ہے جس کے متعلق خدا چاہے کہ وہ صحیح راستے پر چلے۔ اگر کوئی شخص غلط راستے پر چلتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا چاہتا ہی نہیں کہ وہ صحیح راستے پر چلے۔ لیکن قرآن کریم میں متعدد مقامات میں اس قسم کی آیات موجود ہیں کہ قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر — (۱۸ : ۲۹) حق تمہارے رب کی طرف سے آگیا۔ سو جس کا جی چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔ اس اس آیت کی روشنی میں آیت (۲۸ : ۵۶) کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ اُس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جو خود ہدایت لینا چاہے۔ (من یشاء .... جو شخص چاہے وہ ہدایت حاصل کر سکتا ہے)۔ اس کے لئے خدا ہی نے ایک قانون مقرر کر رکھا ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ انسان اپنی عقل و فکر سے کام لے کر قرآنِ کریم پر غور و فکر کرے۔ اس قسم کی آیات میں من یشاء کا فاعل انسان ہے۔

جو آیات ایسی ہیں جن میں فاعل خدا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا کے قانون کا تقاضا یہ ہے۔ یہ قانون اُن تینوں گوشوں میں سے (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے)، جس گوشے سے متعلق ہو گا اس کے مطابق اس کے معنی لئے جائیں گے۔ ان تصریحات کی روشنی میں ان آیات کا مفہوم متعین ہو گا جن میں من یشاء یا اس قسم کے اور الفاظ آئے ہیں۔

(۱) وحی خدا کی مشیت سے ملتی ہے۔ اس میں انسان کے کسب و ہنر کو دخل نہیں —(۲ : ۹۰)—(۲ : ۱۰۵)

(۲) الحکمۃ مشیت کے مطابق ملتی ہے —(۲ : ۲۶۹)۔ اگر الحکمۃ سے مراد وحی خداوندی ہے تو اس میں انسان کی سعی و کاوش کا دخل نہیں ہوتا۔ اگر اس سے مراد عام بصیرت ہے تو اسے جو شخص چاہے حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) نبوت کو خدا کا فضل اور رحمت کہا گیا ہے۔ وہ اس کی مشیت سے ملتی تھی — (۳ : ۷۲—۷۳) —
——(۳ : ۱۷۸)—(۱۴ : ۱۱)—(۱۶ : ۲)—(۴۰ : ۱۵)—(۴ : ۶۲)

ہدایت وگمراہی

(۱) جو ہدایت لینا چاہتا ہے، اللہ اسے ہدایت دے دیتا ہے۔ اس میں جھگڑے کی کوئی بات نہیں —(۲ : ۱۴۲)

(۲) خدا قرآنی روشنی سے راستہ دکھاتا ہے اُسے جو ہدایت لینا چاہے — (۲۴ : ۳۵)—(۲۴ : ۴۶)

(۳) انبیاء کو اس لئے بھیجا گیا کہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہے اسے ہدایت مل سکے —(۲ : ۲۱۳)—(۶ : ۸۹)
(۱۴ : ۴)—(۲۴ : ۴۶)—(۲۳ : ۳۹)—(۶۲ : ۳—۴)

(۴) رسولؐ اللہ سے کہا کہ آپ جسے چاہیں اسے راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔ جو شخص خود صحیح راستے پر آنا چاہے اسے یہ راستہ مل سکتا ہے —(۲ : ۲۷۲)—(۲۸ : ۵۶)—(۸ : ۳۵)

(۵) تکذیبِ آیات سے لوگ گونگے بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہدایت نہیں مل سکتی۔ یہ اسی کو مل سکتی ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے —(۶ : ۳۹)

(۶) خدا، دارالسلام کی طرف دعوت دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے اس کا راستہ دکھا دیتا ہے —(۱۰ : ۲۵)

(۷) جو گمراہ رہنا چاہتا ہے وہ گمراہ رہتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت مل جاتی ہے —
(۱۳ : ۲۷) — (۴۲ : ۱۳)

(۸) خدا نے انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا۔ صاحبِ اختیار پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے لئے صحیح یا غلط راستہ اختیار کر لے — (۲ : ۲۵۶)—(۱۶ : ۹۳)—(۱۸ : ۲۹)—(۲۵ : ۵۷)——
(۴۲ : ۸)—(۴۳ : ۱۹)—(۷۶ : ۳)—(۷۸ : ۳۹)—(۸۰ : ۱۱—۱۲)—(۹۰ : ۱۰)

(۹) جو سننا چاہے وہی سن سکتا ہے۔ مردہ کیا سنے گا — (۳۵ : ۲۲—۲۳)

(۱۰) ہدایت اور ضلالت قرآن پر غور کرنے سے اور نہ کرنے سے ملتی ہے — (۳۱ : ۷)

(۱۱) جس کا بُرا کام اسے اچھا بن کر دکھائی دے، وہ راہِ راست پر کیسے آ سکتا ہے۔ سیدھی راہ اسے ملتی ہے

جو اس ذہنیت کو بدل لے ــــ (۸ : ۳۵)

(۱۲) جو سننا چاہے اسی کو سنایا جا سکتا ہے ــــ (۲۲-۱۹ : ۳۵)

(۱۳) جو شخص چاہے اپنے رب کی پناہ میں آسکتا ہے ــــ (۳۹ : ۷۸)

(۱۴) خدا اس کی طرف رجوع کرتا ہے جو چاہتا ہے کہ وہ اس کی طرف رجوع کرے ــــ (۲۷ : ۹)

(۱۵) ہدایت خدا کی رحمت ہے۔ جو چاہے وہ اسے حاصل کر سکتا ہے ــــ (۳۱ : ۷۶)

(۱۶) خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہدایت اور گمراہی ملتی ہے ــــ (۱۵۵ : ۷)

رزق

(۱) جو رزق حاصل کرنا چاہتا ہے، اُسے اللہ بغیر حساب رزق دیتا ہے۔ یعنی اس کے اپنے اندازے سے بھی زیادہ ــــ (۲۱۱ : ۲)ــــ(۲۶ : ۳)ــــ(۳۸ : ۲۴)ــــ(۱۹ : ۲۴)

(۲) حضرت مریمؑ کو ہیکل میں جو کچھ لوگ دے جاتے تھے، اس سلسلہ میں یہی کہا ــــ (۳۶ : ۳)

(۳) رزق کی بسط و کشاد خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے ــــ (۲۶ : ۱۳)۔ جو اس کے قوانین سے اعراض برتتا ہے اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے ــــ (۲۶ : ۱۳)ــــ(۳۰ : ۱۷)ــــ
(۱۲۴ : ۲۰)ــــ(۸۲ : ۲۸)ــــ(۶۲ : ۲۹)ــــ(۳۷ : ۳۰)ــــ(۳۶ : ۳۴)ــــ(۳۹ : ۳۴)
(۵۳ : ۳۹)ــــ(۱۲ : ۴۲)

(۴) جو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے اس کے بدلے میں کئی گنا ملتا ہے۔ جو لینا چاہے لے لے ــــ (۲۶۱ : ۲)

(۵) اگر بستیوں والے ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ــــ (۹۶ : ۷)

تزکیہ نفس

(۱) یونہی اپنے آپ کو مزکی نہ کہو۔ تزکیہ نفس (انسانی ذات کی نشوونما) اس کی ہوتی ہے جو خدا کے قوانین کے مطابق ایسا چاہے ــــ (۴۹ : ۴)ــــ(۲۱ : ۲۴)

اقتدار و حکومت

(۱) پہلے کہا کہ حضرت طالوت کو ان کی جسمانی اور علمی قوت کی بنا پر اقتدار دیا۔ اور اس کے بعد ہے کہ واللہ یؤتی ملکہٗ من یشاء ــــ (۲۴۷ : ۲) یہاں سے واضح ہے کہ جو انسان اپنے اندر خصوصیات

پیدا کرلے، اسے قانونِ خداوندی کے مطابق اقتدار مل سکتا ہے۔

(۲) ملک اللہ کا ہے۔ جو اسے لینا چاہے وہ اپنے قانون کے مطابق اسے دیدیتا ہے ــــ (۷:۱۲۸) وہ قانون یہ ہے کہ اس کے لئے صلاحیت پیدا کرو ــــ (۲۱ : ۱۰۵)

عذاب و مغفرت۔ جنّت

(۱) تباہی سے حفاظت یا بربادی، انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جو جیسا چاہے ویسا ہی کچھ اُسے مل جائے گا ــــ (۲ : ۲۸۴) ـ (۳ : ۱۲۸) ـ (۵ : ۱۸) ـ (۵ : ۴۰) ـ (۱۴ : ۴۸) ـ (۲۱ : ۲۹)

(۲) جنت خدا کا فضل ہے۔ جو اسے لینا چاہے اسے مل سکتی ہے ــــ (۲۱ : ۵۷)

(۳) مصیبت اور راحت، حتیٰ کہ حوادثِ ارضی و سماوی سے تباہی، اس کے قانون کے مطابق ملتی ہے۔ جو لینا چاہے اسے مل جاتی ہے ــــ (۱۰ : ۱۰۷) ـ (۱۳ : ۱۳) ـ (۴۲ : ۲۴) ـ (۴۸ : ۳۰)

(۴) "شفاعت" کی اجازت خدا کی مشیت سے ملتی ہے ــــ (۵۳ : ۲۶)۔ [اس کے لئے عنوان شفاعت دیکھئے]

(۵) شرک کی تباہی سے حفاظت نہیں ملسکتی۔ اس کے علاوہ، جو چاہے کہ اسے مغفرت مل جائے وہ اُسے حاصل کرسکتا ہے ــــ (۴ : ۴۸)

تائید و نصرتِ خداوندی

(۱) جو خدا کی تائید و نصرت چاہے وہ اس کے لئے قانونِ خداوندی کے مطابق کوشش کرے ــــ

(۳ : ۱۲) ــــ (۵ : ۳۰)

(۲) جو چاہے کہ خدا اس کی طرف رجوع کرے" وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے ــــ (۹ : ۱۵ ; ۲۷)

(۳) فتح و نصرت خدا کی رحمت ہے۔ جو چاہے اس میں داخل ہوجائے ــــ (۴۸ : ۲۵)

مومنین کی خصوصیات

جو حاصل کرنا چاہے اسے مل سکتی ہیں ــــ (۵ : ۵۴) ــ (۲۹ : ۵۷)

اولاد

خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق ملتی ہے ــــ (۴۲ : ۴۹ـ۵۰)

متفرقات

نفخِ صور کے وقت، وہ خوف سے بچے گا جس نے اپنے آپ کو قانونِ مشیت کیمطابق

رکھا ہوگا۔ (اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہ ــــ ۸۷ : ۲۷)۔ یا جس کے متعلق خدا کے قانونِ مشیت کا تقاضا ہوگا۔

نشاء - تشاء

من نشاء (جسے ہم چاہیں)۔ اس میں فاعل خدا ہوگا۔ لہٰذا ان آیات میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ خدا کی یہ مشیت اُن تین گوشوں میں سے کس گوشے سے متعلق ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس کے مطابق مفہوم متعین ہو جائیگا۔

(۱) اگر ہمارے قانونِ مشیت کا تقاضا ہوتا تو ہم کوئی حسّی معجزہ بھی دیدیتے جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ لیکن چونکہ اس طرح ایمان لانا مجبوری کا ایمان ہوتا، علیٰ وجہ البصیرت نہ ہوتا، اس لئے ہم نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا اے رسول! تم اس بات سے افسردہ خاطر نہ ہو کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے ــــ (۴ـــ۳ : ۲۶)

(۲) اگر ہم چاہتے تو ان مخالفوں کو ویسے ہی تباہ کر دیتے۔ لیکن ہمارا قانونِ مشیت ایسا نہیں ــ (۱۰۰ : ۷)
(۴۴ : ۹) ــ (۴۳ : ۳۶) ــ (۶۷ ـــ ۶۶ : ۳۶)

(۳) جو قوانینِ فطرت مقرر کئے گئے ہیں اگر ہم چاہتے تو ان کے برعکس دوسری قسم کے قوانین بھی بنا سکتے تھے ــــ (۷۰ و ۶۵ : ۵۶)

(۴) اگر ہم چاہتے تو زمین پر ملائکہ پیدا کر دیتے ــــ (۶۰ : ۴۳)

(۵) اگر ہم چاہتے تو ہم ان منافقین کا پتہ نشان تمہیں بتا دیتے۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ انہیں ان کے اطوار ہی سے پہچاننا ہوگا ــ (۳۰ : ۴۷)

(۶) ہمارا قانونِ مشیت یہ ہے کہ جو مفادِ عاجلہ حاصل کرنا چاہے اسے یہ مفاد مل جاتے ہیں۔ ہم کسی کے راستے میں بند نہیں لگاتے ــــ (۲۰ـــ۱۸ : ۱۷)

(۷) رحمِ مادر میں جنین ہمارے قانونِ مشیت کے مطابق رہتا ہے ــــ (۵ : ۲۲)

(۸) حضرت ابراہیمؑ جب اپنی قوم کے ساتھ بحث میں کامیاب ہوئے تو خدا نے فرمایا کہ اس طرح ہم جس کے مدارج چاہیں بلند کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رفعتِ مدارج حضرت ابراہیمؑ کی اپنی بصیرت

کا نتیجہ تھی ـــــ (۴۲ : ۶)۔ لیکن اگر یہ دلائل بذریعہ وحی دیئے گئے تھے تو پھر اس بلند درجہ سے مراد نبوت ہوگی جس میں انسان کی اپنی سعی و کاوش کو دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ نے جب قانون شکنی سے اجتناب برتا تو خدا نے کہا کہ ہم اپنی مشیت کے مطابق درجات بلند کر دیتے ہیں۔ یہ رفعتِ مدارج حضرت یوسفؑ کے حسنِ کردار کا نتیجہ تھی ـــــ (۱۲ : ۵۶) ـــ (۱۲ : ۷۶)

(۹) آسمانی وحی (قرآن)، کے متعلق فرمایا کہ اس کے ذریعے ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق راہ نمائی دیتے ہیں ـــــ (۴۲ : ۵۲)

(۱۰) ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تباہی سے بچا لیتے ہیں ـــ (۱۲ : ۱۱۰)۔ تباہی فاسقین پر آتی ہے۔ (۲۱ : ۹)

(۱۱) پہلے کہا کہ خدا اپنے "قولِ ثابت"۔ قانونِ محکم کی رو سے مومنین کو ثبات و استحکام عطا کرتا ہے۔ اور اسکے بعد کہا کہ یفعل اللہ ما یشاء ـــ (۱۴ : ۲۷)۔ ظاہر ہے کہ یہاں یفعل اللہ ما یشاء کے معنی یہ ہیں کہ خدا کا قانونِ مشیت ایسا ہے۔

(۱۲) سورۃ آلِ عمران میں ہے۔ قل اللّٰھم مالک الملک۔ تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ بیدک الخیر۔ انک علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ ـــــ (۳ : ۲۵)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہے کہ "کہو کہ اے اللہ۔ تو مالک الملک ہے۔ تو جسے چاہے اقتدار اور حکومت عطا کر دے جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت دیدے جسے چاہے ذلیل کر دے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے۔" لیکن قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر یہ بتایا گیا ہے کہ اقتدار و حکومت اور عزت و شوکت کن اصولوں کی پیروی سے ملتے ہیں۔ اور کس قسم کے اعمال کے نتیجے میں چھنتے ہیں۔ مثلاً استخلاف فی الارض (حکومت و سطوت) کے متعلق ہے کہ یہ ان بندوں کو ملتی ہے جن میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے ـــ (۲۱ : ۱۰۵)۔ یہ ایمان و اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہوتی ہے ـــــ (۲۴ : ۵۵)۔ اقتدار اسے ملتا ہے جس میں ذہنی اور جسمانی قوتیں وافر ہوں ـــ (۲ : ۲۴۷)۔ ذلت و مسکنت، قوانینِ خداوندی کے انکار سے مسلط ہوتی ہے ـــ (۲ : ۶۱) ـــ (۳ : ۱۱۱)۔ جو عزت حاصل کرنا چاہے اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ خدا کے خوشگوار نظریۂ زندگی پر ایمان اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ـــــ (۳۵ : ۱۰)۔ اس سے ظاہر ہے کہ آیت (۳ : ۲۵) میں "من تشاء" سے مراد یہ ہے کہ ان کا

ملنا اور چھننا خدا کے ان قوانین کی رو سے ہوتا ہے جن کا ذکر اس نے قرآن کے دیگر مقامات میں کیا ہے۔

(۱۳) سورۂ دھر میں، نظامِ خداوندی کے مخالفین کے سلسلہ میں کہا کہ ہم نے انہیں پیدا کیا اور مضبوط بنایا ہے۔ اور ہم جب چاہیں (وَإِذَا شِئْنَا) ان کی جگہ دوسروں کو لے آئیں ــــ (۷۶ : ۲۸)۔ اس سے اگر مراد ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو متمکن کرنا ہے تو یہ تمکن قوانینِ خداوندی کے مطابق ہی ملتا اور چھنتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد، عام انسانوں کی جگہ کوئی اور مخلوق لے آنا ہے، تو اس کا تعلق خدا کے اس قانونِ مشیت سے ہے جو اُس کے عالمِ امر سے متعلق ہے۔ یعنی پہلے گوشے سے متعلق۔

(۱۴) حضرت موسےٰ نے کہا کہ ہدایت اور گمراہی خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ملتی ہے۔ (مَن تَشَاءُ) (۷ : ۱۵۵)

لَوْ شَآءَ اللّٰہُ کا مفہوم

(۱) اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے ــ (۶ : ۱۰۸)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا بھی کر سکتا تھا کہ انسان کو حیوانات کی طرح ایک ہی روش پر چلنے کے لئے مجبور پیدا کر دیتا۔ پھر کوئی بھی کفر اور شرک اختیار نہ کرتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے ــ (۹ : ۱۶)

(۲) ہمارے قانونِ مشیت کا تقاضا ہے کہ انسان شرف و عظمت کی بلندیوں پر پہنچ جاتا۔ لیکن اس نے اس راہ کو چھوڑ کر مفاد پرستی کی راہ اختیار کر لی اور یوں زمین کی پستیوں کے ساتھ چمٹ گیا ــــ (۷ : ۱۷۵)

(۳) اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مجبور پیدا کر دیتا اور یوں تم سب، حیوانات کی طرح، ایک ہی راستے پر چلتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ تمہیں صاحبِ اختیار پیدا کیا ہے کہ جس کا جی چاہے صحیح راستہ اختیار کرے اور جس کا جی چاہے غلط راستے پر چلتا رہے۔ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی ــ (۲ : ۲۵۳) ــــ

(۵ : ۴۸) ــ (۶ : ۳۵) ــ (۶ : ۱۳۸) ــ (۶ : ۱۵۰) ــ (۱۰ : ۹۹ ــ ۱۰۰) ــ (۱۱ : ۱۱۸ ــ ۱۱۹) ــ (۱۳ : ۳۱)

(۱۶ : ۹۳) ــ (۳۲ : ۱۳) ــ (۴۲ : ۸)

(۴) انسان مجبور نہیں پیدا کیا گیا۔ اس لئے یہ اختلاف کرتے ہیں۔ اس سے وہی بچ سکتا ہے جو اپنے آپ کو اپنے اعمال کے ذریعے خدا کی رحمت کا مستحق بنا لے۔ اس کی اس طرح تخلیق کا مقصد ہی یہ تھا کہ اپنے اختیار و ارادہ سے اختلافات چھوڑ دے۔ لیکن انسانوں کی اکثریت ایسا نہیں کرتی اور اپنے آپ کو جہنم

کا مستحق بنا لیتی ہے ـــــ (۱۱۹ ـ ۱۱۸ : ۱۱)

(۵) اگر ہم چاہتے تو (انسان کو پیدا ہی اس طرح کرتے کہ) وہ صحیح راستے پر چلتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ انسان کو صاحبِ اختیار بنایا۔ اس سے ان کی اکثریت غلط راستے پر چلتی ہے اور اس کا خمیازہ بھگتتی ہے ـــــ

(۱۲ : ۳۲) ـــ (۸ : ۴۲)

(۶) جنگ کے قیدیوں کے متعلق احکام دے کر کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ کوئی اور طریقہ بھی تجویز کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ـــ (۴ : ۴۷)

(۷) اگر اللہ چاہتا تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ انسان کے علم و بصیرت حاصل کرنے کے ذرائع سلب کر لیتا (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا) ـــ (۲۰ : ۲)

(۸) ہم نے ایک قوم کو ضابطۂ قوانین دیا۔ لیکن اس نے اسے یکسر چھوڑ دیا۔ اور اپنے جذبات اور خواہشات کے پیچھے لگ گئی۔ یہاں کہا ہے کہ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ـــ (۱۷۶ ـ ۱۷۵ : ۷)۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ اگر وہ قوم ہماری ہدایت کے مطابق چلتی تو عروج حاصل کر لیتی۔ لیکن اس نے بلندیوں کی طرف جانے کے بجائے پستیوں کے ساتھ چمٹ جانا پسند کیا۔

(۹) اگر ہماری مشیت کا تقاضا ہوتا تو ہم قرآن کی وحی میں سے کچھ حصہ لے جاتے اور تو کچھ نہ کر سکتا ـــ (۸۶ : ۱۷) لیکن ظاہر ہے کہ خدا کی مشیت ایسی نہیں تھی۔ اس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔

(۱۰) **اِنْ شَآءَ اللّٰہ**

۱۔ اس کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ بات قانونِ خداوندی کے مطابق ہوئی تو ایسا ضرور ہو کر رہیگا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ بات قانونِ خداوندی کے مطابق ہے اس لئے ایسا ضرور ہو کر رہیگا۔ یہ نہیں کہ اگر اللہ نے چاہا تو ایسا ہو جائے گا۔ نہ چاہا تو نہیں ہوگا ـــ (۶ : ۴۱) ـــ (۹ : ۲۸) ـــ (۱۱ : ۳۳) ـــ (۱۲ : ۹۹) ـــ

(۱۸ : ۲۳ ـ ۲۴) ـــ (۱۸ : ۶۹) ـــ (۲۵ : ۱۰) ـــ (۲۸ : ۲۷) ـــ (۳۳ : ۲۴) ـــ (۳۷ : ۱۰۲) ـــ (۴۸ : ۲۷)

۲۔ اگر خدا کی مشیت کا تقاضا ہو تو وہ انسانوں کی جگہ یہاں دوسری مخلوق لے آئے ـــ (۴ : ۱۳۳) ـــ (۱۴ : ۱۹)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تمہارے معبودانِ باطل سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نقصان تو مشیتِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ـــ (۶ : ۸۱)

۴۔ اگر خدا کے قانونِ مشیت کا تقاضا ایسا ہوتا تو وہ ہواؤں کو ساکن کر دیتا ـــ (۴۲ : ۳۳)

۵۔ اگر تمام دنیا کے حسّی معجزات بھی ان کے سامنے لائے جاتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ ایمان تو وہی لا سکتا ہے جو خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ایمان لانا چاہے — (۶ : ۱۱۲)

۶۔ حضرت شعیبؑ کے متبعین نے اپنے مخالفین سے کہا کہ ہم تمہارے باطل مذہب کو پھر سے اختیار نہیں کریں گے۔ ہاں مگر اللہ نے جو قانون مقرر کر رکھا ہے کہ جو شخص ایسا کریگا وہ غلط راستے پر جا پڑیگا۔ اگر ہم نے بھی ایسا کیا تو ہم بھی تمہارے غلط راستے پر چل نکلیں گے — (۷ : ۸۹)

۷۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق کہا کہ وہ اُس ملک کے بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ لیکن خدا کی مشیت نے ایک صورت پیدا کر دی جس سے ایسا ممکن ہو گیا۔

(۱۲ : ۷۶)

۸۔ پہلے یہ کہا کہ شیطان، انسانوں کا دشمن ہے۔ اس لئے لوگوں سے کہہ دو کہ وہ اچھی بات کیا کریں۔ اس کے بعد کہا کہ "اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے۔ اگر چاہے تو عذاب دے" — (۱۷ : ۵۴)۔ یعنی جو شخص اچھی بات کریگا خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق وہ رحمت کا مستحق ہو جائے گا۔ جو شیطان کے راستے پر چلے گا، تباہی کا مستحق ہو جائے گا۔

۹۔ یہ نہ کہو کہ میں فلاں کام کل ضرور کروں گا۔ یوں کہو کہ اس کام کے لئے جو اسباب و وسائل قانونِ خداوندی کی رُو سے ضروری ہیں، اگر وہ مہیا ہو گئے تو پھر یہ کام ہو جائے گا۔ یا یوں کہو کہ جو کچھ میں کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں چونکہ وہ قانونِ خداوندی کے مطابق ہے اس لئے ویسا ہو جائیگا —

(۱۸ : ۲۳—۲۴)

۱۰۔ اے رسول! یہ کہتے ہیں کہ تو ان باتوں کو اپنی طرف سے گھڑتا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر تو ایسا کرتا تو خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تیرے دل پر مہر لگا دیتا — (۴۲ : ۲۴)

۱۱۔ قرآن تذکرہ ہے سو جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کر لے۔ اس کے بعد ہے۔ وما یذکرون الا ان یشاء اللہ — (۷۴ : ۵۴—۵۶)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن سے نصیحت وہی حاصل کر سکتا ہے جو خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق نصیحت حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کرے۔ اور یہ طریقہ مختلف مقامات پر بتا دیا گیا ہے۔ یعنی خالی الذہن ہو کر عقل و فکر سے کام لے۔ (نیز — ۷۶ : ۲۹—۳۰)۔ دوسری جگہ ہے۔ وما تشاءون الا ان یشاء اللہ — (۸۱ : ۲۹)۔ اس کے

یہ معنی نہیں کہ جو کچھ خدا چاہے تم اس کے خلاف چاہ ہی نہیں سکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں چاہیئے کہ اپنے چاہنے کو قانونِ خداوندی کے مطابق رکھو۔ یعنی وہی چاہو جو قانونِ خداوندی کا تقاضا ہو۔

(۱۱) حضورؐ نے معترضین سے کہا کہ اگر خدا کی مشیت ایسی ہوتی" تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے پیش ہی نہ کرتا لیکن اس کی مشیت یہ تھی کہ قرآن تم تک پہنچایا جائے ——— (۱۶ : ۱۰)

(۱۲) کفار کی مخالفت کے سلسلہ میں کہا کہ اگر خدا کا قانونِ مشیت کچھ اور ہوتا تو اس کے مطابق یہ لوگ تم سے مقابلہ کر کے غالب آجاتے۔ لیکن اس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ حق غالب آئے گا —— (۹۰ : ۴)

الّا ما شاء اللہ

یہ اصطلاح اس وقت بولی جاتی ہے جب یہ کہنا مقصود ہو کہ اس باب میں کوئی استثناء نہیں۔ یعنی ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ سورۂ یونسؑ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ (۴۹ : ۱۰) اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حتمی اور یقینی بات ہے کہ میں' قانونِ خداوندی کے علی الرغم کسی قسم کے نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔' میں کسی نفع یا نقصان کا ازخود اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں مگر ایسا قانونِ خداوندی کے مطابق ہو سکتا ہے" سورۂ اعلیٰ میں ہے کہ" ہم تمہیں قرآن پڑھاتے ہیں۔ سو تو اس میں سے کچھ نہیں بھولے گا۔ الّا ماشاء اللہ۔ (۷ : ۸۷)۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس باب میں کوئی استثناء نہیں ہوگی۔ ہو نہیں سکتا کہ تو اس میں سے کچھ بھول جائے۔ سورۂ ہودؑ میں جنت اور جہنم کے خلود کے بعد کہا الّا ماشاء ربّک۔ (۱۰۸ - ۱۰۷ : ۱۱)۔ نیز —(۱۲۹ : ۶) اس کے بھی یہ معنی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ وہ وہاں سے نکل جائیں۔ یہ چیز قرآن کے دیگر مقامات سے واضح ہے۔

(۲) ماشاء اللہ کے معنی یہ بھی ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے ——

(۲۵۵ : ۲) —— (۳۹ : ۱۸)

(۳) خدا کے قانونِ فطرت کے مطابق —— (۸۲ : ۸)۔ زمین سے رزق کی پیداوار مشیتِ خداوندی کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے —— (۲۷ : ۴۲)

کیف یشاء

(۱) خدا رحمِ مادر میں جنین کو جس شکل میں چاہتا ہے ڈھال دیتا ہے —— (۵ : ۳)۔ ظاہر ہے کہ یہاں

کیف یشاء سے مراد خدا کا قانونِ فطرت ہے۔

(۲) خدا جس طرح چاہتا ہے رزق کی کشاد کرتا ہے — (۴۲ : ۵) رزق کی بسط و کشاد کے متعلق قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قوانین کی وضاحت کر دی ہے۔ اس لئے یہاں کیف یشاء سے مراد ہے خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق رزق کی کشاد کرتا ہے۔

(۳) خدا بادلوں کو جس طرح چاہتا ہے، پھیلاتا ہے۔ یہاں کیف یشاء سے مراد خدا کا قانونِ فطرت ہے۔ (۳۰ : ۴۸)

مایشاء

(۱) حضرت زکریا کو جب بیٹے کی بشارت دی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں بوڑھا، بیوی میری بانجھ، میرے ہاں اولاد کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا کہ اُس طرح جس طرح خدا کے 'قانونِ مشیت' کا تقاضا ہوتا ہے — (۳۹ : ۳)۔ دوسری جگہ اس کی وضاحت یہ کہہ کر کر دی کہ اس کی بیوی میں جو نقص تھا وہ دور ہو گیا اور اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی — (۹۰ : ۲۱)۔ یہی کچھ حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش کے سلسلہ میں کہا — (۴۶ : ۳) — (۱۷ : ۵)

(۲) خدا اگر چاہے (اس کے قانونِ مشیت کا تقاضا اگر ایسا ہو) تو وہ تم سب کو لے جائے اور تمہاری جگہ اپنے قانون کے مطابق کسی اور کو لے آئے — (۱۳۴ : ۶)

(۳) اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق مخلوق میں اضافے کرتا رہتا ہے — (۱ : ۳۵)

(۴) محو و ثبات خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے — (۳۹ : ۱۳) — (۲۷ : ۱۴)

(۵) یخلق مایشاء — (۴۵ : ۲۴) — (۶۸ : ۲۸)

(۶) اگر خدا نے کسی کو اپنی اولاد بنانا ہوتا تو مخلوق میں سے جسے چاہتا اس کے لئے منتخب کر لیتا — (۴ : ۳۹)

(۷) زمین سے رزق کی پیداوار اس کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے — (۲۷ : ۴۲)

(۸) وحی، خدا کی مشیت کے مطابق ہوتی ہے — (۵۱ : ۴۲)

(۹) خدا اپنی مشیت کو عجیب طریقوں سے بروئے کار لاتا ہے — (۱۰۰ : ۱۲)

(۱۰) خدا نے حضرت داؤد کو اپنی مشیت کے مطابق علم دیا — (۲۵۱ : ۲)

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

(۱) انسان اپنے لئے مصیبت آپ لاتا ہے۔ اس کے بعد ہے اِنَّ اللّٰہَ ..... —— (۳ : ۱۶۴)
(۲) ہم چاہتے تو ایسا بھی کر سکتے تھے کہ انسان سے اس کے سمجھنے سوچنے کے ذرائع سلب کر لیتے (لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا)۔ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہی اس کی قدرت سے مفہوم ہے — (۲ : ۲۰)
(۳) وقتی احکام جو وحی کے ذریعے اقوامِ سابقہ کو ملتے رہے، وہ حسبِ حالات پھر وحی کے ذریعے بدل دیئے جاتے تھے۔ اس لئے کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں — (۲ : ۱۰۶)
(۴) بنی اسرائیل کے زوال اور نشأۃِ ثانیہ کو تمثیلی انداز میں بیان کرنے کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے لئے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں —— (۲ : ۲۵۹)
(۵) جو انسان تباہیوں سے بچنا چاہے وہ بچ سکتا ہے۔ جو تباہ ہونا چاہے اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں —— (۲ : ۲۸۴)
(۶) حکومت و مملکت، عزت و شوکت۔ ملتی اور چھنتی، قانونِ مشیت کے مطابق ہے —— (۳ : ۲۵)
(۷) انقلاب زود یا بدیر آکر رہیگا۔ ہر شے کے لئے پیمانے مقرر ہیں —— (۱۶ : ۷۷)
(۸) ہر شے کی تخلیق قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر شے کے لئے پیمانے مقرر ہیں ——

(۵ : ۱۷) — (۲۴ : ۴۵) — (۲۹ : ۲۱) — (۳۰ : ۵۴) — (۳۵ : ۱)

(۹) قانونِ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں کہا کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں —— (۳ : ۲۸)

(۶ : ۱۷) — (۱۱ : ۴) — (۴۲ : ۸ — ۹) — (۶۷ : ۱ — ۲)

(۱۰) وحی کی رو سے جو قوانین بذریعہ رسول ملتے ہیں وہ خدا کے مقرر کردہ پیمانے ہیں —— (۵ : ۱۹)
(۱۱) مالِ غنیمت کے متعلق قانون دینے کے بعد کہا کہ واللہ علیٰ کل شئی قدیر —— (۸ : ۴۱) — (۵۹ : ۶)
(۱۲) نظامِ فطرت کی کارفرمائی کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں —— (۳۰ : ۴۸ — ۵۰)

(۳۹ : ۴۱) — (۴۲ : ۴۹ — ۵۰) — (۴۶ : ۳۳) — (۵۷ : ۲) — (۶۴ : ۱)

(۶۷ : ۱ — ۴)

(۱۳) موت اور زندگی سے متعلق طبعی قوانین کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں ——

(۷۰ : ۱۶)—(۶-۵ : ۲۲)—(۳۳ : ۴۶)

(۱۴) حیات بعد الممات کے سلسلہ میں بھی یہی کہا گیا ہے ——(۳۳ : ۴۶)

(۱۵) قوموں کے عروج و زوال کے سلسلہ میں بھی یہی کہا گیا ——(۲۷ : ۳۳)—(۴۴ : ۳۵)—(۲۱ : ۴۸)

قدیر یا قادر بمعنی قدرت رکھنے والا

خدا نے جتنے قوانین بنائے ہیں وہ اس لئے اپنے نتائج ٹھیک ٹھیک مرتب کئے جا رہے ہیں کہ خدا پوری قوتوں کا مالک ہے۔ اس نے ان قوانین پر اپنا کنٹرول رکھا ہوا ہے۔ اس کنٹرول کے لئے لفظ قدیر یا قادر آیا ہے۔ یعنی خدا کو ایسا کرنے کی قدرت حاصل ہے۔

(۱) زمین میں بھی ذی حیات مخلوق ہے اور آسمانی کرتوں میں بھی۔ اور خدا اس کی قدرت رکھتا ہے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ان آبادیوں کو یکجا کر دے، یا ملا دے ——(۲۹ : ۴۲)

(۲) حضورؐ سے کہا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں باہمی مودّت پیدا ہو جائے۔ خدا اس پر قادر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مودّت خاص ضابطے کے مطابق پیدا ہوئی تھی ——(۷ : ۶۰)

(۳) مظلوموں کو جنگ کرنے کی اجازت دے کر کہا کہ خدا ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ مدد، قوانینِ خداوندی کے اتباع سے حاصل ہوئی تھی ——(۳۹ : ۲۲)

(۴) عملِ تخلیق کے متعلق، جو قانونِ مشیت کے مطابق کارفرما ہوتا ہے، کہا کہ خدا علیم و قدیر ہے ——

(۲۵ : ۵۴)—(۵۴ : ۳۰)

(۵) خدا اس پر بھی قادر ہے کہ، وہ انسانوں کی جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آئے ——(۱۳۳ : ۴)

(۶) معاشرتی قوانین میں سزا دینے اور درگذر کر دینے، دونوں کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ اس کے لئے بھی خدا کو قدیر کہا گیا ہے ——(۱۴۹ : ۴)

(۷) اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ حسی معجزات بھیجدیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ——(۳۷ : ۶)

(۸) خدا اس پر قادر ہے کہ اس کائنات کی مثل اور کائنات بنا دے ——(۹۹ : ۱۷)—(۸۱ : ۳۶)

(۹) خدا مردوں کو زندہ کر دینے پر قادر ہے ——(۳۳ : ۴۶)—(۴ : ۷۵)—(۴۰ : ۷۵)—(۸ : ۸۶)

(۱۰) وہ اس پر قادر ہے کہ مختلف انداز سے قوموں کی تباہی کے اسباب پیدا کر دے ــــ (۶۵ : ۶)
(۱۱) خدا اس پر قادر تھا کہ قوانینِ فطرت کسی اور انداز کے بنا دیتا ــــ (۱۸ : ۲۳)
(۱۲) خدا اس پر قادر تھا کہ رسول اللہ کی زندگی ہی میں تمام وعدے پورے ہو جاتے ــــ (۹۵ : ۲۳)
(۱۳) خدا اس پر قادر ہے کہ انسانوں سے بہتر مخلوق پیدا کر دے۔ (یا ایک قوم سے بہتر قوم اس کی جگہ لے آئے) ــــ (۴۰ : ۷۰)
(۱۴) قادر کے معنی اندازے مقرر کرنے والا ــــ (۲۳ : ۷۷)

متفرقات

(۱) ان لوگوں نے تمہارے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لئے کچھ تیاریاں کرتے۔ انہوں نے ارادہ تک بھی نہ کیا اور بیٹھے رہے۔ یہ اچھا ہی ہوا ورنہ ایسے لوگوں کا شریکِ جنگ ہونا نقصان کا باعث ہوگا ــــ (۴۶ : ۹)
(۲) حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو جو نصیحت کی تھی (کہ مصر میں ایک دروازے سے سب کے سب داخل نہ ہونا)، تو اس سے انہیں اپنا اطمینان مقصود تھا۔ ورنہ ہر بات کا نتیجہ تو خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے ــــ (۶۸ : ۱۲)
(۳) حضرت لوطؑ کی بیوی کی جو روش تھی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں جائے گی۔ بلکہ پیچھے رہے گی۔ (اس کی تشریح عنوان لوط میں ملے گی) ــــ (۵۷ : ۲۷)
(۴) "شیطان" انسان سے کہتا ہے کہ کفر اختیار کر۔ جب وہ ایسا کر لیتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ میں تمہارے اس فعل سے بری الذمہ ہوں۔ لیکن یہ دونوں جہنم میں ہوں گے۔ یعنی کسی کو بہکانے والا اور بہکنے والا دونوں مجرم ہوتے ہیں ــــ (۱۷-۱۶ : ۵۹)
(۵) لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اگر خدا کی مشیت ایسی ہوتی تو وہ انسانوں کو مجبور پیدا کر دیتا اور وہ اختلاف کر ہی نہ سکتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اب انسانوں کو اپنی کوشش سے اختلافات مٹا کر امتِ واحدہ بننا ہوگا ــــ (۱۹ : ۱۰)

ــــــ (۰) ــــــ

۱۷۔ تقدیس

(۱) قُدس کے بنیادی معنی دور تک چلے جانے کے ہیں۔ اس لئے قَدَّسَہٗ کے معنی ہیں اس نے اس سے تمام نقائص اور عیوب کو دور کر دیا۔ اس اعتبار سے قدوس خدا کی ایک صفت ہے ـــــ (۲۳ : ۵۹)۔ یعنی ہر قسم کے نقائص و عیوب سے دور۔ منزہ۔

(۲) روح القدس۔ جبریل امین کے لئے آیا ہے۔ اس کے معنی وحی بھی ہو سکتے ہیں جو خدا کی طرف سے حضرات انبیاء کرام کو ملتی تھی ـــــ (۱۰۲ : ۱۶)

(۳) ارضِ مقدس۔ فلسطین کی زمین کو کہا گیا ہے۔ جہاں بنی اسرائیل کو آباد کیا گیا تھا ـــــ (۲۱ : ۵)

ـــــ (۰) ـــــ

ملائکہ

۱۔ ملائکہ نے خدا سے کہا کہ نحن نسبح بحمدك و نقدس لك ـــــ (۳۰ : ۲)

روح القدس

۱۔ حضرت عیسےٰؑ کو روح القدس سے تقویت دی ـــــ (۸۷ : ۲) ـــــ (۲۵۳ : ۲) ـــــ (۱۱۰ : ۵) ـــــ (۱۰۲ : ۱۶)

القدوس

۱۔ صفتِ خداوندی ـــــ (۲۳ : ۵۹) ـــــ (۱ : ۶۲)

الواد المقدس

۱۔ جہاں حضرت موسےٰؑ کو وحی عطا ہوئی تھی ـــــ (۱۲ : ۲۰) ـــــ (۱۶ : ۷۹)

۲۔ ارضِ مقدس ـــــ (۲۱ : ۵)

ـــــ (۰) ـــــ

۱۸۔ تقلید

تقلید ۔ (ق ۔ ل ۔ د)۔ قلادہ اس رسّی یا زنجیر کو کہتے ہیں جو جانور کے گلے میں ڈال دی جائے۔ یہ لفظ (تقلید اس شکل میں قرآن کریم میں نہیں آیا۔ لیکن جن معنوں میں یہ استعمال ہوتا ہے انہیں مختلف طرق و انداز سے بڑی وضاحت سے سمجھایا گیا ہے۔ اور اسے اسلاف پرستی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دین کی عمارت اس محکم بنیاد پر اٹھتی ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے اور اس سے اپنی اطاعت کرائے۔ اطاعت اور محکومیت صرف خدا کی ہو سکتی ہے جس کے لئے اس نے اپنے احکام و قوانین اپنی کتاب (قرآن) میں دے دیئے ہیں۔ لہٰذا 'اطاعتِ خداوندی سے مفہوم' قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان قوانین کو علم و بصیرت کی رو سے سمجھا اور ان پر عقل و فکر کی رو سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا 'دین نام ہے زندگی کے ہر گوشے میں، وحی کی روشنی میں اپنی عقل و فکر سے کام لے کر چلنے کا۔ اس کے خلاف "مذہب" (یعنی انسانوں کا خود ساختہ طریق) ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا پرستی اس طریقہ کا نام ہے جس میں انسان عقل و فکر سے کام نہ لے اور جو کچھ اسلاف سے ہوتا چلا آرہا ہے اس پر آنکھ بند کر کے چلتا جائے، اسے تقلید کہتے ہیں۔ یعنی اُس جانور کی طرح چلتے جانا جس کے ناک میں نکیل یا گلے میں رسّی ڈال کر اس نکیل یا رسّی کو دوسرے کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا جائے۔ یہ غلامی کی بدترین شکل ہے۔ غلامی میں انسان کا بدن مقید اور دوسرے کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن تقلید میں انسان کا دل و دماغ دوسرے کی محکومی میں رہتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت کا سارا زور تقلید اور اسلاف پرستی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے ان کی اپنی حاکمیت قائم رہتی ہے۔ وہ "اسلاف کے مسلک" کے نام پر اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اور چونکہ عقل و فکر سے کام لینا انسانوں پر حرام قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ انہیں ڈھور ڈنگر کی طرح جدھر جی چاہے لئے لئے پھرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس قوم میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم تقلید اور اسلاف پرستی کے خلاف سب سے بڑا چیلنج ہے۔ وہ اسے کفر اور شرک قرار دیتا ہے۔ وہ ایسے افراد اور قوم کے متعلق کہتا ہے کہ وہ انسانیت کی سطح سے گر کر، حیوانی سطح پر زندگی

بسر کرتے ہیں اور یہ زندگی جہنم کی زندگی ہوتی ہے ــ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ــ قرآن کریم کی سند اور علم و بصیرت کی روشنی، یہ ہے اس کے نزدیک صحیح روشِ زندگی۔ باقی رہی قوانینِ خداوندی کی اطاعت، سو وہ اس نظام کی رو سے کی جائے گی جو ان قوانین کے نفاذ کے لئے قائم کیا جائے۔ اس میں اطاعت کسی فرد کی نہیں ہوگی، قوانینِ خداوندی کی ہوگی۔

اس سلسلہ میں علم، عقل، بصیرت، قرآن، اطاعتِ آباء و اجداد وغیرہ عنوانات بھی پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔

صحیح روشِ زندگی

(۱) صحیح راستہ صرف وہ ہے جسے اللہ نے (اپنی کتاب میں) بتایا ہے ــ (۱۲۰: ۲) ــ (۷۳: ۳)

(۲) کسی انسان کو اس کا حق نہیں ــ خواہ اسے کتاب و حکمت و نبوت بھی کیوں نہ مل جائے ــ کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کی نہیں بلکہ میری محکومی اختیار کرو۔ محکومی صرف کتابِ خداوندی کی اختیار کی جا سکتی ہے ــ (۷۸: ۳)

(۳) یہ عذر قطعاً قابلِ پذیرائی نہیں ہوگا کہ ہمارے اسلاف ایسا کرتے تھے۔ اس لئے ہم بھی ویسا ہی کرتے رہے ــ (۱۷۳: ۷)

(۴) مسلمانو! تم علماء و مشائخ کو اپنا معبود نہ بنا لینا۔ یہ لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں۔ ان کا اپنا ذریعۂ معاش ہی کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ کماتے ہیں اور یہ کھاتے ہیں ــ (۳۴ و ۳۱: ۹)

(۵) انبیاء کرام کبھی تقلید نہیں کرتے تھے ــ حضرت یوسفؑ کا اعلان ــ (۳۷: ۱۲)۔ وہ آباء کا طریق اسی صورت میں اختیار کرتے تھے جب اس کے لئے ان کے پاس خدا کی سند ہوتی تھی۔ لہٰذا وہ آباء کی تقلید نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہوتی تھی ــ (۳۸: ۱۲)

(۶) دعوتِ اسلام علیٰ وجہ البصیرت ــ حضورؐ کا بھی یہی طریق تھا۔ اور حضورؐ کے متبعین کا بھی یہی طریق ہونا چاہیے ــ (۱۰۸: ۱۲)

(۷) قرآن میں خود غور و فکر کرو ــ (۴۴: ۱۶)

(۸) جس بات کا علم نہ ہو، اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ یاد رکھو! تمہاری سماعت، بصارت اور قوتِ فہم و فراست

سے سوال ہوگا کہ ان سے کام لے کر تم نے خود تحقیق کی تھی یا نہیں ــــ (۳۶ : ۱۷)

(۹) حضورؐ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت، اس قسم کی زنجیروں سے آزاد ہو جاتے اور یہ بوجھل سلیں اس کے سر سے اتار دی جائیں ــــ (۱۵۶ : ۷)

(۱۰) اگر حق انسانوں کے خیالات کے تابع ہو جائے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جائے ــــ (۷۰ : ۲۳)

(۱۱) اندھے، بہرے، گونگے، مردے پر قرآن کا کیا اثر ــــ (۸۱-۸۰ : ۲۷)۔ اس کا اثر مومنین پر ہوتا ہے جو، اور تو اور، آیاتِ خداوندی پر بھی اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے ــــ (۷۳ : ۲۵)

(۱۲) جب وحی کی راہ نمائی مل جائے تو پھر اپنے علم پر نازاں ہو کر بیٹھ رہنا (خواہ وہ اسلاف سے منتقل ہو کر ہی کیوں نہ آرہا ہو) غلط روش ہے ــــ (۸۳ : ۴۰)

(۱۳) تم سے قطعاً نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف نے کیا کیا تھا۔ تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا تھا ــــ (۱۳۴ : ۲) ــــ (۱۴۱ : ۲)

(۱۴) عقل و فکر سے کام نہ لینا اور تقلیداً کسی راستے پر چلتے جانا، انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے۔ یہ زندگی حیوانی سطح کی ہے ــــ (۱۷۹ : ۷)

(۱۵) اسلاف کے متعلق بس اتنا عقیدہ چاہیئے کہ وہ ہمارے بھائی تھے جو ایمان کے ساتھ رخصت ہو گئے خدا ان کی مغفرت کرے ــــ (۱۰ : ۵۹)۔ حضرت موسیٰؑ کا فرعون کو جواب ــــ (۵۱ : ۲۰)۔ کہ اسلاف کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے۔

(۱۶) تقلید میں آنکھیں سامنے ہونے کے بجائے، پیچھے کی طرف لگ جاتی ہیں۔ اس لئے ایسی قوم کا مستقبل تاریک اور ماضی روشن نظر آتا ہے۔ یہ جہنم کی زندگی ہے ــــ (۶۸-۶۶ : ۳۳)

کفار (اور اہل کتاب) کی روش

(۱) جب انہیں دینِ خداوندی کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ اس لئے یہ کسی کی بات سن ہی نہیں سکتے۔ یہ لبریز پیالے ہیں۔ ان میں اب مزید ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں۔ یہ کفر کی روش ہے اور زندگی کی سعادتوں سے محروم رہنے کا مسلک ــــ (۸۸ : ۲)

(۲) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی کتاب کا اتباع کرو تو یہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو صرف اپنے اسلاف

کے راستے پر چلتے جائینگے. خواہ وہ راستہ عقل وفکر کے بھی خلاف کیوں نہ ہو. ان کی زندگی انسانی سطح کی نہیں بلکہ حیوانی سطح کی ہے جس میں جانور، گڈریئے کی آواز پر اندھا بہرہ بن کر چلا جاتے اور خود گڈریئے کو بھی علم نہ ہو کہ ان جانوروں کو ہانکنے کے لئے جو آوازیں وہ نکالتا ہے ان کا مفہوم کیا ہے ——

(۱۷۱-۱۷۰ : ۲)—(۱۰۴ : ۵)—(۲۲-۲۱ : ۳۱)—(۴۳ : ۳۴)—(۲۴-۲۱ : ۴۳)

(۳) یہ لوگ جو بیہودگیاں کرتے ہیں ان کی تائید میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے. اور اس کی سند یہ ہے کہ ہمارے اسلاف ایسا ہی کیا کرتے تھے — (۲۸ : ۷)

(۴) یہود و نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا معبود بنالیا تھا — (۳۱ : ۹)

حالانکہ ان علماء و مشائخ کی حالت یہ تھی کہ یہ لوگوں کی کمائی پر زندگی بسر کرتے اور اس طرح ان کا مال ناحق کھاجاتے تھے — (۳۴ : ۹) . مسلمانوں کو اس روش سے روکا گیا ہے .

(۵) ان کی روش محض تقلیداً ہے. اس کے غلط ہونے میں کوئی شک نہ کرو — (۱۰۹ : ۱۱)

(۶) ایسی باتیں کرتے ہیں جن کا انہیں علم ہے نہ ان کے اسلاف کو ان کا علم تھا — (۴ : ۱۸)

(۷) ان کی گردنوں میں طوق ہیں جو انہیں کچھ دیکھنے ہی نہیں دیتے. آگے پیچھے ان کے تعصبات اور جہالت کی دیواریں ہیں. ان پر قرآن کا کیا اثر ہو سکتا ہے — (۸۱-۸۰ : ۲۷)—(۱۰-۸ : ۳۶)

(۸) یہ روش انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے — (۷۰-۶۸ : ۳۷)

(۹) محض چند نام ہیں جو انہوں نے یا ان کے اسلاف نے رکھ چھوڑے ہیں اور یہ ان کی پرستش کئے چلے جاتے ہیں. کبھی نہیں سوچتے کہ کوئی نام محض مرورِ زمانہ سے حقیقت نہیں بن جاتا — (۷۱ : ۷)—(۴۰ : ۱۲)

(۵۳ : ۲۳)

(۱۰) ان گزری ہوئی قوموں اور اسلاف کی روش کیوں اختیار کرتے ہو جو راہِ راست سے ہٹ چکی تھیں. انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے —— (۷۷ : ۵)

اقوامِ سابقہ کی روش

(۱) حضرت نوحؑ کی قوم نے کہا کہ ہم اپنے اسلاف کی روش کیسے چھوڑ دیں —— (۷۰ : ۷)—(۲۴ : ۲۳)

(۲) قومِ فرعون نے حضرت موسےٰؑ سے یہی کہا — (۷۸ : ۱۰)—(۳۶ : ۲۸)

(۳) قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ سے یہی کہا —— (۱۱ : ۶۲)

(۴) قومِ شعیبؑ نے بھی یہی کہا —— (۱۱ : ۸۷)

(۵) تمام اقوامِ سابقہ کی یہی روش تھی —— (۱۴ : ۱۰) — (۴۳ : ۲۲ — ۲۴)

(۶) حضرت ابراہیمؑ کی قوم کی بھی یہی روش تھی — (۲۱ : ۵۳ — ۵۴) — (۲۶ : ۷۰ — ۷۶)

(۷) یہی رسول اللہ سے کہا جاتا تھا — (۱۱ : ۱۰۹) — (۴۳ : ۳۴) — (۳۸ : ۷)

(۸) ہر رسول کو یہی جواب ملتا تھا —— (۱۴ : ۱۰)

متبعین اور متبوعین کے باہمی تعلقات

(۱) اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت، متبوعین، اپنے متبعین سے یکسر الگ ہو جائینگے۔ ان کی اطاعت انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ یہ اپنے اعمال کے ذمہ دار آپ ٹھہرائے جائینگے —— (۲ : ۱۶۶)

(۲) افراد ہی نہیں بلکہ قومیں بھی ایک دوسری کی اندھی تقلید کرتی ہیں۔ جہنم میں ان کا مکالمہ۔ تقلید کرنیوالی قوم کہے گی کہ جس قوم کی انہوں نے تقلید کی تھی اُسے دُہرا عذاب ملنا چاہیئے —۔ ایک ان کی اپنی غلط روش کا، اور دوسرا ہماری غلط روش کا جس کے وہ ذمہ دار ہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ انہیں بھی دُگنا عذاب ملے گا اور تمہیں بھی۔ تمہیں، ایک تمہارے اپنے جرائم کا اور دوسرا اس کا کہ تم ان کی تقلید کر کے، انہیں اپنی غلط روش میں اور پختہ ہونے کا موجب بنے تھے۔ اور تمہاری دیکھا دیکھی اور قومیں بھی اس راستے پر چل پڑی تھیں —— (۷ : ۳۸ — ۳۹) — (۲۵ : ۱۰۱) — (۳۳ : ۶۷ — ۶۸) — (۳۸ : ۵۹ — ۶۱) —

(۳) جہنم میں متبوعین (مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں) کے ساتھ ان کے متبعین کا مکالمہ ——

— (۱۴ : ۲۱ — ۲۲) — (۱۶ : ۸۶ — ۸۷) — (۲۵ : ۱۷ — ۱۹) — (۲۶ : ۹۲ — ۱۰۰) — (۲۸ : ۶۲ — ۶۴)

— (۳۳ : ۶۷ — ۶۸) — (۳۴ : ۳۲) — (۳۷ : ۲۷ — ۳۵) — (۳۸ : ۵۹ — ۶۱)

(۴۰ : ۴۷ — ۴۸) — (۴۱ : ۲۹)

(۰)

۱۹- تقویٰ

تقویٰ (و۔ ق۔ ی)۔ یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے اور اس کے دو بنیادی گوشے ہیں۔ ایک طرف اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو غلط (تباہ کن) باتوں سے محفوظ رکھنا۔ ان سے احتیاط برتنا۔ اور دوسری طرف اس کا مطلب ہے صحیح امور (احکام خداوندی) کی نگہداشت کرنا۔ اس کے مطابق زندگی بسر کرنا، دین سے ہم آہنگ رہنا۔ قرآنِ کریم سے متمسک رہنا۔ ظاہر ہے کہ غلط باتوں سے بچنا اور صحیح باتوں کے مطابق چلنا، یہی دین کا ماحصل اور اسلام کا منتہیٰ ہے۔ یہاں غلط سے مراد، ہر خلافِ قرآن بات اور صحیح سے مراد، قرآنی اصول و احکام ہیں۔ اسی کا نام سیرت کی بلندی اور کردار کی پختگی ہے۔ لہٰذا، تقویٰ کا ترجمہ کسی ایک لفظ سے نہیں کیا جا سکتا۔ اسے کیریکٹر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کیریکٹر کا قرآنی مفہوم سامنے ہو۔ اس قسم کے بلند کیریکٹر رکھنے والے انسانوں کو متقی کہا جائے گا۔ لفظی اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلم کے معنی ہوں گے جو قرآنی احکام کے سامنے جھک جاتے (خواہ یہ جھکنا کسی وجہ سے ہو) مومن کے معنی ہوں گے جو ان احکام و قوانین پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان لاتے۔ اور متقی کے معنی ہوں گے جو ان کے مطابق زندگی بسر کرے۔ لیکن (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے)، یہ تقسیم محض لفظی اعتبار سے ہے۔ ورنہ مسلم، مومن، متقی قسم کے الفاظ، مرادف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن کی رو سے، ایمان اور اعمالِ صالح، دونوں کے یکجا ہونے سے انسان، مسلم، مومن یا متقی بنتا ہے۔ وہ ایمان بے معنی ہے جس کی شہادت انسان کے اعمال نہ دیں۔ اور وہ اطاعت، جو قوانینِ خداوندی پر علیٰ وجہ البصیرت یقین کا نتیجہ نہ ہو، کسی نہ کسی قسم کے جبر کا نتیجہ ہے جس کا خوشگوار اثر انسان کی سیرت و کردار پر مرتب نہیں ہوتا۔ قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین اور ان کے مطابق عمل ۔۔۔ یہ ہے تقویٰ۔

―――― (۰) ――――

اتقوا اللہ

یہ قرآن کا بنیادی حکم ہے۔ اس کے معنی ۔۔ خدا سے ڈرو ۔۔ نہیں۔ اس کے معنی ہیں قوانینِ خداوندی

کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اپنے فرائض کی نگہداشت کرو۔ یہ تاکید، قرآن کریم میں شروع سے اخیر تک، بار بار سامنے آتی ہے اور یہی دین کا ماحصل ہے۔

(۱) کفر و سرکشی اختیار کرنے والوں سے جب کہا جاتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو تو پندارِ نفس انہیں اس طرف آنے نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ جہنم ہے — (۲۰۶ : ۲) — (۴۷-۴۵ : ۳۶)

(۲) رسول اللہ سے ارشاد کہ تقویٰ اختیار کرو اور کفار اور منافقین کی اطاعت مت کرو — (۱ : ۳۳)

(۳) حضرت زیدؓ سے رسول اللہ کا ارشاد کہ قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو — (۳۷ : ۳۳)

(۴) اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور ربوٰ (سود) کا بقایا چھوڑ دو — (۲۷۸ : ۲)

(۵) تقویٰ اسے اختیار کرو جو اختیار کرنے کا حق ہے۔ یعنی مرتے دم تک قوانینِ خداوندی کا اتباع کرو۔ یعنی قرآن کے ساتھ متمسک رہو۔ تفرقہ مت پیدا کرو — (۱۰۱ : ۳)

(۶) تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کی جماعت کے ساتھ رہو۔ دین اجتماعی زندگی کا نام ہے — (۱۱۹ : ۹)

(۷) تقویٰ اختیار کرو اور جہاد کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کرو — (۳۵ : ۵)

(۸) اے نوعِ انسانی! خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ انقلاب کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے — (۱ : ۲۲)
اس میں کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا — (۳۳ : ۳۱)

(۹) تقویٰ اختیار کرو اور ہمیشہ صاف، واضح، دو ٹوک بات کرو — (۷۰ : ۳۳)

(۱۰) ایمان اور تقویٰ کی تاکید۔ اس سے دوہرے دوہرے اجر ملیں گے — (۲۸ : ۵۷)

(۱۱) تقویٰ اختیار کرو اور دیکھو کہ تم کل کے لئے کیا آگے بھیج رہے ہو — (۱۸ : ۵۹)

(۱۲) عائلی زندگی کے سلسلہ میں کہا کہ تقویٰ اختیار کرو — (۱ : ۴) — (۱ : ۶۵)

(۱۳) کفار سے کہا گیا کہ جہنم کے تباہ کن عذاب سے بچو — (۲۴ : ۲)۔ مومنین سے بھی یہی کہا — (۱۳۰ : ۳) — (۲۴ : ۳۹) — (۶ : ۶۶)

(۱۴) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور باہمی اصلاح کرو — (۲۲۴ : ۲) — (۱ : ۸)

(۱۵) اپنی استطاعت بھر تقویٰ اختیار کرو — (۱۶ : ۶۴)

(۱۶) جس خدا پر ایمان لاتے ہو، اس کا تقویٰ اختیار کرو — (۲۰۳ : ۲) — (۸۸ : ۵) — (۹۶ : ۵) — (۵۸ : ۹) — (۱۱ : ۶۰)

(۱۷) خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کے قانونِ مکافات کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے ـــ (۲ : ۱۹۶)ـــ (۲ : ۲۲۳)

(۵ : ۲)ـــ (۵ : ۴)ـــ (۵ : ۷)ـــ (۵ : ۸)ـــ (۵۹ : ۱۸)

(۱۸) مومن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے ـــ (۵ : ۵۷)

(۱۹) تقویٰ اختیار کرو۔ خدا غفور و رحیم ہے ـــ (۸ : ۶۹)۔ سمیع و علیم ہے ـــ (۴۹ : ۱)۔ توّاب و رحیم ہے (۴۹ : ۱۲)

(۲۰) تقویٰ اختیار کرو اور اس کے احکام کو غور سے سنو ـــ (۵ : ۱۰۸)

(۲۱) تقویٰ اختیار کرو اور اس کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر پورا پورا بھروسہ کرو ـــ (۵ : ۱۱)

(۲۲) لین دین کے معاملات کے احکام کے بعد کہا کہ واتقوا اللّٰہ ـــ (۲ : ۲۸۲)۔ ربٰو کے سلسلہ میں۔

(۲ : ۲۷۸)ـــ (۳ : ۱۳۰)

(۲۳) اس فتنے سے بچو کہ جب وہ آتا ہے تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے ـــ (۸ : ۲۵)

(۲۴) اس دن کی تباہی سے بچو جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ نہ کسی کی سفارش چلے گی، نہ کفارہ دے کر چھوٹ سکو گے ـــ (۲ : ۴۸)ـــ (۲ : ۱۲۳)ـــ (۲ : ۲۸۱)

(۲۵) صرف خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ یعنی اطاعت صرف اس کے قوانین کی کرو ـــ (۲ : ۴۱)ـــ (۲ : ۱۹۷)

(۶ : ۷۲)ـــ (۱۶ : ۲)ـــ (۲۳ : ۵۲)ـــ (۳۹ : ۱۶)

(۲۶) فرقہ بندی چھوڑو اور خدا کا تقویٰ اختیار کرو ـــ (۳۰ : ۳۱)

(۲۷) ازواجِ مطہرات رسول اللّٰہ سے معاشرتی قوانین کی نگہداشت کی تاکید کی ـــ (۳۳ : ۳۲) نیز عام مومن عورتوں سے ـــ (۳۳ : ۵۵)

(۲۸) اللّٰہ کے سوا کسی کا تقویٰ اختیار مت کرو۔ مجوسیوں کی ثنویت باطل ہے ـــ (۱۶ : ۵۱)

(۲۹) تقویٰ کا حکم دینے والے ہی ہدایت پر ہوتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں ـــ (۹۶ : ۱۱ـــ۱۲)

(۳۰) بِرّ اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو ـــ (۵ : ۲)۔ اس کے لئے باہمی خفیہ مشورے بھی کئے جا سکتے ہیں ـــ (۵۸ : ۹)

(۳۱) اے صاحبانِ بصیرت! اللّٰہ کا تقویٰ اختیار کرو ـــ (۶۵ : ۱۰)۔ [اس ضمن میں عنوان "متقیوں کی زندگی" کو بھی دیکھئے]

(۳۲) استطاعت بھر تقویٰ اختیار کرو ــــ (۱۶ : ۶۴)

تقویٰ کی اہمیت

(۱) نیکی اور کشاد کی راہ، خود ساختہ رسمی پابندیوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے ــــ (۱۸۹ : ۲)

(۲) اپنے طور طریقوں سے اپنے نفس (ذات) کی نشو ونما کی کوشش نہ کرو۔ یہ صرف خدا کے قوانین کی نگہداشت سے ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون تقویٰ شعار ہے ــــ (۳۲ : ۵۳)

(۳) تقویٰ ہو تو جزئیاتِ شریعت کی رخصت سے فائدہ اٹھا لینے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا ــــ (۲۰۳ : ۲)

(۴) قرآن دیا ہی اس لئے گیا ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو ــــ (۶۳ : ۷)

(۵) نوعِ انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ تقویٰ اختیار کریں (تاکہ ان کی صحیح صحیح نشو ونما ہوتی جائے)

(۲۱ : ۲)

(۶) قصاص کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو ــــ (۱۷۹ : ۲)۔ صیام کا حکم بھی اسی لئے دیا گیا ہے۔ (۱۸۳ : ۲) (۱۸۷ : ۲)۔ مختلف اخلاقی احکام اسی لئے دیئے گئے ہیں ــــ (۱۵۴ : ۶)

(۷) مومنین کی دعا ہیں کہ ہمیں متقیوں کا امام بنانا ــــ (۷۴ : ۲۵)

(۸) قرآن کا اتباع کرو۔ ایسا نہ ہو کہ آخرت میں یہ افسوس رہے کہ میں متقی کیوں نہ ہوگیا ــــ (۵۷ : ۳۹)

(۹) جب تک خدا واضح نہیں کر دیتا کہ تقویٰ کیا ہے، وہ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا ــــ (۱۱۵ : ۹)

(۱۰) تقویٰ کا لباس بہترین ہے ــــ (۲۶ : ۷)

(۱۱) حج میں ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت خدا تک نہیں پہنچتا، تقویٰ پہنچتا ہے ــــ (۳۷ : ۲۲)

(۱۲) نفسِ انسانی میں تقویٰ اور فجور کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ یعنی انسان اپنی ذات کے استحکام کا انتظام بھی کرسکتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا بھی ــــ (۸ : ۹۱)

(۱۳) دنیا کی زینت کی چیزیں (بیوی، بچے، دولت، مویشی، کھیتی) جاذبیت کی چیزیں ہیں۔ لیکن تقویٰ ان سے بہتر ہے۔ یعنی جب ان میں اور کسی خدائی فریضہ میں تصادم ہو تو خدائی فریضہ کو اہمیت دینی چاہیئے۔

(۱۴ــ۱۳ : ۳)

متقی ۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے

متقی کون ہیں؟ یعنی ان کی خصوصیات کیا ہیں کس قسم کے لوگ متقی کہلاتے ہیں۔

(۱) جو لوگ ایمان، اعمالِ صالح اور تقویٰ والے ہوں وہ ان چیزوں کے کھانے سے ضرور بچیں گے جو ممنوع قرار دے دی گئی ہیں۔ اس کے بعد ان پر کوئی اور پابندی نہیں (کہ وہ یوں کھائیں اور یوں نہ کھائیں)۔ (۹۳ : ۵)

(۲) جب ان کے ذہن میں کوئی غلط خیال جو نہی گھومتے پھرتے بھی آجائے تو یہ فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لاتے ہیں اور ان کی نگاہیں روشن ہو جاتی ہیں ــ (۲۰۱ : ۷)

(۳) کفار، متقیوں سے پوچھتے ہیں کہ خدا نے کیا نازل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خیر ــ (۳۰ : ۱۶)

(۴) انہیں ایک ایسا نور (قرآن) ملتا ہے جس سے یہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں ــ (۲۸ : ۵۷)

(۵) وہ اپنے آپ کو مزکّی نہیں کہتے پھرتے ــ (۳۲ : ۵۳)

(۶) اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں ــ (۷۵ : ۳) ــ (۵۶ : ۸)

(۷) یہ دوسروں کو دیتے ہیں اور اس طرح معاشرہ کا توازن قائم رکھتے ہیں۔ اس سے ان کی ذات کی نشو و نما ہوتی جاتی ہے ــ (۱۸-۱۷ ؛ ۵ : ۹۲)

(۸) متقیوں کی جامع خصوصیات ــ (۱۷۷ : ۲)

(۹) جو صداقت کو لے کر آئے اور جو اسے تسلیم کرلے وہ متقی ہے ــ (۳۳ : ۳۹)

(۱۰) مرکزِ نظامِ خداوندی ـ کعبہ ـ کی تولیت کے حقدار متقی ہیں ــ (۳۴ : ۸)۔ لہٰذا، نظامِ خداوندی کے اربابِ حل و عقد کا متقی ہونا ضروری ہے۔

(۱۱) مکافاتِ عمل کے وقت، سب دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن متقیوں کی یہ حالت نہیں ہوگی ــ (۶۷ : ۴۳)

(۱۲) وصیت کرنا متقیوں پر فرض ہے ــ (۱۸۰ : ۲)۔ مطلقہ کو سامان و متاع دینا بھی ــ (۲۴۱ : ۲)

(۱۳) قرآن متقیوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے ــ (۲ : ۲) ــ (۱۳۷ : ۳) ــ (۴۶ : ۵) ــ (۳۴ : ۲۴) ــ (۴۸ : ۶۹)

(۱۴) اقوامِ سابقہ کے احوال و کوائف متقیوں کے لئے وجہ عبرت ہوتے ہیں ــ (۶۶ : ۲)

(۱۵) مومنین کی دعائیں کہ ہمیں متقیوں کا امام بنانا ــ (۷۴ : ۲۵)

(۱۶) کارگہ کائنات پر غور و فکر کرنے والے ــ (۶ : ۱۰)

(۱۷) رسول اللہؐ پر ایمان لانے والے۔ نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرنے والے ــــ (۱۵۷-۱۵۶ : ۷)
(۱۸) بدترین مخلوق وہ ہیں جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے ــــ (۵۶ : ۸)
(۱۹) خدا اور رسول کی اطاعت کرنے والے، قانون شکنی سے ڈرنے والے۔ یہ متقی ہیں ــــ (۵۲ : ۲۴)
(۲۰) جس مسجد (مرکزِ نظامِ خداوندی) کی بنیاد تقویٰ پر ہو اس میں تفرقہ نہیں ہو سکتا ــــ (۹ : ۱۰۹)
(۲۱) شرک سے مجتنب رہنے والے، اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والے۔ یہ "دل کا تقویٰ" ہے ــــ (۲۲ : ۳۱-۳۲)
(۲۲) حج کے احکام کے سلسلہ میں کہا کہ سامانِ سفر کا انتظام کر کے جایا کرو تاکہ وہاں بھیک نہ مانگنی پڑے۔

(۲ : ۱۹۷)

(۲۳) لباس و زینت اچھی چیزیں ہیں لیکن تقویٰ کا لباس بہترین ہے ــــ (۷ : ۲۶)
(۲۴) حج کے سلسلہ میں کہا کہ جانوروں کا گوشت خدا تک نہیں پہنچتا، تقویٰ پہنچتا ہے ــــ (۲۲ : ۳۷)
(۲۵) صلح حدیبیہ کے ضمن میں کہا کہ مومنین کو تسکین اس لئے دی گئی کہ وہ کلمۃ التقویٰ سے التزام رکھیں ــــ

(۴۸ : ۲۶)

(۲۶) قرآن سے نصیحت حاصل کرنے والے اہل التقویٰ اور اہل المغفرت ہوتے ہیں ــــ (۷۴ : ۵۶)
(۲۷) معاملات میں کشادہ ظرفی سے کام لینے والے ــــ (۲ : ۲۳۷)
(۲۸) دشمن سے بھی عدل کرنے والے ــــ (۵ : ۹)
(۲۹) رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز نیچی رکھنے والے ــــ (۴۹ : ۳)
(۳۰) ہدایت اور تقویٰ لازم و ملزوم ہیں۔ ہدایت سے تقویٰ مل جاتا ہے ــــ (۴۷ : ۱۷) ــــ (۹۶ : ۱۱-۱۲)
(۳۱) حضرت یحییٰ تقیا (تقویٰ شعار) تھے ــــ (۱۹ : ۱۳)
(۳۲) حضرت مریمؑ نے سامنے آنے والے سے کہا کہ اگر تم متقی (تقیا) ہو تو میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔

(۱۹ : ۱۸)

(۳۳) متقین کی جامع خصوصیات ــــ (۳ : ۱۳۲-۱۳۴)
(۳۴) محسنین اور متقین ایک ہی ہیں ــــ (۵۱ : ۱۵-۱۶)
(۳۵) جو شحِ نفس (خود غرضی اور نفسانیت) سے بچ جائے وہ متقی ہے اور فائز المرام ــــ (۵۹ : ۹) ــــ (۶۴ : ۱۶)
تقویٰ "تو دینے" کا نام ہے ــــ (۹۲ : ۵)

متقیوں کی زندگی (دنیا اور آخرت میں) کیسی ہوتی ہے یعنی تقویٰ کا نتیجہ کیا ہے۔

(۱) یہ لوگ، ظہورِ نتائج کے وقت (یوم القیٰمۃ) کفار پر فائق ہوں گے — (۲ : ۲۱۲)
(۲) ان کے لئے آخرت کا گھر بہت بہتر ہو گا — (۱۲ : ۱۰۹)
(۳) خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے — (۱۶ : ۱۲۸)
(۴) انہیں جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا — (۱۹ : ۷۲) — (۳۹ : ۶۱)
(۵) انہیں دوہرے دوہرے اجر ملیں گے۔ اور ایسی روشنی عطا ہو گی جس سے یہ دنیا میں چلیں پھریں۔ (۵۷ : ۲۸)
(۶) تقویٰ سے اس دنیا کی زندگی بھی حسین ہو جائے گی — (۳۹ : ۱۰)
(۷) تقویٰ اختیار کرو تاکہ تمہاری کوششیں بھرپور نتائج پیدا کریں — (۳ : ۱۲۲)
(۸) اے صاحبانِ عقل و بصیرت! تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ — (۲ : ۱۸۹) — (۲ : ۱۹۷)
(۳ : ۱۲۹ — ۱۳۵) — (۳ : ۱۹۹) — (۵ : ۱۰۰) — (۱۰ : ۶۵)
(۹) اگر یہود، ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو خدا کے ہاں سے بڑا اجر پاتے — (۲ : ۱۰۳) — (۵ : ۶۵)
(۱۰) میدانِ جنگ کے سلسلہ میں کہا کہ جو لوگ حسن کارانہ انداز سے اپنے فرائض ادا کریں (اتقوا) تو انکے لئے بڑا اجر ہو گا — (۳ : ۱۷۱)
(۱۱) ایمان اور تقویٰ سے، زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں — (۷ : ۹۶)
(۱۲) تقویٰ سے سامانِ نشو و نما ملتا ہے — (۶ : ۱۵۶) — (۱۰ : ۴۹)
(۱۳) لاخوف علیھم ولاھم یحزنون — (۷ : ۳۵) — (۱۰ : ۶۲ — ۶۴)
(۱۴) ان کا مستقبل خوشگوار ہوتا ہے — (۴ : ۷۷)
(۱۵) یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوتے ہیں — (۳ : ۷۵) — (۹ : ۴)
(۱۶) ان کی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے اور انہیں جہنم سے دور رکھا جاتا ہے — (۹۲ : ۱۷ — ۱۸)
(۱۷) جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہے وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہے — (۴۹ : ۱۳)
(۱۸) تقویٰ سے امتیازی زندگی ملتی ہے۔ ناہمواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ تباہیوں سے حفاظت مل جاتی ہے — (۸ : ۲۹)

(۱۹) تقویٰ اور استقامت اختیار کرو. دشمنوں کی سازشیں تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ (۳ : ۱۱۹)

(۳ : ۱۲۴) — (۳ : ۱۸۵)

(۲۰) ایمان اور تقویٰ سے اجرِ عظیم ملتا ہے — (۳ : ۱۷۸) — (۱۰ : ۶۲–۶۴) — (۲۷ : ۵۳) — (۳۵ : ۴۷)

(۲۱) معاشرتی زندگی میں اگر حسنِ معاملہ رکھو اور تقویٰ اختیار کرو تو خدا کو اس کا علم رہے گا — (۴ : ۱۲۸)

(۴ : ۱۲۹)

(۲۲) ان کے لئے خوشگوار نتائج کی خوشخبریاں ہیں — (۱۹ : ۹۷)

(۲۳) متقی اور فاجر ایک جیسے نہیں ہوسکتے — (۳۸ : ۲۸)

(۲۴) اِنَّ اللّٰہَ علیمٌ بالمتّقین — (۳ : ۱۱۴) — (۹ : ۴۴). یعنی ان کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہوتا ہے۔

(۲۵) اللہ متقیوں کا ولی ہوتا ہے — (۱۹ : ۴۵) - یہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں — (۱۰ : ۶۲–۶۴)

(۲۶) متقیوں کا انجام نہایت خوشگوار ہوتا ہے. یعنی راستے میں انہیں کتنی ہی مشکلات پیش کیوں نہ آئیں، آخرالامر کامیابی انہیں کی ہوتی ہے — (۷ : ۱۲۸). یہ وارثِ ارض ہوتے ہیں — (۱۱ : ۴۹) — (۴۳ : ۳۵۱)

(۲۷) ان کے لئے مفاز (کامیابیاں، کامرانیاں، محنتوں کا ماحصل، متاع) ہے — (۷۸ : ۳۱)

(۲۸) اللہ متقین کے ساتھ ہے — (۲ : ۱۹۴) — (۹ : ۳۶) — (۹ : ۱۲۳)

(۲۹) انہی کی پیش کش قابلِ قبول ہوتی ہے — (۵ : ۲۷)

(۳۰) متقی اگر اتفاقیہ کسی غلط محفل میں جا بیٹھیں تو اس سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ انہیں نصیحت کرتے ہیں۔

(۶ : ۶۸–۶۹)

(۳۱) متقی ارض وسمٰوٰت، کارگہ کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں — (۱۰ : ۶)

(۳۲) ایمان و تقویٰ والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں. ان پر خوف و حزن نہیں ہوتا. ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ ان کی دنیا اور آخرت دونوں کی زندگی نہایت خوشگوار ہوتی ہے — (۱۰ : ۶۲–۶۴)

(۳۳) انہیں تباہیوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے — (۲۷ : ۵۳) — (۴۱ : ۱۸)

(۳۴) دنیا اور آخرت کی حسنات متقیوں کے لئے. رحمت کی وسعتیں — (۷ : ۱۵۶)

(۳۵) یہی لوگ کامیاب اور فائز المرام ہوں گے — (۲۴ : ۵۲)

(۳۶) تقویٰ سے رزق کے دروازے کھلتے ہیں — (۶۵ : ۲–۳). ناہمواریوں دور ہوتی ہیں — (۶۵ : ۵)

متقیوں کیلئے جنّت ہے

(۱) (۳:۱۴)—(۳ : ۱۳۲)—(۳ : ۱۹۷)—(۱۳ : ۳۵)—(۱۵ : ۴۵)—(۱۶ : ۳۰—۳۱)—(۱۹ : ۶۳)
(۳۹ : ۲۰)—(۳۹ : ۷۳)—(۴۴ : ۵۱—۵۲)—(۵۱ : ۱۵)—(۵۲ : ۱۷)—(۵۴ : ۵۴)
(۶۸ : ۳۵)—(۷۷ : ۴۱)

(۲) اس جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے —(۱۳ : ۳۵)—(۴۷ : ۱۵)—(۲۵ : ۱۵)
وہ جنت جو ارض وسمٰوٰت کو محیط ہے —— (۳ : ۱۳۲)

(۳) آخرت میں عزت واکرام —(۱۹ : ۸۵)

(۴) جنت ان کے قریب کر دی جائے گی —(۲۶ : ۹۰)۔ وہ اب بھی ان سے دور نہیں —(۵۰ : ۳۱)

(۵) ان کا مستقبل درخشندہ ہوگا —— (۴۳ : ۳۵)، مفاز ہوگا —(۶ : ۳۲)—(۷ : ۱۲۹)——
(۱۲ : ۵۷)—(۲۰ : ۱۳۲)—(۷۸ : ۳۱)

(۶) حسین ترین ٹھکانہ —(۳۸ : ۴۹)

تمام انبیاء کی یہی تعلیم تھی کہ تقویٰ اختیار کرو

(۱) حضرت عیسٰیؑ کی حواریوں کو تاکید —(۵ : ۱۱۲)۔ بنی اسرائیل کو تاکید —(۳ : ۴۹)—(۴۳ : ۶۳)

(۲) حضرت نوحؑ کی تعلیم ——(۲۳ : ۲۳)—(۲۶ : ۱۰۶ ; ۱۱۰)—(۷۱ : ۳)
ان کے بعد ایک رسول آیا تھا۔ اس نے بھی یہی کہا تھا —(۲۳ : ۳۲)

(۳) حضرت ہودؑ کی تعلیم ——(۷ : ۶۵)——(۲۶ : ۱۲۴ ; ۱۳۱ ; ۱۳۲)

(۴) حضرت صالحؑ کی تعلیم —(۲۶ : ۱۴۴ ; ۱۵۰)

(۵) حضرت لوطؑ کی تعلیم —(۱۱ : ۷۸)—(۱۵ : ۶۹)—(۲۶ : ۱۶۳)

(۶) حضرت شعیبؑ کی تعلیم —(۲۶ : ۱۷۹ ; ۱۸۴)

(۷) حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم —(۲۹ : ۱۶)

(۸) سابقہ اہل کتاب کو بھی تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا اور مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم دیا جاتا ہے —(۴ : ۱۳۱)

(۹) حضرت الیاسؑ کی تعلیم ــــ (۱۲۴ : ۳۷)

(۱۰) تمام انبیاء کو اسی کا حکم دیا گیا تھا ــــ (۵۲ : ۲۳)

(۱۱) رسول اللہؐ کی تعلیم ــــ (۵۱ : ۶) ــ (۳۱ : ۱۰) ــ (۴۹ : ۱۱) ــ (۹۷ : ۱۹) ــ (۸۷ : ۲۳)

(۱۲) حضرت موسیٰؑ کی تعلیم ۔ (یعنی بنی اسرائیل کو تقویٰ کا حکم) ــ (۶۳ : ۲) ــ (۱۲۴ : ۷) ــ (۱۷۱ : ۷) ــ (۱۱ : ۲۶)

تورات، متقین کے لئے نور و ہدایت تھی ــــ (۴۸ : ۲۱)

(۱۳) تمام انبیاء، امتِ واحدہ کے افراد تھے ۔ ربوبیتِ خداوندی اور تقویٰ ان کا شعار تھا ــــ (۵۲ : ۲۳)

متفرق

(۱) تقویٰ کے معنی دشمن کے خطرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ــــ (۲۷ : ۳)

(۲) تقیہ کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ انسان کسی خطرے سے بچنے کے لئے جھوٹ بول دے یا کوئی اور فریب دے دے ۔ قرآن میں یہ لفظ اس مفہوم کے لئے نہیں آیا ۔ نہ ہی یہ قرآن کی تعلیم ہے ۔ آیت ــ (۲۷ : ۳) میں دشمن کے خطرات سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے ۔ سورۃ نحل میں ہے کہ اگر کسی سے کفر کا کوئی کام زبردستی کرا لیا جائے درآنحالیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا ــــ (۱۰۶ : ۱۶) ۔ یہاں بھی "کفر کا کوئی کام زبردستی کرا لینا" کہا گیا ہے، نہ کہ کسی "مجبوری" کے ماتحت جھوٹ بولنا یا فریب دینا ۔ قرآن کی تو تعلیم ہی یہ ہے کہ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اس ضمن میں قرآن کریم نے (علاوہ دیگر شواہد) ساحرینِ دربارِ فرعون کا واقعہ نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے ۔ (دیکھئے عنوان موسےٰ ز فرعون)

(۳) متقیوں کے لئے ارض و سما میں آیات ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کارگہ کائنات پر غور و فکر بھی تقویٰ میں شامل ہے ۔ یا متقیوں کا یہ بھی فریضہ ہے ــ (۶ : ۱۰) ۔ یہ اولوالالباب ہوتے ہیں ــ (۱۰ : ۶۵)

(۴) مومنین کی ہیئتِ اجتماعیہ ۔ اصبروا ، وصابروا ، ورابطوا ، واتقوا اللہ ــــ (۲۰۰ : ۳)

(۵) شعائر اللہ کی تعظیم من تقوی القلوب ہے —— (۳۲ : ۲۲)

(۶) تقویٰ ہدایتِ خداوندی کا لازمی نتیجہ ہے — (۱۷ : ۴۷)

(۷) وراثتِ ارض آخر الامر متقیوں کے لئے ہے —— (۱۲۸ : ۷) —(۴۹ : ۱۱) — (۸۳ : ۲۸)

(۸) متقی ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہو سکتے —— (۶۷ : ۴۳)

—————— (۰) ——————

۲۰۔ تکبّر (کِبْریائی)

(نیز دیکھئے۔ علو)

تکبّر۔ (ک۔ ب۔ ر)۔ اس کے بنیادی معنی بڑا ہونا ہیں۔ خواہ جسامت اور مرتبہ میں ہو اور خواہ عمر میں۔ تکبر اور استکبار کے معنی بڑا بننا، سرکشی اختیار کرنا۔

قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ (کبریائی) خدا کی ہے۔ اس کے قانون سے بالا کسی کا قانون نہیں۔ اس مفہوم کے اعتبار سے خدا کی ایک صفت المتکبر بھی ہے۔ کسی انسان کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس کا حکم یا قانون، خدا کے قانون سے بالا ہے، استکبار ہے۔ اور کسی کا قانونِ خداوندی کے مقابل کھڑے ہو جانا (اس سے سرکشی اختیار کرنا) تکبر ہے۔ اس اعتبار سے تکبر، قوانینِ خداوندی سے بغاوت ہے۔ اور سنگین جرم۔ لیکن انسانی دنیا میں، خدا کے قوانین کا غلبہ اور تسلط، جماعتِ مومنین کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس جماعت کو دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں بلند و بالا (اعلون) —(۱۳۸ : ۳) ہونا چاہیئے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے، جماعتِ مومنین کے لئے متکبر ہونا، صفتِ خداوندی کا اپنے اندر منعکس کرنا ہے۔ ایک تکبر یہ ہے کہ انسان، کمزور اور مظلوم انسانوں پر ظلم اور زیادتی کے لئے قوت اور بڑائی کا استعمال کرے، یہ معیوب ہے۔ ایک تکبر یہ ہے کہ انسان، مظلوموں اور کمزوروں کو، ظالموں کی بالادستی سے بچانے کے لئے بڑائی اختیار کرے۔ یہ تکبر مستحسن اور نہایت ضروری ہے۔ باقی رہا اوچھے پن سے یونہی اکڑتے پھرنا، سو یہ روش، عام سطحِ انسانیت سے بھی گری ہوئی ہے، چہ جائیکہ یہ مومنین کا شعار ہو۔

(۲) قوانینِ خداوندی سے سرکشی کے کچھ گوشے اس عنوان میں آ گئے ہیں۔ دیگر گوشوں کے لئے عنوانات

بغاوت، عدوان، معصیت، طغیان وغیرہ دیکھئے۔

—— (۰) ——

خدا کی کبریائی۔ قانونِ خداوندی کی بالادستی

(۱) رسول اللہ کو حکم کہ اٹھو۔ اور خدا کی کبریائی کو انسانی معاشرہ میں مسلط کردو۔ یہ ہے دین کی غایت (۷۴:۳)۔ اس کی مزید تشریح (۱۱۱:۱۷) میں کردی جہاں کہا کہ حکومت میں خدا کا کوئی شریک نہیں۔ اس حقیقت کو عملاً متشکل کرکے دکھاؤ۔ جہاد کا مقصد بھی یہی ہے کہ کلمۃ اللہ العُلیا۔ خدا کا قانون بلند ہو —— (۹:۴۰)

مومن اپنی بالادستی نہیں چاہتے، قانونِ خداوندی کی چاہتے ہیں —— (۲۸:۸۳)

(۲) فرعون نے حضرت موسےٰ اور ہارون سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ ملک میں کبریائی تمہیں حاصل ہو جائے۔ (۱۰:۷۸)

(۳) ارض وسمٰوٰت میں کبریائی خدا کی ہے —— (۴۵:۳۷)

(۴) خدا کبیر المتعال ہے —— (۱۳:۹) —— (۲۲:۶۲) —— (۳۱:۳۰) —— (۳۴:۲۳)

(۵) حکومت صرف خدائے کبیر کی ہے —— (۱۷:۱۱۱) —— (۴۰:۱۲)

(۶) اگر کوئی اور الٰہ بھی ہوتے تو وہ کائنات کے کنٹرول میں شرکت کے لئے غلبہ کی کوشش کرتے۔ خدا اس سے بہت بلند ہے۔ وہ علوِّ کبیر ہے —— (۱۷:۴۳)

(۷) عائلی قوانین کے سلسلہ میں کہا کہ انّ اللہ کان علیّاً کبیرًا —— (۴:۳۴)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بالادستی قوانینِ خداوندی ہی کی رہنی چاہیئے —— (۴:۳۴)

(۸) مومنین کے جنتی معاشرہ کی تفاصیل کے سلسلہ میں کہا کہ انہیں ملکاً کبیرا حاصل ہوگا۔ یہ وہی مملکت و حکومت ہے جس میں قانونِ خداوندی کی بالادستی ہوگی —— (۷۶:۲۰)

(۹) جب ان سے کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ، تو انہوں نے استکبار کیا۔ یعنی ایک خدا کی حاکمیت تسلیم کرنے سے استکبار —— (۳۷:۳۵)

(۱۰) اگر یہ لوگ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکنے سے استکبار کرتے ہیں تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کائنات کی ہر شے اس کے قوانین کے سامنے سجدہ ریز ہے —— (۴۱:۳۸)

(۱۱) روزوں کے پروگرام سے مقصد یہ ہے کہ تم دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جاؤ۔ (۲ : ۱۸۵)
یہی مقصد حج سے ہے۔ (۲۲ : ۳۷)

(۱۲) ذکر اللہ اکبر۔ قانونِ خداوندی سب سے بلند ہے۔ کبریائی اس کے لئے ہے۔ (۲۹ : ۴۵)

(۱۳) جس موقعہ پر حکومتِ خداوندی کا اعلان کیا گیا تھا اسے حج الاکبر کہا گیا ہے۔ (۹ : ۳)

(۱۴) خدا کی صفت المتکبر الجبار۔ (۵۹ : ۲۳)۔ اس کے برعکس دنیاوی متکبر و جبار۔ (۴۰ : ۳۵)۔ اس سے تکبر و جبر کی دونوں قسمیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک نہایت مستحسن۔ دوسری بے حد معیوب۔

خدا کی کبریائی کے مقابل، انسانوں کا دعوئ کبریائی

(۱) جو لوگ قوانینِ خداوندی کی مخاصمت کرتے ہیں، ان کے دل میں بڑا بننے کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ (۴۰ : ۵۶)

(۲) جہنم میں لوگ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سادات و کبرا کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ یہاں کبرآء سے مراد وہ لیڈر یا مذہبی پیشوا ہیں جو اپنے احکام اور فیصلوں کو قوانینِ خداوندی سے بالا قرار دے کر لوگوں سے ان کی اطاعت کراتے ہیں۔ (۳۳ : ۶۷)

(۳) بنی اسرائیل کے متعلق کہا کہ تم دو مرتبہ ملک میں فساد کرو گے اور بڑی سرکشی اختیار کرو گے۔ اسکے معنی خداوندی قوانین کو چھوڑ کر، قوت اور حکومت کا استعمال ہے۔ (۱۷ : ۴)

(۴) رسول کی دعوت کی مخالفت استکبار فی الارض کی وجہ سے۔ اس میں سرکشی، قوت، اپنا غلبہ استیلا مستحکم رکھنے کی خواہش، بڑا بننے کی ہوس، اپنی من مانی کرنے کا جذبہ، غیر خداوندی قوانین کے مطابق حکومت سب شامل ہیں۔ (۳۵ : ۴۳)

(۵) ہر متکبر سے محفوظ رہنے کی دعا۔ (۴۰ : ۲۷)۔ یہ قانونِ مکافات پر ایمان نہیں رکھتا۔

(۶) متکبر اور جبار کے قلب پر مہریں لگ جاتی ہیں۔ اس سے ایسی نفسیاتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ وہ اپنی قوت اور ضد کے نشے میں مدہوش رہتا ہے۔ (۴۰ : ۳۵)

(۷) متکبرین کا انجام تباہی ہوتا ہے۔ (۷ : ۱۴۶)۔ (۱۶ : ۲۹)۔ (۳۹ : ۶۰)۔ (۳۹ : ۷۲)۔ (۴۰ : ۷۶)

(۸) ارض و سمٰوٰت میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہے۔ (۴۵ : ۳۷)۔ اسی کا ذکر اکبر ہے۔ (۲۹ : ۴۵)

(۹) مومن اپنی بالادستی نہیں چاہتے، قانونِ خداوندی کی بالادستی چاہتے ہیں۔ (۹ : ۴۰)۔ (۲۸ : ۸۳)

استکبار۔ قوانینِ خداوندی سے سرکشی

(اس کے ساتھ "انسانوں کے دعوائے کبریائی" کا عنوان بھی دیکھئے)

(۱) رسول اللہ کے مخالفین کا استکبار ۔۔ (۲۱ : ۲۵) ۔ (۴۳ : ۳۵) ۔ (۱۰ : ۴۶)

(۲) قریش کے نمائندہ کا استکبار ۔۔ (۲۳ : ۷۴)

(۳) اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم نے استکباراً قوانینِ خداوندی سے انکار کیا تھا ۔۔ (۴۸ : ۷) ۔ (۵۹ : ۳۹)
(۳۱ : ۴۵) ۔ (۲۰ : ۴۶)

(۴) جہنم میں، عوام اور ان کے لیڈروں کی گفتگو۔ لیڈروں کو مستکبرین کہا گیا ہے ۔۔ (۲۱ : ۱۴) ۔ (۶۷ : ۳۳)
(۳۱-۳۳ : ۳۴) ۔ (۴۷-۴۸ : ۴۰)

(۵) جب ان سے کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ، تو انہوں نے استکبار کیا ۔۔ (۳۵ : ۳۷)

(۶) اگر یہ لوگ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکنے سے استکبار کرتے ہیں تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کائنات کی ہر شے اس کے قوانین کے سامنے سجدہ ریز ہے ۔۔ (۳۸ : ۴۱)

(۷) تکذیب و استکبارِ آیات کا نتیجہ محرومیاں اور تباہیاں ہے ۔۔ (۳۶ : ۷) ۔ (۴۰ : ۷)

(۸) جو لوگ خدا کی محکومیت (عبادت) سے استکبار کرتے ہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ۔۔ (۶۰ : ۴۰)

(۹) مومن، خدا کی عبودیت سے استکبار نہیں کرتے ۔۔ (۲۰۶ : ۷) ۔ (۱۵ : ۳۲)

(۱۰) فطرت کی قوتیں (ملائکہ) اور حیوانات وغیرہ اطاعتِ خداوندی سے استکبار نہیں کرتے ۔۔ (۲۰۶ : ۷)
(۴۹ : ۱۶) ۔ (۱۹ : ۲۱)

(۱۱) خدا کے قانونِ مکافات پر ایمان نہ رکھنے والے مستکبرین ہوتے ہیں ۔۔ (۲۲ : ۱۶)۔ خدا انہیں پسند نہیں کرتا ۔۔ (۲۳ : ۱۶)۔ منافق بھی مستکبرین ہوتے ہیں ۔۔ (۵ : ۶۳)۔ قرآن کا مذاق اڑانے والے بھی ۔۔ (۶۷ : ۲۳)

(۱۲) ان کے سامنے قرآن پیش کیجئے تو نہایت متکبرانہ انداز سے منہ موڑ کر چل دیتے ہیں ۔۔ (۷ : ۳۱) ۔ (۸ : ۴۵)

(۱۳) جو بھی قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کرنے سے سرکشی برتتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا ۔۔ (۱۷۳ : ۴) ۔۔ (۳۶ : ۷)، ان کی موت کے وقت ان سے یہی کہا جائے گا ۔۔ (۹۴ : ۶)

خدا کی آیاتِ کبریٰ

(۱) حضرت موسےٰ کو جب حکم دیا گیا کہ فرعون کی طرف جاؤ۔ اس نے بڑا تکبر اختیار کر رکھا ہے۔ تو کہا کہ تم اس کے مقابلہ کے لئے جاؤ۔ ہم تمہیں اپنی آیاتِ کبریٰ دکھائیں گے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ ہم تمہیں اس کے مقابلہ میں غلبہ عطا کرینگے جس سے قوانینِ خداوندی کی بالادستی اور حاکمیت ثبت ہو جائیگی۔

(۲۴—۲۳ : ۲۰) — (۴۸ : ۴۳) — (۲۰ : ۷۹)

(۲) مقامِ نبوت کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مقصد خدا کی آیاتِ کبریٰ کا اپنے سامنے دیکھنا ہے۔ اس سے بھی دین کی غایت کی وضاحت ہو جاتی ہے — (۱۸ : ۵۳)۔ یہی وہ آیات تھیں جنہیں محسوس شکل میں سامنے لانے کے لئے حضورؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی — (۱ : ۱۷)

اقوامِ سابقہ کا استکبار

(۱) قومِ نوحؑ — (۷ : ۱)

(۲) فرعون۔ استکبار بغیر الحق — (۳۹ : ۲۸) — (۱۳۳ : ۷) — (۷۵ : ۱۰)۔ اسی کو عال فی الارض بھی کہا ہے — (۸۳ : ۱۰) — (۴۶ : ۲۳) — (۴ : ۲۸) — (۳۹ : ۲۹) — (۲۷ : ۴۰)

(۳) بنی اسرائیل — (۸۷ : ۲)

(۴) سردارانِ قومِ ثمود کا استکبار — (۷۶—۷۵ : ۷)

(۵) قومِ شعیبؑ کے سردار — (۸۸ : ۷)

(۶) قومِ عاد — (۱۵ : ۴۱)۔ دیگر اہلِ جہنم۔ استکبار بغیر الحق — (۲۰ : ۴۶)

(۷) عیسائیوں کے رہبان وغیرہ تکبر نہیں کرتے تھے۔ یہاں مراد نرم خوئی سے ہے — (۸۲ : ۵)

(۸) فرعون نے حضرت موسےٰ کہا کہ تم (دونوں بھائی) چاہتے ہو کہ ملک میں کبریائی تمہاری قائم ہو جائے۔ یہاں سے کبریائی کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے یعنی اقتدارِ اعلیٰ — (۷۸ : ۱۰)

ابلیس کا استکبار یعنی انسان کے بیباک جذبات کی سرکشی۔

(۱) آدم کے سامنے جھکنے سے انکار۔ اور سرکشی — (۳۴ : ۲) — (۷۴—۷۵ : ۳۸)

(۲) ابلیس کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ تکبر کرتا — (۷:۱۳)

—— (۰) ——

۲۱۔ تکذیب۔کذب

تکذیب ۔ (ک ۔ ذ ۔ ب)۔کذبؔ بمقابلہ صدق آتا ہے یعنی جھوٹ ۔جھوٹ کسے کہتے ہیں' اسے قرآن کریم نے خود بتادیا ہے ۔سورۃ منافقون میں ہے کہ اے رسول! جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے ۔اس کے بعد ہے کہ خدا کو اس کا علم ہے کہ تو اس کا رسول ہے ۔لیکن یہ لوگ کاذب ہیں ۔یہاں سے کذب کے معنی واضح ہو گئے ۔یعنی کسی کی کوئی بات اگرچہ خارجی واقعہ کے مطابق ہو لیکن اگر اس کے دل اور زبان میں ہم آہنگی نہیں تو یہ کذب ہے ۔اگر کسی معاملہ میں دل اور زبان میں ہم آہنگی ہے لیکن وہ بات واقعہ کے خلاف ہے' تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے ۔ہم یہ کہیں گے کہ اُسے صحیح واقعہ کا علم نہیں ۔لہٰذا کذب کے معنی ہوں گے دیدہ دانستہ غلط بیانی کرنا ۔یا ایسی بات زبان سے کہنا جو دل سے نہ مانی جاتی ہو ۔لیکن ہر غلط اور جھوٹی بات کو کذبؔ کہا جائے گا ۔

قرآن بتاتا ہے کہ خدا کے رسول' جب اور جہاں بھی آتے رہے' لوگوں نے ان کی تکذیب کی ۔یعنی یہ کہا کہ وہ اپنے دعوئے نبوت میں جھوٹے ہیں ۔اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا ۔اگر ڈاکٹر کسی مریض سے کہے کہ اس کے اندر تپ دق کے جراثیم ہیں' اسے اس کا فوری علاج کرنا چاہیئے اور مریض یہ کہہ کر چل دے کہ ڈاکٹر جھوٹ بولتا ہے' تو اس کا نتیجہ واضح ہے ۔انبیاء کی تکذیب سے یہی مراد ہے ۔وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ جس غلط روش پر وہ چل رہے ہیں وہ انہیں تباہی کی طرف لئے جا رہی ہے ۔جو لوگ ان کی بات کو سچا مان لیتے تھے وہ اس روش کو چھوڑ کر صحیح روش اختیار کر لیتے تھے اور اس طرح تباہی سے بچ جاتے تھے ۔لیکن جو اپنی ضد اور ہٹ کی وجہ سے کہہ دیتے تھے کہ نہیں! وہ جھوٹ کہتا ہے ۔ہماری روش ہمیں کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتی' وہ تباہ ہو جاتے تھے ۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جو لوگ یہ تسلیم کریں کہ رسول سچ کہتا ہے ۔لیکن اسکے

باوجود اپنی غلط روش کو نہ چھوڑیں' وہ بھی تباہ ہو جائینگے. قرآن نے اسے بھی رسول یا دین کی تکذیب کہا ہے۔ لہٰذا جس دعوٰئے ایمان کی تصدیق انسان کے عمل سے نہیں ہوتی' وہ دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے۔ یہ تکذیب ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو اس رسول کے نام لیوا ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے بتائے ہوئے دین پر نہیں چلتے۔ یہ حالت ہم مسلمانوں کی ہے۔ ہم عملاً رسولؐ اور دین کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہ تکذیب' مخالفین کی تکذیب سے بھی بدتر ہے۔

(۰)

کِذب (جھوٹ)، کاذب (جھوٹا)

(۱) منافقین جانتے بوجھتے جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں — (۱۴ : ۵۸)
(۲) خدا کی آیات پر ایمان نہ رکھنے والے، خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں۔ یہ جھوٹے ہیں — (۱۰۵ : ۱۶)
(۳) یہودی' جھوٹ بولنے اور جھوٹ سننے کے عادی تھے — (۴۲–۴۱ : ۵)
(۴) نصاریٰ' جو خدا کی اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں تو یہ کذب ہے — (۵ : ۱۸)
(۵) قصہ حضرت یوسفؑ میں' واقعۂ قمیص کے سلسلہ میں کذب و صدق کی شہادت کا معیار — (۲۷-۲۶ : ۱۲)
(۶) جنگ میں جانے سے گریز کرنے والے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں — (۹۰ : ۹)
(۷) کاذب (کفار) صحیح راستے پر نہیں آسکتا — (۳ : ۳۹) — (۲۸ : ۴۰)
(۸) حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں تم اپنی جگہ کام کرو۔ نتائج خود بخود بتا دینگے کہ کون جھوٹا ہے اور کس کے حصے میں ذلت آتی ہے — (۹۳ : ۱۱)
(۹) دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے کہا کہ اگر (حضرت) موسٰیؑ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں تو اس کا وبال انہی پر پڑیگا۔ اور اگر وہ سچے ہیں تو تمہاری تباہی ضرور آجائے گی — (۲۸ : ۴۰)
(۱۰) وہ عظیم واقعہ رونما ہونے والا ہے اس کے وقوع پذیر ہونے میں قطعاً جھوٹ نہیں — (۲ : ۵۶)
(۱۱) رسول اللہؐ کی مخالفت کرنے والا کاذب تھا — (۱۶ : ۹۶)
(۱۲) جھوٹوں پر "شیاطین" نازل ہوتے ہیں — (۲۲۳ : ۲۶)
(۱۳) کفار' قیامت میں کہیں گے کہ اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیجدیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں۔ کہا یہ کہ جھوٹ

بولتے ہیں — (۲۷ : ۶) — (۲۸ : ۶)

(۱۴) ہم نے ان لوگوں کی طرف الحق بھیجا ہے. لیکن یہ اسے تو مانتے نہیں اور جھوٹی باتیں بناتے چلے جاتے ہیں.
(۹۰ : ۲۳)

(۱۵) خدا منافقین کے متعلق جانتا ہے کہ وہ جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں — (۴۲ : ۹) — (۴۳ : ۹) — (۱۱ : ۵۹)
(۱ : ۶۳)

(۱۶) حشر میں معبودان اپنے متبعین کے متعلق کہیں گے کہ یہ جھوٹے ہیں. ہم نے انہیں اپنی پرستش کے لئے نہیں کہا تھا — (۸۶ : ۱۶)

(۱۷) یہ (منافقین) قسمیں کھا کھا کر اپنی بات کو پیش کرینگے. لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں — (۱۸ : ۵۸)

(۱۸) جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ جھوٹ افترا کرتے ہیں. یہ جھوٹے ہیں — (۱۰۵ : ۱۶)

(۱۹) واقعۂ اِفک کے متعلق کہا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں — (۱۳ : ۲۴)

(۲۰) حیات بعد الممات برحق ہے. اور یہ لوگ جو اس کا انکار کرتے ہیں، جھوٹے ہیں — (۳۹ : ۱۶)

(۲۱) قصۂ حضرت یوسفؑ میں، اُن کے کارندوں نے اُن کے بھائیوں سے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری سزا کیا ہوگی — (۷۴ : ۱۲)

(۲۲) مصائب اور مشکلات اس لئے پیش آتی ہیں کہ دعوائے ایمان میں جھوٹے اور سچے کی پرکھ ہو جائے — (۳ : ۲۹)

(۲۳) "مباہلہ" کے ضمن میں کہا کہ جھوٹ بولنے والے، خدا کی نوازشات سے محروم رہ جاتے ہیں تفصیل کیلئے عنوانات "مباہلہ" اور "لعنت" دیکھئے — (۶۰ : ۳)

(۲۴) "لعان" میں یہ کہا جائے کہ جو جھوٹا ہو وہ خدا کی نوازشوں سے محروم رہے — (۷ : ۲۴) — (۸ : ۲۴)

(۲۵) حضرت سلیمان نے ہدہد کا بیان سنکر کہا کہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم جھوٹے ہو یا سچے — (۲۷ : ۲۷)

(۲۶) ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے مکذبین کون ہیں — (۴۹ : ۶۹)

(۲۷) مکذبین جہنم میں ہونگے — (۹۲ : ۵۶)

(۲۸) اقوامِ سابقہ کے احوال دکوائف کو دیکھو کہ مکذبین کا انجام کیا ہوا — (۱۳۶ : ۳) — (۱۱ : ۶) —
(۳۶ : ۱۶) — (۲۵ : ۴۳)

(۲۹) مکذبین کی اطاعت مت کرو — (۸ : ۶۸)

(۳۰) اعمال کے نتائج کے سامنے آنے کے وقت مکذبین کی تباہی ہوگی —(۱۱ : ۵۲)—(۱۶ : ۷۷)

(۴۹ ؛ ۴۷ ؛ ۴۵ ؛ ۴۰ ؛ ۳۷ ؛ ۳۴ ؛ ۲۸ ؛ ۲۴ ؛ ۱۹ : ۷۷)—(۱۰ : ۸۳)

(۳۱) رسول اللہ سے کہا گیا کہ یہ جو تکذیب کرتا ہے اسے ہمارے قانونِ مکافات کے سپرد کر دو —

(۴۴ : ۶۸)—(۱۱ : ۷۳)

خدا کی تکذیب

(یعنی اپنی طرف سے جھوٹی بات بنانا اور اُسے منسوب کر دینا خدا کی طرف۔ مذہبی پیشوا یہی کرتے ہیں)

(۱) اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو خدا کے خلاف افترا کرے، یا اس کے قوانین کی تکذیب کرے۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے —(۳ : ۹۳)—(۴ : ۵۰)—(۵ : ۱۰۳)—(۶ : ۲۱)—(۶ : ۹۴)

—(۶ : ۱۴۴)—(۷ : ۳۷)—(۱۰ : ۱۷)—(۱۱ : ۱۸)—(۱۸ : ۱۵)—(۲۹ : ۶۸)—(۳۹ : ۳۲)

(۶۱ : ۷)

(۲) یہ لوگ جانتے بوجھتے خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں —(۳ : ۷۴)—(۳ : ۷۸)

(۳) ایسے لوگ خدا کے قانونِ مکافات کے متعلق دل میں کیا خیال کئے بیٹھے ہیں —(۱۰ : ۶۰)

(۴) ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے —(۱۰ : ۶۹)—(۱۶ : ۱۱۶)

(۵) خدا کی طرف ایسی جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں جنہیں یہ خود اپنے لئے بھی پسند نہ کریں اور سمجھتے یہ ہیں کہ یہ ان کے حق میں بڑی اچھی بات ہے —(۱۶ : ۶۲)

(۶) ایسے کرنے والوں کا قوانینِ خداوندی پر ایمان نہیں ہوتا —(۱۶ : ۱۰۵)

(۷) حضرت موسیٰ نے قوم فرعون سے کہا کہ خدا کے خلاف کذب کیوں تراشتے ہو —(۲۰ : ۶۱)

(۸) وحشی قبیلہ کے افراد (جن) نے جب قرآن سنا تو جا کر اپنے لوگوں سے کہنے لگے کہ ہم سمجھتے تھے کہ شہری اور قبائلی لوگ خدا کے خلاف جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے —(۷۲ : ۵)

(۹) خود حلال اور حرام کی فہرستیں مرتب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے —(۱۶ : ۱۱۶)

(۱۰) یہ بھی کہنے لگ جاتے ہیں کہ ان کی طرف وحی آتی ہے —(۶ : ۹۳)

(۱۱) اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا کے خلاف کذب باندھے — (۶ : ۲۱)—(۶ : ۹۳ ; ۱۴۴)—
(۷ : ۳۸)—(۱۰ : ۱۷)—(۱۱ : ۱۸)—(۱۸ : ۱۵)۔ خدا کے خلاف افترا باندھے اور جب حق سامنے
آئے تو اس کی تکذیب کرے — (۲۹ : ۶۸)

(۱۲) خود وضع کردہ کتاب اور شریعت کو خدا کی کتاب کہہ کر پیش کرتے ہیں — (۳ : ۷۸)

اقوامِ سابقہ کی طرف سے تکذیب

(۱) فرعون (اور اس کی قوم) نے حضرت موسیٰؑ کی تکذیب کی — (۳ : ۱۰)—(۷ : ۱۳۶)—(۸ : ۵۴)
(۲۰ : ۴۸)—(۲۰ : ۵۶)—(۲۲ : ۴۴)—(۲۳ : ۴۸)—(۲۵ : ۳۶)—(۲۶ : ۱۲)—(۲۸ : ۳۴)
(۲۸ : ۳۸)—(۴۰ : ۲۴)—(۵۴ : ۴۲)—(۷۹ : ۲۱)

قومِ فرعون کے مردِ مومن نے کہا کہ اگر موسیٰؑ جھوٹ بولتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا — (۴۰ : ۲۸)

(۲) قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ کی تکذیب کی — (۵۴ : ۲۵)۔ انہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے۔
(۱۵ : ۸۰)—(۲۶ : ۱۴۱)—(۵۴ : ۲۴)—(۶۹ : ۴)—(۹۱ : ۱۱ ; ۱۴)

(۳) قومِ شعیبؑ نے تکذیب کی — (۲۶ : ۱۷۶)۔ کہا کہ اگر ہم شعیبؑ کی بات مان لیں گے تو یہ خدا کے خلاف
کذب ہوگا — (۷ : ۸۹)—(۷ : ۹۲)—(۲۶ : ۱۸۶)—(۲۶ : ۱۸۹)—(۲۹ : ۳۷)

(۴) جملہ اقوامِ سابقہ نے تکذیبِ رسل کی — (۵۴ : ۸)—(۱۷ : ۵۹)—(۲۳ : ۴۴)—(۲۹ : ۱۸)—
(۳۸ : ۱۲–۱۴)—(۴۰ : ۵) (۵۰ : ۱۲–۱۴)—(۶۷ : ۱۸)

(۵) قومِ نوحؑ نے تکذیب کی — (۷ : ۶۴)—(۱۰ : ۷۳)—(۱۱ : ۲۷)—(۲۱ : ۷۶–۷۷)—(۲۳ : ۳۸)
(۲۵ : ۳۷)—(۲۶ : ۱۰۵)—(۲۶ : ۱۱۷)—(۵۴ : ۹)

قومِ نوحؑ کے بعد ایک قوم کی طرف سے تکذیب — (۲۳ : ۳۳)—(۲۳ : ۳۹)

(۶) قومِ عاد نے بھی تکذیب کی — (۷ : ۶۶)—(۷ : ۷۲)—(۲۶ : ۱۲۳)—(۲۶ : ۱۳۹)—(۵۴ : ۱۷)—(۶۹ : ۴)

(۷) قومِ لوطؑ نے بھی تکذیب کی — (۲۶ : ۱۶۰)—(۵۴ : ۳۳)

(۸) بنی اسرائیل نے تکذیبِ رسل کی — (۲ : ۸۷)—(۵ : ۷۱)—(۵ : ۶۲)

(۹) قوموں کا وطیرہ یہ تھا کہ جس بات سے ایک دفعہ انکار کر دیا، پھر اس پر غور و فکر ہی نہ کیا۔ اور اس سے

برابر انکار کئے جاتے رہے — (۱۰۱ : ۷) — (۷۴ : ۱۰)

(۱۰) ایک بستی کا ذکر جس کے رہنے والوں نے تکذیبِ رسول کی تو گرفتارِ عذاب ہو گئے — (۱۱۳ : ۱۶) — (۱۴ : ۳۶) — (۱۵ : ۳۶)

(۱۱) قوم حضرت الیاسؑ نے تکذیب کی — (۱۲۷ : ۳۷)

(۱۲) حضرت ابراہیمؑ کی بھی تکذیب ہوئی — (۱۸ : ۲۹)

مخالفین کی طرف سے رسول اللہ کی تکذیب

(۱) جب رسول انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے متنبہ کرتا ہے تو یہ اسے ساحر اور کذّاب کہتے ہیں — (۴ : ۳۸)، نیز مجنون — (۸ : ۳۸)

(۲) اے رسول! اگر یہ لوگ تیری تکذیب کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تمام انبیاء سابقہ کی اسی طرح تکذیب ہوتی رہی ہے — (۱۸۳ : ۳) — (۳۴ : ۶) — (۴۲ : ۲۲) — (۱۸ : ۲۹) — (۲۵ : ۳۴) — (۴ : ۳۵) — (۲۵ : ۳۵) — (۲۵ : ۳۹) — (۱۸ : ۶۷)

(۳) اگر یہ تیری تکذیب کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ اس کا نتیجہ ان کی اپنی تباہی ہوگا — (۴۸ : ۶)

(۴) یہ لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ (i) انہوں نے علم کی رو سے پرکھ کر دیکھا ہے کہ اس کے دعاوی کیا ہیں۔ (ii) نہ ہی یہ دیکھا ہے کہ تاریخی شواہد ان دعاوی کی تائید کرتے ہیں یا نہیں۔ اور (iii) نہ ہی اس کا انتظار کیا ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ دعاوی اپنے نتائج مرتب کرتے ہیں یا نہیں۔ (۳۹ : ۱۰)

(۵) جو تکذیب کرتا اور منہ پھیر کر چل دیتا ہے، اس کا نتیجہ ظاہر ہے — (۳۱-۳۲ : ۷۵)۔ اس آیت میں صَدَّقَ کے مقابلہ میں کَذَّبَ آیا ہے — (۱۳ : ۹۶)

(۶) یہ السّاعۃ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ تباہی ہے — (۱۱ : ۲۵)

(۷) تیری قوم، قرآن کی تکذیب کرتی ہے — (۶۶ : ۶)

(۸) یہ تیری تکذیب نہیں کرتے، قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں — (۳۳ : ۶)

(۹) رسول اللہ بیّنات پیش کرتے تھے اور مخالفین ان کی تکذیب کرتے تھے — (۵۷ : ۶)

(۱۰) ان کی تکذیب سے آپ آزردہ اور افسردہ خاطر نہ ہوں۔ ثابت قدمی سے اپنے مشن پر جمے رہیں۔ (۳۴ : ۶)

(۱۱) اگر یہ تیری تکذیب کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم اپنی روش کے مطابق کام کرو۔ میں اپنی روش کے مطابق کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دینگے کہ حق پر کون ہے — (۱۰ : ۴۱)

(۱۲) یہ لوگ حق کی تکذیب کرتے ہیں — (۶ : ۵) — (۵۰ : ۵)

(۱۳) انہوں نے تکذیب کی ہے تو اس کا نتیجہ ان کے سامنے آجائیگا — (۶ : ۵) — (۲۶ : ۶)

(۱۴) قوانینِ خداوندی کی تکذیب اور اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں — (۵۴ : ۳)

(۱۵) چند حقائق بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس کے بعد الدّین کی تکذیب کون کر سکتا ہے؟ یعنی ان حقائق کی تکذیب ہو نہیں سکتی۔ جو ایسا کریگا محض ضد اور تعصب کی بنا پر کریگا — (۹۵ : ۷)

(۱۶) خدا جانتا ہے کہ تم میں مکذبین ہیں — (۶۹ : ۴۹)

(۱۷) یہ لوگ۔ الدّین۔ یعنی قانونِ مکافاتِ عمل کی تکذیب کرتے ہیں — (۸۲ : ۹-۱۲)

(۱۸) تکذیبِ آیات کرنے والے کو میرے (قانونِ مکافات کے) حوالے کر دو — (۶۸ : ۴۴)

(۱۹) کفار، حضورؐ کو ساحر اور کذّاب کہتے تھے — (۳۸ : ۴)

عملاً تکذیب۔ یعنی دعوئے ایمان کے باوجود تکذیب

(۱) یہ کہنا کہ اگر خدا کو منظور ہوتا تو ہم ایسا نہ کرتے، خدا پر ایمان کی تکذیب ہے — (۶ : ۱۴۹)۔ ایمان یہ ہے کہ انسان اپنی غلطیوں کی ذمہ واریوں کا اعتراف کرے نہ کہ انہیں خدا کی طرف منسوب کر کے 'بری الذمہ' ہو جائے۔

(۲) کتابوں کو اٹھائے اٹھائے پھرنا اور ان پر عمل نہ کرنا، تکذیبِ آیات ہے — (۵ : ۶۲)

(۳) دین کی تکذیب کون کرتا ہے؟ وہ جو دعوئے ایمان کے باوجود، یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ مسکین کے رزق کا اہتمام نہ خود کرتا ہے نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔ جو صلوٰۃ کے ظواہر ادا کر کے مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں نے فریضۂ خداوندی ادا کر دیا ہے۔ جو رزق کے سرچشموں کو روک لیتا ہے۔ (۱۰۷ : ۱-۷)

(۴) جہاد کے لئے نہ نکلنا اور عذر تراشیاں کرنا، خدا اور رسول کی تکذیب ہے — (۹ : ۹۰)

تکذیب کا نتیجہ

(۱) تکذیب کا نتیجہ تباہی ہے — (۳ : ۱۱) — (۶ : ۴۹) — (۶ : ۱۴۸-۱۴۹) — (۸ : ۵۴) — (۲۰ : ۴۸)

(۱۱ : ۲۵) — (۳۶ : ۲۵) — (۱۰ : ۳۰) — (۱۴ : ۳۸) — (۲۵ : ۳۹) — (۱۴ : ۵۰) — (۱۸ : ۶۷)

عذابِ الیم —(۱۰ : ۲) ۔ عذابِ مہین —(۵۷ : ۲۲)

(۲) جہنم اس کے لئے ہے جو تکذیب کرتا ہے اور منہ پھیر کر چل دیتا ہے — (۳۶ : ۷) —(۱۶ : ۹۲)

(۳) ان مخاطبین کو تو ابھی اس تباہی کا عشرِ عشیر بھی نہیں ملا جو ان سے پہلے کے مکذبین کے حصہ میں آیا تھا۔

(۴۵ : ۳۴)

(۴) جو حسنِ معاشرہ کی تکذیب کرتا ہے اس پر زندگی تنگ ہو جاتی ہے — (۹-۱۰ : ۹۲)

(۵) اہل جہنم وہ ہیں جو قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں — (۳۹ : ۲) —(۱۰ : ۵) — (۸۶ : ۵)

(۱۰۵ : ۲۳) — (۸۳-۸۴ : ۲۷) — (۵۹-۶۰ : ۳۹) — (۷۰-۷۲ : ۴۰) — (۱۹ : ۵۷) — (۱۰ : ۶۴)

(۹ : ۶۷) — (۲۸ : ۷۸)

(۶) تکذیبِ آیات کرنے والے گونگے، بہرے، تاریکیوں میں رہتے ہیں — (۳۹ : ۶) —(۶۴ : ۷)

(۷) تکذیب کا نتیجہ مرتب ہو کر رہے گا — (۷۷ : ۲۵)۔ انجام تباہی ہوگا —(۱۰ : ۳۰) —(۳ : ۵۴)

(۸) حق کی تکذیب درحقیقت انسان کی خود اپنے آپ کی تکذیب ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ اس کی ذات کے خلاف پڑتا ہے — (۲۴ : ۶) — (۱۷۷ : ۷) — (۴۲ : ۹)

(۹) تکذیبِ آیات کرنے والوں پر آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ وہ جنت میں نہیں جا سکیں گے۔

(۴۰ : ۷)

(۱۰) تکذیبِ آیات سے انسان پستیوں میں گر جاتا ہے۔ ہوس سے اس کی حالت کتے کی سی ہو جاتی ہے۔ یہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں — (۱۷۶-۱۷۷ : ۷)

(۱۱) تکذیبِ آیات سے قوم کی جڑیں کٹ جاتی ہیں — (۷۲ : ۷)۔ ان کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ (۱۴۷ : ۷)

(۱۲) لقاء اللہ (قانونِ مکافات) کی تکذیب کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں — (۳۱ : ۶) — (۴۵ : ۱۰) — (۱۶ : ۳۰)

(۱۳) تکذیبِ آیات کرنے والے بتدریج تباہی کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں — (۱۸۲ : ۷)

(۱۴) ایسی قوم کی دولت و حکومت دوسری قوموں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے — (۱۳۶-۱۳۷ : ۷) بھوک اور خوف کا عذاب اس پر مسلط ہو جاتا ہے — (۱۱۲-۱۱۳ : ۱۶)

(۱۵) اقوامِ سابقہ کے احوال و کوائف پر غور کرو اور دیکھو کہ مکذّبین کا انجام کیا ہوا۔(۱۳۶ : ۳)۔

(۶ : ۱۱)۔(۱۶ : ۳۶)۔(۴۲ : ۲۵)

(۱۶) حضرت صالحؑ نے قوم سے کہا کہ تمہاری تباہی آجائے گی اور یہ وہ وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا ثابت نہیں ہوگا۔

(۱۱ : ۶۵)

(۱۷) اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ جس عذاب کی تم تکذیب کیا کرتے تھے اس کا اب مزہ چکھو۔(۳۲ : ۲۰)

(۳۴ : ۴۲)۔(۵۲ : ۱۴)۔(۵۵ : ۴۰)۔(۷۷ : ۳۰)۔(۸۳ : ۱۷)

(۱۸) یہ ہے وہ یومِ الفصل جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔(۲۱ : ۳۷)۔ نیز یوم الدین۔(۸۲ : ۹)۔(۸۳ : ۱۱)

(۱۹) کفر و تکذیب ایک ہی بات ہے۔(۸۴ : ۲۲)۔(۸۵ : ۱۹)

(۲۰) جہنم میں کفار کہیں گے کہ ہم یومِ الدین کی تکذیب کیا کرتے تھے۔(۷۴ : ۴۶)

(۲۱) اعمال کے نتائج سامنے آنے کے وقت مکذّبین کی تباہی۔(۵۲ : ۱۱)۔(۷۷ : ۱۴)

(۷۷ : ۱۹؛ ۲۴؛ ۲۸؛ ۳۴؛ ۳۷؛ ۴۰؛ ۴۵؛ ۴۷؛ ۴۹)۔(۸۳ : ۱۰-۱۲)

(۲۲) قیامت میں تکذیبِ آیات کرنے والوں کا حشر۔(۲۷ : ۸۳-۸۵)

(۲۳) تکذیب کرنے والوں کو ہمارے قانونِ مکافات کے حوالے کر دو۔(۶۸ : ۴۴)۔(۷۳ : ۱۱)

(۲۴) تکذیب سے منافقت کا مرض بڑھتا ہے اور اس سے الم انگیز عذاب آجاتا ہے۔(۲ : ۱۰)۔(۹ : ۷۷)

(۲۵) تکذیبِ حق سے اِس دنیا میں بھی ذلت کا عذاب آتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ ہے۔

(۳۹ : ۲۶)

متفرقات

(۱) جنت (اور جنتی معاشرہ) میں لغو اور جھوٹ کی کوئی بات سنائی نہیں دیگی۔(۷۸ : ۳۵)

(۲) رسول کا دل اس کی وحی کی صداقت کی تائید کرتا ہے۔(۵۳ : ۱۱)

(۳) یوسفؑ کے بھائی، اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے۔(۱۲ : ۱۸)

(۴) نتائج برآمد ہونے میں دیر لگ جائے تو وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے کہ ہم کامیاب ہو گئے۔(۱۲ : ۱۱۰)

(۵) تکذیبِ آیات کرنے والوں کا اتباع مت کرو —— (۶ : ۱۵۱) —— (۶۸ : ۸)

(۶) جن لوگوں کو یہ لوگ اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں وہ انہیں قیامت میں جھٹلائیں گے —— (۱۹ : ۲۵)

(۷) تم خدا کی کون کونسی نعمتوں اور قدرتوں کی تکذیب کرو گے۔ (سورۃ الرحمٰن ۵۵ میں یہ شروع سے آخر تک متعدد بار آیا ہے)

(۸) مذہبی پیشواؤں سے کہا کہ تم قرآن کو جھٹلاتے ہو تاکہ اس سے اپنی روٹی کا سامان کرو —— (۵۶ : ۸۲)

(۹) تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مساکین کے کھانے کے لئے دوسروں کو ترغیب نہیں دیتا۔ صلوٰۃ محض دکھاوے کی ہوتی ہے۔ اور جس رزق کو بہتے پانی کی طرح رہنا چاہیئے اسے روک کر رکھ لیتا ہے —— (۱۰۷ : ۱-۷)

(۱۰) تکذیبِ آیات کرنے والے درحقیقت اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں —— (۵۰ : ۲)

—— (۰) ——

۲۲۔ تلاوت

(نیز دیکھئے۔ قرآن۔ قرأت)

تلاوت۔ (ت۔ ل۔ و) کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ اس کا اتباع اور اطاعت کرنا۔ چونکہ کتاب میں دیئے ہوئے احکام کی اطاعت کرنے کے لئے اس کتاب کا پڑھنا ضروری ہوتا ہے اس لئے تلاوت کے عام معنی پڑھنا یا احکام کا دوسروں کے سامنے پیش کرنا بھی لئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اپنے احکام رسول کے سامنے پیش کرتا (یا اس تک پہنچاتا) تھا اور رسول ان احکام کو دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اسے بھی تلاوتِ احکام کہا جاتا ہے۔ اور لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ ان احکام کو پڑھیں، سمجھیں اور ان کی اطاعت کریں۔ اسے بھی تلاوتِ احکام کہا جاتا ہے۔ یاد رکھئے۔ محض پڑھنے کو قرأت کہا جائے گا، لیکن پڑھ کر (یا ویسے ہی) احکام کی اطاعت کرنے کو تلاوت کہا جائے گا۔ یہ جو ہمارے ہاں قرآن کریم کے صرف پڑھ لینے کو تلاوت کہتے ہیں تو یہ اس لفظ کا صحیح مفہوم نہیں۔ قرآن کریم کا صرف پڑھ لینا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اسے تلاوتِ قرآن کہہ ہی نہیں سکتے۔ سورہ بقرہ میں اہلِ کتاب کے ایک گروہ کے متعلق ہے۔ وَ مِنْهُمْ

اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّآ اَمَانِيَّ ـــــ (۲ : ۷۸). اس میں امانی کے معنی جھوٹی آرزوئیں بھی ہیں لیکن اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ " ان میں اَن پڑھ بھی ہیں جو کتاب کو صرف پڑھ لیتے ہیں . اس کا مطلب کچھ نہیں سمجھتے " ویسے بھی، کسی کتاب کو بلا سمجھے پڑھنا ' بے معنی ہے . لہٰذا تلاوت سے مراد ہے کتاب اللہ کو سمجھ کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا . یا ویسے ہی اس کی اطاعت کرنا . مومنین کا یہی شعار بتایا گیا ہے . اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ـــــ (۲ : ۱۲۱) . یہ لوگ اس کتاب کی تلاوت (اتباع) کرتے ہیں جیسا کہ اتباع کرنے کا حق ہے . یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں . ظاہر ہے کہ اس سے مراد ' کتاب اللہ کی اطاعت کرنا ہے نہ کہ صرف اسے پڑھنا . کیونکہ اسے پڑھتے تو غیر مسلم بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے .

اس عقیدہ نے کہ قرآن شریف کو بلا سمجھے پڑھنے سے بھی " ثواب " ہوتا ہے ' امت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا ہے .

خدا کی طرف سے تلاوتِ احکام

(۱) یہ ہیں وہ احکام جنہیں ' اے رسول ! ہم تیرے سامنے پیش کرتے ہیں ـــــ (۳ : ۵۷)

(۲) ہم تیرے سامنے قصۂ فرعون و موسیٰ پیش کرتے ہیں ـــــ (۲۸ : ۳)

(۳) یہ احکامِ خداوندی ہیں جنہیں ہم تیری طرف بھیجتے (یا پیش کرتے) ہیں ـــــ (۲ : ۲۵۲) ـــــ (۳ : ۱۰۷ ؛ ۴۵ : ۶)

(۴) یتامی النساء کے متعلق احکام ـــــ (۴ : ۱۲۷)

(۵) حلت و حرمت کے متعلق احکام ـــــ (۵ : ۱) ـــــ (۲۲ : ۳۰)

(۶) کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ خدا نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے جسے تو ان کے سامنے پیش کرتا ہے ـــــ (۲۹ : ۵۱)

رسول کی طرف سے تلاوتِ احکام

(۱) دعائے ابراہیمی کہ میری نسل میں ایسا رسول پیدا کر جو ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کرتے . (۲ : ۱۲۹)

(۲) ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو تمہارے سامنے ہمارے احکام پیش کرتا ہے۔ (۲ : ۱۵۱)۔
یہ خدا کا احسان ہے مومنین پر ۔۔۔ (۳ : ۱۶۳)

(۳) اُمیوں کی طرف رسول بھیجا جو ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کرتا ہے ۔۔۔ (۶۲ : ۲)

(۴) خدا کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان میں ایسا رسول نہ بھیجدے جو ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کرے ۔۔۔ (۲۸ : ۵۹)

(۵) رسول احکامِ خداوندی پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے آئے ۔۔۔ (۶۵ : ۱۱)

(۶) رسول ان کے سامنے پاکیزہ صحیفے پیش کرتا ہے ۔۔۔ (۹۸ : ۲)

(۷) اہلِ جہنم سے کہا جائیگا کہ کیا تمہارے پاس میرے رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے سامنے میرے احکام پیش کرتے تھے ۔۔۔ (۶۶ : ۲۳) ۔۔۔ (۲۳ : ۱۰۵) ۔۔۔ (۳۹ : ۷۱) ۔۔۔ (۳۱ : ۴۵)

(۸) رسول خود بھی احکامِ خداوندی کی تلاوت (پیروی) کرتا تھا، اور اس پیروی کے زندہ نتائج اسکے دعوٰے کی صداقت کے گواہ بنتے جاتے تھے ۔۔۔ (۱۱ : ۱۷)

(۹) رسول اللہ خود اپنے اہلِ خانہ (ازواجِ مطہرات) کے سامنے بھی کتاب و حکمت پیش کرتے تھے۔ اور ان پر وہاں عمل ہوتا تھا ۔۔۔ (۳۳ : ۳۴)

(۱۰) اے رسول! جب تو ہمارے احکام ان کے سامنے پیش کر رہا ہوتا ہے تو ہم اس پر شاہد ہوتے ہیں۔ (۱۰ : ۶۱)

(۱۱) اے رسول! تم اہلِ مدین کے پاس موجود نہیں تھے اور ان کے سامنے ہمارے احکام پیش نہیں کرتے تھے جو تمہیں اِن واقعات کا علم ہوجاتا۔ یہ تو ہم بذریعہ وحی تمہیں بتا رہے ہیں ۔۔۔ (۲۸ : ۴۴)

(۱۲) رسول اللہ، نبوت سے پہلے تلاوتِ کتاب یا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ یہاں تلاوت سے مراد کتاب کا پڑھنا ہے۔ نبوت سے پہلے حضورؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ کیفیت نہیں تھی۔ (۲۹ : ۴۸)

(۱۳) تمہیں رسول بنایا ہے تاکہ تو ان لوگوں کے سامنے ہمارے احکام پیش کرے ۔۔۔ (۱۳ : ۳۰)

(۱۴) مومنین سے کہا گیا کہ تم کیسے کفر کرسکتے ہو جب تمہارے سامنے آیاتِ خداوندی پیش کی جاتی ہیں ۔۔۔ (۳ : ۱۰۰)

(۱۵) ان (کفار) کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں اور یہ ان سے سرکشی برتتے ہیں ۔۔۔ (۳۱ : ۷)

(۸ : ۴۵)

(۱۶) میں تمہیں بتاتا ہوں (اتل علیکم) جو خدا نے حرام کیا ہے ۔۔۔ (۶ : ۱۵۲)

(۱۷) اے رسول! جو تم پر وحی کیا جاتا ہے اسے لوگوں کے سامنے پیش کر ــــ (۴۵ : ۲۹)
(۱۸) ان کے سامنے آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کر ــــ (۲۷ : ۵)
(۱۹) ان سے (بطورِ مثال) اس شخص کی کیفیت بیان کر جسے احکامِ خداوندی دیئے گئے تو وہ انہیں چھوڑ کر صاف نکل گیا ــــ (۱۷۵ : ۷)
(۲۰) ان سے داستانِ حضرت نوحؑ بیان کر ــــ (۷۱ : ۱۰) داستانِ ابراہیمؑ بھی ــــ (۶۹ : ۲۶)
(۲۱) ان سے کہو کہ مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پیش کروں ــــ (۲۷ : ۱۸)ــ(۲۷:۹۲)
(۲۲) ان سے کہو کہ میں تمہیں ذوالقرنین کی داستان بتاتا ہوں ــــ (۸۳ : ۱۸)
(۲۳) رسول کا اعلان کہ اگر یہ خدا کی مشیت میں نہ ہوتا تو میں احکامِ خداوندی تمہارے سامنے کبھی پیش نہ کر سکتا ــــ (۱۶ : ۱۰)
(۲۴) جب اہلِ کتاب کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا ہے تو ان میں بعض لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ (۵۳ : ۲۸)
(۲۵) رسول اللہ سے حکم کہ جس قدر آسانی سے ہو سکے اتنا قرآن پڑھو۔ یہاں لفظ قرأت آیا ہے۔ (۲۰ : ۷۳)
(۲۶) جب کفار کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی اس جیسا قرآن بنا سکتے ہیں ــــ (۳۱ : ۸)۔ یا ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ اس قرآن کے بجائے ہماری منشار کے مطابق کوئی قرآن لاؤ (۱۵ : ۱۰)۔ اور مومنین سے کہتے ہیں کہ بتایئے! کس کا مقام بہتر ہے ــــ (۷۳ : ۱۹)۔ ان کے چہرے نفرت سے کشیدہ ہو جاتے ہیں ــــ (۷۲ : ۲۲)۔ اور تکذیب کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ــــ (۷ : ۳۱)ــ(۴۳ : ۳۴)ــ(۸ : ۴۵)ــ(۲۵ : ۴۵)۔ کہتے ہیں یہ جادو ہے ــــ (۷ : ۴۶) اساطیر الاولین ہے ــ(۱۵ : ۶۸)ــ(۱۳ : ۸۳)

مومنین کی طرف سے تلاوتِ قرآن

(۱) اہلِ کتاب میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کتاب اللہ کو پڑھتے ہیں، اور اس پر عمل کرتے ہیں ــ (۱۱۲ : ۳)
(۲) مومن تلاوتِ احکام کرتے ہیں (ان کی پیروی کرتے ہیں) اور اس طرح نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ (۲۹ : ۳۵)

(۳) مومن، کتاب اللہ کی تلاوت (پیروی) کرتے ہیں جیسا کہ پیروی کرنے کا حق ہے۔ یہی لوگ ہیں جو درحقیقت اس پر ایمان لاتے ہیں — (۱۲۱ : ۲)

(۴) جب مومنین کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ (۱۰۷ : ۱۷) اور ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے — (۲ : ۸)۔ یہ خشوعِ قلب سے جھک جاتے ہیں — (۵۸ : ۱۹)

(۵) مومنین جب کفار کے سامنے آیات اللہ پیش کرتے ہیں تو وہ ان پر حملہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں — (۷۲ : ۲۲)

متفرقات

(۱) یہود، نصاریٰ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ باطل پر ہیں۔ اور نصاریٰ، یہود کے متعلق یہی کہتے ہیں۔ حالانکہ دونوں، ایک ہی کتاب (عہد نامہ عتیق) کی تلاوت کے مدعی ہیں۔ یعنی ان کا دعوٰے یہ ہے کہ وہ اس کتاب کی پیروی کرتے ہیں — (۱۱۳ : ۲)

(۲) جب ان کفار کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو یہ چیز ان پر بڑی ناگوار گذرتی ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ان احکام کے پیش کرنیوالوں پر جھپٹ پڑیں — (۷۲ : ۲۲)

(۳) اہل کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں کہ جب ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان پر ایمان لے آتے ہیں — (۵۳ : ۲۸)

(۴) مسلمانوں کے لئے تمام مویشی حلال ہیں بجز ان کے جن کے متعلق قرآن میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ حرام ہیں — (۱ : ۵) — (۳۰ : ۲۲)

(۵) بے خاوندکی عورتوں کے متعلق قرآن میں احکام دے دیئے گئے ہیں — (۱۲۷ : ۴)

(۶) یہ لوگ احکامِ خداوندی کا اتباع نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ مفسدین نے مملکتِ سلیمانی کے خلاف پھیلا رکھا تھا، اس کے پیچھے لگتے تھے — (۱۰۲ : ۲)

(۷) انبیاء سابقہ کی امتوں کے سامنے جب احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے تھے تو وہ لوگ ان کے سامنے جھک جاتے تھے — (۵۸ : ۱۹)

(۸) جب ان (کفار) کے سامنے آیاتِ خداوندی پیش کی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں

کی کہانیاں ہیں۔ (۱۵ : ۶۸) یا اس سے متکبرانہ اعراض کرتے ہیں ۔۔۔(۳۱ : ۸)۔۔(۱۵ : ۱۰)
(۴۳ : ۱۹)۔۔(۲۲ : ۷۲)۔۔(۷ : ۳۱)۔۔(۴۳ : ۳۴)۔۔(۲۵ : ۴۵)۔۔(۷ : ۴۶)

(۹) اہلِ کتاب سے کہا گیا کہ تورات لاؤ۔ اور اسے پیش کر کے بتاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔(۳ : ۹۲)

(۱۰) مخالفین کہتے تھے کہ قرآن داستانِ پارینہ ہے جسے یہ رسول کہیں سے لکھ یا لکھوا لیتا ہے۔ اور پھر صبح و شام، یہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن، رسول اللہ کے زمانے ہی میں لکھا ہوا موجود تھا۔ اور اسے باقاعدہ پڑھا جاتا تھا۔۔۔(۵ : ۲۵)

(۱۱) اہلِ کتاب لوگوں کو نصائح کرتے اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے تھے حالانکہ وہ تلاوتِ کتاب بھی کرتے تھے ۔۔۔ (۲ : ۴۴)

(۱۲) چاند، سورج کے پیچھے پیچھے پھرتا ہے کہ اس سے روشنی مستعار لے لے۔ یہاں سے تلاوت (تلٰها) کے معانی واضح ہو جاتے ہیں ۔۔۔(۲ : ۹۱)

—— (۰) ——

۲۳۔ تناسخ

تناسخ۔ بعض یونانی فلاسفروں نے یہ تصور دیا تھا کہ انسان مرنے کے بعد پھر اسی دنیا میں، کسی دوسری شکل میں واپس آجاتا ہے۔ اور آنے جانے کا یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا ہے۔ انہی سے یہ تصور ہندوؤں نے مستعار لیا اور ان کے دھرم کا بنیادی جزو بن گیا۔ آواگون کا چکر اسی عقیدہ کا پیدا کردہ ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے انسان، اپنے کرموں (اعمال) کا پھل لینے کے لئے پھر اسی دنیا میں آتا ہے۔ کبھی انسان کی شکل میں اور بیشتر حیوانات وغیرہ کے پیکر میں۔ ان کے عقیدہ کی رُو سے ورنوں (ذاتوں) کی تقسیم (برہمن، کھشتری، ویش اور شودر) بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ بدھ مت کی رُو سے بھی انسان انہی چکروں میں پھنسا رہتا ہے تاآنکہ وہ اپنے آپ کو فنا کر کے، اپنی ہستی کو ختم کر ڈالتا ہے۔ اور یہی (نروان) ان کے نزدیک، انسانی زندگی کا منتہیٰ ہے۔

قرآنِ کریم کا عطا کردہ تصور اس سے مختلف ہے۔ اس کے دیئے ہوئے تصور کی رو سے، زندگی

مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی پیکرِ بشریت میں نمودار ہوتی ہے۔ جہاں اسے طبیعی زندگی کے علاوہ ذات (PERSONALITY) بھی ملی ہے جس میں مزید ارتقائی منازل طے کر کے، بلند سے بلند تر ہوتے چلے جانے کے لامتناہی امکانات ہیں۔ اس دنیا کی زندگی، ذات کی نشو و نما کی اولین اسٹیج ہے۔ مرنے کے بعد، فرد کی اگلی زندگی، اس دنیا میں نہیں، بلکہ کسی اور سطح پر ہوگی جس کا ہم اِس وقت ادراک نہیں کر سکتے۔ اُس زندگی کی سطح کا تعین انسان کے اِس دنیا کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ مرنے کے بعد انسان اِس دنیا میں واپس نہیں آسکے گا۔ قرآن، اِس عقیدہ (تناسخ) کی بڑے زور سے تردید کرتا ہے۔ اس کی رُو سے زندگی کی حرکت دَوری (CYCLIC) نہیں بلکہ وہ ایک سیدھی اور توازن بدوش راہ (صراطِ مستقیم) پر آگے کو چلتی ہے۔ وہ ایک جوئے رواں ہے۔ اور ندی کا پانی جو آگے چلا جاتا ہے، لوٹ کر کبھی نہیں آتا۔ للہٰذا زندگی کا مستقبل متعین کرنے کے لئے، (یعنی اس کڑی سے اگلی کڑی متعین کرنے کے لئے)، اِسی زندگی میں جو کچھ کیا جائے گا، کیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ موقعہ (دوبارہ) نہیں ملے گا۔ اس امتحان میں بیٹھنے کا موقعہ صرف ایک بار ملتا ہے، دوسری بار نہیں ملتا۔ جو پاس ہو گیا وہ اگلی کلاس میں چلا گیا۔ جو فیل ہو گیا وہ رُک گیا۔ وہ دوبارہ امتحان میں نہیں بیٹھ سکیگا۔ ان امور کی تفصیل دیگر عنوانات (مثلاً آخرت، جنت، جہنم وغیرہ میں ملے گی)۔ تناسخ کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ اس مفہوم سے متعلق آیات درج ذیل کی جاتی ہیں۔

(٥)

(۱) قیامت میں متبعین اور ان کے باطل پرست راہ نما سب جہنم میں ہوں گے۔ یہ راہ نما اپنے متبعین سے اظہارِ بیزاری کریں گے۔ متبعین کہیں گے کہ اگر ہم ایک بار دنیا میں لوٹ جائیں، تو ہم بھی ان سے اسی طرح اظہارِ بیزاری کرتے جس طرح یہ ہم سے اِس وقت اظہارِ بیزاری کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی یہ حسرت پوری نہیں ہو سکے گی۔ وہ جہنم سے نکل نہیں سکیں گے ــــ (۱۶۷-۱۶۶ : ۲)

(۲) جہنم کو دیکھ کر کفار کی حسرت کہ اگر ہم لوٹائے جائیں تو مومن ہو جائیں۔ یہ ان کی باتیں ہی باتیں ہیں۔ اگر یہ لوٹائے جاتے تو پھر بھی ویسے ہی کام کرتے۔ اب ان کے اعمال ان کے سامنے آچکے ہیں ــــ (۲۸-۲۷ : ۶)

(۳) کفار کی واپس دنیا میں جانے کی آرزو ــــ (۵۳ : ۷) ــــ (۱۰۱ : ۲۶) ــــ (۱۲ : ۳۲)

(۴) موت کے وقت یہ حسرت کہ اے کاش! ایک مرتبہ واپس ہو جاؤں تو اچھے کام کروں۔ کَلَّا۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکے گا ــــ (۱۰۰-۹۹ : ۲۳) ــــ (۵۸ : ۳۹)

(۵) جہنم میں کہیں گے کہ ہمیں اس سے نکال دیا جائے تو ہم اچھے اعمال کرینگے۔ کہا جائے گا کہ جو عمر پہلے دی تھی کیا وہ کافی نہیں تھی؟ ــــ (۳۷ : ۳۵)

(۶) حیاتِ اُخروی کے بعد پھر موت نہیں ہوگی۔ لہٰذا بار بار زندہ ہونے اور بار بار مرنے کا تصور غلط ہے۔

(۳۷ : ۵۸-۵۹)

(۷) سورۂ شوریٰ میں ہے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیا " واپس لوٹ جانے کا بھی کوئی راستہ ہے " ــــ (۴۴ : ۴۲)۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کیا اس عذاب کے لوٹ جانے کی بھی کوئی سبیل ہو سکتی ہے؟

(۸) تم (انسانی پیدائش سے پہلے) مردہ (بےجان) تھے۔ اس کے بعد تمہیں زندگی ملی۔ یعنی تم اس دنیا میں آئے۔ یہاں پھر موت ہوگی۔ اور پھر زندگی۔ اس کے بعد موت نہیں ــــ (۲۸ : ۲)۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس دنیا کی موت کے بعد، پھر اس دنیا میں واپسی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس دنیا میں جو بھی ہے، اسے موت ضرور آئے گی ــــ (۱۸۴ : ۳)

ــــ (۰) ــــ

۲۴۔ توبہ

(نیز دیکھئے مغفرت)

توبہ۔ (ت۔ و۔ ب) آپ کسی راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ ایک مقام پر دوراہا آیا۔ اور آپ کا قدم سہواً غلط راستے کی طرف اٹھ گیا۔ کچھ دور چل کر آپ نے محسوس کیا کہ وہ راستہ غلط ہے۔ اس احساس کے بعد آپ کا پہلا ردِّ عمل یہ ہوگا کہ آپ پھر سے لوٹ کر اُس دوراہے پر آجائیں جہاں سے آپ کا قدم غلط سمت کیطرف اٹھا تھا۔ اس طرح واپس آجانے کو توبہ کہتے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس طرح واپس آجانے سے آپ نے صرف اپنی غلطی کی تلافی کی ہے۔ یعنی غلط کام کو (UN-DO) کیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا اقدام یہ ہونا چاہیئے کہ آپ صحیح راستے پر چل پڑیں۔ اور پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے چلیں۔ تاکہ جو وقت غلط راستے پر چلنے سے ضائع ہوا ہے اس کی بھی تلافی ہو جائے۔

اس طرح صحیح راستے پر چلنے کو اصلاح کہیں گے۔ لہٰذا، توبہ کے بعد اصلاح نہایت ضروری ہے۔

اس سے واضح ہے کہ اگر آپ اس مقام پر کھڑے ہو کر، جہاں آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، ہزار بار بھی "یا اللہ میری توبہ" کہتے رہیں گے تو آپ اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے لئے عملاً واپس آنا ہو گا۔ پھر واپس آ کر بھی اُس دوراہے پر کھڑے نہیں رہنا ہو گا بلکہ صحیح راستے پر چلنا ہو گا۔ لہٰذا، یہاں پھر عمل دکچھ کرنے) کی ضرورت ہو گی۔ اسی لئے قرآن میں ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱:۱۱۵) غلط کاموں کا ازالہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ آپ ان سے زیادہ صحیح کام کریں۔ خدا کا یہ قانون، جس کی رُو سے اس نے غلط کاموں کے مضر اثرات سے بچ جانے کی گنجائش رکھ دی ہے، اس کی طرف سے "توبہ قبول کر لینا" کہلاتا ہے۔ اس کے لئے خدا کی صفت تَوّاب آئی ہے۔ یعنی جب آپ نے غلط راستے کو چھوڑ کر صحیح راستہ کی طرف رُخ کیا تو صحیح راستہ جو پہلے آپ سے منہ موڑے ہوئے تھا، پھر آپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ہے خدا کی طرف سے تواہیت۔

آپ کے غلط کاموں کا ایک اثر تو معاشرہ پر پڑتا ہے۔ اسے معاشرہ کا جرم کہتے ہیں۔ اس کے لئے معاشرتی قوانین میں معافی کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ یعنی اگر فیصلہ دینے والی اتھارٹی (جج) دیکھے کہ آپ اپنے کئے پر نادم ہیں اور آپ کو معاف کر دینے سے آپ اپنی اصلاح کر لیں گے تو وہ آپ کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن آپ کے ہر غلط عمل کا ایک اثر خود آپ کی ذات پر بھی تو پڑتا ہے۔ یہ اثر کسی اور کے معاف کر دینے سے مٹ نہیں سکتا۔ اس کے لئے آپ کو اتنے زیادہ اچھے کام کرنے ہوں گے جن سے یہ کمی جو آپ کی ذات میں واقع ہو گئی ہے، پوری ہو جائے۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن کریم کا قانونِ مکافاتِ عمل، نہ تو یہودیوں کے قانون کی طرح ایسا متصلب (RIGID) ہے کہ اس میں انسان کے لئے اپنی بازآفرینی کی گنجائش ہی نہیں، اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح ایسا یا درہوا کہ جس میں کسی کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ جرم پر جرم کرتے جائیں۔ اور حضرت مسیح کی تصلیب (کفارہ) پر ایمان لے آئیں اور پادری صاحب کے سامنے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیں، تو آپ کے سب گناہ دُھل جائیں گے۔ قرآن کے قانون میں سہو و خطا کے اثرات کے محو ہو جانے کی گنجائش ہے۔ لیکن یہ نتیجہ ہوتا ہے انسان کے اپنے اچھے اعمال کا۔ اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ "معافی" اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ابھی اتنا وقت ہو کہ انسان اپنے اچھے اعمال سے غلط اعمال کے نتائج

کی تلافی کر سکے۔ اگر مزید عمل کے لئے وقت ہی نہ ہو تو پھر "توبہ" کیسے ہو سکتی ہے!

(۰)

"آدم" کی توبہ

"آدم" کے عنوان میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قصہ آدم، کسی ایک فرد کی داستان نہیں بلکہ وہ خود انسان (آدمی) کے احوال و کوائف اور نفسیاتی ماجریات کا تمثیلی بیان ہے۔ لہٰذا، اس میں آدم کی توبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کے لئے، اپنے غلط اقدامات کے نقصان سے تلافی کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ وہ ارتکاب جرم کے بعد ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لئے زندگی کی خوشگواریاں حاصل کرنے (دوبارہ جنت میں جانے) کے راستے کھلے رہتے ہیں۔

(۱) آدم سے لغزش ہوئی۔ پھر اس نے اس پر اظہارِ ندامت کیا تو اس کی توبہ قبول کر لی گئی ——— (۲:۳۷)

(۲) قصہ آدم میں توبہ کے لئے ایک بنیادی اصول اور اساسی نقطہ بیان کیا گیا ہے۔ اُسے عنوان "تاب و اصلح" کے تحت مثہ میں دیکھئے۔

(۳) آدم نے اعترافِ لغزش کیا۔ خدا نے وحی کے ذریعے اسے سیدھا راستہ دکھا دیا ——— (۲۰:۱۲۲)

تَابَ وَاَصْلَحَ۔ مومنین کی صفت

(۱) کتمانِ حقیقت جرم ہے۔ لیکن جو اس سے توبہ کرے۔ اور کتمانِ حق کی بجائے اظہارِ حق کرے۔ اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ یہاں تاب کے بعد اصلح کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی کتمانِ حقیقت جرم تھا۔ اس کے احساس کے بعد ایک تو وہ انسان کتمانِ حقیقت چھوڑ دے۔ لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ اس کے بعد اس کے برعکس اظہارِ حقیقت بھی کرے۔ اس مثبت عمل کا نام اِصلاح ہے ——— (۲:۱۵۹-۱۶۰)

(۲) توبہ کے معنی قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کرنا ہیں ——— (۲:۲۲۲)

(۳) توبہ اس کی ہے جو غلط اقدام سے باز آجائے۔ جو پھر ویسے ہی کام کرنے لگ جائے تو اس کی توبہ نہیں

(۲:۲۷۵)

(۴) ایمان کے بعد کفر اختیار کر لینا بنیادی جرم ہے۔ لیکن جو پھر واپس آجائے اور اپنی اصلاح کر لے تو

اس کی سابقہ غلط روش کی تلافی ہو سکتی ہے۔ لیکن جو کفر میں بڑھتا جائے تو اس کی توبہ کیسی۔ اور جو اس حالت میں مر جائے تو پھر چونکہ عمل کا موقعہ ہی نہیں رہتا، اس لئے اس کی بھی توبہ نہیں ـــ (۹۰-۸۵ : ۳)

(۵) موت سامنے آ کھڑی ہو تو پھر توبہ نہیں کیونکہ اُس وقت اپنے کئے پر ندامت تو ہو سکتی ہے، لیکن اصلاح کا موقعہ باقی نہیں ہوتا اس لئے توبہ نہیں ہو سکتی ـــ (۱۸ : ۴) فرعون کی توبہ اسی لئے قبول نہیں ہوئی تھی ـــ(۱۰ : ۹۰)ـــ(۱۶ : ۲۸)ـــ(۲۳ : ۹۹)ـــ(۳۰ : ۴۳)ـــ(۳۰ : ۵۷)ـــ(۴۰ : ۱۱)ـــ
(۴۰ : ۵۲)ـــ(۴۵ : ۳۵)ـــ(۷۷ : ۳۶)ـــ(۸۹ : ۲۴ـــ۲۵)

(۶) جب فیصلہ نکھر کر سامنے آجائے تو پھر توبہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس لئے کہ جو کچھ انسان کر چکا ہے اُس وقت اسکے (۵۵ - ۴۸) کرنے کا موقعہ ہی نہیں رہتا ـــ (۲۹ : ۳۲)ـــ(۳۹ ، ۵۴)ـــ
(۴۰ : ۸۴ـــ۸۵)

(۷) توبہ منافق کی بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ اس کے بعد نہایت خلوص سے قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے اور انہیں مضبوطی سے تھام لے ـــ (۴ : ۱۴۵ـــ۱۴۶)ـــ(۹ : ۷۴)۔ بشرطیکہ وہ اپنے جرائم کا اعتراف کر کے اپنی اصلاح کے لئے آمادہ ہوں ـــ (۹ : ۱۰۲)ـــ(۲۴ : ۳۳)۔ پھر ان کے اعمال پر نگاہ رکھی جائے ـــ (۹ : ۱۰۵)

(۸) توبہ کا ایک بنیادی اصول۔ آدم سے لغزش ہوئی۔ جب اسے اس کا احساس ہوا تو اس نے فوراً کہہ دیا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ـــ (۷ : ۲۳)۔ یعنی اس نے اپنی لغزش کا اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرایا اور اس کے لئے باز آفرینی کے راستے کھُل گئے۔ ابلیس سے بھی لغزش ہوئی۔ جب اس سے کہا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ تو نے مجھ سے ایسا کرایا ہے ـــ (۱۵ : ۳۹)۔ وہ زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ گیا۔ لہٰذا، توبہ کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنی لغزش کا ذمہ دار قرار دے۔ اگر وہ الزام دوسروں کے سر تھوپتا رہیگا تو اس کی اصلاح ہو ہی نہیں سکے گی۔ یہ بڑا بنیادی نقطہ ہے۔ لیکن کبرِ نفس انسان کو اس اعتراف کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔

(۹) مومنین کی ایک صفت التّائبُون ہے۔ یعنی جونہی اپنی لغزش کا احساس ہوا اس سے باز آجانے والے ـــ (۹ : ۱۱۲)۔ یا ہر معاملہ میں قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرنے والے ـــ (۲ : ۲۲۲)ـــ(۳ : ۱)

(۱۱۲ : ۱۱) — (۳۱ : ۲۴) — (۱۵ : ۴۶) — (۵ : ۶۶) — (۳ : ۱۱۰)

(۱۰) حضورؐ نے بھی یہی فرمایا کہ اِلَیْہِ مَتَابِ — (۳۰ : ۱۳)۔ ازواجِ مطہرات کو اس کا حکم — (۵ : ۴ : ۶۶)

(۱۱) اگر تم صالح اور اوّاب (اس کی طرف رجوع کرنیوالے) ہو تو تمہاری حفاظت ہو جائیگی — (۲۵ : ۱۷)

(۱۲) توبہ اور اصلاح سے جنّت مل سکتی ہے — (۶۰ : ۱۹)

(۱۳) توبہ کرے، اصلاح کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے۔ اس سے غلط اقدام کے تباہ کن نتائج سے سامانِ حفاظت ملتا ہے — (۸۲ : ۲۰)۔ ان کی غلط روش کے نتائج مبدّل بہ حسنات ہو جاتے ہیں — (۷۰ : ۲۵) انہیں کامیابی حاصل ہو جائیگی — (۱۴۶ : ۴) — (۶۷ : ۲۸) — (۹-۷ : ۴۰)

(۱۴) اپنی سیّآت کو حسنات سے بدل دے تو اسے توبہ کہا جائے گا — (۷۰ : ۲۵) — (۱۱ : ۲۷)

(۱۵) حضرت موسٰیؑ سے (زمانہ قبل از نبوت میں) غلطی سے قبطی مارا گیا تو آپ نے فوراً اپنی اس غلطی کا اعتراف کیا — (۱۶ : ۲۸)۔ جلوہ گاہِ طُور پر تُبْتُ اِلَیْكَ — (۱۴۳ : ۷)۔ یہی تلقین ہر انسان کیلئے ہے (۱۵ : ۴۶)

(۱۶) مومنوں کو توبۃً النصوح کا حکم — (۸ : ۶۶)

(۱۷) مومنین کو حکم کہ فتح ونصرت حاصل ہو تو اور زیادہ قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرو — (۳ : ۱۱۰)

(۱۸) "اصلح" کے دیکھنے کے لئے ان کے اعمال کی نگرانی کی جائیگی — (۱۰۵ : ۹)

خدا توّاب و رحیم ہے

(۱) قصۂ آدم میں کہا گیا کہ خدا توّاب ورحیم ہے — (۳۷ : ۲)

(۲) بنی اسرائیل کے سلسلہ میں کہا کہ خدا توّاب ورحیم ہے — (۵۴ : ۲)

خدا کا تائب کی طرف لوٹنا — (۱۸۷ : ۲) — (۸۱ و ۳۹ : ۵) — (۱۳ : ۵۸)

نبیؐ اور مہاجرین کی طرف خدا کا لوٹنا — (۱۱۷ : ۹) — (۱۱۸ : ۹) — (۲۰ : ۷۳)

(۳) حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے وقت جو دعائیں مانگیں تو ان میں یہ بھی کہا تھا کہ تُبْ عَلَيْنَا ۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ — (۱۲۸ : ۲) ظاہر ہے کہ یہاں خدا کی توّابیت سے مفہوم خطاؤں کی معافی نہیں اس سے مراد محض "توجہ فرمانا" ہے۔ اس دعا میں درحقیقت، اچھے اعمال کرنے کی توفیق عطا ہونے کی آرزو کا اظہار ہے۔ یہی خدا کی "توجہ فرمائی" سے مفہوم ہے۔ ان معانی میں بھی یہ لفظ اکثر آیا

ہے — (۲۷-۲۶ : ۴) (۹۲ : ۴) — (۹:۱۱) — (۹:۱۵) — (۹:۲۷) — (۳۳:۷۳) — (۵۸:۱۳)

(۴) انسان کی توبہ و اصلاح کے بعد خدا کی توابیت — (۱۶۰ : ۲)

خدا قابل التوب ہے — (۱۰۴ : ۹) — (۳ : ۴۰) — (۲۵ : ۴۲)۔ لیکن اعمال پر نگاہ رکھتا ہے کہ توبہ کرنیوالا بعد میں کیا کرتا ہے — (۹:۱۰۵)

(۵) احکام میں آسانی پیدا کر دینا بھی خدا کی توابیت ہے — (۲:۱۸۷) — (۴ : ۲۸) — (۴ : ۹۲) — (۱۰ : ۲۴) — (۲۰ : ۷۳)

(۶) "عذاب" کے مقابلہ میں خدا کی طرف سے تاب آیا ہے۔ لہٰذا، توبہ کی قبولیت کے معنی ہوئے انسان کا اپنے حسنِ عمل سے، سابقہ غلطی کی پاداش (نقصان) سے بچ جانا — (۳ : ۱۲۷)

(۷) حضرت موسےؑ نے جب خدا کو دیکھنے کی آرزو کی اور اس کے بعد اس غلطی کا احساس ہوا تو خدا سے کہا کہ میں "تیری طرف رجوع کرتا ہوں"۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ انسانی آنکھ خدا کو نہیں دیکھ سکتی۔ تواب میں اس پر کاربند رہوں گا — (۷ : ۱۴۳)

(۸) معاشرتی احکام کی تبئین کے بعد کہا کہ خدا تواب الرحیم ہے۔ گویا صحیح احکام کا عطا ہونا خدا کی توجہ فرمائی سے ہے — (۴۹ : ۱۲)

سہو و خطا سے غلط اقدام کی توبہ ہوتی ہے، دانستہ کی نہیں

(۱) غلط اقدام کے بعد جب قانونِ خداوندی کی یاد آئے تو انسان فوراً اس کی طرف آجائے۔ یہ توبہ ہے۔ اگر اس کے بعد بھی اپنی غلط روش پر اصرار کرتا ہے تو یہ توبہ نہیں — (۳ : ۱۴۴)

(۲) توبہ اس کی ہے کہ (i) لغزش سہو و خطا سے ہو۔ اور اسکے احساس کے بعد (ii) فوراً اس کی تلافی کرے۔ (۴ : ۱۷)

(۳) جہالت (نادانی) سے لغزش ہوجائے تو معافی کا دروازہ کھلا ہے۔ خدا نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے۔ اس کا تقاضا تھا کہ سہو و خطا سے لغزش کے بعد بازآفرینی کا موقعہ دیا جاتا۔

(۶ : ۵۴) — (۱۶ : ۱۱۹) — (۳۹ : ۵۳)

اقوامِ سابقہ کو توبہ کی تلقین

(۱) حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنی غلط روش چھوڑو اور قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرو۔

(۱۱ : ۵۲)

(۲) حضرت صالحؑ کی بھی یہی تلقین تھی —— (۱۱ : ۶۱)

(۳) یہی حضرت شعیبؑ نے کہا تھا —— (۱۱ : ۹۰)

بنی اسرائیل کی توبہ نیز نصاریٰ کی

(۱) گوسالہ پرستی کے جرم کی معافی —— (۲ : ۵۴) —— (۷ : ۱۵۳)

(۲) مختلف جرائم کے بعد بھی خدا کی توجہ فرمائی —— (۵ : ۷۱-۷۰)

(۳) اگر عیسائی عقیدۂ تثلیث وابنیتِ مسیحؑ سے باز آجائیں تو ان کے لئے باز آفرینی کی گنجائش ہے۔

(۵ : ۷۴)

معاشرتی جرائم میں توبہ (معافی)

(۱) بے حیائی کے جرم میں معافی کی گنجائش —— (۴ : ۱۶)

(۲) یہ توبہ (معافی) نظامِ خداوندی کی طرف سے ملے گی۔ انفرادی طور پر "خدا سے معافی مانگنے" سے نہیں۔ نہ ہی کسی کو اس کا اختیار ہے کہ قانون کے علی الرغم اپنے طور پر مجرم کو معاف کر دے۔ مجرم عدالت کی طرف جائے گا۔ وہ اگر اس کے جرم کو قابلِ معافی سمجھے تو پھر خدا کا قانون اسے معاف کریگا۔ (۴ : ۶۴)

(۳) قتلِ مومن اگر سہو و خطا سے ہو تو اس میں معافی کی گنجائش ہے۔ قتلِ عمد میں گنجائش نہیں ——

(۴ : ۹۲—۹۳)

(۴) بغاوت اور فساد کی سزا بڑی سنگین ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ۔ قبل اس کے کہ وہ مغلوب کر لئے جائیں، اپنی سرکشی سے تائب ہو جائیں تو پھر ان کے لئے معافی کی گنجائش ہے —— (۵ : ۳۳—۳۴)

(۵) سارق کے لئے معافی کی گنجائش —— (۵ : ۳۸—۳۹)

(۶) مخالفین اگر جنگ سے خود رک جائیں اور قیامِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کریں، تو پھر ان سے مواخذہ نہیں ہوگا — (۹ : ۵)۔ پھر یہ تمہارے دینی بھائی بن جائینگے — (۹ : ۱۱)

(۷) جو معافی کے مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا، اسے معافی نہیں مل سکتی — (۹ : ۱۲۶)

(۸) ناحق تہمت لگانے والا اگر توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو اسے معاف کیا جاسکتا ہے۔(۲۴ : ۴-۵)

(۹) مسلمانوں کو اذیت پہنچانے والے اگر توبہ نہ کریں تو انہیں سزا ملے گی — (۸۵ : ۱۰)

(۱۰) جنہیں معافی دیدی جائیگی ان کے اعمال پر نگاہ رکھی جائیگی کہ وہ کس قسم کی روش اختیار کرتے ہیں —

(۹ : ۱۰۴-۱۰۵)

(۱۱) جنگ میں منافقت برتنے والوں کو، ان کے جرم کے مطابق، معاف بھی کیا جاسکتا ہے اور سزا بھی دی جا سکتی ہے — (۹ : ۷۴) — (۲۴ : ۳۳)

(۱۲) ربوٰ سے باز آجاؤ تو تم راس المال (اصل زر) لے سکتے ہو — (۲ : ۲۷۹)

(۱۳) عام معاشرتی اخلاق کے بارے میں تاکید کے بعد کہا کہ جو اپنی سابقہ روش سے باز نہ آئے تو وہ مجرم ہے۔

(۱۱ : ۴۹)

—— (۰) ——

۲۵۔ توحید

(نیز دیکھئے۔ شرک ذالہٗ)

توحید۔ (ا-ح-د)؛ (و-ح-د)۔ احد اور واحد دونوں کے معنی "ایک" ہیں۔ لیکن احدیت میں یگانہ (بے مثل و بے ہمتا) ہونے کا تصور غالب ہوتا ہے۔ دین کی بنیاد اس حقیقتِ کبریٰ پر ہے کہ الٰہ (جس کی محکومیت اختیار کی جاتے)، ایک (خدا) ہے۔ اس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی کیجائے گی (جو اس کی کتاب میں مذکور ہیں)۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اگر اس اطاعت میں کوئی اور عنصر بھی شامل کرلیا جائے تو وہ شرک ہوگا۔ اور شرک سے بڑھ کر انسانیت کی تذلیل کا باعث کچھ اور نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے شرک کو جرمِ عظیم کہا گیا ہے۔ (ان امور کی تفصیل شرک کے عنوان میں ملے گی)

توحید اور شرک درحقیقت ایک ہی عنوان کے دو رُخ ہیں۔ ایک مثبت دوسرا منفی۔ اس لئے ان دونوں عنوانات کو بیک وقت سامنے رکھنا چاہیئے۔

ہر ذات (PERSONALITY) اپنے آپ میں منفرد ہوتی ہے۔ اور یہی انفرادیت (INDIVIDUALITY) اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ خدا چونکہ مکمل ترین ذات ہے اس لئے اسکی احدیت بھی مکمل ترین ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس انداز کی مکمل ترین صفات، ذاتِ خداوندی کی ہیں، اُس حد تک مکمل صفات کسی اور ذات میں نہیں ہو سکتیں۔ انسان اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو منعکس کر سکتا ہے۔ لیکن یہ صفات حدودِ بشریت کے اندر ہونگی۔ صفاتِ خداوندی کی طرح مکمل ترین نہیں ہوں گی۔ خدا کے سوا کسی اور میں اس انداز کی صفات کا تسلیم کرنا بھی شرک ہے۔ نیز کسی ایسی صفت کا جو، صرف ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور میں تسلیم کرنا بھی شرک ہے۔

کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اُس کے قانون کیمطابق عمل کیا جائے تو اس کا نتیجہ خوشگوار (نفع رساں) ہوتا ہے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے تو اسکا نتیجہ نقصان رساں ہوتا ہے۔ مثلاً خدا نے صحت کے متعلق قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر ان قوانین کی پابندی کی جائے تو انسان کی صحت برقرار رہے گی۔ اگر ان کی خلاف ورزی کی جائے تو انسان بیمار ہو جائے گا۔ اس کی صحت خراب ہو جائیگی۔ بگڑی ہوئی صحت کے درست کرنے کے لئے خدا کے قوانین ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہ سمجھنا کہ کوئی شخص خدا کے قوانین کے خلاف، کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے، شرک ہے۔

———— (۰) ————

اِلٰہ واحد

(۱) تمہارا الٰہ ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ــــ (۱۶۳ : ۲)

(۲) خدا کا تصور جو اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ کائناتی قوتیں جس طرح قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ اور صاحبانِ علم و بصیرت جو توازن قائم رکھتے ہیں۔ یہ سب اس حقیقت کی شہادت ہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہی قوت، غلبہ اور حکمت کا مالک ہے ــــ (۱۷ : ۳) ــــ (۶۱ : ۳) ــــ (۴-۱ : ۳۷)
کائناتی نظام اس حقیقت پر شاید ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور الٰہ نہیں ــــ (۱۵ : ۱۳) - ۵۰-۶۰ : ۲۷)
(۷۲-۷۰ : ۲۸)

(۳) <u>لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ</u>

(۲:۱۶۳)—(۲:۲۵۵)—(۳:۲)—(۳:۶)—(۳:۱۷)—(۳:۶۲)—(۴:۸۷)—(۶:۱۰۳)
(۶:۱۰۷)—(۷:۱۵۸)—(۹:۳۱)—(۹:۱۲۹)—(۱۱:۱۴)—(۱۳:۳۰)—(۱۴:۵۲)
(۱۶:۲)—(۱۶:۲۲)—(۲۰:۹۸)—(۲۳:۱۱۶)—(۲۷:۲۶)—(۲۸:۷۰)—(۲۸:۸۸)
(۳۵:۳)—(۳۸:۶۵)—(۳۹:۶)—(۴۰:۶۲)—(۴۰:۶۵)—(۴۴:۸)—(۴۷:۱۹)
(۵۹:۲۲—۲۳)—(۶۴:۱۳)—(۷۳:۹)

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ —(۱۱۲:۱) ۔ اس کا ہمسر کوئی نہیں —(۱۱۲:۴)

(۴) <u>تمام انبیاءؑ کی تعلیم یہی تھی!</u>

حضرت نوحؑ کی تعلیم —(۷:۵۹)—(۲۳:۲۳)
حضرت ھودؑ کی تعلیم —(۷:۶۵)—(۱۱:۵۰)
حضرت صالحؑ کی تعلیم —(۷:۷۳)—(۱۱:۶۱)
حضرت عیسٰےؑ کی تعلیم —(۵:۷۲)—(۵:۱۱۶)
تورات کی یہی تعلیم تھی —(۱۰:۹۰)—(۱۷:۲)—(۲۰:۱۴)
یہود و نصاریٰ کو یہی تعلیم دی گئی تھی —(۹:۳۰؛۳۱)
ہر رسول کی یہی دعوت تھی —(۲:۱۳۳)—(۱۶:۲)—(۲۱:۲۵)—(۲۳:۳۲)
رسول اللہؐ کی تعلیم —(۱۹:۶)—(۱۴:۵۲)—(۱۷:۳۹)—(۱۸:۱۱۰)—(۲۱:۱۰۸)—
(۳۸:۶۵)—(۴۱:۶)

حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم کہ ہر نتیجہ خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کچھ کرنے کی قوت کسی میں نہیں —(۲۶:۷۸—۸۲)

وعظِ یوسفی —(۱۲:۳۹—۴۱)

حضرت شعیبؑ کی تعلیم —(۷:۸۵)—(۱۱:۸۴)

اصحابِ کہف توحید کے قائل اور مبلغ تھے —(۱۸:۱۴—۱۵)

خدا کے سوا اور الٰہ تسلیم کرنا

(۱) وہ لوگ بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ جیسی قوتوں کا مالک سمجھ لیتے ہیں اور پھر ان کی طرف اس طرح کھنچے چلے جاتے ہیں جس طرح انسان کو خدا کی طرف جانا چاہیئے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ جاذبیت کے ساتھ۔ اس کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ قوت صرف خدا کی ہے ـــ (۱۶۵ : ۲)

(۲) یہودی، عزیرؑ کو ابن اللہ مانتے تھے۔ نصاریٰ، حضرت مسیحؑ کو۔ یہ بھی شرک تھا ـــ (۳۱-۳۰ : ۹)

(۳) نصاریٰ کے عقیدہ ابنیت کے خلاف ـــ (۴ : ۳۹) تثلیث کیخلاف ـــ (۱۷۱ : ۴) ـــ (۵ : ۷۳) (۲۳ : ۹۱)

(۴) مشرکین کہتے تھے کہ تمام معبودان کی جگہ الٰہ واحد کس طرح ہو سکتا ہے۔ مختلف قوتیں اور اختیارات مختلف معبودوں کے پاس ہونے چاہئیں ـــ (۵ : ۳۸)

(۵) مجوسیت کے عقیدۂ ثنویت کے خلاف ـــ (۵۱ : ۱۶)

(۶) کوئی کائناتی قوت الٰہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی ـــ (۲۹ : ۲۱)

(۷) ارض میں بھی وہی الٰہ ہے اور سماء میں بھی وہی ـــ (۸۴ : ۴۳)

(۸) کیا یہ لوگ خدا کے علاوہ، اور الٰہ مانتے ہیں ؟ ـــ (۴۳ : ۵۲)

(۹) ان سے جب کہا جاتا ہے کہ خدا کے علاوہ اور الٰہ نہیں تو تکبر کرتے ہیں ـــ (۳۵ : ۳۷)

(۱۰) فرعون کا اعلان کہ میں تو اپنے سوا کسی کو الٰہ نہیں جانتا ـــ (۲۹ : ۲۶) ـــ (۳۸ : ۲۸)

(۱۱) اگر خدا، انسان کے ذرائع علم سلب کرلے تو اسے کونسا الٰہ یہ کچھ دے سکتا ہے ـــ (۴۶ : ۶)۔ فطرت کی قوتوں کو بھی کوئی اور نہیں دے سکتا ـــ (۷۲-۷۱ : ۲۸)

(۱۲) بنی اسرائیل کا مطالبہ کہ ہمیں بھی ایک الٰہ بنوا دیجئے۔ حضرت موسیٰؑ کا جواب ـــ (۱۴۰-۱۳۸ : ۷)

(۱۳) مشرکین کا انجام جلد سامنے آجائے گا ـــ (۹۵ : ۱۵)

(۱۴) مشرک کا انجام جہنم ہے ـــ (۲۱۳ : ۲۶) ـــ (۲۶ : ۵۰)

اسلام کی دعوت

(۱) اہل کتاب کو دعوت کہ خدا کے سوا کسی کو الٰہ تسلیم نہ کریں۔ اس کی

محکومیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اور کسی انسان کو خدائی صفات کا حامل نہ مانا جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر اہلِ کتاب اس دعوت کو قبول کریں تو انہیں اپنے عقاید چھوڑ کر، قرآن کے تصورات قبول کرنے ہوں گے — (۳ : ۶۴) زبان سے تو وہ بھی ایسا ہی کہتے تھے۔ لیکن قرآن ان سے اس کی عملی تصدیق چاہتا تھا — (۹ : ۳۰—۳۱) — (۲۹ : ۴۶)

(۲) کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں — خواہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوت بھی کیوں نہ مل جائے۔ کہ وہ دوسرے انسانوں پر اپنا حکم چلائے۔ وہ صرف ضابطۂ خداوندی کی اطاعت کرائے گا (۳ : ۷۹)

(۳) تثلیث اور ابنیتِ مسیح کا عقیدہ شرک ہے۔ اللہ واحد ہے — (۴ : ۱۷۱)۔ حضرت عیسیٰؑ توحید کی تعلیم دیتے تھے — (۵ : ۷۲) — (۲۳ : ۹۱)

(۴) خدا کے سوا کسی کو ولی (کارساز۔ سرپرست) تسلیم کرنا خلافِ اسلام ہے — (۶ : ۱۴)

(۵) رسول اللہؐ کا بنیادی پیغام — (۶ : ۱۹) — (۲۱ : ۱۰۸)

(۶) قوت۔ اقتدار۔ حکومت صرف خدائے واحد کی ہے — (۴۰ : ۱۶)

(۷) صحیح انقلاب وہی ہے جس میں ایک خدا کے قوانین کی نمود ہو — (۱۴ : ۴۸)

(۸) اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ — (۲ : ۱۶۳) — (۱۶ : ۲۲) — (۲۰ : ۹۸) — (۲۱ : ۱۰۸) — (۲۲ : ۳۴) — (۴۱ : ۶)

(۹) خدا اپنے حکم (حکومت) میں کسی کو شریک نہیں کرتا — (۱۸ : ۲۶)۔ یہی رسول اللہؐ کی دعوت تھی۔ کہ خدا کی محکومیت میں کسی کو شریک نہ کرو — (۱۸ : ۳۸) — (۱۸ : ۱۱۰) — (۵۱ : ۵۱) — (۷۲ : ۱—۲) — (۷۲ : ۲۰—۲۲)

مساجد (یعنی مراکزِ نظامِ خداوندی) صرف اللہ کے لئے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی اور کو آلٰہ مت بناؤ — (۷۲ : ۱۸)

(۱۰) وحی کے علاوہ، خدا کے علمِ غیب میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا — (۷۲ : ۲۶)

(۱۱) خارجی کائنات میں بھی وہی آلٰہ ہے اور ارض (انسان کی دنیا) میں بھی وہی آلٰہ — (۴۳ : ۸۴)

(۱۲) خدا تمام نوعِ انسان کا الٰہ ہے — (۱۱۴ : ۳)

(۱۳) مومن توحید پرست ہوتے ہیں — (۲۵ : ۶۸) — (۵۱ : ۵۱)

(۱۴) اپنے جذبات اور خواہشات کو اپنا آلٰہ نہ بناؤ — (۲۵ : ۴۳) — (۴۵ : ۲۳)

توحید سے انسان کے دل میں کسی کا خوف نہیں رہتا

(۱) جب ایمان یہ ہو کہ قانونِ خداوندی کے خلاف کوئی شخص کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا تو پھر انسان کے دل میں کسی کا خوف کیسے رہ سکتا ہے؟ خوف تو شرک سے پیدا ہوتا ہے۔ (۳ : ۱۵۰)

(۲) شرک کرنے والے کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آگرے جیسے چڑیا کے بچے کو چیل اچک کرلے جائے۔ جیسے گھاس کے تنکے کو ہوا اڑائے اڑائے پھرے۔ (۲۲:۳۱)

(۳) شرک کے حق میں کوئی دلیل نہیں مل سکتی۔ یہ اندھی عقیدت اور توہم پرستی کی پیداوار ہوتا ہے۔

(۲۳ : ۱۱۷)۔ (۲۷ : ۶۴)

(۴) خدا کو ماننے والے، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ (۳۹ : ۳۳)

(۵) رسول اللہ کا اعلان کہ میں بھی تمہیں کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر میں خدا کے قانون کی خلاف ورزی کروں تو مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ پناہ پھر خدا کے قانون ہی میں مل سکتی ہے۔ (۲۲-۲۰ : ۷۲)

(۶) خدا کے ساتھ اور اِلٰہ نہ اختیار کرو۔ اس سے تم پست اور زبوں حال ہو جاؤ گے۔ (۳۹ ؛ ۲۲ : ۱۷)

احد۔ واحد

(۱) اللہ احد ہے۔ اس کا کوئی کفو نہیں۔ (۴ ؛ ۱ : ۱۱۲)

(۲) وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو شریک نہیں کرتا۔ (۲۶ : ۱۸)۔ (۱۱۰ : ۱۸)

(۳) میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (۳۸ : ۱۸)۔ (۴۲ : ۱۸)۔ (۲ : ۷۲)۔ (۲۰ : ۷۲)

(۴) اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ (۱۸ : ۷۲)

(۵) اللہ کسی کو اپنے غیب سے مطلع نہیں کرتا۔ (۲۶ : ۷۲)

(۶) اللہ واحد کی عبودیت۔ (۷۰ : ۷)۔ اس پر کفار کو تعجب آتا تھا کہ اتنے دیوی دیوتاؤں کے بجائے خدائے واحد کس طرح۔ (۵ : ۳۸)

(۷) جب قرآن میں خدائے واحد کا ذکر آتا ہے تو یہ منہ بسور کر، پیٹھ موڑ کر چل دیتے ہیں۔ (۴۶ : ۱۷)

(۳۹ : ۴۵)۔ (۱۲ : ۴۰)

(۸) مصیبت دیکھ کر خدائے واحد کو پکارتے ہیں — (۴۰ : ۸۴)

(۹) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ، تمہارے ساتھ میرا کوئی واسطہ نہیں ہوگا — (۴ : ۶۰)

(۱۰) اِلٰہ واحد — (۲ : ۱۳۳) — (۲ : ۱۶۳) — (۴ : ۱۷۱) — (۵ : ۷۳) — (۶ : ۱۹) — (۹ : ۳۱) — (۱۲ : ۳۹) — (۱۴ : ۴۸) — (۱۴ : ۵۲) — (۱۶ : ۲۲) — (۱۶ : ۵۱) — (۱۸ : ۱۱۰) — (۲۱ : ۱۰۸) — (۲۲ : ۳۴) — (۲۹ : ۴۶) — (۳۷ : ۴) — (۳۷ : ۶۵) — (۳۹ : ۴) — (۴۰ : ۱۶) — (۴۱ : ۶)

(۰)

۲۶۔ تورات

تورات۔ تورات کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اُس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسےٰؑ پر نازل ہوئی تھی، لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ درحقیقت مجموعہ ہے اُن تمام کتابوں کا جو حضرت ابراہیمؑ کے بعد اور حضرت عیسےٰؑ سے پہلے کے انبیائے بنی اسرائیل کو ملی تھیں اور جنہیں عہد نامہ عتیق (OLD TESTAMENT) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی حضرت موسےٰؑ کی طرف نازل کردہ کتاب کو تورات کہہ کر نہیں پکارا۔ موجودہ عہد نامہ عتیق میں انتالیس کتابیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں نہیں۔ اصلی تو ایک طرف، ان میں سے کوئی بھی یہودیوں کی اپنی زبان (عبرانی یا ارامی) سے ترجمہ شدہ نہیں۔ یہ سب کتابیں یونانی زبان میں تھیں اور اسی سے ان کا ترجمہ ہوا۔ حتیٰ کہ یہودیوں کے پاس جو مجموعہ عبرانی زبان میں ہے وہ بھی یونانی ہی سے ترجمہ شدہ ہے۔ ان کتابوں کی تاریخ بھی عجیب و غریب ہے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ (یہ تفصیل میری کتاب — مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں — میں ملے گی)۔ قرآن نے اصلی تورات کی، یعنی ان کتابوں کی جو انبیاء بنی اسرائیل کو ملی تھیں، بڑی تعریف کی ہے۔ کیونکہ وہ سب خدا کی کتابیں تھیں لیکن قرآنِ کریم نازل ہونے کے بعد، خدائی راہ نمائی کا ضابطہ صرف قرآن ہی ہے۔ یہ اس تمام اصولی تعلیم کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جو انبیاء سابقہ کو وقتاً فوقتاً ملتی رہی۔ اور خدا کی آخری کتاب ہونے کی وجہ سے مکمل اور محفوظ ہے۔

(۰)

تورات کا ذکر قرآن میں

(۱) قرآن سے پہلے تورات اور انجیل نازل کیں۔ ان میں لوگوں کے لئے ہدایت تھی۔ (۳ : ۳)

(۲) حضرت عیسےٰؑ، تورات و انجیل کی تعلیم دیتے تھے۔ (۳ : ۴۷)۔ اسکے مصدق تھے۔ (۳ : ۴۹)۔ (۵ : ۴۶)۔ (۶۱ : ۶)

(۳) تورات حضرت ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ (۳ : ۶۴)۔ بلکہ حضرت یعقوبؑ کے بھی بعد۔ (۳ : ۹۳)

(۴) یہودیوں سے کہا کہ حلّت و حرمت کے اختلاف کے بارے میں تم تورات سے سند پیش کر کے دکھاؤ۔ (۳ : ۹۲)

(۵) اے رسول! یہودی تمہارے پاس اپنے مقدمات کیوں لاتے ہیں جب ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس وہ کتاب موجود ہے جس میں خدا کے قوانین ہیں؟ (۵ : ۴۳)

(۶) ہم نے تورات نازل کی۔ اس کی رُو سے انبیائے بنی اسرائیل متنازعہ فیہ امور کے فیصلے کرتے تھے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ تورات، انبیائے بنی اسرائیل کے صحف کا مجموعہ تھی۔ (۵ : ۴۴)

(۷) تورات میں، برابر کے انتقام لینے کا حکم تھا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک۔ (۵ : ۴۵)

(۸) اگر اہل کتاب تورات و انجیل کی صحیح تعلیم یعنی قرآن پر عمل کرتے تو ان پر زمین و آسمان سے رزق کے دروازے کھل جاتے۔ (۵ : ۶۶)۔ اس کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں۔ (۵ : ۶۸)

(۹) خدا نے حضرت عیسےٰؑ کو تورات و انجیل کی تعلیم دی تھی۔ (۵ : ۱۱۰)

(۱۰) قرآن اور کتاب موسیٰؑ سے زیادہ ہدایت دینے والی اور کونسی شے تھی! (۲۸ : ۴۸)

(۱۱) بنی اسرائیل کے علماء جو تورات کو بغل میں دابے پھرتے ہیں، لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لادی ہوں۔ (۵ : ۶۲)

(۱۲) اہل کتاب سے کہا کہ جب تک تم تورات، انجیل اور اب قرآن پر ایمان نہ لاؤ تم حق پر نہیں ہو سکتے۔ (۵ : ۶۸)

کتاب موسےٰؑ

(۱) ہم نے موسےٰؑ کو کتاب دی۔ (۲ : ۸۷)۔ (۶ : ۱۵۵)۔ اسی کو الفرقان بھی کہا ہے۔ یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والی۔ (۲ : ۵۳)۔ (۲۱ : ۴۸)

(۲) کتابِ موسےٰؑ میں نور اور ہدایت تھی ــــ (۶ : ۹۲)۔ یہودیوں نے اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے ــ (۶ : ۹۲)

(۳) اُس زمانے کے دستور کے مطابق، کتابِ موسےٰؑ تختیوں پر لکھی ہوئی تھی ــــ (۷ : ۱۴۵) ــ (۷ : ۱۵۴)

(۴) قرآنِ کریم سے پہلے کتابِ موسےٰؑ میں رحمت اور امامت تھی ــــ (۱۱ : ۱۷) ــ (۴۶ : ۱۲)

(۵) ہم نے موسےٰؑ کو کتاب دی جس میں اِن لوگوں نے اختلافات پیدا کر دیئے ــ (۶ : ۹۲) ــ (۱۱ : ۱۱۰)

(۴۱ : ۴۵)

(۶) موسےٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا ــــ (۱۷ : ۲)

(۷) موسےٰؑ کو اور ہارونؑ کو الفرقان، روشنی اور ذکرٌ للمتقین عطا کی۔ یعنی ان دونوں کو کتاب دی ــــ

(۲۱ : ۴۸) ــــ (۳۷ : ۱۱۷)

(۸) ہم نے موسےٰؑ کو کتاب دی تاکہ اس کی قوم صحیح راستے پر چلے ــ (۲۳ : ۴۹) ــ (۳۲ : ۲۳)

(۹) موسےٰؑ کو کتاب دی اور اُس کے بھائی کو اس کے ساتھ اس کا بوجھ بٹانے والا بنایا ــ (۲۵ : ۳۵)

(۱۰) کتابِ موسےٰؑ بصائر للناس تھی ــــ (۲۸ : ۴۳)

(۱۱) کتابِ موسےٰؑ کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا ــ (۴۰ : ۵۳-۵۴)

(۱۲) صحفِ موسےٰؑ و ابراہیمؑ میں قانونِ مکافاتِ عمل کی تعلیم ــ (۵۳ : ۳۶-۴۱) ــ (۸۷ : ۱۸-۱۷)

(۱۳) مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے موسےٰؑ اور عیسےٰؑ اور دیگر انبیاءؑ کو دیا تھا ــــ

(۲ : ۱۳۶) ــ (۳ : ۸۳)

(۱۴) قرآن اور کتابِ موسےٰؑ سے بہتر کتاب لاؤ ــــ (۲۸ : ۴۹)

توراۃ میں رسول اللہؐ کا ذکر

(۱) تورات اور انجیل میں حضورؐ کا ذکر موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تورات و انجیل کے جو نسخے، زمانہ نزولِ قرآن میں رائج تھے ان میں بالفاظِ صریح حضورؐ کی. نسبت کی پیش گوئیاں موجود تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہود و نصاریٰ، قرآن کے اس دعوے کی ضرور تکذیب کرتے ــــ (۷ : ۱۵۷)

(۲) تورات و انجیل و قرآن تینوں میں یہ موجود تھا کہ مومن جنت کے عوض اپنا مال اور جان خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ اور پھر خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ نزولِ قرآن

میں مروج انجیل میں جنگ کی تعلیم موجود تھی ـــــ (۱۱۱ : ۹)

(۳) تورات و انجیل میں صحابہ ؓ کا تذکرہ تھا ـــــ (۲۹ : ۴۸)

ـــــ (۰) ـــــ

۲۷۔ توکّل

توکّل (و۔ک۔ل)۔ ایک ہوائی جہاز دس ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا ہے۔ اس میں سے ایک چھاتہ بردار فوج کا سپاہی نہایت اطمینان سے نیچے چھلانگ لگا دیتا ہے۔ وہ ایسا کس بنا پر کرتا ہے؟ اس بنا پر کہ اسے اپنی چھتری پر پورا پورا بھروسہ ہے، کامل اعتماد ہے۔ اسے یقین ہے کہ وہ اسے ہوا میں تھامے رکھے گی۔ اس قسم کے بھروسے اور اعتماد کو توکّل کہتے ہیں۔ طبیعی دنیا میں سارا کاروبار اس یقین پر سرانجام پاتا ہے کہ قوانینِ فطرت اٹل ہیں اور ان پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ بھروسہ ہے جس کی بنا پر ڈاکٹر مریض کو زہر کا ٹیکہ لگا دیتا ہے اور وہ تریاق کا کام کرتی ہے۔

جس طرح، طبیعی دنیا میں خدا کے قوانین اس قدر قابلِ اعتماد ہیں، اسی طرح، انسانوں کی تمدنی دنیا کے لئے بھی اس نے جو قوانین دیئے ہیں وہ اپنی نتیجہ خیزی کے اعتبار سے اٹل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ طبیعی دنیا میں قوانینِ خداوندی کے نتائج محسوس شکل میں جلدی سامنے آجاتے ہیں، اور تمدنی دنیا میں، انکے نتائج غیر محسوس طور پر مرتب ہوتے رہتے ہیں اور کافی عرصہ بعد سامنے آتے ہیں۔ اس سے سطح بین انسان دھوکا کھا جاتا ہے کہ یہ قوانین (جنہیں خدا کے "وعدے" کہا جاتا ہے) یقینی نہیں ہیں۔ لیکن مومن وہ ہے جسے ان قوانین کی نتیجہ خیزی پر پورا پورا یقین ہو۔ اسے "خدا پر توکّل" کہا جاتا ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کو متوکّلین۔ اسی جہت سے خدا کی ایک صفت الوکیل ہے۔ یعنی وہ جس کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکے۔ جس طرح چھاتہ بردار فوج کا سپاہی، اپنی چھتری کے توکّل پر بلا دھڑک جان کی بازی لگا دیتا ہے، اسی طرح جماعتِ مومنین، خدا کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر ایمان سے وہ کام کر دکھاتی ہے جو سطح بین انسانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ اس جماعت کی بے پناہ جرأت اور حیرت انگیز کامیابیاں اسی توکّل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ توکّل، مومن کی کس قدر بنیادی صفت، اور اس کی محیّر انگیز قوتوں کا ضامن ہوتا ہے۔

توکل درحقیقت ایمان کی استواری اور یقین کی پختگی ہی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ قوانینِ خداوندی پر اس قسم کے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ، وہ سامان اور ذرائع بھی مہیا کئے جائیں جو زیرِ نظر پروگرام کے لئے ضروری ہیں۔ توکل، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کا نام نہیں۔ توکل اسباب و ذرائع کو مہیا کرنے کے بعد، پورے پورے عزم اور ہمت سے، غیر متذبذب طور پر حصولِ مقصد کے لئے جدوجہد کرنے کا نام ہے۔ توکل سے انسان کے اندر نفسیاتی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کے اسباب و ذرائع عام اندازے سے کہیں بڑھ کر نتائج پیدا کرتے ہیں۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کبھی نشانہ ٹھکانے پر نہیں بیٹھتا۔ توکل انسان کے ہاتھوں کو کانپنے نہیں دیتا۔

——— (۰) ———

توکل کی تاکید

(۱) ہر بات خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے قوانین کی اطاعت کرو۔ اور ان پر پورا پورا بھروسہ رکھو ——(۱۲۳ : ۱۱)

(۲) اس خدا پر توکل کرو جو کبھی مرتا نہیں۔ ہمیشہ زندہ ہے۔ اس لئے اس کے قوانین بھی پایندہ ہیں۔(۵۸ : ۲۵)

(۳) قوانینِ خداوندی کے خلاف کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے اس پر بھروسہ رکھو ——

(۵۸ : ۱۰) —— (۳۹ : ۳۶ - ۳۷)

(۴) خدا کے سوائے کوئی اس قابل نہیں کہ اسے الٰہ تصور کیا جائے۔ اس لئے توکل بھی اسی پر کرنا چاہیئے ——

(۷۳ : ۹) —— (۶۴ : ۱۳)

(۵) استقامت کے ساتھ حوادث کا مقابلہ اور توکل —— (۴۲ : ۱۶) —— (۵۹ : ۲۹)

(۶) عزم (پختہ ارادہ) کے ساتھ توکل —— (۱۵۹ : ۳)

انبیاء کی توکل کی تعلیم

(۱) حضرت شعیبؑ —— (۸۹ : ۷) —— (۸۸ : ۱۱)

(۲) حضرت نوحؑ —— (۷۱ : ۱۰)

(۳) حضرت موسٰےؑ — (۲۳ : ۵) — (۸۴ : ۱۰)

(۴) حضرت ھُودؑ — (۵۶ : ۱۱)

(۵) حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو تدبیر بتا کر کہا کہ میرا بھروسہ خدا کے قوانین پر ہے — (۶۷ : ۱۲)

(۶) رسول اللہ — (۶۱ : ۸) — (۱۲۹ : ۹) — (۳۰ : ۱۳) — (۲۱۷ : ۲۶) — (۷۹ : ۲۷) — (۳ : ۳۳) —

(۴۸ : ۳۳) — (۳۶-۳۹ : ۳۹) — (۱۰ : ۴۲) — (۲۹ : ۶۷)

معاملات میں رفقاء سے مشورہ کرو۔ اور جب عزم کرلو تو توکل سے کام لو — (۱۵۹ : ۳)

تو حقِ مبین پر ہے اس لئے توکل سے کام لے۔ یہاں سے توکل کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے — (۷۹ : ۲۷)

(۷) تمام انبیاء — (۱۲-۱۱ : ۱۴)

(۸) حضرت ابراہیمؑ کا کھلا ہوا چیلنج اور توکل کا اعلان اور دعا — (۴ : ۶۰)

مومن قوانینِ خداوندی پر توکل رکھتے ہیں

(۱) مومن، سخت حوصلہ شکن حالات میں بھی خدا پر توکل رکھتے ہیں — (۱۷۳ : ۳) — (۱۱ : ۵)

(۲) جب مومنین کے سامنے قوانینِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب کے قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں — (۲ : ۸)

(۳) رسول اللہ سے کہا گیا کہ اگر لوگ (اس قدر حقائق بیان کرنے کے بعد بھی) تم سے اعراض برتیں، تو تم ان سے کہدو کہ میرے لئے خدا کافی ہے۔ میں اس پر پورا پورا بھروسہ رکھتا ہوں۔ اس لئے تمہارے ساتھ مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا — (۱۲۹ : ۹) — (۳۰ : ۱۳) — (۲۱۷ : ۲۶)

(۴) مومنینِ حضرت موسٰےؑ نے کہا کہ ہم خدا پر توکل رکھتے ہیں — (۸۵ : ۱۰)

(۵) توکل کرنے والے خدا پر توکل کرتے ہیں — (۶۷ : ۱۲) — (۱۲-۱۱ : ۱۴) — (۳۸ : ۳۹)

(۶) مومنین کی صفت توکل علی اللہ ہے — (۱۵۹ : ۳) — (۵۱ : ۹) — (۳۶ : ۴۲) — (۱۰ : ۵۸)

(۱۳ : ۶۴) — (۲۹ : ۶۷)

(۷) استقامت و ثبات کے ساتھ توکل — (۴۲ : ۱۶) — (۵۹ : ۲۹)

توکّل کے مقامات

(۱) جب میدانِ جنگ میں حالات بڑے حوصلہ شکن تھے تو مومن اس وقت بھی خدا پر توکّل رکھتے تھے —

(۳ : ۱۲۲) — (۳ : ۱۷۳) — (۸ : ۴۹) — (۹ : ۵۱)

(۲) حضورؐ سے کہا گیا کہ معاملات میں اپنے رفقاء سے مشورہ کرو۔ اور جب فیصلہ کر لو تو پھر خدا پر پورا پورا توکّل رکھو — (۳ : ۱۵۸)

(۳) منافقین کی سازشوں سے گھبراؤ نہیں۔ خدا پر توکّل رکھو — (۴ : ۸۱)

(۴) دشمن سے ڈرو نہیں۔ ہمت کر کے آگے بڑھ جاؤ۔ کامیابی تمہاری ہو گی — یہ تاکید حضرت موسےٰؑ نے بنی اسرائیل کو کی تھی جب وہ دشمن سے ڈر کر، ارضِ فلسطین پر قبضہ کرنے سے جھجکتے تھے — (۵ : ۲۳)۔ انہوں نے ہمت نہ کی تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام قرار دیدی گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ توکّل، انسان کے اندر عزم پیدا کرتا ہے۔ اگر انسان خود کچھ نہ کرے اور سمجھے کہ خدا ہی سب کچھ کر دیگا تو یہ توکّل نہیں۔ بے عمل رہنے کے لئے فریبِ نفس ہے اور اس کا نتیجہ تباہی۔

(۵) جب حضرت شعیبؑ کو قوم نے دھمکی دی کہ ہمارا مذہب اختیار کر لو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی، تو انہوں نے کہا کہ ہم باطل پرست نہیں بن سکتے۔ جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو کر لو۔ ہم خدا پر توکّل رکھتے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ ہم حق پر ہیں، ہم اپنی پوری پوری قوت کے ساتھ تمہارا مقابلہ کرینگے — (۷ : ۸۹)

(۶) اگر لوگ حق سننے کے بعد بھی اعراض برتیں، تو ان سے کہہ دو کہ میں تم سے مفاہمت نہیں کرونگا۔ میرے لئے خدا کافی ہے۔ اس کے قوانین کے علاوہ، کسی میں قوت و اقتدار نہیں۔ میرا بھروسہ اسی پر ہے —

(۹ : ۱۲۹)

(۷) حضرت نوحؑ نے بھرپور مخالفت کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں — (۱۰ : ۷۱)

(۸) حضرت ھودؑ نے بھی ایسا ہی کہا — (۱۱ : ۵۶)

(۹) اپنی دانست کے مطابق حفاظتی تدبیر کرنے کے بعد خدا پر توکّل — (۱۲ : ۶۷)

(۱۰) جب خدا نے سیدھا راستہ دکھا دیا تو پھر اس پر توکّل کیوں نہ کیا جائے — (۱۴ : ۱۱-۱۲)

(۱۱) ہجرت کے ساتھ توکّل اور استقامت — (۱۶ : ۴۱-۴۲) — (۲۹ : ۵۹)

(۱۲) جسے یقین ہو کہ وہ واضح حق پر ہے، اسے مخالفت کی پرواہ کئے بغیر توکل کرنا چاہیئے ۔۔۔ (۷۹ : ۲۷)
(۱۳) مخالفت کی اذیت رسانیوں سے خائف ہو کر ان کی اطاعت مت اختیار کرو۔ خدا پر توکّل رکھو ۔۔۔
(۴۸ : ۳۳) ۔۔۔ (۳۸-۳۶ : ۳۹)
(۱۴) اگر دشمن صلح کے لئے آمادہ ہو تو اس سے صلح کر لو۔ اس سے نہ ڈرو کہ وہ دھوکا دے جائیگا۔ اس کی تدبیر کر لو اور خدا پر توکّل رکھو ۔۔۔ (۶۱ : ۸)

توکّل کے نتائج

(۱) خدا کے قوانین غلبہ اور حکمت کے مالک ہیں۔ اس لئے ان پر توکّل رکھنے والے ناکام نہیں ہو سکتے ۔۔۔
(۴۹ : ۸)
(۲) خدا متوکلین کو پسند کرتا ہے ۔۔۔ (۱۵۸ : ۳)
(۳) خدا پر توکل، منافقین کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے کفایت کرتا ہے ۔۔۔ (۸۱ : ۴)
(۴) دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت کو روک دیتا ہے ۔۔۔ (۱۱ : ۵)
(۵) توکّل کرنیوالوں پر شیطان غالب نہیں آسکتا۔ ان کے مفاد پرستانہ جذبات ان کے دل میں تذبذب پیدا نہیں کر سکتے۔ مفادِ عاجلہ انہیں مستقل اقدار سے ہٹا نہیں سکتے ۔۔۔ (۹۹ : ۱۶) ۔۔۔ (۶۵ : ۱۷)
(۶) جو خدا پر توکّل کرے تو خدا اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے ۔۔۔ (۳ : ۶۵)

الوکیل ۔ خدا کی صفت

(۱) خدا وکیل ہونے کی حیثیت سے کافی ہے ۔۔۔ (۸۱ : ۴) ۔۔۔ (۳ : ۳۳) ۔۔۔ (۴۸ : ۳۳)
(۲) اس خدا پر توکّل کرو جو ہمیشہ زندہ ہے، کبھی مرنیوالا نہیں ۔۔۔ (۵۸ : ۲۵)
(۳) اللہ اپنے بندے کے لئے کافی ہے ۔۔۔ (۶۵ : ۱۷) ۔۔۔ (۳۶ : ۳۹) ۔۔۔ (۳ : ۶۵)
(۴) اگر خدا مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ چھوڑ دے تو کوئی مدد نہیں دے سکتا۔ (یعنی کامیابی اس کے قوانین کے ساتھ متمسک رہنے سے ہوتی ہے۔ انہیں چھوڑ دیا جائے تو ناکامی ہوتی ہے) اس لئے مومن، خدا پر توکل کرتے ہیں ۔۔۔ (۱۵۹ : ۳) ۔۔۔ (۵۱ : ۹)

(۵) خدا ہر شے پر وکیل ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں وہ جس کی سپردگی میں کوئی اپنے آپ کو دیکر کامل اطمینان سے بیٹھ جائے — (۱۲ : ۱۱) — (۶۲ : ۳۹) ۔ نعم الوکیل — (۱۷۳ : ۳)

(۶) حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے جب بنیامین کی حفاظت کا عہد لیا تو کہا۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے، اس پر خدا وکیل ہے — (۶۶ : ۱۲) ۔ یہی بات مردِ پیر نے حضرت موسےٰؑ سے کہی — (۲۸ : ۲۸)

(۷) خدا کے سوا کسی کو وکیل مت بناؤ — (۲ : ۱۷) — (۶۸ : ۱۷)

(۸) اگر ہم وحی کو لے جائیں تو (اے رسولؐ!) ہمارے خلاف تجھے کوئی وکیل نہ ملے — (۸۶ : ۱۷)

متفرق

(۱) وکیل بمعنی نگران، داروغہ، رسولؐ اللہ لوگوں پر وکیل نہیں تھے — (۶۶ : ۶) — (۱۰۸ : ۶) — (۵۴ : ۱۷) — (۴۳ : ۲۵) — (۴۱ : ۳۹) — (۶ : ۴۲)

(۲) قیامت میں کوئی کسی کا وکیل نہیں ہوگا — (۱۰۹ : ۴)

(۰)

۲۸۔ تہذیب و تمدّن

(نیز دیکھئے۔ اقوامِ سابقہ)

تہذیب کسے کہتے ہیں، اس کے متعلق آج تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوسکا۔ اس کے متعلق ایک جامع تصوّر یہ ہے کہ ایک چیز ہوتی ہے کسی قوم کے نظریاتِ زندگی اور تصوراتِ حیات یعنی اس کی آئیڈیالوجی۔ اسے اس قوم کا کلچر کہا جاتا ہے۔ اور جن محسوس شکلوں میں اس کلچر کی نمود ہوتی ہے۔ اسے اس قوم کی تہذیب (CIVILI-SATION) کہا جاتا ہے۔

اس تصوّر کے مطابق دیکھئے تو اسلام کا کلچر وہ مستقل اقدار ہوں گی جو وحی کی رو سے ملی ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ یہ اقدار مستقل اور غیر متبدل ہیں لیکن ان کے مظاہر مختلف ملکوں، مختلف زمانوں، اور مختلف ماحول میں مختلف ہوں گے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو کسی خاص تہذیب کو "اسلامی تہذیب" نہیں قرار دیا جاسکے گا۔ تراش خراش، وضع قطع، رہنے سہنے کے طریق، بود و ماند کے انداز، بشرطیکہ ان

میں سے کوئی بات کسی مستقل قدر کے خلاف نہ جائے، اسلامی تہذیب کہلا سکیں گے۔ یا یوں کہئیے کہ کلچر کو تو اسلامی کہا جاسکے گا، لیکن تہذیب اسلامی نہیں بلکہ مسلمانوں کی کہلائے گی ـــ مثلاً مصری مسلمانوں کی تہذیب، پاکستانی مسلمانوں کی تہذیب یا عباسی دور کی تہذیب، اندلسی مسلمانوں کی تہذیب وغیرہ وغیرہ۔

البتہ، قرآن کریم نے مستقل اقدار کے علاوہ، کچھ آدابِ معاشرت بھی بتائے ہیں مثلاً چیخ کر نہ بولو، اکڑ کر نہ چلو۔ ان کا اطلاق بھی ہر زمانے اور ہر ملک میں یکساں ہوگا۔

قرآنِ کریم، اقوامِ سابقہ کی تہذیبوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو تہذیبیں غلط نظریاتِ زندگی (کلچر) پر مبنی تھیں وہ تباہ ہوگئیں۔ بقاء اور استحکام اس تہذیب کے لئے ہے جو صحیح نظریات کی مظہر ہو۔ یعنی جب تک کوئی قوم صحیح نظریاتِ زندگی کی حامل ہوگی، اس کی تہذیب درخشندہ رہے گی۔ جب وہ ان نظریات کو چھوڑ دے گی تو ان کی تہذیب رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی۔ مثلاً :-

(۱) جو قوم محض مادی نظریۂ حیات کی قائل ہو، یعنی اس کا عقیدہ یہ ہو کہ زندگی محض اسی دنیا کی زندگی ہے۔ جسم کے فنا ہو جانے سے انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک، زندگی کا مقصد طبیعی زندگی کے لذائذ و حظائظ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی تہذیب کی مثال اس لہلہاتی کھیتی کی سی ہے جسے ایک طبیعی حادثہ خس و خاشاک کا ڈھیر بنا کر رکھ دے۔ یعنی اس میں وقتی اور ہنگامی خوشنمائی اور رعنائی تو ہوتی ہے لیکن ثبات و دوام اس کے حصے میں نہیں ہوتا ــــ (۱۰ : ۲۴)

(۲) جس قوم کا مسلکِ حیات، خانقاہیت (تصوف)، ہو۔ یعنی وہ مادی جاذبیتوں کو قابلِ نفرت سمجھے، اور ان سے دور بھاگے، اس کی تہذیب کا مآل بھی بے برگ و گیاہ بنجر زمین کا سا ہوتا ہے ــــ (۱۸ : ۷-۸)

(۳) جو قوم اپنی قوت کو، کمزوروں کے کچلنے کے لئے استعمال کرتی ہے، اس کی شان و شوکت کتنی ہی چکاچوند پیدا کر دینے والی کیوں نہ ہو، وہ تباہ ہو کر رہتی ہے ــــ (۲۶ : ۱۲۸-۱۳۵)۔ (۲۶ : ۱۴۹-۱۵۲)
خواہ وہ کتنی ہی صاحبِ عقل و بصیرت کیوں نہ ہو ــــ (۲۹ : ۳۸)

(۴) ظلم و استبداد کرنے والی قوموں کی تہذیب فنا آمادہ ہوتی ہے خواہ معاشی اعتبار سے وہ کتنی ہی خوشحال کیوں نہ ہوں ــــ (۲۸ : ۵۸-۵۹)

(۵) سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی تہذیب کا بھی یہی حشر ہوتا ہے ــــ (۷ : ۴۸) ــــ (۲۸ : ۷۷-۷۸)

(۶) صحیح نظریۂ زندگی پر مبنی تہذیب کی مثال ایسے خوشگوار درخت کی سی ہے جس کی جڑیں پاتال میں ہوں

اور شاخیں آسمان کی پہنائیوں میں جھولا جھول رہی ہوں۔ وہ ہر زمانے میں ثمر بار رہتا ہے۔ اسکی شادابیوں میں کبھی فرق نہیں آتا ـــ (۱۴ : ۲۵) ـــ (۱۳ : ۳۵)

اس کے برعکس، غلط نظریۂ حیات پر استوار تہذیب اس درخت کی سی ہے جس کی جڑیں اوپر ہی اوپر ہوں اور اسے قطعاً ثبات و قرار نہ ہو ـــ (۱۴ : ۲۶)

صحیح نظریۂ حیات (مستقل اقدار) پر یقین رکھنے والی قوم کی تہذیب کو ثبات و قرار ہوتا ہے۔ ان کا حال بھی درخشندہ ہوتا ہے اور مستقبل بھی تابندہ ـــ (۱۴ : ۲۷)

(۷) غلط بنیادوں پر اٹھی ہوئی تہذیب، زمانے کے تھپیڑوں سے خس و خاشاک کی طرح بہ جاتی ہے۔ یا اُس کھوٹ کی طرح ضائع ہو جاتی ہے جو دھات کے تپانے سے جھاگ کی طرح اوپر آجاتا ہے۔
بقاء اور دوام صرف اس تہذیب کے لئے ہے جس کی بنیاد عالمگیر انسانیت کی نفع بخشی کے تصور پر ہو۔

(۱۳ : ۱۷)

(۸) غلط نظریات کی حامل اقوام کی عقل و بصیرت، علم و فن، تدبر و تفکر، مال و دولت، قوت و حشمت، انہیں تباہی سے نہیں بچا سکتے ـــ (۱۵ : ۸۴) ـــ (۲۶ : ۲۰۷) ـــ (۳۹ : ۵۰) ـــ (۴۰ : ۸۲) ـــ

(۴۶ : ۲۶)

تمدّن کا لفظ بھی قرآن مجید میں نہیں آیا۔ لیکن اس کا تعلق مدینۃ (شہر) سے ہے، اور مدینۃ کا لفظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً (۷ : ۱۲۳)؛ (۹ : ۱۰۱، ۱۲۰)؛ (۱۵ : ۶۷)؛ (۲۷ : ۴۸)؛ اس کی جمع مدائن ہے (۷ : ۱۱۱)؛ (۲۶ : ۳۶)۔ مدین اس بستی یا علاقہ کا نام تھا جس کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔ (۷ : ۸۵)۔ ہمارے ہاں جو فرق "شہری اور دیہاتی زندگی" میں ہے عربوں کے ہاں اسے حضریت اور بدویت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں اب اس سے مدنیت کی اصطلاح رائج ہے۔ لفظ مدینۃ کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ دینٌ کے اس مفہوم سے بنایا گیا ہے جس کا تعلق نظم و نسق سے ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اطاعت کے مفہوم کے اعتبار سے وضع ہوا ہے۔ کیونکہ مدینۃ (شہر) میں نظم و نسق اور قوانین و ضوابط کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ ان مفاہیم کی جہت سے اسلامی تمدن یا مدنیتِ اسلام سے مراد اسلامی (قرآنی) ضوابط کے مطابق زندگی بسر کرنا ہوگا۔ اس میں کسی خاص وضع قطع، تراش خراش یا رہن سہن کی تخصیص نہیں ہوگی۔ سعدی کے الفاظ میں ـــــ

درویش صفت باش وکلاہِ تتری پوش ۔ "مذنیت اسلام" کے عنوان سے (ضربِ کلیم میں) علامہ اقبالؒ کی ایک نظم ہے جو اسلامی تہذیب وتمدن کی خصوصیات کی بڑی عمدگی سے وضاحت کرتی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے ۔ یہ ہے نہایتِ اندیشہ وکمالِ جنوں
طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب ۔ یگانہ اور مثالِ زمانہ گوناگوں
نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری ۔ نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ وافسوں
حقائقِ ابدی پر مدار ہے اس کا ۔ یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطوں
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت ، عرب کا سوزِ دروں

ہمارے ہاں آج کل، تہذیب وتمدن کے علاوہ ایک اصطلاح "ثقافت" کے نام سے بھی رائج ہے ۔ عربوں کے ہاں الثقافت کا لفظ شمشیر زنی ، یا نیزوں کے خم کو سیدھا کرنے کے لئے آتا تھا ۔ یہ ان کی ثقافت تھی ۔ اور اب ثقافت سے مراد ہے رقص وسرود ۔ سچ کہا تھا اقبالؒ نے کہ :۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر وسناں اوّل ، طاؤس ورباب آخر